تاریخِ احمدیت

جلد پانزدہم

۱۹۵۱ء کے سالانہ جلسۂ قادیان سے لے کر
حضرت سیدنا مصلح موعودؓ کے ایمان افروز
اور پُرشوکت پیغام (مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۳ء) تک

مؤلفہ
دوست محمّد شاہد

الناشر
ادارۃ المصنّفین ۔ ربوہ

طبعِ اوّل ماہ فتح ۱۳۵۴ہش / دسمبر ۱۹۷۵ء

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد چہاردہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-121-6

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-14 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-121-6

سیدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۲ء کو خطاب فرما رہے ہیں

حضور کے دائیں جانب: میاں غلام محمد صاحب اختر اور پیچھے بالترتیب محمد عبداللہ خان صاحب، رحمت اللہ صاحب باجوہ، میجر عزیز احمد صاحب اور بابو شمس الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ پشاور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یادرکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یادرکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۵ کو جلد نمبر ۱۴ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد چہاردہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﷽ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

تاریخِ احمدیّت کی پندرھویں ۱۵ جلد

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے تاریخِ احمدیت کی پندرھویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ نئی جلد کو پیش کرتے ہوئے دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہے کہ تاریخ احمدیت کی تدوین و اشاعت کے بارے میں جو ذمہ داری سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ادارۃ المصنّفین پر ڈالی تھی اس کو ادا کرتے ہوئے ہم ایک قدم اور آگے بڑھ رہے ہیں۔

تاریخِ احمدیّت کی پہلی جلد دسمبر ۱۹۵۷ء میں، دوسری جلد دسمبر ۱۹۵۸ء میں اور تیسری جلد دسمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ اس وقت خیال یہ تھا کہ خلافتِ اولیٰ کے دور کی تاریخ ایک جلد میں اور خلافتِ ثانیہ کے دَور کی تاریخ دو جلدوں میں مکمّل ہو جائے گی اور تاریخ کی تدوین کا کام ختم ہو جائے گا اور ہم اس بارِ گراں سے سبکدوش ہو جائیں گے جو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ہمارے کمزور کندھوں پر ڈالا تھا لیکن معرضِ وجود میں وہی آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا منشاء ہوتا ہے انسان کے اندازے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں خلافتِ ثانیہ کے واقعات پر مشتمل جب دو جلدیں طبع ہوئیں تو اُن میں صرف ۱۹۳۱ء تک کے واقعات ہی ختم ہو سکے اور ہمارے اندازے درست ثابت نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تدوینِ تاریخ کا کام ہوتا رہا اور مزید جلدیں شائع ہوتی چلی گئیں۔ اب پندرھویں جلد شائع ہو رہی ہے۔ اِس میں جلسہ سالانہ ۱۹۵۱ء سے لیکر مارچ ۱۹۵۳ء تک کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو صحیح علم ہے کہ خلافتِ ثانیہ کے دَور کی تاریخ کو مکمّل کرنے میں مزید کتنی جلدیں درکار ہوں گی کیونکہ واقعاتی تذکرہ کے بعد سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی سیرت پر کچھ لکھنا بھی ضروری ہوگا اور اس کے بعد پھر خلافتِ ثالثہ کے دَور کے واقعات شروع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دُعا ہے کہ جب اُس نے محض اپنے فضل سے پندرہ

جلدیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو بقیہ کام کو مکمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے اور تکمیل کی خوشی سے بہرہ ور کرے (آمین) وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ بِالْاِجَابَۃِ جَدِیْرٌ۔

نئی جلد تقریباً چھ صد صفحات پر مشتمل ہے اور گیارہ نایاب تصاویر سے اسے مزین کیا گیا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ کاغذ جو بازار میں دستیاب ہو سکتا تھا اسے حاصل کیا گیا اور کتابت و طباعت کو معیاری بنانے کی پوری کوشش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ ہماری اِن حقیر مساعی کو قبول فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے (آمین)

ادارۃ المصنفین کا ابتداء سے یہ اُصول رہا ہے کہ وہ اپنی شائع کردہ کتابوں کو تقریباً لاگت پر احباب کو پیش کرتا ہے نفع حاصل کرنا اس کے مدِ نظر نہیں ہوتا۔ اِس جلد کی قیمت مقرر کرنے میں اِسی اُصول کو مدِ نظر رکھا گیا ہے لیکن پہلے کی نسبت کتابوں کی قیمت کا بڑھ جانا ایک ناگزیر امر ہے کیونکہ مہنگائی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ کاغذ کی قیمت، کتابت، طباعت اور جلد بندی کی اُجرتیں کئی گُنا بڑھ گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کتاب کا شائع کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ چونکہ سلسلہ کی تاریخ کو محفوظ کرنا نہایت ہی ضروری ہے اِس لئے ادارہ پُوری کوشش کرتا چلا آیا ہے کہ بہر حال ہر سال تاریخ احمدیت کی ایک جلد پیش کرتا چلا جائے۔ یہ کام اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب احباب پُورا تعاون فرمائیں اور کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خریدیں تا خرچ کردہ رقم واپس آجائے اور اگلی جلد کی تیاری میں استعمال ہو سکے۔

ادارہ مؤلفِ کتاب ہٰذا مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا شکر گزار ہے کہ اُنہوں نے رات دن ایک کرکے مواد جمع کیا اور اسے نہایت احسن طریق سے ترتیب دی اور ہر لحاظ سے اسے معیاری بنانے کی کوشش کی فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اِسی طرح مکرم حمید الدین صاحب کاتب اور دیگر کارکن جنہوں نے کاپی اور پروف ریڈنگ کا کام کیا وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے فضلوں سے نوازے۔ (آمین)

خاکسار

ابوالمنیر نورالحق

مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔ ربوہ

دسمبر ۱۹۷۵ء

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد پانزدہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۱ء سے لیکر حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کی وفات تک۔	
(از ماہِ دسمبر ۱۹۵۱ء تا ماہِ اپریل ۱۹۵۲ء)	
مذہبی تاریخ کا اہم واقعہ	۱
سلسلہ احمدیہ کا مقصد اور ترقی	۱
سالانہ جلسہ کی اہمیت	۲
فصلِ اوّل	
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۱ء	۳
فصلِ دوم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۷
فصلِ سوم	
۱۹۵۱ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۳۲
خاندانِ مسیح موعودؑ میں تقریبِ مسرت	″
مجاہدینِ احمدیت کا تبلیغی دورہ	″
ربوہ میں ٹیلیفون کا اجراء	۳۳
دفاعِ وطن کا عہد	۳۴
رسالہ "الفرقان" کا اجراء	۳۴
دفتر حفاظتِ مرکز ربوہ میں	۳۵
وزیرِ اعظم پاکستان کے نام مبارکباد کا پیغام	″
درویشانِ قادیان کے اہل وعیال کی واپسی	۳۶
جماعتِ احمدیہ پشاور کی نئی جامع مسجد	۳۷
قادیان سے رسالہ "درویش" کا اجراء	۳۸
پیغام امامِ جماعتِ احمدیہ سیرالیون کے نام	۴۰
دعاؤں کی خاص تحریک	۴۱
جلسہ سیرۃ النبیؐ میں حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریر	″
مبلغینِ احمدیت کی روانگی اور آمد	۴۲
بیرونی ممالک میں احمدی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	″
نئی مطبوعات (۱۹۵۱ء)	۴۸
فصلِ چہارم	
(خلافتِ ثانیہ کا انتالیسواں سال)	
—— ۱۹۵۲ء ——	
افتاء کمیٹی کا احیاء	۴۹
سالانہ پروگرام تجویز کرنے کی ہدایت	۵۱

عنوان	صفحہ
صوبجاتی نظام کو مستحکم کرنے کا فرمان	۵۳
محاسبۂ نفس کی دعوت	۵۴
تبلیغ اسلام کی موثر تحریک	۵۶
اخلاقِ فاضلہ کے قیام کی جدوجہد	۵۷
قوم کی بے لوث خدمات بجا لانے کی تلقین	۵۸
چوہدری محمد حسین صاحبؓ کی ریاست خیرپور میں المناک شہادت۔	۵۹
جلسۂ سیالکوٹ پر رپورٹ	۶۰
فصلِ پنجم	
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفر بشیر آباد۔ بصیرت افروز خطبات۔ حیدرآباد میں پریس کانفرنس۔ اتحاد المسلمین پر شاندار لیکچر۔	۶۱
فصلِ ششم	
حکّام کو حالات سے باخبر رکھنے کی واضح ہدایت	۷۵
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا پارلیمنٹ میں اعلانِ حق۔	۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کی وضاحت خلافتِ احمدیہ سے متعلق۔	۸۱
دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا افتتاح	۸۳
فصلِ ہفتم	
مجلسِ مشاورت ۱۹۵۲ء کا انعقاد۔ چندہ تعمیر مساجد کا مستقل نظام۔ اشاعتِ لٹریچر کے لئے دو کمپنیوں کے قیام کا اعلان۔ مکمل مرکزی لائبریری کا منصوبہ	۸۴
فصلِ ہشتم	
حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ کا انتقال (مع سیرت و شمائل)	۹۳
دوسرا باب	
جماعتِ احمدیہ کے جلسہ کراچی سے لیکر مسئلۂ اقلیت سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کے وضاحتی اعلان تک۔	
فصلِ اوّل	
مرکزی تعلیمی اداروں کو ایک ضروری ہدایت	۱۱۷
الجزائری نمائندہ "احتفال العلماء" کی ربوہ میں آمد	۱۱۹
جماعتِ احمدیہ کراچی کا جلسہ سالانہ	۱۲۰
جماعتِ احمدیہ کے خلاف مطالبات کا پس منظر	۱۲۷
چیف کمشنر کراچی کی پریس کانفرنس	۱۲۹
کراچی بار ایسوسی ایشن کا متفقہ بیان	۱۳۱
حادثۂ کراچی اور پاکستان کا محبِ وطن پریس	۱۳۳
بھارت کا مسلم پریس	۱۴۰
مصری لیڈر السید مصطفےٰ مومن کا بیان	۱۷۵
فصلِ دوم	
خدا سے زندہ تعلق کے لئے دعاؤں کی خاص تحریک	۱۷۷
"پاکستان میں قانون کا مستقبل"	۱۷۹

عنوان	صفحہ
احترامِ مساجد سے متعلق ایک فقہی مسئلہ اور حضرت مصلح موعودؓ کا موقف۔	۱۸۲
عروجِ احمدیت کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی	۱۸۹
صبر و صلوٰۃ کی پُرزور تحریک	۱۹۲
فصلِ سوم	
"مسلمان فرقہ احمدیہ" کی تکفیر کا نیا دور۔ مطالبہ غیر مسلم اقلیت پر مختلف مسلمان فرقوں کی طرف سے تشویش و اضطراب۔ احمدی علمِ کلام کی برتری کا اعتراف اور ایک دلچسپ تجویز۔	۱۹۸
فصلِ چہارم	
حضرت مصلح موعودؓ کا نمائندہ "ڈیلی میل" کو ایک اہم انٹرویو۔	۲۵۸
پنجاب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس لاہور اور اراکینِ پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات۔	۲۶۲
وزیرِ اعلیٰ پنجاب کا احمدیوں سے متعلق موقف	۲۶۸
قائدِ اعظم کا مسلک	۲۷۳
حضرت مصلح موعودؓ کا بیان	״
فصلِ پنجم	
جماعتِ احمدیہ کے مرکزی وفد کی جناب وزیرِ اعظم پاکستان سے ملاقات۔	۲۷۴
سردار عبدالرب صاحب نشتر سے انفرادی ملاقات	۲۸۲
ابتلاؤں میں لقاءِ الٰہی کی بشارت	۲۸۵
شانِ انفرادیت کا نمونہ دکھانے کی تلقین	۲۸۷
مسئلہ اقلیت سے متعلق اہم خطبہ	۲۹۲
تیسرا باب	
مفتیٔ مصر کے فتویٰ تکفیر سے لیکر حضرت مصلح موعودؓ کے ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کے پُرشوکت پیغام تک (از جون ۱۹۵۲ء تا ۳ مارچ ۱۹۵۳ء)	
فصلِ اوّل	
نہر سویز کا قضیہ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب	۳۰۱
شاہِ مصر کی سازش سے مفتیٔ مصر کا فتویٰ	۳۰۳
مصری زعماء اور صحافیوں کا زبردست احتجاج	۳۰۷
مفتیٔ مصر کے لقب کی منسوخی کا مطالبہ	۳۲۲
مفتیٔ مصر کا بیان	۳۲۳
مفتیٔ مصر کو پنشن دے دی گئی	״
شاہِ فاروق مصر کا عبرتناک انجام	۳۲۴
جلاوطنی کا دردناک منظر	۳۲۷
مصریوں کا ردِّ عمل اور تاثرات	۳۲۸
حضرت مہدیٔ موعودؑ کی پیشگوئی	۳۲۹
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب اخبار "الیوم" کے نام۔	״
مسئلہ ختمِ نبوت سے متعلق ایک وضاحتی بیان۔	۳۳۶

عنوان	صفحہ
فصلِ دوم	
عالمی یومِ امن کے لئے دُعا	۳۴۱
حکومتِ پاکستان کے اعلان کا خیر مقدم	۳۴۲
مساجد کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنے کی تحریک	۳۴۵
تحریکِ حج	۳۴۸
آل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاسِ ڈھاکہ	۳۵۰
تبلیغِ اسلام کا عالمی ادارہ (تحریکِ جدید)	۳۵۱
گوجرانوالہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور "الاعتصام"	۳۵۴
حکّامِ گوجرانوالہ سے احمدی وفد کی ملاقات	۳۵۷
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام۔	〃
فصلِ سوم	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۲ء اور حضرت مصلح موعودؓ کا رُوح پرور پیغام۔	۳۶۰
فصلِ چہارم	
جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۲ء، حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقاریر اور پاکستانی پریس۔	۳۶۸
فصلِ پنجم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال (۱۹۵۲ء)	۳۸۷
فصلِ ششم	
۱۹۵۲ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۴۰۹
خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت	〃
مسجد مبارک ربوہ میں درس	۴۱۰
قصرِ خلافت کی مُستقل عمارت	〃
خلافت لائبریری کا قیام	۴۱۱
الفضل میں شذرات کا دلچسپ سلسلہ	۴۱۲
سالار مسلم لیگ ربوہ کو انعامی کپ	〃
رسالہ خالد کا اجراء اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خصوصی پیغام۔	۴۱۳
خدمتِ پاکستان کی خصوصی تحریک	۴۱۵
ٹیونس اور مراکش کی تحریکِ آزادی کی حمایت اور دُعا۔	۴۱۶
چودہ۱۴ درویش خاندانوں کی واپسی	۴۱۷
مبلغینِ اسلام کی آمد اور روانگی	〃
بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں	۴۱۸
فصلِ ہفتم	
خلافتِ ثانیہ کا چالیسواں سال (۱۹۵۳ء)	
سات روزے رکھنے کی تحریک	۴۲۱
اشاعتِ دین کی تحریک	۴۲۲
دُعاؤں کی تحریک	۴۲۴
سچائی اختیار کرنے کی تحریک	۴۲۶
کراچی کنونشن اور ڈائریکٹ الیکشن کا فیصلہ	〃
جماعتِ اسلامی کے رُخِ کردار پر ایک نظر	۴۳۵

عنوان	صفحہ
ایک رُوسی مورّخ کا نظریہ	۴۴۷
اربابِ حلّ وعقد سے براہِ راست رابطہ اور ملاقاتیں۔	"
پنجاب مُسلم لیگ وزارت کی سیاسی پالیسی	۴۴۹
خالص سیاسی تحریک	۴۵۲
گٹھ جوڑ کے مقاصد	۴۵۳
حیرت انگیز انکشاف	۴۵۴
پنجاب سِول سیکرٹریٹ کا خط مرکزی وزارت کے نام۔	"
انسپکٹر جنرل صاحب پولیس پنجاب کا مراسلہ بنام چیف سیکرٹری پنجاب۔	۴۵۸
پاکستان کی مرکزی کابینہ کی نظر میں مطالبات اور ڈائریکٹ ایکشن۔	۴۶۱
حکومتِ پاکستان کا اعلامیہ	۴۶۶
اعلامیہ کی ضرورت و اہمیّت بھارتی لیڈروں کے بیان کی روشنی میں۔	۴۶۷
بھارتی پریس اور ایجی ٹیشن	۴۶۹
بھارتی ایجنٹوں کی گرفتاری	"
ایک امریکی سکالر کی رائے	۴۷۰
مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے راست اقدام کی مذمّت اور پس منظر۔	۴۷۱
راست اقدام کی دھمکی اور بھارتی مسلمان	۴۷۷
نمائندہ "المصوّر" قاہرہ کے تاثرات	۴۸۲
قیامِ امن کے لئے حضرت مصلح موعودؓ کی پُرحکمت ہدایات۔	۴۸۴
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان	۴۸۷
الفضل کی جبری بندش	۴۸۹
صوبہ پنجاب فسادات کی لپیٹ میں	"
"ختمِ نبوّت" کے مقدّس نام پر مظاہرے	۴۹۰
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا پُرشوکت پیغام جماعتِ احمدیہ کے نام۔	۴۹۲
حکومتِ پنجاب کا نوٹس	۴۹۳
پیغام کے بعد	۴۹۴
خلاصہ	"

ضمیمہ (اُردو)

عنوان	صفحہ
فہرست اراکین مجلسِ افتاء	۱
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ حیدرآباد	۶
فہرست اہلِ قافلہ پاکستان برائے جلسہ قادیان ۱۹۵۲ء۔	۹
فہرست گروپ فوٹو قافلۂ پاکستان ۱۹۴۹ء	
" " " " " ۱۹۵۰ء	
" " " " " ۱۹۵۲ء	

عنوان	صفحہ
ضمیمہ (عربی)	
مصری اخبارات وزعماء کی آراء کا عربی متن	۱
ضمیمہ (انگریزی)	
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تحریر فرمودہ دعا برائے یو۔ این۔ او۔	۱
تقریر سیدنا المصلح الموعودؓ افریقہ کے شاندار مستقبل سے متعلق۔	۲
اخبار "سٹار" کراچی کا اداریہ	۴
حضرت مصلح موعودؓ کا انٹرویو نمائندہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کو۔ مع وضاحتی بیان کے (انگریزی متن)	۶

تصاویر

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب سالانہ جلسہ ۱۹۵۲ء پر۔	سرورق
قصرِ خلافت، مسجد مبارک اور خلافت لائبریری ربوہ کا منظر۔	۱۱/۱
قافلہ پاکستان برائے سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۴۹ء۔	۴
قافلہ پاکستان برائے سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۰ء۔	۴
قافلہ پاکستان برائے سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۲ء۔	۳۶۰
ہندوستانی احمدیوں کی طرف سے قافلۂ پاکستان کا انتظار۔	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۲ء کے متعدد مناظر۔	″
حضرت مصلح موعودؓ کی تقریر "اتحاد المسلمین" حیدرآباد سندھ۔	۶۳
علمائے سلسلہ احمدیہ کا مرکزی وفد کراچی میں (۱۹۵۲ء)	۲۸۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پہلا باب

جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء سے لیکر حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کی وفات تک

(از ماہ فتح ۱۳۳۰ہش تا ماہ شہادت ۱۳۳۱ہش / از ماہ دسمبر ۱۹۵۱ء تا ماہ اپریل ۱۹۵۲ء)

مذہبی تاریخ کا اہم واقعہ

اسلام میں مہدی موعود علیہ السلام کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ جیسی عالمگیر تبلیغی اور روحانی تحریک کا آغاز ہمارے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا زندہ نشان اور مذہبی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے۔

سلسلہ احمدیہ کا مقصد

قیامِ سلسلہ احمدیہ کا مقصد مہدی موعود علیہ السلام کے الفاظ میں

یہ ہے کہ :-

" یہ عاجز تو محض اِس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ دُنیا کے تمام مذاہبِ موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے اور دار النّجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔" [1]

مخالفت کے باوجود شاندار ترقی

اِس آسمانی سِلسلہ کی ابتداء اگرچہ سُنّتِ ربّانی کے مطابق پہلی خدائی جماعتوں کی طرح غُربت، بے کسی اور گمنامی کے ماحول میں ہوئی مگر اس کے اثرات ہر قسم کی مخالفت وعداوت کے مضبوط حلقوں کو توڑتے، اور منافرت کی ہولناک خندقوں کو پھاندتے ہوئے، وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ حتّٰی کہ ۱۹۴۷ء کے اُن خُونچکاں اور ہوش رُبا واقعات کے باوجود، جنہوں نے جماعتی نظم ونسق کی بنیاد تک ہلا ڈالی تھی، چند برسوں کے اندر اندر قادیان اور ربوہ سے اُٹھنے والی آوازیں دُنیا بھر میں گونجنے لگیں اور اسلامی انقلاب کا وہ نقشہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو ۱۸۹۱ء میں ایک نئے نظام، نئے آسمان اور نئی زمین کی صُورت میں بذریعہ خواب دکھایا گیا تھا[2] ایک حقیقت بن کر اُبھرنے لگا۔

حضرت اقدس علیہ السّلام فرماتے ہیں :-

" کیا یہ عظیم الشّان نشان نہیں کہ کوششیں تو اِس غرض سے کی گئیں کہ یہ تخم جو بویا گیا ہے اندر ہی اندر نابُود ہو جائے اور صفحۂ ہستی پر اس کا نام ونشان نہ رہے مگر وہ تخم بڑھا اور پھُولا اور ایک درخت بنا اور اس کی شاخیں دُور دُور چلی گئیں اور اب وہ درخت اِس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہزار ہا پرند اس پر آرام کر رہے ہیں۔" [3]

سَالانہ جلسہ کی اہمیّت

جماعتِ احمدیہ کی اِس حیرت انگیز ترقی میں اس کے سالانہ جلسہ کو ہمیشہ بھاری دخل رہا ہے جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السّلام نے ۷؍دسمبر ۱۸۹۲ء

---

[1] "حجۃ الاسلام" صٓ، صٓ۱۲، ۱۳ (اشاعت ۸؍مئی ۱۸۹۳ء) مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر۔ [2] "آئینہ کمالاتِ اسلام" صٓ۵۶۴ - ۵۶۶ طبع اوّل (اشاعت ۱۸۹۳ء) و "کتاب البریہ" صٓ۷۸، ۷۹ (اشاعت ۲۴؍جنوری ۱۸۹۸ء)
[3] "نزول المسیح" صٓ۶ (اشاعت اگست ۱۹۰۹ء)

کے اشتہار میں بطور پیشگوئی لکھا:۔

"اِس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلاءِ کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اِس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں طیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اُس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں۔" [1]

جلسۂ سالانہ کی اِس غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر "تاریخِ احمدیت" کی جلد ۱۴ کا اختتام جلسۂ سالانہ ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے کوائف پر کیا گیا تھا۔ اب موجودہ جلد کا آغاز اِسی سال کے جلسۂ قادیان کے واقعات سے کیا جاتا ہے۔

فصلِ اوّل

جلسہ سالانہ قادیان

کوائفِ جلسہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کا سالانہ جلسہ حسبِ دستور اپنی شاندار اور مخصوص روایات کے ساتھ شروع ہوا اور (۲۶ تا ۲۸ ماہِ فتح/دسمبر) تین روز تک جاری رہا۔ اِس مبارک اجتماع میں بھارت کے جن دُور دراز علاقوں سے شمعِ احمدیت کے پروانے جمع ہوئے اُن کے نام یہ ہیں:۔

حیدر آباد دکن، چنتہ کنٹہ، کرنول، یادگیر، بمبئی، سُورت، مدراس، مالابار، پٹنہ، مظفرپور، حسینا، پرکھوپٹی، مونگھیر، سہارنپور، بجوپورہ، امروہہ، بریلی، شاہجہانپور، راٹھ، علی پور کھیڑہ، ننگلہ گھنو، آگرہ، صالح نگر، سانڈھن، انبیٹہ، کرنل، کانپور، انبالہ اور کشمیر۔

علاوہ ازیں پاکستانی زائرین کا ایک قافلہ بھی شیخ بشیر احمد صاحب [2] ایڈووکیٹ لاہور کی امارت

---

[1] "تبلیغِ رسالت" (مجموعۂ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام) جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ مدیر "فاروق" قادیان؛ [2] ولادت ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء ـــ وفات یکم اپریل ۱۹۷۳ء؛

میں قادیان پہنچا اور مرکزِ احمدیت کی برکات و فیوض سے مستفیض ہُوا۔

مردانہ جلسہ گاہ کی حاضری سوا گیارہ سَو کے قریب تھی جس میں سے آدھے غیر مسلم تھے۔ جلسہ سے ہندوستان کے علاوہ انگلستان، ہالینڈ اور انڈونیشیا کے بعض احمدی مجاہدین نے بھی خطاب فرمایا جس سے غیر مسلم متأثر ہوئے اور انہوں نے اسلام کا پیغام سُننے میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ جلسہ میں پریس کا نمائندہ بھی موجود تھا۔

زنانہ جلسہ گاہ کے طور پر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب[1] قادیانیؓ کا مکان استعمال کیا گیا جہاں آلہ جہیر الصّوت کے ذریعہ سے مردانہ جلسہ کی پوری کارروائی سُنائی دیتی تھی۔ ۲۹۔ فتح/دسمبر کو مستورات کا علیحدہ اجلاس بھی منعقد ہوا۔ غیر مسلم خواتین کی تعداد تیس تھی۔

افسر جلسہ کے فرائض صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے انجام دئے اور مسیحِ پاک کی مقدس بستی کے ایثار پیشہ درویش انتظاماتِ جلسہ کے لئے وقف رہے اور مہمانوں کو ہر ممکن آرام پہنچانے کی خاطر ہر تکلیف بخوشی گوارا فرمائی۔

پاکستانی زائرین کی روانگی

پاکستان کے خوش نصیب زائرین جو ۲۴/۲۵ فتح/دسمبر کی درمیانی شب کو بوقت ۱۱½ بجے وارِدِ قادیان ہوئے تھے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور اس مبارک اجتماع میں شرکت کرنے اور شب و روز عبادتوں اور دعاؤں میں منہمک رہنے کے بعد ۳۱۔ فتح/دسمبر کی شام کو واپس ہوئے۔

روانگی سے قبل زائرین کا مسجد اقصیٰ میں فوٹو لیا گیا اور اجتماعی دُعا ہوئی۔ پانچ بجے شام مزارِ مسیح موعودؑ پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل نے اجتماعی دعا کرائی۔ بعد ازاں سب درویش زائرین کو الوداع کہنے کے لئے بٹالہ والی سڑک پر تشریف لے گئے اور ٹھیک پونے چھ بجے شام زائرین کی دونوں بسیں نعرہ ہائے تکبیر، احمدیت زندہ باد، اور حضرت امیر المؤمنین زندہ باد کے درمیان روانہ ہوئیں۔ اِس موقعہ پر رخصت ہونے والوں اور الوداع کہنے والوں کے جو جذبات تھے الفاظ اُن کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ پاکستانی قافلہ اُسی شب پاکستانی حدود میں داخل ہو گیا۔[2]

---

[1] ولادت یکم جنوری ۱۸۷۹ء — وفات ۴ جنوری ۱۹۶۱ء / ۴ صلح ۱۳۴۰ ہش ۔

[2] الفضل ۱۶ صلح و الفضل ۲ صلح ۱۳۳۱ ہش / ۱۶ و ۲ جنوری ۱۹۵۲ء ۔

قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۸ھ/۱۹۴۹ء

قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء

امیرِ قافلہ کے تأثّرات

امیرِ قافلہ نے واپسی پر اپنے تاثّرات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ ۲۴ ر دسمبر کی رات کو گیارہ بجے ہمارا قافلہ نہر کا پُل عبور کر کے حدودِ قادیان میں داخل ہوا۔ جونہی منارۃ المسیح پر ہماری نگاہ پڑی تو طبیعت میں عجیب رقّت پیدا ہوئی تقسیم کے وقت مشرقی پنجاب میں مساجد و مقابر اور دینی مدرسوں کی بربادی اور ویرانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور جہاں ان کی خستہ حالی سے دِل میں ایک درد پیدا ہوا وہاں خدا تعالیٰ کی تحمید و تمجید کی طرف بھی طبیعت مائل ہوئی کہ ایک مقدّس بستی اس خِطّہ میں ایسی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے معمور ہے۔

ہمارا قافلہ ابھی قادیان سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا کہ ہم نے وہاں دس بارہ سال کے ایک بچّہ کو استقبال کے لئے موجود پایا۔ حضرت امیر صاحب جماعتِ احمدیہ قادیان نے اسے راستہ دکھانے پر مقرر کیا تھا تاکہ ہماری بڑی بڑی لاریاں ایک خاص راستے سے ہو کر مسیحِ پاک کی بستی میں داخل ہوں وہ بچّہ فرطِ مسرت میں میل ڈیڑھ میل تک لاریوں کے آگے بھاگتا چلا گیا اور اس نے اُس وقت تک دم نہ لیا جب تک قافلہ درویشوں کی بستی میں جا داخل نہ ہوا۔ اس بچّے کا یہ ولولۂ شوق اور جذبۂ اخلاص دیکھ کر ہم بہت متاثّر ہوئے۔

بستی کے سرے پر درویشانِ قادیان قافلے کے انتظار میں ہمہ تن شوق بنے کھڑے تھے۔ لاریوں کے پہنچتے ہی تمام فضا نعرۂ تکبیر اور احمدیت زندہ باد کے پُرجوش نعروں سے گونج اُٹھی۔ درویشوں نے نہایت محبّت بھرے الفاظ سے ہمیں خوش آمدید کہا اور نہایت درجہ اشتیاق کے عالم میں ہم سے بغلگیر ہوئے قادیان کی مقدّس بستی مسیح کے درویشوں کا مسکن، زندہ خدا کی زندہ امانت ہے۔ وہاں ہمارے درویش بھائی اپنے دن اور رات جس طرح خدا تعالیٰ کے حضور آہ و زاری میں بسر کرتے ہیں اس کے تصوّر ہی سے رُوحانی مسرّت نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے یہ عاشقِ صادق عابدِ شب بیدار ہیں۔ آدھی رات کے بعد میاں مولا بخش صاحب[1] باورچی اور سیّد محمد شریف صاحب سیالکوٹی قادیان کی گلیوں میں نہایت سوز و گداز سے آواز دیتے ہیں کہ مسیحِ پاک کے درویشو!! اُٹھو تہجد کا وقت ہو گیا۔ اُٹھو!! اور اپنے مولا کریم کو راضی کر لو۔ چنانچہ درویش اُٹھتے ہیں اور پہلے بیت الدعا

---

[1] وفات ۲۴ر وفا ۱۳۳۳ ہش / ۲۴ جولائی ۱۹۵۴ء

یا بیت الذکر میں خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے ہیں پھر چار بجے کے قریب مسجد مبارک میں باجماعت تہجد پڑھتے ہیں۔ اُس وقت جس درد کے ساتھ آخری رکعتیں ادا ہوتی ہیں اور جس سوز و گداز کے ساتھ آہ وزاری کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اُن کی نظیر ملنا محال ہے۔ یقیناً یہ انعام باقی دُنیا سے منقطع ہوجانے کا ہی ہے کہ درویشوں کو انقطاع الی اللہ کی آسمانی اور لازوال دولت حاصل ہے۔ ان پاک بندوں کی اس کے سوا کوئی خواہش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے جلد پُورے ہوں اور اسلام کی آخری فتح قریب سے قریب تر آجائے۔

درویش ذکر و شکر کے ساتھ، اپنے دیگر فرائض سے غافل نہیں بہشتی مقبرہ میں چوبیس گھنٹے پہرہ دینا اُن کے معمول میں شامل ہے۔ وہ تبلیغِ اسلام کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کے عزم و ثبات کا اثر ہے کہ دُنیا کے دُور دراز علاقوں سے سیّاح اور زائرین ہزاروں کی تعداد میں قادیان آتے ہیں۔ رجسٹر زائرین کے مطابق گزشتہ پانچ سال میں قریباً تیس ہزار ہندو، سکھ اور عیسائی اور غیر ملکی باشندے محض زیارتِ قادیان کے لئے آچکے ہیں وہ ان کو جی بھر کے تبلیغ کرتے ہیں۔ انہیں اسلام کا پیغام پہنچاتے اور لٹریچر دیتے ہیں۔

اِس بے بضاعتی کے عالم میں بھی انہوں نے ہندوستان کی احمدی جماعتوں کو منظم کرلیا ہے۔ انکے مبلّغ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ الغرض وہ اس مُلک میں اسلام کی عظمت کا نشان ہیں اور اس کی سربلندی کی خاطر کوہِ وقار بن کر اپنی جگہ ڈٹے ہوئے ہیں اور اِس یقین سے لبریز ہیں کہ بالآخر اسلام ہی دُنیا پر غالب آئے گا۔ اِس یقین کے برملا اظہار سے وہ قطعاً نہیں ڈرتے بلکہ اپنی تقریروں میں برملا کہتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا جبکہ احمدی دُنیا میں غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ خدائی تقدیر ہے جسے دُنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔[1]

---

[1] ملخصاً از الفضل ۸ صلح ۱۳۳۱ ہش/ جنوری ۱۹۵۲ء صـ۲ و صـ۸

فصل دوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اصحابِ مہدیٔ موعودؑ کا پاک گروہ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو رہا تھا اور جماعتِ احمدیہ اُن مبارک وجودوں سے جلد جلد خالی ہونے لگی تھی جن کو تیرہ سو سال کے بعد خدا کے ایک مُرسل کا خدا نما چہرہ دیکھنے اور اس کی بابرکت صُحبت میں بیٹھنے کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔

۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں جو ممتاز بزرگ صحابہ رحلت فرما گئے انکا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ حاجی پیر افتخار احمد صاحبؓ لدھیانوی:۔ (ولادت ۱۴ر شعبان ۱۲۸۲ھ[1] مطابق ۳ر جنوری ۱۸۶۶ء۔۔ زیارت[2] ۱۸۸۴ء۔۔ بیعت[3] ۹ر جولائی ۱۸۹۱ء۔۔ وفات[4] ۸ر جنوری ۱۹۵۱ء)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے "ازالہ اوہام" میں اپنے مخلصین و محبّین میں آپ کا ذکر نہایت پیارے اور محبّت بھرے الفاظ میں کیا ہے۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حبّی فی اللہ صاحبزادہ افتخار احمد۔ یہ جوانِ صالح میرے مخلص اور محبِّ صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلفِ رشید ہیں اور بمقتضائے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ تمام محاسن اپنے والدِ بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ اور وہ مادّہ اُن میں پایا جاتا ہے جو ترقی کرتا کرتا فانیوں کی جماعت میں انسان کو داخل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ رُوحانی غذاؤں سے اُن کو حصّہ وافر بخشے اور اپنے عاشقانہ ذوق و شوق سے سرمست کرے۔"[5]

نیز فرماتے ہیں:۔

[1,2] روایاتِ صحابہ (غیر مطبوعہ) رجسٹر ۷ صفحہ ۱ ‬ ٭ [3] رجسٹر بیعت (غیر مطبوعہ)

[4] الفضل لاہور ۱۱ صلح ۱۳۳۰ہش/۱۱ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۱ ٭ [5] ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۲ (طبع اوّل)

"حاجی افتخار احمد صاحب ۔۔۔ اِس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اور آثارِ رُشد و صلاح و تقوٰی اُن کے چہرے پر ظاہر ہیں۔ وہ باوجود متوکّلانہ گذارہ کے اوّل درجہ کی خدمت کرتے ہیں اور دل و جان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے۔" [۱]

خود نوشت سوانح

حضرت صاحبزادہ صاحب کی خود نوشت سوانح میں ہے:۔

"میری پیدائش بروز منگل بوقت عصر ۱۲؍شعبان ۱۲۸۲ ہجری کی ہے۔ میرے والد صاحب[۲] کو حضرت صاحب کی اطلاع اس وقت ہوئی جبکہ براہین احمدیہ کے تین حصے شائع ہوئے تھے۔ انہوں نے جب ان تین حصوں کو پڑھا اس وقت حضرت اقدس علیہ السّلام کی عقیدت و ارادت آپ کے دل میں مستحکم ہوگئی۔ اس کے بعد براہین احمدیہ حصہ چہارم شائع ہوئی۔ والد صاحب کی ارادت سے آپ کے اہل و عیال اور مریدین بھی زُمرۂ معتقدین میں شامل ہوگئے۔"

"میرے والد صاحب کو اور میرے بھائی منظور محمد صاحب کو اور مجھ کو حضرت صاحب کی ابتدائی زیارت اُس وقت ہوئی جبکہ حضور ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے تین دن کے لئے لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ میرے والد صاحب اور میرے بھائی صاحب اور مَیں اور سب احباب حضورؑ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر گئے تھے۔ حضور کی پہلی زیارت اسٹیشن پر ہوئی۔ میرے والد صاحب نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مَیں بغیر بتلائے حضرت صاحب کو پہچان لوں گا۔ ایسا ہی ہوا کہ حضور جب گاڑی سے اُترے بغیر بتلائے والد صاحب نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں۔"

"حضرت صاحب نے تین روز محلہ صوفیاں میں ڈپٹی امیر علی صاحب صوفی کے ہاں (جو کہ میرے والد صاحب کے مُرید تھے) قیام فرمایا۔"

"حضور تین دن کے بعد لدھیانہ سے تشریف لے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ حضرت صاحب شادی کے لئے دہلی تشریف لے جائیں گے اور فلاں وقت ریلوے سٹیشن لدھیانہ سے گاڑی گذرے گی۔ والد صاحب اور لدھیانہ کے احباب پہلے سے سٹیشن پر جا پہنچے۔ مَیں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ تھا۔ جتنی دیر گاڑی کھڑی رہی حضور پلیٹ فارم پر ٹھہرے رہے۔ حضور کے ساتھ جو احباب آئے تھے میرے خیال میں شاید چھ سات ہوں گے۔ حضور اور ساتھی سب اپنے معمولی سادہ لباس میں تھے۔ کوئی ایسی علامت

---

[۱] ازالہ اوہام صد ۷۹۳ (طبع اوّل) ٭ [۲] یعنی حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ (ناقل)

نہ تھی جس سے یہ ظاہر ہو سکتا کہ یہ دُولہا اور یہ اُس کی برات ہے"۔

"حضور مع رفقاء شاید ۱۰-۱۵ منٹ لدھیانہ پلیٹ فارم پر کھڑے رہے پھر گاڑی پر سوار ہو کر دہلی روانہ ہو گئے۔ واپسی کے وقت پھر لدھیانہ سٹیشن پر گاڑی ٹھہری۔ احباب سے ملاقات کی۔ میرے والد صاحب نے پھلور کے دو ٹکٹ پہلے سے لے لئے تھے۔ میرے بھائی منظور محمد صاحب کو ساتھ لے کر حضور کی گاڑی کے ڈبہ میں سوار ہو گئے۔ مَیں ساتھ نہیں گیا۔ پھلور لدھیانہ سے ۵ میل ہے اور انجن بدلتا ہے۔ گاڑی نصف گھنٹہ وہاں ٹھہری۔ یہ میرے والد صاحب کا دلی اخلاص تھا جو اس تھوڑے عرصہ کی ملاقات کو غنیمت سمجھا۔ یہ والد صاحب کی حضرت صاحب سے آخری ملاقات تھی کیونکہ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی کے وقت راستہ میں بیمار ہو گئے اور لدھیانہ آکر چند روز بعد ۹ ربیع الاوّل ۱۳۰۳[1] ہجری کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والد صاحب کی وفات سے تھوڑے عرصہ بعد حضرت صاحب تعزیت کے لئے لدھیانہ تشریف لائے تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کی محبت، اخلاص اور دینی خدمت کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر حضور نے مع حاضرین دعا فرمائی۔ حضور نے قرآن شریف کی یہ آیت وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا[2] پڑھ کر فرمایا کہ ان دو نوجوانوں پر مہربانی کرنے کی یہ وجہ تھی کہ ان کا باپ صالح تھا (ہم بھی اپنے باپ کے وہی لڑکے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر بھی فضل فرمائے۔ آمین)

یہ وقت بھی گزر گیا اور حضور کے یہاں صاحبزادہ بشیر احمد صاحب اوّل تولّد ہوئے[3]۔ حضور کا خط لدھیانہ کے احباب کے نام عقیقہ میں شمولیت کے لئے آیا جس میں حضور نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ عقیقہ کا ساتواں دن اتوار کو پڑتا تھا مگر کچھ قدرتی اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ عقیقہ بجائے اتوار کے پیر کے دن ہوا جس سے یہ الہام دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ پورا ہوتا ہے۔ ہم سب احباب لدھیانہ سے قادیان پہونچے۔ یہ سفر قادیان کا میرا پہلا سفر تھا اس سے پہلے مَیں نے قادیان کو نہیں دیکھا تھا۔ مہمان مسجدِ اقصیٰ میں ٹھہرے۔ عقیقہ میں ایک دن یا دو دن باقی تھے کہ بارش شروع ہوئی اور تین دن لگاتار ہوتی رہی۔ قادیان کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ صاحبزادہ بشیر احمد اوّلؓ کا عقیقہ بیت الفکر میں ہوا جو کہ بیت الذکر یعنی مسجد مبارک کے ساتھ کا حضور کے دولت خانہ کا کمرہ ہے اور جس کا وہی

---

[1] مطابق ۲۷ دسمبر ۱۸۸۵ء ÷ [2] کہف: ۸۳ ÷ [3] ولادت ۷ اگست ۱۸۸۷ء

دروازہ مسجد مبارک کے دہنی طرف اَب تک موجود ہے ۔ حاضرین مہمانوں کی تعداد اتنی تھی کہ بیت الفکر میں گنجائش نہ رہی ہوگئی۔ مجھے یاد ہے کہ صاحبزادہ بشیر احمد اوّل مولوی رحیم بخش صاحب کی گود میں تھے جس وقت کہ حجام نے سر کے بال اُتارے۔۔۔ عقیقہ کے بعد ایک دو دن مہمان ٹھہرے۔ پانی کا وہی عالم تھا اگرچہ بارش بند ہوگئی تھی لیکن راستہ پانی سے لبریز تھا۔ یکّہ پر اسباب لاد کر احباب پا پیادہ روانہ ہوئے۔ حضور نے پلاؤ کی دیگ ساتھ کر دی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ بٹالہ کے راستے میں بعض جگہ پانی کمر تک پہنچ جاتا تھا۔ یکّہ کے پہیے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی حال میں ہم بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ اسٹیشن بٹالہ پر حضرت میر ناصر نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو دن سے پانی کی وجہ سے رُکے ہوئے تھے۔ جب ہم اسٹیشن پر پہنچے حضرت میر صاحب کی رخصت بھی ختم ہو چکی تھی، وہ بھی ہمارے ساتھ ریل پر واپس ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت صاحبؑ معہ اہل بیت لدھیانہ تشریف لے گئے اور ہمارے مکان کے بالکل متصل ایک حویلی میں فروکش ہوئے اور بیعت کا اعلان کیا۔"

" اس کے کچھ عرصہ بعد بحمد اللہ تعالیٰ ۱۸۹۲ء کو مَیں مع اہل و عیال ہجرت کر کے قادیان آ رہا۔ حضور نے اپنے رہائش ہی کے مکانوں میں جگہ دی۔۔۔ ایک روز حضور نے مجھے فرمایا کہ انسپکٹر مدارس آیا ہُوا ہے اس سے کہو کہ قادیان کے سکول میں تم کو رکھ لے۔۔۔ مَیں نے محض حضور کے ارشاد کی تعمیل میں انسپکٹر سے مِل کر کہا کہ آپ مجھے قادیان کے سکول میں مدرّسی کی آسامی دے دیں۔ انہوں نے میری تعلیم وغیرہ کا حال پوچھا اور کہا بہت اچھا میں جا کر حکم بھیج دوں گا۔ اُس نے جا کر میری تعیناتی کی باضابطہ کارروائی کی اور مَیں قادیان کے سکول میں مدرّس ہو گیا۔"

" ان دنوں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (حضرت خلیفہ ثانیؓ۔ ناقل) خورد سالی تھے۔ حضور نے مجھے فرمایا کہ میاں کو بھی سکول لے جایا کرو۔ مَیں حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق حضور کو بھی ساتھ لے جایا کرتا تھا۔"

" پانچ سال کے قریب یہاں قادیان میں رہا پھر مع عیال لدھیانہ چلا گیا۔۔۔ پھر ۱۹۰۱ء کو مع اہل و عیال قادیان آیا اور بفضلِ خدا یہیں رہا۔ ۱۹۰۲ء میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدسؑ کی اجازت سے محرّری کے کام پر مجھے رکھ لیا۔ لنگر اور سکول کا چندہ اور حضرت صاحبؑ

کے خطوط کا جواب لکھنا میرا کام تھا۔ بفضلِ خدا مسلسل دفتر ڈاک کا کام کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء میں بموجب قواعد ریٹائر ہو گیا۔ بحمد اللہ اب حضور کے قدموں میں پڑا ہوں اور دعا کرتا ہوں ع
من دعا ہائے بر و بار تو اے ابر بہار" [۱]

حضرتِ عرفانیؓ کا نوٹ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے آپ کی وفات پر لکھا:۔
"جہاں تک میرا علم ہے بچپن سے سعادت مند اور زاہد تھے۔ ہر دیکھنے والے کو اُن کے چہرہ پر نُور نظر آتا تھا۔ وہ رمضان کا مہینہ خصوصیّت سے عبادت میں گذارتے اور اعتکاف کرتے تھے اور تہجّد گذار تھے۔ مجھے بارہا اُن کے ساتھ تہجّد میں شرکت اور سحری میں شریکِ طعام ہونے کا موقعہ ملا۔ اُن کے چہرے پر تبسّم کھیلتا تھا۔ مَیں نے کبھی اُن کو غصّہ کی حالت میں نہیں پایا۔ وہ اپنے گھر کے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ [۲] پر جوانی سے بڑھاپے تک مخلصانہ عامل رہے۔ اولاد کی تربیت اور اولاد پر شفقت کا بھی وہ ایک خاص نمونہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور آپ کے اہلبیت سے انہیں محبّت و اخلاص کا نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ وہ توکّل علی اللہ کا ایک خاص درجہ رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے ابتدائی ایّام شہزادوں کی طرح سے گزرے اِس لئے کہ اُن کے خاندان کے فیض یافتہ لوگ بڑے اخلاص سے خدمت کرتے تھے لیکن احمدی ہو جانے کے بعد ہی دراصل اُن کے توکّل کے مقام کا پتہ لگا۔ وہ نہایت قانع انسان تھے اور اپنے فرض کو نہایت محنت اور جفاکشی سے ادا کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا قُرب انہیں آپ کے گونہ پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے حاصل تھا اِس لئے کہ آپ صیغۂ ڈاک میں کام کرتے تھے۔" [۳]

دیگر خصائل و شمائل

حضرت پیر صاحبؓ کا قد لمبا تھا، آپ کی زندگی فروتنی، کسرِ نفسی اور عجز و انکسار کی مجسّم تصویر تھی۔ فرشتہ خصلت بزرگ تھے۔ خط نہایت پاکیزہ اور بہت عمدہ تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بے تکلّف بات کر لیتے تھے۔ طبیعت پر غور و فکر کا رنگ غالب تھا۔

---

[۱] تلخیص "روایاتِ صحابہ" جلد ۷ (غیر مطبوعہ) صا، صہ۶

[۲] ابنِ ماجہ (ابواب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء) صہ۱۴۳

[۳] الفضل ۲۸ صلح ۱۳۳۰ ہش / ۲۸ جنوری ۱۹۵۱ء صہ۶

غایت درجہ کم سخن تھے اور فضول اور زائد باتوں سے طبعی نفرت تھی۔ ہمیشہ راضی بقضاء رہے اور شدید تکلیف میں بھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ ان کے جوان لڑکے فوت ہوئے مگر کیا مجال کہ زبان سے اُف تک نکل جائے یا چہرے سے کسی قسم کے درد یا تکلیف کا اظہار ہو۔ بڑھاپے اور ضُعف کی حالت میں بھی مسجد میں تشریف لاتے۔ آخری عمر میں زیادہ دیر تک بیٹھ نہ سکتے تھے۔ جماعت شروع ہونے سے قبل مسجد میں لیٹ جاتے اور باجماعت نماز کا انتظار فرماتے۔[1] کتاب "انعاماتِ خداوندکریم" جو پُرحکمت نصائح پر مشتمل ہے آپ ہی کی تصنیفِ لطیف ہے اور آپ کے صوفیانہ مزاج کا پتہ دیتی ہے۔

اولاد حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ کی اولاد کے نام درج ذیل ہیں:۔
(۱) پیر مظہر قیوم صاحب (وفات ۱۸ر جولائی ۱۹۱۷ء)[2]۔ (۲) پیر مظہر الحق صاحبؓ[3] (سابق خزانچی صدر انجمن احمدیہ ربوہ)۔ (۳) پیر حبیب احمد صاحب (ولادت ۱۹۰۱ء۔ وفات ۲۶ر فتح ۱۳۴۱ہش/ ۲۶ر دسمبر ۱۹۶۲ء)۔ (۴) پیر نثار احمد صاحب (وفات ۲۲ر اپریل ۱۹۱۲ء)۔ (۵) سعیدہ بیگم صاحبہ (وفات ۲۰ر دسمبر ۱۹۱۰ء)۔ (۶) پیر خلیل احمد صاحب مرحوم (ولادت ۱۳ر اگست ۱۹۰۷ء وفات ۲۰ر امان ۱۳۴۳ہش/ ۲۰ر مارچ ۱۹۶۴ء)۔ (۷) پیر محمد عبداللہ صاحب مرحوم ٹیچر مدرسہ احمدیہ قادیان (۸) پیر عبدالرحمٰن صاحب (۹) سلیمہ بیگم صاحبہ (۱۰) سعیدہ بیگم صاحبہ۔

۲۔ چوہدری امیر محمد خان صاحب متوطن اہرانہ تحصیل و ضلع ہوشیار پور:۔

(بیعت ۱۹۰۳۔۴ء[4] — وفات ۳ر امان ۱۳۳۰ہش/ ۳ر مارچ ۱۹۵۱ء)

آپ چوہدری سکندر خان صاحب کے بیٹے اور چوہدری پیر بخش صاحب عرف بابا اولیاء سخی پیر شاہ جمال علیہ الرحمۃ کے پوتے تھے۔ ضلع ہوشیارپور میں موضع اہرانہ، بھگلانہ اور میٹھیانہ کی احمدی جماعتیں آپ ہی کی

---

[1] الفضل ۲ر تبلیغ ۱۳۳۰ہش/ ۲ر فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۵۔

[2] قادیان گائیڈ صفحہ ۶۲، صفحہ ۵۸ (از میاں محمد یامین صاحبؓ تاجر کتب قادیان۔ اشاعت ۲۵ر نومبر ۱۹۲۰ء)

[3] اولاد:۔ پیر عبدالرحیم صاحب۔ پیر سلطان احمد صاحب۔ پیر ہارون احمد صاحب۔ پیر مبارک احمد صاحب (موون لائٹ ربوہ)۔ صفیہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولانا ظل الرحمٰن صاحبؓ فاضل بنگالی مبلغ سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۳ر فتح ۱۳۲۸ہش/ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء)۔ امۃ الحکیم صاحبہ اہلیہ مولانا شیخ نور احمد صاحب منیر مجاہد بلادِ عربیہ

[4] ریکارڈ بہشتی مقبرہ ربوہ۔

تبلیغ سے قائم ہوئیں۔

آپ کے بیٹے چوہدری عبداللہ خاں صاحب کی روایت ہے کہ آپ نے بتایا کہ ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خط ملا جس میں چندہ لنگرخانہ کی تحریک تھی میرے پاس اُس وقت کوئی روپیہ موجود نہ تھا میں نے اُسی وقت حضرت اقدس کی خدمت میں واپسی خط لکھا کہ ایک شخص میری کچھ اراضی خریدنا چاہتا ہے اس کی آمد پیشِ حضور کر دوں گا۔ دعا فرمائیں۔ حضور کا اپنے قلم مبارک سے لکھا ہوا جواب ملا کہ دعا کی گئی اللہ تعالیٰ آپ کی یہ منشاء پوری کرے۔ اس خط کے چند دن بعد میرا یہ کام ہوگیا اور روپیہ بھی مجھے مل گیا۔ چنانچہ میں یہ رقم لئے پیدل قادیان کی طرف روانہ ہوگیا۔ دریائے بیاس کو بیٹ کے پتن سے پار کیا ہی تھا کہ کانگڑہ کا زلزلہ آ گیا۔ قادیان پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے باغ میں تشریف فرما تھے میں نے وہ رقم پوٹلی کی صورت میں حضور کی خدمت میں نذر کر دی۔ (یہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے)

چوہدری امیر محمد خان صاحب کے نزدیک[1] حضرت مصلح موعودؓ کے حسبِ ذیل الفاظ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے :۔

"پھر جب زلزلہ آیا اور حضرت اقدسؑ باہر باغ میں تشریف لے گئے اور مہمانوں کی زیادہ آمد و رفت وغیرہ ذالک وجوہات سے لنگر کا خرچ بڑھ گیا تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ قرض لے لیں۔ فرماتے ہیں میں اسی خیال میں آ رہا تھا کہ ایک شخص ملا جس نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے اور اُس نے ایک پوٹلی میرے ہاتھ میں دے دی اور پھر الگ ہوگیا۔ اُس کی حالت سے میں ہرگز نہ سمجھ سکا کہ اِس میں کوئی قیمتی چیز ہوگی لیکن جب گھر آ کر دیکھا تو دو سو روپیہ تھا حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اُس کی حالت سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی ساری عمر کا اندوختہ لے آیا۔ پھر اُس نے اپنے لئے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔ یہ شاکر کا مقام ہے۔"[2]

۳۔ منشی حسن دین صاحبؓ رہتاسی :۔ (بیعت ۱۸۹۶ء[3]۔ وفات ۱۰۔ امان ۱۳۲۴ ہش/

[1] الفضل ۱۱۔ اخاء ۱۳۳۰ ہش / ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء صٓ ۔

[2] بدر ۱۱۔ جنوری ۱۹۱۲ء صٓ کالم ۲ (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء بعنوان "مدارج تقویٰ")۔

[3] "روایاتِ صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد ۱۳ صٓ ۔

۱۰؍مارچ ۱۹۵۱ء)[1]

آپ حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابی اور بلند پایہ شاعر حضرت منشی گلاب الدین صاحبؓ رہتاسی[2] کے بیٹے اور خود بھی نغز گو اور پُرجوش فطرتی شاعر تھے جو عرصہ دراز تک احمدیت اور اُردو ادب کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ "کلامِ حسن" کے نام سے شائع شدہ ہے۔[3] ملکی تقسیم ۱۹۴۷ء کے بعد آپ جہلم میں تشریف لے آئے۔ وفات سے دو ماہ قبل لائلپور میں فروکش ہوئے جہاں بیمار ہو گئے جماعتِ احمدیہ لائلپور نے ان کے علاج معالجہ اور تیمارداری کی پوری کوشش کی مگر بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور آپ ۱۰؍امان ۱۳۳۰ہش/۱۰؍مارچ ۱۹۵۱ء کو انتقال فرما گئے اور لائلپور کے مقامی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔[4]

۴۔ حضرت شیخ عبدالرشید صاحبؓ بٹالوی :- (ولادت اندازاً ۱۸۸۰ء۔

زیارت ۱۹۰۰ء۔ بیعت ۱۹۰۱ء۔ وفات ۲۷؍ہجرت ۱۳۳۰ہش/۲۷؍مئی ۱۹۵۱ء)

آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُن مخلص صحابہ میں سے تھے جو عہدِ شباب کے آغاز میں احمدیت سے وابستہ ہوئے اور باوجود خاندانی مخالفت کے آخر دم تک حق و صداقت کو پھیلانے میں کوشاں رہے۔

آپ کی بیعت کا موجب عبداللہ اور چراغ الدین نامی دو شخص تھے جو امرتسر سے بٹالہ آئے اور قادیان جانے کا شوق ظاہر کر کے آپ کو بھی ہمسفر بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ قادیان پہنچے جہاں اُن کا ایک رشتہ دار گورنمنٹ کی طرف سے اس خفیہ ڈیوٹی پر متعین تھا کہ آنے والے مہمانوں کے نام نوٹ

---

[1] الفضل ۱۵؍امان ۱۳۳۰ہش/۱۵؍مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

[2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۸؍ستمبر ۱۸۹۲ء کو انہیں تحریر فرمایا:۔ "بیعت کنندوں کے ۳۵۲ میں آپکا نام ہے۔" "سراجِ منیر" میں حضور نے آپ کی ایک نظم درج فرمائی ہے۔ ۲۳؍نومبر ۱۹۲۰ء کو جہلم ہسپتال میں انتقال کیا۔ قلعہ رہتاس کے دروازہ خواص خوانی کے باہر آپ کا مزار ہے۔ (الفضل ۲۷؍جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۷، صفحہ ۸)۔

[3] مرتبہ ڈاکٹر ملک نذیر احمد صاحب ریاض۔ بھابڑا بازار راولپنڈی۔

[4] روزنامہ الفضل ۱۵؍امان ۱۳۳۰ہش/۱۵؍مارچ ۱۹۵۱ء۔

کرے۔ اُس دن حضرت حکیم الاُمت مولانا نورالدین بھیرویؓ نے الحمد کی تفسیر فرمائی جس نے آپ کے دل پر خاص اثر کیا۔ اس کے بعد آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ گول کمرہ میں کھانا کھانے اور حضور کی زبانِ مبارک سے نئے سے نئے حقائق و معارف سُننے کا شرف بھی حاصل ہؤا۔ حضرت اقدس علیہ السّلام کے نورانی چہرے اور پُر جذب کلام نے آپ پر گہرا نقش قائم کر دیا اور آپ بار بار قادیان جانے لگے اور پھر جلد ہی حضرت مہدی موعود علیہ السّلام کے دستِ مُبارک پر بیعت کر لی۔

قبولِ احمدیت کے بعد آپ پر مخالفت کے گویا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اہلحدیث برادری نے قافیہ حیات تنگ کر دیا۔ اَور تو اَور آپ کی والدہ صاحبہ بھی آپ پر بہت سختی کرتی تھیں اور آپ کو عاق کرانے کے درپے ہوگئیں۔ آپ کے والد صاحب نے شروع میں تو یہ جواب دیا کہ پہلے یہ دین سے سراسر غافل و بیچرا تھا مگر اَب نمازی بلکہ تہجد گذار بن گیا ہے اسے مَیں کس بات پر عاق کر دوں؟ لیکن بعد ازاں وہ بھی اپنی برادری کے سامنے جُھک گئے جس پر آپ کو کئی ماہ تک گھر سے باہر رہنا پڑا۔ [1]

آپ کا وجود جماعتِ احمدیہ بٹالہ کے لئے ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ فاضل (سابق سوداگرمل) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

" بٹالہ میں احمدیت کا مرکز ان کا مکان ہی تھا۔ بہت خوش خلق، مہمان نواز اور سخی تھے۔ ساری عُمر جماعتِ بٹالہ کے پریذیڈنٹ رہے۔ بٹالہ میں احمدیوں کے غیروں کے ساتھ متعدد مناظرے اور جلسے ہوئے ان کا انتظام بھی حضرت شیخ صاحبؓ کے ذمّہ ہوتا تھا اور عموماً مہمان نوازی کے فرائض بھی شیخ صاحب ہی سر انجام دیتے تھے۔" [2]

۵۔ میاں محمد صاحب بستی مندرانی تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خان:۔

(ولادت ؟ وفات ۱۹ تبوک ۱۳۳۰ ہش / ۱۹ ستمبر ۱۹۵۱ء)

آپ ایک نیک طبع، غریب النفس مگر دل کے غنی اور دینی غیرت رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ذکر پر آپ کی آنکھیں اکثر پُرنم ہو جایا کرتی تھیں۔ ناخواندہ ہونے کے باوجود آپ ہمیشہ پُر اثر رنگ سے تعلیماً فتہ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔

---

[1] الفضل ۴ تبوک ۱۳۳۰ ہش / ۴ ستمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴ (مضمون حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

[2] "لاہور۔ تاریخ احمدیت" صفحہ ۳۸۶ مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ۔ طبع اوّل ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء)

آپ دُو دفعہ حضورؑ کی زندگی میں دارالامان تشریف لے گئے۔ جب پہلی بار بیعت کر کے اپنے وطن واپس آئے تو آپ کا بائیکاٹ کر دیا گیا مگر اس مردِ خدا نے اپنے حقیقی رزّاق کا سہارا کافی سمجھا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تھے۔ پُورے کُنبہ کے اخراجات سر پر تھے اور ذریعہ معاش بند تھا۔ اُنہیں ایّام کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ بعض رشتہ داروں نے تکالیف اور تنگی کو دیکھ کر کہا کہ اگر تم بظاہر ہم لوگوں میں ہی رہتے اور دِل میں مرزا صاحبؑ پر اعتقاد رکھتے تو ایسے تنگ نہ ہوتے۔ آپ نے جواب دیا کہ مَیں منافق کی سی زندگی بسر کروں؟ مجھے بھُوکا مرنا منظور ہے لیکن مجھ سے منافقت نہیں ہوسکتی۔ اگر مَیں ایسا کروں اور خدا مجھے اندھا کر دے تو اس وقت میرا کون رزّاق بنے گا؟

بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پہلے پہل قادیان دارالامان گیا تو ان دنوں مجھ پر گریہ زاری کی حالت طاری تھی اور مَیں اکثر رویا کرتا تھا۔ اُن دنوں میرے ہاں اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ مَیں دِل میں یہ خواہش رکھتا تھا کہ حضور سے اِس بارے میں دعا کی درخواست کروں گا لیکن انہی دنوں میں حضور نے ایک تقریر فرمائی کہ بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور بعض لوگوں کے خط آتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہمارے ہاں اولاد نہیں یا حضرت! دعا فرمایئے ہمیں اللہ تعالیٰ اولاد دے۔ کوئی اپنی مالی تنگی کے بارے میں کہتا ہے۔ کوئی اُور ایسی ہی خواہش پیش کرتا ہے۔ گو ہم سب کے لئے دعا کرتے ہیں مگر میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ کوئی ایمان سلامت لے جائے مجھے اپنی خواہش کا اظہار کرتے شرم محسوس ہوتی تھی۔ خاموش رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس خاموشی کو نواز کر اولادِ نرینہ عطا فرمائی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کی برکت تھی۔[1]

۶۔ حضرت میاں محمد الدین صاحبؓ واصلباقی نویس۔ بلانی ضلع گجرات درویش قادیان:۔

(ولادت ۱۸۷۲ء ۔ بیعت ۱۸۹۴ء ۔ زیارت جون ۱۸۹۵ء ۔ وفات یکم نبوت ۱۳۳۰ ہش/ یکم نومبر ۱۹۵۱ء بمقام قادیان)

ابتدائی حالات موضع حقیقہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۵ر مارچ ۱۸۸۵ء کو پرائمری کا امتحان کھاریاں سے اور جنوری ۱۸۸۸ء میں مڈل کا امتحان ڈنگہ سے پاس کیا۔ ۱۹ر جولائی ۱۸۹۰ء کو حلقہ بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات (پنجاب) میں بطور پٹواری تعینات ہوئے جہاں ۱۹۰۵ء تک رہے۔ بعد میں گرداور قانونگو بن گئے۔ ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۲۹ء تک تحصیل

---

[1] الفضل ۲۷ر اخاء ۱۳۴۱ ہش صلا ؎

کھاریاں میں واصل باقی نویس رہے پھر چار ماہ ضلع دفتر میں تبدیل ہو کر پنشن حاصل کی۔

براہینِ احمدیہ سے روحانی انقلاب

اُن ایام میں جبکہ آپ نے ملازمت شروع کی آپ کی دینی اور عملی حالت سخت ابتر تھی حتّٰی کہ آپ بالکل دہریہ ہو گئے تھے۔ اسی دَوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ممتاز صحابی حضرت مرزا جلال الدین صاحب[1] نے اپنے بیٹوں کو اسلامی لٹریچر بھجوایا جس میں براہین احمدیہ بھی تھی۔ آپ کو ان کے بڑے صاحبزادہ مرزا محمد قسیم صاحبؓ[2] کے ذریعہ یہ عظیم الشّان کتاب دیکھنے کا موقعہ ملا اور اس کے ابتدائی مطالعہ سے آپکے سب ظلماتی پردے اُٹھ گئے اور ایک ہی رات میں کایا پلٹ گئی۔ خود فرماتے ہیں:۔

" آریہ، برہمو، دہریہ لیکچراروں کے بداثر نے مجھے اور مجھ جیسے اور اکثروں کو ہلاک کر دیا تھا اور ان اثرات کے ماتحت لاابعنی زندگی بسر کر رہا تھا کہ براہین پڑھتے پڑھتے جب میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کو پڑھتا ہوں صفحہ ۹۰ کے بقیہ حاشیہ ۴ پر اور صفحہ ۱۴۹ کے بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱ پر پہنچا تو معاً میری دہریت کافور ہو گئی اور میری آنکھ ایسے کھلی جس طرح کوئی سویا ہوا یا مرا ہوا جاگ کر زندہ ہو جاتا ہے۔ سردی کا موسم جنوری ۱۸۹۳ء کی ۱۹ تاریخ تھی آدھی رات کا وقت تھا کہ جب میں "ہونا چاہیئے" اور "ہے" کے مقام پر پہنچا۔ پڑھتے ہی معاً توبہ کی۔۔۔۔ عین جوانی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میرا ایمان جو ثریا سے شاید اُوپر ہی گیا ہوا تھا، اتار کر میرے دل میں داخل کیا اور مسلمان را مسلمان باز کرد کا مصداق بنایا جس رات میں مَیں بحالتِ کُفر داخل ہوا تھا اس کی صُبح مجھ پر بحالتِ اسلام ہوئی۔ اس مسلمانی پر میری صبح ہوئی تو میں وہ محمد الدین نہ تھا جو کل شام تک تھا۔ فطرتاً مجھ میں حیا کی خصلت تھی اور وہ اوباشوں کی صُحبت لبس عنقا ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی برکت سے وہی خصلتِ حیا واپس دی۔ مَیں اس وقت اس آیت کے پرتَو کے تحت مزے لے رہا تھا لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

---

[1] ۳۱۳ صحابہ کبار میں آپ کا نام سرفہرست ۲۳ پر درج ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۴۱)

[2] ۲ ستمبر ۱۹۰۲ء کو فوت ہوئے اور ۱۹ ستمبر ۱۹۰۲ء کو جمعہ کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا جنازہ غائب پڑھا حضرت مرزا محمد اشرف صاحب ریٹائرڈ محاسب صدر انجمن احمدیہ آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔

وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (الحجرات : ۸)

(ترجمہ: لیکن اللہ نے تمہاری نگاہ میں ایمان کو پیارا بنایا ہے اور تمہارے دلوں میں اسکو خوبصورت کرکے دکھایا ہے اور تمہاری نگاہ میں کُفر اور اطاعت سے نکل جانے اور نافرمانی کرنے کو ناپسند کرکے دکھایا ہے وہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں یہ محض اللہ کے فضل اور نعمت سے ہے اور اللہ خُوب جاننے والا حکمت والا ہے)۔

واقعہ بیعت

میاں محمد دین صاحب اپنے واقعہ بیعت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" ایمان لانے کے ساتھ ہی قرآن کی عظمت اور محبّت نے میرے دل میں ڈیرہ لگایا گویا علمِ شریعت جو ایمان کی جڑھ ہے اس کے حاصل کرنے کا شوق اور فکر دامنگیر ہوا۔ ازاں بعد سال ۱۸۹۳-۹۴ء میں براہین احمدیہ کا ایک دَور ختم کیا جو نمازِ تہجّد کے بعد کیا کرتا تھا اور پھر آئینہ کمالاتِ اسلام پڑھا جو توضیح المرام کی تفسیر ہے۔

حضرت قبلہ منشی مرزا جلال الدین صاحب پنشنر میر منشی رسالہ ۱۲ ساکن بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات دو ماہ کی رخصت لے کر سیالکوٹ چھاؤنی سے بلانی تشریف لائے اور بلانی میں ہی مَیں پٹواری تھا اُن سے پتہ پُوچھ کر بیعت کا خط لکھ دیا جس کا جواب مجھے اکتوبر ۱۸۹۴ء میں ملا جس میں لکھا تھا کہ ظاہری بیعت بھی ضروری ہے جو مَیں نے ۵ جون ۱۸۹۵ء مسجد مبارک کے چھت پر بالاخانہ کے دروازہ کی چوکھٹ کے مشرقی بازو کے ساتھ حضرت صاحب سے کی"۔

"مسجد مبارک میں ظہر کی نماز مولوی عبدالکریم صاحب کے اقتدا میں ادا کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان دنوں نماز ظہر اور عصر کے درمیان اور نماز مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر حضرت صاحب شمالی دیوار کے ساتھ کھڑکی (دریچہ) کے جانبِ غرب بیٹھے تو مَیں نے آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا اور چہرہ اور پیشانی سے نُور کی شعاعیں سفید رنگ کی اُٹھتی دیکھیں جو بڑی لمبی تھیں اور چھت کو پھاڑ کر آسمان کی طرف جا رہی تھیں مَیں اس نظّارہ سے مسرور اور تصویرِ حیرت ہو گیا"۔

"مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے عرض کیا کہ قرآن شریف کس طرح آئے؟ آپ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ؕ [1] (ترجمہ) اور تم تقویٰ کرو خدا تمہارا خود استاد ہو جائے گا۔

[1] البقرہ: ۲۸۳

پھر میرے دِل میں گذرا کہ مَیں علمِ دین سے ناواقف ہوں اور مولوی لوگ مجھے تنگ کریں گے مَیں کیا کروں گا اور پوچھنے سے بھی شرم کر رہا تھا جو آپ نے بغیر میرے سوال ... ایسے بلند لہجہ اور رعب ناک انداز سے فرمایا کہ مَیں کانپ گیا۔ فرمایا ہماری کتابوں کو پڑھنے والا کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔[1]

کتب حضرت مسیح موعودؑ میں ذکر

جنوری ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳۱۳ اصحاب کی فہرست مشمولہ انجام آتھم میں آپ کا نام تیسرے نمبر پر درج فرمایا۔ اسی سال "سراجِ منیر" شائع ہوئی جس میں مہمان خانہ قادیان کے چندہ دہندگان میں بھی آپ کا نام شامل تھا۔ ازاں بعد ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کے اشتہار (مشمولہ کتاب البریّہ) میں آپ کا نام نمبر ۱۱ پر شائع ہوا۔

آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں دو مرتبہ قادیان دارالامان تشریف لے گئے[2] اور اس پاک اور پُر انوار اور برکتوں سے معمور بستی میں ایک ایک ماہ تک قیام فرمایا اور حضرت امام الزمان کی بابرکت مجالس سے اکتسابِ فیض کیا اور حضورؑ کی زبانِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کی تازہ بتازہ وحی سُنی۔[3]

خدماتِ سلسلہ

یکم جولائی ۱۹۰۰ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے چندۂ منارۃ المسیح کی تحریک ہوئی جس میں آپ نے ایک سَو روپیہ دیا۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۶ء کو آپ نے اپنی جائیداد کے پانچویں حصّہ کی وصیّت کی اور ۱۹۰۹ء میں اپنا حصّہ جائیداد ادا بھی کر دیا۔ بعد میں جو جائیداد پیدا کی اس کا اندراج بھی صدر انجمن احمدیہ میں کرا دیا۔ ازاں بعد اپنی آمد کی بھی وصیّت کر دی اور آخر دَم تک اس کی ادائیگی کرتے رہے۔

۱۹۲۹ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دی۔ کشمیر فنڈ جمع کیا۔ ضلع گجرات کی جماعتوں کا بجٹ تیار کیا۔ کچھ عرصہ پہلے سندھ کی اراضیات میں پھر دفتر جائیداد

---

[1] "روایاتِ صحابہ" جلد ۷ صفحہ ۴۸ و صفحہ ۴۹)

[2] ۷ر جنوری ۱۹۰۰ء تا یکم فروری ۱۹۰۰ء۔ یکم نومبر ۱۹۰۱ء تا ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء (ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب کی تحریری یادداشتوں سے ماخوذ)

[3] آپ کی خودنوشت روایات کے حوالہ سے تذکرہ طبع سوم صفحہ ۷۷۷ تا صفحہ ۷۷۹ میں کئی الہامات محفوظ ہو چکے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ میں سرگرم عمل رہے۔

دَورِ درویشی اور وفات

۱۲ ر تبوک ۱۳۲۶ ہش / ۱۲ ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے پاکستان آ گئے مگر اگلے سال ماہِ ہجرت / مئی میں حضرت مصلح موعود کی تحریک پر لبّیک کہہ کر مستقل طور پر قادیان تشریف لے گئے۔

درویش آپ سے دینی مسائل سیکھتے اور ناظرہ قرآن پڑھتے تھے۔ بڑھاپے میں بھی بہت ذی ہمت تھے۔ مسجد مبارک سے اُترتے اگر کوئی درویش سہارا دینے کی کوشش کرتا تو آپ منع کرتے اور فرماتے کہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ آپ درویشوں کو اکثر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانہ مبارک کی باتیں سُناتے رہتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ جب آپ لنگر خانہ میں کھانا لینے کے لئے جاتے اُس مقدّس دَور کی کوئی ایک بات ضرور سُنا دیتے تھے۔ آپ نے عہدِ درویشی کمال صدق وصفا کے ساتھ نبھایا اور وفات کے بعد بہشتی مقبرہ کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے[1] اور اُن ابدال میں شامل ہوئے جن کا ذکر حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے درج ذیل عبارت میں فرمایا ہے:۔

"پنجاب اور ہندوستان سے ہزارہا سعید لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور ایسا ہی سرزمینِ ریاست امیرِ کابل سے بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہوئے ہیں۔ اور میرے لئے یہ عمل کافی ہے کہ ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے اور ہزارہا لوگوں میں بعد بیعت مَیں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے ہرگز ایسا صاف نہیں ہو سکتا۔ اور مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں کہ ایک ایک فرد اُن میں بجائے ایک ایک نشان کے ہے۔"[2]

اولاد

حضرت میاں محمد الدین صاحبؓ کی اولاد:۔

۱۔ غلام فاطمہ صاحبہ (ولادت ۳۰ر نومبر ۱۸۹۵ء) ۲۔ صوفی غلام محمد صاحب[3]

---

[1] الفضل یکم فتح ۱۳۳۰ ہش / یکم دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۵ و ۱۴ ر نبوت ۱۳۳۰ ہش / ۱۴ ر نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

[2] حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۷ ۔ ۲۳۸ طبع اوّل ۱۵ ر مئی ۱۹۰۷ء مطبع میگزین قادیان۔

[3] مبارک مصلح الدین احمد صاحب واقفِ زندگی جو وکیل المال ثانی تحریکِ جدید ہیں آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

بی۔ ایس سی، بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول حال ناظر بیت المال (خرچ) (ولادت ۱۹ر اکتوبر ۱۸۹۸ء) ۳۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب (ولادت ۳۰ر مارچ ۱۹۰۱ء) ۴۔ زینب بی بی صاحبہ (ولادت ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۳ء) ۵۔ آمنہ بی بی صاحبہ (ولادت ۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء) ۶۔ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی بیرسٹر وکیل القانون تحریک جدید (ولادت ۲۱ر دسمبر ۱۹۰۹ء) ۷۔ غلام احمد مرحوم (ولادت ۱۵ر اپریل ۱۹۱۲ء وفات ۱۸ر مارچ ۱۹۳۲ء) ۸۔ چوہدری غلام یٰسین صاحب بی۔ اے سابق مبلّغ اسلام امریکہ (ولادت ۲۸ر فروری ۱۹۱۵ء) ۹۔ امۃ اللہ صاحبہ (ولادت ۱۳ر نومبر ۱۹۲۰ء)

حضرت حافظ عبدالعزیز صاحبؓ متوطن سیالکوٹ چھاؤنی :۔

(ولادت تقریباً ۱۸۷۳ء۔ بیعت ۱۸۹۶ء[1]۔ وفات ۹ر نبوت ۱۳۳۰ ہش/ ۹ر نومبر ۱۹۵۱ء)

ابتدائی حالات

سیالکوٹ چھاؤنی کے ایک موحّد گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چوہدری نبی بخش صاحب بہت متدیّن اور مہمان نواز تھے۔ آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ نہایت صحت اور خوش الحانی سے کتاب اللہ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ خاندانی وجاہت کے علاوہ اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث بچپن ہی سے محبّت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

پاکیزہ دینی ماحول میں جوان ہوئے اور عنفوانِ شباب ہی سے مذہبی مطالعہ کرنے اور دینی مجالس میں بیٹھنے کا شوق تھا۔ صدر بازار سے آپ شہر سیالکوٹ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا درس سُننے کے لئے آیا کرتے تھے۔

سلسلہ احمدیہ میں شمولیّت

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا چرچا سُنا تو اپنے پیر و مُرشد سیّد جماعت علی شاہ صاحب علی پوری (ثانی)[2] سے پوچھا کہ مرزا صاحب اپنے دعوے میں کیسے ہیں جواب ملا کہ (نعوذ باللہ) جُھوٹے ہیں۔ آپ نے دلیل مانگی تو پیر صاحب موصوف نے فرمایا مرید کا کام دلیل مانگنا نہیں بس پیر نے کہا اور مرید نے مان لیا مگر حافظ صاحب ہر بات دلیل سے ماننے کے عادی تھے اس طرح اندھا دُھند تقلید آپ کے مزاج اور فطرت کے منافی تھی۔ آپ نے مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور پیر صاحب کی دعوت کی۔ دونوں میں مذہبی گفتگو ہوئی اس تبادلہ خیالات میں پیر صاحب احمدیت کے علمِ کلام کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور کوئی تسلّی بخش جواب

---

[1] بروایت سردار عبدالحمید صاحبؓ آڈیٹر برادرِ اصغر۔ [2] ولادت ۱۸۶۰ء وفات ۱۹۳۹ء ("صوفیائے نقشبند" از سید امین الدین احمد صاحب ناشر مقبول اکیڈمی لاہور طبع اوّل ۱۹۷۳ء)

دینے سے قاصر رہے جس پر آپ اُن کو چھوڑ کر حضرت مہدئ موعودؑ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

قبولِ احمدیّت کے بعد

قبولِ احمدیت کے بعد مخالفت کا سلسلہ لازمی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ کو ثبات و استقلال بخشا بلکہ آپ کے بابرکت وجود سے سیالکوٹ چھاؤنی کی قدیم وفدائی جماعت کو بھی بہت تقویت پہنچی اور آپ کے نیک نمونہ اور تبلیغ سے بہت سی سعید رُوحیں حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں۔

۱۹۱۴ء میں جبکہ مولوی مبارک علی صاحب جیسے عالم فاضل بھی غیر مبائعین میں شامل ہو گئے۔ آپ اس نازک ابتلاء میں مستحکم چٹان بن کر کھڑے رہے اور دوسرے احبابِ جماعت کی بھی خلافت سے وابستگی کا موجب بنے۔

۱۹۲۸ء میں آپ نے اپنا مکان چھاؤنی میں تعمیر کرایا تو دو کمرے نماز باجماعت اور جمعہ کی نیّت سے بنوائے۔ ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اِس طرح آپ کا مکان مرکز کا کام دینے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مال میں اتنی برکت ڈالی کہ آپ نے اُنیس ۱۹ مکانات اپنے ورثہ میں چھوڑے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔

حضرت حافظ صاحب قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے۔ ایک دفعہ کسی بدزبان نے آپ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تحقیر آمیز الفاظ کہے تو آپکو اتنا صدمہ ہوا کہ بخار ہو گیا اور دو دن تک ماہئ بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔[1]

حضرت مولوی عبدالواحد خان ؓ میرٹھی کا بیان

حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحب میرٹھی نے آپ کی وفات پر لکھا:-

"حافظ عبدالعزیز صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگ صحابہ میں سے تھے۔ حافظ صاحب رضی اللہ عنہ اور خاکسار نے ایک ہی دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے غالباً نومبر دسمبر ۱۸۹۵ء کے ایّام تھے حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ پہلے پیر جماعت علی شاہ کے مرید تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت بھی زوروں پر تھی۔ چھاؤنی سیالکوٹ صدر میں مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب احمدی تھے اور ایک اور دوست بھی۔ مولوی صاحب نے

---

[1] الفضل ۸ رفتح ۱۳۳۰ ہش / ۸ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۵ (مضمون چوہدری شبیر احمد صاحب بی۔اے)

درسِ قرآن شریف شروع کیا ہوا تھا اور حافظ صاحب رضی اللہ عنہ درس میں شامل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و احسان کیا ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ کا درسِ قرآن شریف شہر میں حکیم حسام الدین رضی اللہ عنہ کی مسجد میں ہوتا تھا۔ خاکسار اور حافظ صاحب سردیوں میں صبح ۵ بجے چھاؤنی سے ۲½-۳ میل کا فاصلہ چل کر مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ صبح پڑھتے اور درس میں شامل ہوتے۔ اصل میں حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کی بیعت کا بڑا سبب یہ ہوا کہ مَیں نے حافظ صاحب کو تحریک کی کہ پیر صاحب کی دعوت کریں اور مولوی صاحب کو بھی بُلائیں (مولوی مبارک علی صاحب) پھر کچھ ذکر ضرور ہو گا۔ دیکھیں گے پیر صاحب کیا فرماتے ہیں۔ خیر شام کو حافظ صاحب کی بیٹھک میں انتظام ہوا اور پیر صاحب، مولوی صاحب، حاجی حسین بخش صاحب مرید پیر بخش صاحب، منشی الٰہ بخش احمدی، حافظ صاحب، خاکسار ایک یا دو اور دوست تھے غالباً ۷-۸ آدمی تھے۔ پیر صاحب نے فرمایا مولوی صاحب کوئی رکوع قرآن شریف کا سُنائیں۔ مولوی صاحب نے یَا عِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ[1] یہی رکوع سُنایا۔ اس وقت شروع شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی زیادہ زیرِ بحث رہتے تھے اب تو غیر احمدی صاحبان اس بحث کو چھوڑ بھاگے۔ جب پیر صاحب اس رکوع کو سُن کر کچھ بولے نہیں بلکہ مولوی صاحب کی خوش الحانی کی تعریف کی تو مولوی صاحب نے خود ہی دریافت کیا کہ آپ کا حضرت مرزا صاحب کے متعلق کیا خیال ہے؟ پیر صاحب نے فرمایا کہ مَیں نے باوا صاحب[2] سے پوچھا تھا (یعنی اپنے پیر صاحب سے) باوا صاحب نے کہا وہ "کوڑا" (جھوٹا) ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کوئی دلیل؟ پیر صاحب نے کہا "باوا صاحب کے کہنے پر دلیل کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔" دوسرے دن صبح ہی مَیں نے اور حافظ صاحب نے بیعت کا خط حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت شریف میں ارسال کر دیا جس کا جواب حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قلم کا لکھا ہوا مجھ کو اور حافظ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مل گیا۔ الحمدللہ علیٰ احسانہٖ۔

خاکسار اور حافظ عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بچپن کے دوست تھے۔ ایک ساتھ قریب ۲۵-۳۰ برس رہے۔ ایک ہی سکول میں پڑھے بلکہ انہیں کے گھر میں رہے۔ حافظ صاحب رضی اللہ عنہ مجھ سے دو برس بڑے تھے۔ بچپن ہی سے خاموش، کم سخن، سنجیدہ مزاج، نیک سیرت اور خوش اخلاق انسان تھے۔ ہمارے

[1] آل عمران: ۵۶ ؛ [2] چورہ شریف کے پیر جناب فقیر محمد صاحب عرف باوا جی مراد ہیں ؛

محلّہ میں نیز سارے بازار یعنی چھاؤنی سیالکوٹ میں بغیر امتیاز مذہب و ملّت کیا ہندو کیا مسلمان ہر ایک آپ کو عزّت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ بالکل سچّی حقیقت ہے اور ہر ایک آپ کا احترام کرتا تھا۔ باوجود احمدیت کی سخت مخالفت کے آپ کے حُسنِ اخلاق کی وجہ سے کسی مخالف کو آپ کے سامنے احمدیت کے خلاف زبان کھولنے کی جُرأت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی صاف گوئی، راستبازی، نیک چلنی، اخلاص اور تقویٰ کا ہر ایک مدّاح تھا۔ علاوہ چھاؤنی کے چونکہ آپ سنگر کمپنی کے منیجر تھے شہر سیالکوٹ میں بھی بہت آنا جانا رہتا تھا شہر سیالکوٹ کے اکثر و بیشتر لوگ جن سے آپ کو معاملہ پڑتا آپ کے حُسنِ اخلاق، آپ کے اوصافِ حمیدہ کے مُعترف تھے اور آپ کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ ہمارے ایک دوست مستری نظام الدین صاحب سپورٹ ورکس سیالکوٹ شہر جو کاروبار کے سلسلہ میں چھاؤنی آتے رہتے تھے اور مولا بخش صاحب بُوٹ فروش (جو بعد میں پیغامی ہو گئے) بھی آتے اور حافظ صاحب کی دُکان پر ضرور بیٹھک رہتی۔ ایک مرتبہ حافظ جی کی نظر مستری نظام الدین صاحب کے مَوزوں پر پڑ گئی جو پھٹے ہوئے تھے۔ آپ نے فوراً ان کے پھٹے ہوئے مَوزے اتروا دیئے اور اپنے نئے مَوزے ان کو پہنائے۔۔۔۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام دارالامان سے مولوی کرم دین کے مقدمہ میں جہلم[1] تشریف لیجا رہے تھے تو مَیں اور حافظ جی رضی اللہ عنہ اور مستری نظام الدین تینوں آدمی وزیر آباد سٹیشن سے اُسی ٹرین میں سوار ہو کر حضور علیہ السّلام کے ساتھ ہی جہلم گئے اور حضور علیہ السّلام کے قیامِ جہلم تک وہیں رہے اور ساتھ ہی واپس ہوئے۔ آہا! سٹیشنوں پر کیا کیا نظارے دیکھے اور خاص کر جہلم سٹیشن پر، پھر کچہری احاطہ میں، کیا بتاؤں؟ جن کا بیان کرنا بڑا طویل ہے جس کی اِس خط میں گنجائش نہیں ہے۔ اکثر واقعات میری نوٹ بک میں ہیں جو ذکرِ حبیبؑ کے وقت دوستوں کو ازدیادِ ایمان کے لئے سُناتا ہوں۔

احاطۂ کچہری میں حضور مسیح موعود علیہ السّلام کُرسی پر بیٹھے ہوتے تھے اور باقی دوست دری پر بیٹھ جاتے اور کچھ دوست چاروں طرف گھیرا باندھ کر کھڑے رہتے۔ حضور تقریر فرماتے۔ اکثر و بیشتر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے جن میں حافظ صاحب رضی اللہ عنہ اور خاکسار بھی شامل تھے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹ والے بھی تھے جنہوں نے قریب ہی تھوڑی دُوری پر مخالفت میں اکھاڑا لگایا ہوا تھا۔ پھر حضور مسیح موعود علیہ السّلام کے لیکچر سیالکوٹ میں بھی حافظ صاحب اور خاکسار شامل

[1] جنوری ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے۔

رہے" [1]

اولاد ڈاکٹر رشید احمد صاحب[2]۔ ارشاد احمد صاحب[3]۔ شبّیر احمد صاحب[4] بی۔ اے۔ بشارت احمد صاحب[5] بی۔ اے۔ شمشاد احمد صاحب[6]۔ ریاض احمد صاحب[7]۔ اعجاز احمد صاحب[8]۔ ذوالفقار احمد صاحب[9]۔ مبارکہ بیگم صاحبہ۔ سلطان حیدری بیگم صاحبہ۔ اقبال حیدری بیگم صاحبہ۔

تادمِ تحریر خدا کے فضل و کرم سے حضرت حافظ صاحب کی اولاد کی مجموعی تعداد ۳۵ تک جا پہنچی ہے خدائے عزّوجلّ نے مہدئ موعود کو بشارت دی تھی :۔

"مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔" [10]

۸۔ اخوند محمد اکبر خاں صاحبؓ آف ڈیرہ غازیخاں :۔

(ولادت اپریل ۱۸۸۵ء۔ تحریری بیعت ۱۹۰۴ء۔ زیارت ۱۹۰۵ء۔ وفات ۴ فتح ۱۳۳۰ہش/ ۴ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

۱۹۰۳ء میں دفتر ضلع ڈیرہ غازی خان میں ملازم ہو کر راجن پور میں تعینات تھے کہ ایک سعید نوجوان حکیم عبدالخالق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بعض کتب کا مطالعہ کر چکے تھے اور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" خود آپ کے زیرِ نظر رہ چکا تھا۔ دونوں نے تحریکِ احمدیت پر علمی تحقیق شروع کر دی اور دونوں خوش نصیبوں پر اللہ تعالیٰ نے حق کھول دیا اور انہوں نے اوائل ۱۹۰۴ء میں بیعت کا خط لکھ دیا۔

ایک نشان پُرانے ڈیرہ غازیخاں میں احمدیت کی سخت مخالفت تھی اور اس میں آپ کے خاندان کے ایک بارسُوخ پولیس افسر اخوند امیر بخش خاں صاحب بہت پیش پیش تھے۔ غیر احمدیوں

---

[1] مکتوب حضرت مولوی عبدالاحد خانؓ مکان ۱۴۹ بیر کالونی بنام چوہدری شبیر احمد صاحب ؛

[2] دندان سازی کی پریکٹس کرتے ہیں ؛ [3] ٹرانسپورٹ منیجر وفات ۱۹۵۰ء ؛ [4] وکیل المال اوّل تحریکِ جدید ربوہ و نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ (صفِ دوم) ؛ [5] اسسٹنٹ ان ملٹری اکونٹس کراچی ؛ [6] متوفی ۱۹۵۱ء غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں وفات پائی ؛ [7] ملازم آرڈیننس کراچی ؛ [8] چیف ٹیک ایر فورس کراچی ؛ [9] میڈیکل اسسٹنٹ مسقط ؛ [10] اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ صفحہ ۱۴۲ ایڈیشن سوم ؛

نے احمدیہ مسجد پر قبضہ کرنے کے لئے سخت ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور یہ صاحب ان کے پُشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب انسپکٹر پولیس ڈیرہ غازیخاں کو اُکسایا کہ فریقین کے سرکردہ لوگوں کی ضمانتیں لی جائیں۔[1] اخوند صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ لکھا جس میں ان صاحب کی مخالفت کا ذکر کیا کہ ان کو اِس قدر عناد ہے کہ اگر اُن کا بس چلے تو مجھے قتل کر دیں، اور ضمانت طلبی کا بھی ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی حضور نے اپنے مبارک ہاتھ سے اس عریضہ کی پُشت پر جواب رقم فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہمیں گھبرانا نہیں چاہیئے دعا کی گئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس کا جلد نیک نتیجہ ظاہر ہو گا اور جماعت کو چاہیئے کہ ضمانت ہرگز نہ دیوے ہاں مسجد چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دی جاوے اور کسی احمدی کے مکان پر باجماعت نمازوں کا انتظام کر لیا جاوے مگر جماعت کے کسی فرد کو ضمانت ہرگز نہیں دینی چاہیئے۔

حضور کے اِس جواب کے تھوڑے دنوں بعد اخوند امیر بخش خاں لقمۂ اجل ہو گئے اور صاحب ڈپٹی کمشنر نے سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈیرہ غازیخاں کی رپورٹ پر ایک مسلمان ای۔ اے سی کو مقرر کر دیا کہ وہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں مصالحت کرا دے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ آخر دریائے سندھ کی طغیانی سے سارا شہر غرق ہو گیا اور نیا شہر آباد کیا گیا جس میں جماعتِ احمدیہ نے اپنی نئی مسجد تعمیر کرائی جو نئے شہر میں سب سے پہلی مسجد تھی۔[2] یہ مسجد فراخ اور کشادہ ہے اور شہر کے مرکزی اور بارونق حصّہ میں واقع ہے۔ مسجد میں لائبریری اور مربّیٔ سلسلہ کی رہائش کا بھی موجود ہے اور جمعہ کے علاوہ پبلک جلسے بھی اسی میں منعقد کئے جاتے ہیں۔

اخلاق

اخوند صاحبؓ نے اپنے زمانۂ ملازمت میں خُوب پیغامِ حق پہنچایا۔ آپ مبلّغینِ سلسلہ کو بُلوا کر تقریریں کراتے اور اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ اپنے افسروں کو ہمیشہ جماعتی لٹریچر دیتے۔ مستقل چندوں کے علاوہ سلسلہ کی دیگر مالی تحریکوں میں بھی حصّہ لیتے تھے۔ سلسلہ کے لٹریچر سے گہرا شغف تھا۔ مرکزی اخبارات، رسائل اور کتب منگواتے اور فرماتے یہی ترکہ میں اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔ جماعتی کاموں میں سرگرمی سے حصّہ لیتے۔ آپ کو اپنے رشتہ داروں اور دوسرے

---

[1] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۔ "بشاراتِ رحمانیہ" جلد اوّل صفحہ ۲۰۵۔ صفحہ ۲۰۷ مولفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر (طبع دوم)

[2] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۔ صفحہ ۱۲۸ (خود نوشت روایات اخوند محمد اکبر خان صاحبؓ)۔

لوگوں سے تکالیف پہنچیں مگر آپ نے ہمیشہ صبر کیا اور دُکھ دینے والوں سے نیکی اور احسان کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ اور بزرگانِ سلسلہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

جب آپ دَورانِ ملازمت ملتان میں قیام فرما تھے حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا پانچ مرتبہ آپ کے گھر تشریف لائیں۔

عُسر و یُسر دونوں حالتیں آپ پر آئیں مگر آپ میں شفقت علیٰ خلق اللہ، انفاق فی سبیل اللہ اور مہمان نوازی کے اوصاف بدستور قائم رہے۔ مفوّضہ کام نہایت توجّہ اور محنت سے انجام دیتے آپ کی دیانتداری اپنوں اور بیگانوں میں مسلّم تھی۔

ہجرت اور وفات ۱۹۳۸ء میں پنشن ملی تو قادیان آگئے اور ۱۹۴۰ء میں محلہ دار الفضل میں اپنا مکان بنا لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں قادیان سے آکر ملتان میں پناہ گزین ہوئے اور ۴ر ماہِ فتح ۱۳۳۰ ہش / ۴ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو وفات پائی اور ربوہ میں دفن کئے گئے [1]

اولاد ۱۔ صفیہ خانم صاحبہ اہلیہ اخوند محمد عبد القادر خان صاحب ایم۔ اے مرحوم ریٹائرڈ پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۲۔ بشریٰ خانم مرحومہ (بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون)

۳۔ اخوند فیاض احمد خان صاحب حال منیجر سیلز انٹرہام لمیٹڈ لاہور۔

۴۔ ثریّا خانم صاحبہ اہلیہ ضیاء الرحمٰن صدیقی صاحب۔ ملتان

۵۔ رضیہ خانم صاحبہ اہلیہ پروفیسر حفیظ احمد اعوان صاحب۔ خانپور (ضلع رحیم یار خان)

۶۔ آصفہ خانم صاحبہ اہلیہ پروفیسر ناصر احمد صاحب۔ پشاور

۷۔ فرحت خانم صاحبہ

۸۔ اخوند ریاض احمد خان صاحب ایم۔ ایس سی۔ حال ربوہ۔

۹۔ حضرت ملک برکت علی صاحبؓ والد ماجد خالدِ احمدیت ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم گجراتیؒ

(ولادت [2] قریباً ۱۸۶۹ء۔ تحریری بیعت [3] ۱۸۹۷ء۔ دستی بیعت [4] ۲-۱۹۰۱ء

---

[1] الفضل ۲۸ راخاء ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۶ ؛ [2] روایات صحابہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۔ صفحہ ۵ ؛ [3] الفضل ۴ر صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ ؛ [4] روایاتِ صحابہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۔ صفحہ ۵ ؛

وفات[1] ۲۰ ماہِ فتح ۱۳۳۰ ہش / ۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء)

خود نوشت حالات

حضرت ملک صاحبؓ اپنے قبولِ احمدیت اور سفرِ قادیان کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں گجرات سے تعلیم حاصل کر کے لاہور میں ملازم ہو گیا۔ وہاں جو دفتر کے کلرک تھے انہوں نے پیر سید جماعت علی شاہ[2] کی بیعت کی اور مجھے بھی تحریک کی مَیں نے بھی اُن کے کہنے سے پیر صاحب کی بیعت کر لی اور ہر روز صبح و شام دفتر کے وقت کے علاوہ اُن کی صحبت میں رہنے لگا جب عرصہ گزر گیا اور میری طبیعت پر کوئی اثر پیدا نہ ہوا اور نہ ہی مَیں نے کوئی رُوحانی ترقّی حاصل کی تو پیر صاحب سے سوال کیا کہ مجھے بیعت کئے ہوئے اِس قدر عرصہ گزر گیا ہے مگر میری حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ پیر صاحب نے کہا کہ آپ مجاہدات کریں اور اِس حد تک میرا تصوّر کریں کہ میرا نقش ہر وقت آپکے سامنے رہے پھر آپ کو بارگاہِ الٰہی میں رسائی حاصل ہو گی۔ مَیں عرصہ تک اُن کا تصوّر بھی کرتا رہا۔ مجاہدات بھی بڑے کئے مگر کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ اکوٹنٹ جنرل کے دفتر میں ایک شخص میاں شرف الدین صاحب ہوا کرتے تھے وہ احمدی تو نہ تھے مگر حضرت صاحب کی کتابیں پڑھا کرتے تھے انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کو پیر صاحب کی بیعت کئے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے مگر آپ کی حالت میں کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی۔ مَیں نے کہا کہ مَیں تو ہر روز پیر صاحب کو یہی کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ میری حالت میں کوئی تغیّر پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اگر مَیں آپ کو کوئی کتاب دوں تو کیا آپ پڑھیں گے مَیں نے کہا ضرور۔ آپ دیں مَیں انشاء اللہ ضرور پڑھوں گا۔ اِس پر اُنہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک کتاب مطالعہ کے لئے دی۔ مَیں نے اس کا مطالعہ کیا۔ پھر انہوں نے دوسری دی۔ یہاں تک کہ چار کتابیں مَیں نے پڑھ لیں۔ اس کے بعد ایک دن مَیں نے پیر صاحب کی خدمت میں حضرت صاحب کا ذکر اور پُوچھا کہ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ نہ ہم اُن کو اچھا کہتے ہیں نہ بُرا۔ مَیں اِس جواب پر بہت متعجب ہوُا مگر اُس وقت خاموش ہو گیا۔ ایک روز پھر مَیں نے یہی سوال کر دیا۔ پیر صاحب نے پھر وہی جواب دیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ "مگر نہ اُنکی کوئی کتاب پڑھو اور نہ وعظ سُنو"۔ مَیں حیران ہوُا کہ ایک طرف تو اُن پر اچھا یا بُرا ہونے کے متعلق

---

[1] الفضل ۴ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵۔ [2] علی پور سیداں میں سید جماعت علی شاہ کے نام سے دو پیر ہم عصر گزرے ہیں یہاں کونسے مراد ہیں اس کی تحقیق نہیں ہو سکی۔

کوئی فتویٰ نہیں لگاتے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ نہ اُن کی کتابیں پڑھو اور نہ وعظ سُنو۔ مَیں نے کہا کہ کیا آپ نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟ اِس پر پیر صاحب جوش میں آگئے اور کہنے لگے کہ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم ان کی کتابیں پڑھیں علماء نے اُن پر کُفر کا فتویٰ جو لگا دیا ہے۔ ان کا یہ جواب سُن کو میرے ذہن میں حضرت اقدس کی تحریرات کا نقشہ کھنچ گیا جس میں حضور نے مخالف علماء کے کُفر کے فتویٰ کا ذکر کرکے فرمایا تھا کہ یہ لوگ نہ میری کتابیں پڑھتے ہیں اور نہ میرے خیالات کو انہیں سُننے کا موقعہ ملا ہے مگر محض مولوی محمد حسین کے کہنے پر یک طرفہ فتویٰ لگا دیا ہے۔

مَیں نے دِل میں کہا کہ پیر صاحب کی بھی یہی حالت ہے کہ بالکل یک طرفہ فتویٰ لگا رہے ہیں۔ یہ باتیں سُنکر مَیں پیر صاحب سے بدظن ہوگیا اور واپس آکر تحقیقات میں مشغول ہوگیا۔ ان ایّام میں عبداللہ آتھم کے متعلق حضور کے اشتہارات نِکل رہے تھے اور عیسائیوں کی طرف سے بھی اشتہار آتے نکلا کرتے تھے۔ مَیں فریقین کے اشتہارات کو ایک فائل کی صُورت میں محفوظ کر رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت اقدس کی پیشگوئی آتھم کے بارہ میں بالکل صحیح پُوری ہوگئی ہے۔ اس کے بعد لیکھرام کے متعلق حضور کے اشتہارات اور تحریرات نکلنا شروع ہوگئیں ان کو بھی مَیں فائل میں محفوظ کرتا گیا۔ اِن ہر دو واقعات کے گزرنے کے بعد مجھے حضرت اقدس کی صداقت کے متعلق اطمینان ہوگیا اور مَیں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ پھر قریباً ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں قادیان جا کر دستی بیعت کی۔"

"جب قادیان پہنچے تو مہمان خانہ میں ٹھہرے۔ دوسرے دن حضرت اقدس نمازِ ظہر کے لئے تشریف لائے۔۔۔ حضرت اقدس کے زمانہ میں چونکہ مسجد چھوٹی ہوا کرتی تھی اِسلئے جب آدمی زیادہ ہوتے تو چھت پر جہاں حضور تشریف فرما ہوتے تھے جہاں کسی کو جگہ مل جاتی وہ بیٹھ جاتا اور ہمہ تن گوش ہوکر حضور کی باتوں کو سُنتا۔ بعض غیر احمدی معترض ہوتے کہ آپ پیر ہیں اور نیچے بیٹھے ہیں مگر مریدشہ نشین پر اُوپر بیٹھے ہیں۔ حضرت صاحب فرماتے کہ معذوری ہے جگہ تنگ ہے لوگ مجھے پُوجنے کے لئے نہیں آئے بلکہ تقویٰ اور طہارت کی باتیں سُننے کے لئے آئے ہیں اور مَیں تو انسان پرستی کو دُور کرنے کے لئے آیا ہوں۔

ایک دفعہ جبکہ مَیں بھوچرا بنگلہ نہر لوئر جہلم ضلع سرگودہا میں تھا ایک سب ڈویژنل افسر مسٹر ہاورڈ میرے خلاف ہوگیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بددیانت تھا اور پہلے کلرک کے ساتھ مل کر کھایا کرتا

تھا مگر جب مَیں گیا تو مَیں نے ایسے بِل بنانے سے انکار کر دیا اور کہا آپ میژرمنٹ بک (MESUREMENT[1] BOOK) میں درج کر کے دے دیں مَیں بِل بنا دوں گا لیکن کتاب میں درج نہیں کروں گا۔ اِس پر وہ بگڑ گیا اور میرے خلاف رپورٹ کر دی اور مجھے معطّل کر دیا۔ وجہ یہ لکھی کہ مَیں اِس کو بدمعاشی کی وجہ سے معطّل کرتا ہوں لیکن افسرِ بالا نے لکھا کہ اس پر چارج شیٹ لگاؤ اور جواب لیکر بھیجو۔ اس وقت جو جُرم مجھ پر لگایا گیا وہ کوئی بھی جُرم نہ تھا بلکہ اِس قسم کی باتیں تھیں کہ اس نے فلاں کا عذر پر دستخط کئے ہیں لیکن لفظ پڑتال نہیں لکھا۔ ایسی باتوں کا مَیں نے مدلّل جواب دے دیا۔ خیر کیس چل پڑا اور تین مہینہ تک چلتا رہا۔ مَیں نے حضرت اقدس کی خدمت میں دُعا کے لئے درخواست کی۔ حضور کی طرف سے ایک کارڈ پر جواب آیا کہ "دُعا کی ہے اللہ تعالیٰ رحم کرے گا"۔ اتفاق سے یہ خط ایک شخص پرسرام اوورسیئر کے ہاتھ آگیا اور اُس نے پڑھ لیا اُس نے مجھے آکر کہا کہ مقدمہ آپ کے حق میں ہو گیا ہے اور آپ بَری ہو گئے ہیں۔ مَیں حیران ہوُا اور پُوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوُا؟ اُس نے وہ کارڈ مجھے دیا اور کہا اِس پر لکھا ہوُا ہے۔ مَیں نے اسے پڑھا اور کہا کہ یہاں تو یہ نہیں لکھا کہ آپ بَری ہو گئے ہیں۔ وہ بولا کہ اتنے بڑے خدا کے بندے نے آپ کے لئے دُعا کی ہے بھلا اب کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ بَری نہ ہوں؟ چنانچہ اس خط کے مطابق تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مَیں بَری ہو گیا اور باوجود اس بات کے کہ مَیں کلرک تھا اور جھگڑا ایک انگریز سب ڈویژنل افسر کے ساتھ تھا مگر اس مقدمہ کی تفتیش کے لئے سپرنٹنڈنٹ اور چیف انجنیئر مسٹر بلینٹن تک آئے اور خُوب اچھی طرح سے انکوائری کی اور مجھے بَری کیا۔"[2]

اَخلاق وعَادات

ملک صاحب نے محکمہ نہر میں ملازمت کر کے ۱۹۲۷ء میں پنشن حاصل کی۔ عرصہ دراز تک جماعتِ احمدیہ گجرات کے جنرل سیکرٹری اور پھر امیر رہے۔ دَورانِ ملازمت اور بعد میں بھی تبلیغ دین کو اپنی غذا بنائے رکھا۔ آپ کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو سلسلہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تہجّد گذار اور متّقی بزرگ تھے۔ اُولوالعزمی اور راست گوئی آپ کا طُرّۂ امتیاز تھا۔ بہت دعائیں کرنے والے مُستجاب الدّعوات، صاحب

---

[1] پیمائش کی کتاب۔ [2] (رجسٹر "روایاتِ صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۷۔ صفحہ ۵۹) خود نوشت حالات حضرت ملک برکت علی صاحبؓ مورخہ ۱۰؍ جون ۱۹۳۹ء۔

کشوف و رؤیا تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور حضورؑ کے خلفاء کے ساتھ عشق تھا۔ سلسلے کے لئے غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ دینی اور دُنیاوی لحاظ سے کامیاب اور کامران زندگی گزاری وفات تک تبلیغ کا کام سر انجام دیتے رہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے جواں ہمّت اور جواں دِل تھے اپنے خاندان میں سب سے پہلے احمدیت کو قبول کیا آپ کے ذریعہ سے آپ کے خاندان اور متعلقین کا اکثر حصّہ احمدیّت میں داخل ہوا۔[1]

بہترین علمی یادگار

حضرت ملک صاحبؓ کی بہترین علمی یادگار آپ کے فرزند خالد احمدیت ملک عبد الرحمٰن صاحب خادمؓ تھے جن کے تبلیغی معرکے ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے۔ خادم صاحبؓ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "احمدیہ پاکٹ بُک" کا چھٹا ایڈیشن آپ سے معنون کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"مَیں اپنے والد مرحوم و مغفور حضرت ملک برکت علی کا نام زیبِ عُنوان کرتا ہوں جن کا عشقِ دیں اور جوشِ تبلیغ مجھے ورثہ میں ملا ہے اور جن کی تعلیم و تربیت سے مَیں خدّامِ احمدیت میں شمار ہونے کے قابل بنا۔"[2]

---

[1] الفضل ۴ رصلح ۱۳۳۱ ہش / ۴ رجنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ (مضمون منشی محمد رمضان صاحب احمدی پوسٹل پنشنر گجرات سابق ضلع وار کلرک جماعتِ احمدیہ گجرات)

[2] مندرجہ بالا بزرگ صحابہ کے علاوہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے امیر اور صدر مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے سابق ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔

(ولادت دسمبر ۱۸۷۴ء۔ زیارت جنوری ۱۸۹۲ء۔ دستی بیعت ۱۸۹۷ء ہجرت قادیان ۱۸۹۹ء۔ لاہور میں مستقل قیام ۲۰ راپریل ۱۹۱۴ء۔ وفات ۱۳ راکتوبر ۱۹۵۱ء)

"تاریخِ احمدیت" جلد دوم میں آپ کے حالاتِ زندگی کا اجمالی خاکہ دیا جا چکا ہے۔ آپ کے مفصّل سوانح کے لئے ملاحظہ ہو "مجاہدِ کبیر" مولّفہ جناب ممتاز احمد صاحب فاروقی بی۔ایس سی۔ ای۔ای ستارۂ خدمت و جناب محمد احمد صاحب ایم۔اے خلف مولانا محمد علی صاحب مرحوم۔

فصل سوم

۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں تقریبِ مسرت

۲۶ ر فتح ۱۳۳۰ ہش / ۲۶ ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے سالانہ جلسہ ربوہ کے افتتاح سے قبل اپنے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور اپنی صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ کے نکاحوں کا اعلان فرمایا۔ صاحبزادہ صاحب کا نکاح حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی بیٹی امۃ القدوس بیگم صاحبہ سے اور صاحبزادی صاحبہ کا پیر معین الدین صاحب ایم۔ ایس سی ابن حضرت پیر اکبر علی صاحبؓ مرحوم سے ایک ایک ہزار روپیہ مہر پر قرار پایا تھا۔

حضورؓ نے خطبۂ نکاح میں فرمایا کہ "میں اپنی لڑکیوں کا نکاح صرف واقفینِ زندگی سے کر رہا ہوں اور اس رشتہ میں میرے لئے یہی کشش تھی کہ لڑکا واقفِ زندگی ہے۔" [۲]

مجاہدینِ احمدیت کا تبلیغی دورہ

بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے مجاہدین کے ایک وفد نے صوبہ پنجاب و صوبہ سرحد کا ایک تبلیغی دورہ کیا۔ وفد نے لائلپور، سیالکوٹ، جہلم، راولپنڈی، کیمبلپور، نوشہرہ، پشاور اور لاہور جیسے مرکزی شہروں کی انفرادی مجالس اور پبلک جلسوں سے خطاب کیا۔ اور انڈونیشیا، سنگاپور، مشرقِ وسطیٰ، افریقہ اور یورپ وغیرہ ممالک میں جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی خدمات کے ایمان افروز اور دلچسپ واقعات بیان کئے اور بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے اسلامی مشن مسلمانانِ عالم خصوصاً پاکستان کے وقار اور مفادات کا ہر ممکن تحفظ و دفاع کرتے ہیں اور انڈونیشیا کی جنگِ آزادی میں احمدیوں نے شاندار کردار ادا کیا ہے۔ وفد کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ مسلمانانِ پاکستان کو مسئلہ فلسطین

---

[۱] آپ کی سوانح ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کے قلم سے "تابعین اصحابِ احمد" جلد ۶ میں چھپ چکی ہیں۔ [۲] الفضل یکم صلح ۱۳۳۱ ہش / یکم جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

کے تاریخی پس منظر سے آگاہ کر کے انہیں صیہونی حکومت کے خلاف متحد ہونے کی تلقین کرے چنانچہ اس پہلو پر بھی خاص زور دیا گیا۔

وفد جہاں جہاں پہنچا، مقامی جماعتوں نے اس کا پُرجوش استقبال کیا اور اس سے استفادہ کرنے کے لئے عمدہ مواقع پیدا کئے۔ احمدیوں کی معلومات اور قوتِ عمل میں اضافہ ہوا اور غیر احمدی معززین مجاہدین کے کارناموں اور تبلیغی مساعی سے بہت متاثر ہوئے[1]

وفد میں شامل مبلغین کے نام یہ ہیں :-

۱۔ حضرت مولانا رحمت علی صاحب مبلغِ انڈونیشیا (امیرِ وفد)

۲۔ حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور۔

۳۔ شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ فلسطین و شام۔

۴۔ مولوی غلام احمد صاحب مبلغ عدن۔

۵۔ مولوی عنایت اللہ صاحب احمدی مبلغ مشرقی افریقہ۔

۶۔ مولوی محمد اسحٰق صاحب ساقی مبلغ سپین۔

ربوہ میں ٹیلیفون کا اجراء خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ربوہ میں دینی خدمت بجا لانے کی ساری سہولتیں قلیل ترین عرصہ میں مہیا فرما دیں۔ ریلوے لائن پہلے ہی ربوہ کے رقبہ میں سے گزرتی تھی بعد کو اسٹیشن بھی قائم ہو گیا اور اسٹیشن، ڈاک خانہ اور تار گھر کھلنے کے بعد اس سال ۲۱۔ ماہ ہجرت/مئی سے ٹیلیفون بھی جاری ہو گیا۔ ربوہ سے پہلا فون امیر جماعت احمدیہ قادیان کو کیا گیا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے درج ذیل الفاظ پر مشتمل تھا :-

"جماعت کو سلام، بیماروں کی عیادت اور دعاؤں کی تحریک"[2]

دفاعِ وطن کا عہد ماہِ وفا/جولائی کے وسط میں ہندوستان کی بکتر بند فوجیں مشرقی پنجاب اور ریاست جموں و کشمیر کے ساتھ ساتھ پاکستانی حدود کے اتنے قریب فاصلہ پر جمع ہو گئیں کہ پاکستان کی سالمیت خطرہ میں پڑ گئی۔

---

[1] تفصیل الفضل ۱۶ ہجرت/مئی تا ۵ احسان/جون ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں ملاحظہ ہو۔

[2] الفضل ۲۳ و ۲۴ ہجرت ۱۳۳۰ہش/۲۳، ۲۴ مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

اِس نازک موقع پر مرکزِ احمدیّت ــــ ربوہ کی طرف سے وزیرِ اعظم پاکستان لیاقت علی خاں کو یقین دلایا گیا کہ پاکستان کے احمدی مادرِ وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اِس سلسلہ میں ناظر صاحب امورِ خارجہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے وزیرِ اعظم کے نام حسبِ ذیل تار ارسال کیا:۔

" پاکستانی سرحدات کے قریب ہندوستانی فوجوں کے جمع ہونے کی خبر سے افسوس ہُوا ہم حکومت کو یقین دلاتے ہیں کہ قوم کے اِس نازک وقت میں پاکستان کے احمدی ہر حال میں اپنی حکومت سے پُورا پُورا تعاون کریں گے اور مادرِ وطن کے دفاع اور اسکی حفاظت کی خاطر ہر ممکن قربانی کے لئے ہر آن تیار رہیں گے۔"[1]

رسالہ الفرقان کا اجراء

وسط ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری سابق مبلغ بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ نے رسالہ "الفرقان" جاری فرمایا۔ اِس رسالہ کے تین بُنیادی اغراض و مقاصد تھے:۔

۱۔ قرآنِ مجید کے حُسن کو نمایاں کرنا اور فضائلِ قرآنی بیان کرنا۔

۲۔ غیر مُسلموں (آریوں، عیسائیوں اور بہائیوں وغیرہ) کے قرآنِ مجید پر اعتراضات کے جوابات۔

۳۔ اہلِ پاکستان میں آسان اسباق کے ذریعہ عربی زبان کی ترویج و اشاعت۔

اِس رسالہ کے اوّلین منیجر حضرت بابو فقیر علی صاحب (والد ماجد مولانا نذیر احمد علی صاحب شہیدِ افریقہ) مقرر کئے گئے۔ یہ رسالہ چوبیسؔ سال سے نہایت باقاعدگی اور التزام کے ساتھ چھپ رہا ہے اور اپنے بلند پایہ اور تحقیقی مضامین کے اعتبار سے رسالہ "ریویو آف ریلیجنز اُردو" کی نمائندگی کرتا ہے۔

سیّدنا حضرت مُصلح موعودؓ کی نگاہ میں "الفرقان" کو جو علمی افادی اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ حضور کے مندرجہ ذیل ارشاد سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

" میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"[2]

---

[1] الفضل ۱۸ روفا ۱۳۳۰ہش/۱۸ جولائی ۱۹۵۱ء صلہ ۔ [2] الفضل ۵ صلح ۱۳۳۵ہش/۵ جنوری ۱۹۵۶ء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے نے لکھا:۔

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اِس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اِس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض وغایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدِّنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خُدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ پس مخیّر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اِس رسالہ کی غرض وغایت بصورت احسن پُوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پُوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منور کرے"[1]

دفتر "حفاظتِ مرکز" ربوہ میں

دفتر "حفاظتِ مرکز ہند" جو قریباً تین برس سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نگرانی میں جودھامل بلڈنگ (لاہور) میں قائم تھا اِس سال کے آغاز میں ربوہ منتقل ہو گیا[2] اور حضرت میاں صاحبؓ بھی اِس جدید مرکز میں رہائش پذیر ہو گئے۔

اِس دفتر کا نام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی منظوری سے ۷ رماہِ شہادت ۱۳۳۹ ہش/ ۷ رماہِ اپریل ۱۹۶۰ء کو خدمتِ درویشاں رکھا گیا حضور کے الفاظ مبارک یہ تھے "خدمتِ درویشاں نام بدل دیں" حضور کا یہ ارشاد اس دفتر میں زیر $\frac{927}{7-4-60}$ ریکارڈ شدہ ہے۔

وزیرِ اعظم پاکستان کے نام مبارکباد کا پیغام

۲۴ رصلح/جنوری سے لنڈن میں دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ جب تک مسئلہ کشمیر کو ایجنڈے میں شامل

---

[1] الفضل ۱۸ روفا ۱۳۳۸ ہش/ ۱۸ رجولائی ۱۹۵۹ء صفحہ ۴۔

[2] الفضل ۹ رصلح ۱۳۳۰ ہش/ ۹ رجنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

نہیں کیا جائے گا وہ اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ اس جُرأت مندانہ اقدام پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے درجِ ذیل الفاظ میں اُن کو مبارکباد کا پیغام دیا:-

"آپ نے دولتِ مشترکہ کے وزراءِ اعظم کی کانفرنس کے ایجنڈے میں مسئلۂ کشمیر کی شمولیّت پر زور دیتے ہوئے جس عزم و ثبات کا اظہار کیا ہے مَیں اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اگرچہ ہماری جماعت کے نزدیک دولتِ مشترکہ کی رُکنیّت بھی اہم ہے لیکن اِس کے نزدیک یقیناً پاکستان کی سلامتی اور حفاظت کا سوال اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ خیر سگالی کا جذبہ بلاشبہ ایک قابلِ قدر اور نہایت بیش قیمت چیز ہے لیکن اپنے ملک کے مفاد کے لئے ثابت قدمی دکھانا بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔ خدا آپ کے ساتھ ہو۔" [1]

درویشانِ قادیان کے اہل و عیال کی واپسی

اِس سال ایک لمبی جدّوجہد اور انتظار کے بعد بارہ[12] درویشوں کے اہل و عیال (جو انقلابِ ہجرت کے باعث پاکستان میں آ گئے تھے) واپس قادیان جا کر آباد ہو گئے اور یہ سب اُن درویشوں کے رشتہ دار تھے جو شروع سے ہندوستان کے باشندے تھے۔ اِن بارہ[12] خاندانوں میں سے ایک تو کچھ عرصہ قبل قادیان چلا گیا تھا اور باقی ۲۸ ماہِ احسان/جون کو واپس گئے تھے۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے مصنّف "اصحابِ احمد" اِس واقعہ کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں:-

"۱۹۴۸ء سے اہل و عیال کی واپسی کے لئے کوشش ہو رہی تھی بالآخر حکومتِ ہند کی طرف سے چند ماہ قبل اہل و عیال منگوانے کی اجازت ملی اور حکومتِ پاکستان نے بھی اِس کی اجازت دیدی۔ گویا دونوں حکومتوں کے اتّفاقِ رائے سے یہ کام ہوا لیکن گزشتہ ماہ کی ابتداء میں اچانک یہ بذریعہ خط اطلاع گورنمنٹ ہند کی طرف سے آئی کہ اجازت کی میعاد گزر چکی ہے۔ اِس میعاد کی اِدھر اور اُدھر کے منتظمین کو کوئی اطلاع نہ تھی بلکہ یہ اطلاع تھی کہ کوئی میعاد مقرر نہیں ہے۔ بہرحال منسوخی کی اطلاع ملنے پر صدر انجمن احمدیہ قادیان نے مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز اور خاکسار

---

[1] الفضل لاہور ۲۶ صلح ۱۳۳۰ ہش/۲۶ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۱

کو اِس سلسلہ میں دِلّی بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۲۲ جون کو میعاد میں توسیع منظور ہو کر لاہور اطلاع چلی گئی۔ پاکستان حکومت کی طرف سے میعاد ۳۰ جون تک کی تھی۔ وقت بہت تنگ تھا اور درویشوں کے اہل وعیال منتشر مقامات پر تھے۔ ان کے جلد اور بروقت پہنچنے کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بہت ہی سعی فرمائی جو خدا کے فضل سے مشکور ہوئی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

قریباً سارے دوست جن کے اہل وعیال آرہے تھے۔ فون پر اطلاع ملنے پر استقبال کے لئے واہگہ بارڈر پر پہنچ گئے۔ نظارت امور عامہ کی طرف سے انتظام کے لئے اخویم فضل الٰہی صاحب مقرر تھے۔ ۲۸ جون کو گیارہ درویشوں کے اہل وعیال قریباً ½ ۱۱ بجے دن سرحدِ پاکستان عبور کر کے سرزمینِ ہند میں داخل ہوئے جہاں سے لاری کے ذریعہ ½ ۶ (بجے) شام روانہ ہو کر قریباً ۸ بجے شام بٹالہ اور وہاں سے ½ ۱۰ بجے شب بخیریت تمام قادیان پہنچے۔ سڑک کی خرابی کی وجہ سے قادیان کے راستہ میں ٹرک پھنس گیا اِس وجہ سے کافی وقت صرف ہو گیا۔ جُوں جُوں ان کی آمد میں دیر ہوتی جاتی تھی۔ درویشوں کا اشتیاق اور فکر بڑھتا جاتا تھا اور وہ دست بدعا تھے کہ اللہ تعالیٰ قافلہ کو خیریت سے لائے۔ احمدیہ چوک (نزد مکان حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب) میں درویش ہلالِ عید کی طرح چشم براہ تھے اور قافلہ کی آمد پر خوشی سے پھُولے نہ سماتے تھے۔"[1]

جماعتِ احمدیہ پشاور کی نئی جامع مسجد

پشاور میں ۱۹۲۳ء سے صرف ایک احمدیہ مسجد کوچۂ گلبادشاہ میں تھی۔ اب اِس سال حضرت مولٰینا غلام رسُول صاحب راجیکیؓ مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تحریک پر سول کوارٹرز میں دوسری عالیشان مسجد بنی۔ اِس مسجد کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا صاحبؓ نے ۲۸ ماہِ شہادت ۱۳۳۰ ہش/۲۸ اپریل ۱۹۵۱ء بروز اتوار صبح آٹھ بجے رکھا بنیاد کے بعد آپ نے احادیثِ نبوی اور اسلامی واقعات کی روشنی میں تعمیرِ مسجد میں حصہ لینے کی اہمیت بتائی جس پر احمدی دوستوں نے نہایت اخلاص اور فراخدلی سے چندہ فراہم کیا۔

یہ مسجد صوبہ سرحد کی احمدی مساجد میں سب سے وسیع مسجد ہے اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۱ وفا ۱۳۳۰ ہش/۲۱ جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ نے "حیاتِ قدسی" جلد سوم صفحہ ..۱پر[1] اور حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ فاروقی امیر جماعتِ احمدیہ صوبہ سرحد نے اپنی کتاب "تاریخ احمدیہ" (سرحد) کے صفحہ ۹۷ پر[2] اس مسجد کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قادیان سے رسالہ "درویش" کا اجراء

قادیان کے اہلِ علم و قلم درویشوں نے ۱۲ صلح ۱۳۲۷ ہش/ ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو "بزمِ درویشاں" کے نام سے ایک علمی مجلس قائم کی جس کا مقصد اسلامی طریق پر فنِ تقریر سکھانا اور دینی اور علمی قابلیت میں اضافہ کرنا تھا۔ اس مجلس کے ابتدائی دو تین سال درویشوں میں تقریری شوق پیدا کرنے کے لئے وقف رہے ماہِ فتح ۱۳۲۹ ہش/ دسمبر ۱۹۵۰ء میں مجلس کی پہلی تحریری جدّوجہد ایک مجموعہ نظم و نثر کی صورت میں سامنے آئی جس کا نام بھی "درویشانِ قادیان" تھا۔ ازاں بعد بزم نے اپنے اجلاس (مورخہ ۴ صلح ۱۳۳۰ ہش/ ۴ جنوری ۱۹۵۱ء) میں قادیان سے ایک ماہنامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس رسالہ کا نام "درویش" تجویز فرمایا جس کا پہلا شمارہ ماہ تبوک ۱۳۳۰ ہش/ ستمبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اس رسالہ کے لئے حسبِ ذیل پیغام بذریعہ تار ارسال فرمایا:-

BAZM-I-DARWESHAN

C/o MOBARIK ALI DARUL MASIH QADIAN
Whatever service you do to your God or to your faith and country, be earnest, be honest, be straightforward, don't look upon people to help you. If your work is for God, God will help you, if not, nobody will help you.

KHALIFATUL MASIH
RABWAH 26-7-51

---

[1] ناشر سیٹھ محمد معین الدین صاحب احمدی چنت کنٹہ حیدر آباد دکن طبع اوّل جنوری ۱۹۵۴ء مطبوعہ تاج پریس حیدر آباد دکن۔ [2] طبع اوّل ۱۳۳۸ ہش مطابق ۱۹۵۹ء مطبوعہ منظور عام پریس پشاور۔

(ترجمہ) آپ اپنے خدا، مذہب اور ملک کی خاطر جو خدمت بھی انجام دیں اس میں پوری سنجیدگی، دیانتداری اور راستبازی سے کام لیں۔ انسانی امداد پر انحصار نہ رکھیں۔ اگر آپ کا کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو وہ خود آپ کی تائید و نصرت فرمائے گا ورنہ کوئی فرد آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔

خلیفۃ المسیح

ربوہ

۲۶ جولائی ۱۹۵۱ء

رسالہ "درویش" نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کی نگرانی میں چھپتا تھا اور صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اس کے نگران تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب طالبؔ پوری، چوہدری سعید احمد صاحب بی۔ اے آنرز، محمد صادق صاحب ناقدؔ لائلپوری نے بالترتیب اس کی ادارت کی اور مکرم یونس احمد صاحب اسلم نے تابع و ناشر کے فرائض انجام دئے۔ ابتداءً یہ رسالہ پریم پرنٹنگ پریس امرتسر سے چھپوایا گیا۔ پھر راما آرٹ پریس امرتسر سے طبع ہونے لگا۔ رسالہ کا سرورق منارۃ المسیح کے نہایت دلکش اور خوبصورت فوٹو سے مزیّن ہوتا تھا۔

انقلابِ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد مرکز سے شائع ہونے والا یہ پہلا رسالہ تھا اور اسے ہندوستان اور پاکستان کے مشہور احمدی علماء اور ادباء کی علمی و ادبی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے مضمون نگاروں میں حضرت عرفانی الکبیرؓ، حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانیؓ، حضرت مرزا برکت علی صاحب جیسے بزرگ صحابہ اور مولانا ابو العطاء صاحب، مولوی شریف احمد صاحب امینی، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یادگیری، مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے اور مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی اور مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ اور چوہدری محمد شریف صاحب مجاہد بلادِ عربیہ جیسے علماء، اور سید اختر احمد صاحب اورینوی ایم۔ اے پٹنہ کالج جیسے ادباء اور شیخ عبد القادر صاحب محقق عیسائیت، سید ارشد علی صاحب لکھنوی اور پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب جیسے فاضل شامل تھے۔

احمدی شعراء میں سے خاص طور پر چوہدری عبد السلام صاحب اختر، جناب قیس مینائی صاحب، جناب مصلح الدین صاحب راجیکی، جناب عبد المنان صاحب ناہید اور جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم کا کلام رسالہ کی زینت بنتا رہا۔

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء میں ادارہ "درویش" کا دفتر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی کی بلڈنگ میں قائم تھا اور بزمِ درویشاں کی لائبریری بھی یہیں تھی۔[1]

یہ ماہنامہ ماہ اخاء ۱۳۳۱ہش/اکتوبر ۱۹۵۲ء تک جاری رہا اور پھر اقتصادی مشکلات کے باعث بند کر دیا گیا۔[2]

پیغامِ امام جماعتِ احمدیہ سیرالیون کے نام

حضرت مصلح موعودؓ نے جماعتِ احمدیہ سیرالیون کے سالانہ جلسہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے لئے مندرجہ ذیل پیغام ارسال فرمایا:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

برادرانِ جماعتِ احمدیہ ملکِ سیرالیون !!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

یہ پیغام میں آپ کے سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء جلسہ کے لئے بھجوا رہا ہوں۔ آپ کے ملک میں مغربی افریقہ کے ممالک میں سب سے آخر میں تبلیغ شروع ہوئی ہے لیکن آپ کا ملک چاروں طرف سے ایسے علاقوں سے گھرا ہؤا ہے جو احمدیت سے ناآشنا ہیں۔ پس آپ کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اور آپ کے لئے کام کے مواقع بھی بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس آپ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنی محنت اور کوشش کو بڑھائیں اور نہ صرف اپنے علاقہ میں احمدیت کو پھیلانے کی کوشش کریں بلکہ لائبیریا اور فرنچ افریقن علاقوں میں بھی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیں مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لوگ اپنے فرائض کو ادا کریں گے تو آپ کے لئے آخرت میں بہت سا ثواب جمع ہو جائے گا اور اِس دُنیا میں آپ شمالی افریقہ کے رہنما بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اسلام کی تعلیم پر سچّے طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اخلاص اور قربانی اور اتحاد اور نظام کے احترام کا مادہ آپ میں پیدا کرے۔

خاکسار (دستخط) مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۱۲/۳/۵۱[3]

---

[1] ماہنامہ درویش اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۸ ۞ [2] بدر ۲۱-۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۳ ۞

[3] الفضل ۴ شہادت ۱۳۳۱ہش/۴ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۷ ۞

دُعاؤں کی خاص تحریک

تحریکِ احمدیت کا ایک عظیم مقصد دُعا پر زندہ اور غیر متزلزل ایمان بھی ہے اِسی لئے سیّدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ نئے سے نئے انداز میں جماعتِ احمدیہ کو اِس نقطۂ مرکزیہ کی اہمیت و ضرورت کا احساس تازہ رکھتے تھے۔ اِس مستقل دستور کے مطابق آپ نے ۲۸ تبوک ۱۳۳۰ ہش / ۲۸ ستمبر ۱۹۵۱ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

" خدا تعالیٰ جس کی نصرت پر آتا ہے کوئی طاقت اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی پس اگر دنیوی اُمور میں وہ اِس طرح مدد کرتا ہے تو وہ دینی باتوں میں کس طرح مدد نہ کرے گا؟ .... پس راتوں کو اُٹھو خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکسار کرو۔ پھر یہی نہیں کہ خود دُعا کرو بلکہ یہ دُعا بھی کرو کہ ساری جماعت کو دُعا کا ہتھیار مِل جائے۔ ایک سپاہی جیت نہیں سکتا جیتتی فوج ہی ہے اِسی طرح اگر ایک فرد دعا کریگا تو اُس کا اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا ایک جماعت کی دعا کا فائدہ ہوگا۔ تم خود بھی دعا کرو اور پھر ساری جماعت کے لئے بھی دعا کرو کہ خدا تعالیٰ انہیں دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر احمدی کے دِل میں یقین پیدا ہو جائے کہ دعا ایک کارگر وسیلہ ہے اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ جماعت کے سب افراد میں ایک آگ سی لگ جائے۔ ہر احمدی اپنے گھر پر دعا کر رہا ہو پھر دیکھو خدا تعالیٰ کا فضل کس طرح نازل ہوتا ہے؟" [1]

جلسہ "سیرۃ النبیؐ" میں حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریر

۱۸ ماہِ نبوت ۱۳۳۰ ہش / ۱۸ نومبر ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے طُول و عرض میں جماعتِ احمدیہ کے زیرِ اہتمام وسیع پیمانے پر سیرۃ النبیؐ کے جلسے منعقد ہوئے۔

اِس تقریب پر حضرت مصلح موعودؓ نے ربوہ میں ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی جس میں سُورۃ علق کی سب سے پہلی قرآنی وحی سے نہایت لطیف استدلال کر کے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ اور عدیم المثال خُلقِ عظیم کا رُوح پرور نقشہ کھینچا۔ [2]

---

[1] الفضل ۱۷ نبوت ۱۳۳۰ ہش / ۱۷ نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲، ۳۔

[2] پوری تقریر الفضل ۲۵ امان ۱۳۳۱ ہش / ۲۵ مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع شدہ ہے۔

مبلّغینِ احمدیت کی روانگی اور آمد

اِس سال مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت بغرض تبلیغ اسلام بیرونی ممالک کو روانہ ہوئے:۔

۱۔ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر (برائے سیلون۔ روانگی ۱۶۔ وفا ۱۳۳۰ہش)

۲۔ " شیخ نور احمد صاحب منیر (برائے لبنان۔ روانگی ۶ ظہور ۱۳۳۰ہش)

۳۔ " مولوی غلام احمد صاحب مبشر (برائے حلب۔ روانگی ۶ ظہور ۱۳۳۰ہش)

۴۔ " ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل (برائے سیرالیون۔ روانگی ۲۴ تبوک ۱۳۳۰ہش)

علاوہ ازیں مکرم چوہدری عبد الرحمٰن صاحب (مبلّغ لنڈن) مکرم چوہدری عبد اللطیف صاحب (مبلّغ جرمنی) مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب (مبلّغ گولڈکوسٹ) مکرم ملک عطاء الرحمٰن صاحب (مبلّغ فرانس) مکرم ملک احسان اللہ صاحب (مبلّغ مغربی افریقہ) مکرم قریشی مقبول احمد صاحب (مبلّغ انگلستان) اور مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی (مبلّغ اُردن و شام و لبنان) اعلائے کلمۂ اسلام کا فریضہ بجا لانے کے بعد مرکز میں واپس تشریف لائے[1]

بیرونی ممالک میں احمدی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

لبنان۔ لبنان میں احمدیت کا بیج ۱۳۲۹ہش/ ۱۹۵۰ء میں بویا گیا جہاں مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو اُردن و شام میں دعوتِ حق دینے کے بعد بھجوایا گیا تھا اور جن کے ذریعہ سید فائز الشہابی داخلِ سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ یہ پہلے لبنانی تھے جنہیں احمدیت کی نعمت نصیب ہوئی۔ ان کے بعد اِس سال السید حسن احمد قزق، السیدہ فخریہ زوجہ حسن اور الحاج حسین قزق نے بیعت کی اور لبنان میں مقامی احمدیوں کی ایک مختصر جماعت قائم ہوگئی۔

مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے پریس اور نیوز ایجنسی سے رابطہ قائم کیا اور مُلک کی ممتاز شخصیتوں (مثلاً رفیق بے قصار، لبنانی قانون دان مسٹر فؤاد رزق ڈاکٹر عمر فروخ وغیرہ) سے ملاقاتیں کیں اور ان تک تحریکِ احمدیت کی آواز پہنچائی۔ آپ نے لبنان کے علمی حلقوں میں کشتی نوح، التقاط حمامۃ البشریٰ، اسلامی اصول کی فلاسفی، ابطال الوہیّت، اور پیغام احمدیت کی بھی اشاعت کی۔

---

[1] الفضل ۲۱ وفا ۱۳۳۰ہش صفحہ ۵، الفضل ۸ ظہور ۱۳۳۰ہش صفحہ ۵، الفضل ۲۸ تبوک ۱۳۳۰ہش صفحہ ۲، الفضل ۱۰ نبوت ۱۳۳۰ہش صفحہ ۱، الفضل ۱۱ فتح ۱۳۳۰ہش صفحہ ۱، الفضل یکم صلح ۱۳۳۰ہش صفحہ ۶

جناب چغتائی صاحب اِسی سال واپس مرکز میں آ گئے اور اُن کی جگہ جناب شیخ نور احمد صاحب منیر تشریف لے گئے۔

امریکہ۔ یہ سال امریکہ مشن کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں واشنگٹن کے اندر ایک تین منزلہ مکان خرید کر مسجد فضل کا قیام ہوا۔ یہ مسجد دار التبلیغ اور لائبریری کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اور امریکہ بھر میں تربیت و اصلاح، تبلیغ اسلام اور لٹریچر کی تقسیم و اشاعت کا مضبوط اور فعال مرکز ہے۔

اِس مسجد میں بااثر طبقہ کے مسلمانوں کے علاوہ نامور غیر مسلم شخصیتوں کی آمد کا باقاعدہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تمام امریکن مشنوں پر کنٹرول اور ان کی تنظیم، ان کے چندوں کے انفرادی حسابات، احبابِ جماعت کے خطوط اور غیر مسلم اصحاب کے سوالوں کے جوابات، امریکن پریس میں اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کی اشاعت پر ان کی تصحیح کا انتظام، اہم اداروں، لائبریریوں، یونیورسٹیوں سے رابطہ، مستشرقین سے تعلقات کا قیام، اور اسلام و احمدیت کے لٹریچر کی وسیع تقسیم و اشاعت وغیرہ سب امور مسجد فضل امریکہ کی دینی سرگرمیوں کا ایک مستقل حصہ ہیں۔ تعمیر مسجد کے بعد نئی دُنیا کے تین ہزار میل پر پھیلے ہوئے لمبے محاذ پر اشاعتِ اسلام کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔[1]

امریکن احمدیوں کی چوتھی سالانہ کنونشن یکم، ۲؍ تبوک/ستمبر کو کلیولینڈ میں منعقد ہوئی جس میں دو سو مندوبین نے شرکت کی۔ کنونشن میں تربیتی تقاریر کے علاوہ گزشتہ سال کی کارگزاری اور آئندہ سال کے پروگرام پر بھی غور و فکر کیا گیا۔[2]

اِس سال امریکہ مشن کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی مندرجہ ذیل تحریرات شائع کی گئیں:۔

۱۔ کمیونزم اینڈ ڈیموکریسی (حضرت مصلح موعودؓ)

۲۔ WHY I BELIEVE IN ISLAM (حضرت مصلح موعودؓ)

۳۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام (اِس کے امریکن ایڈیشن کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دیباچہ بھی رقم فرمایا)

---

[1] الفضل ۲۵ تبلیغ ۱۳۳۰ہش/فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۶ و ۶ اخاء ۱۳۳۰ہش/اکتوبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲

[2] الفضل ۸ صلح ۱۳۳۱ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۴

۴۔ "MORAL PRINCIPLES AS THE BASIS OF ISLAMIC CULTURE" (مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب) [1]

واشنگٹن کے اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے اپنے ۲۲ مارچ ۱۹۵۱ء کے اداریہ نوٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق ایک نازیبا فقرہ اور بے بنیاد محاورہ استعمال کیا جس پر احمدیہ مشن کی طرف سے پُرزور احتجاج کیا گیا مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج مبلغِ اسلام امریکہ نے ایڈیٹر کے نام خط لکھا اور اِس افسوسناک حرکت کو آنحضرتؐ کی توہین اور دُنیا بھر کے ۳۵۰ ملین مسلمانوں کی دلآزاری کے مترادف قرار دیا۔

یہ خط واشنگٹن پوسٹ نے ۲۶ مارچ [2] کو قارئین کے کالم میں "OFFENCE TO MUSLIMS" کے عنوان سے من وعن شائع کر دیا۔

اِس مؤثر احتجاج کا ذکر امریکن رسالہ PATHFINDER نے ۱۸ اپریل [3] ۱۹۵۱ء کے پرچہ میں بھی کیا۔

نائیجیریا۔ اِس سال مکرم مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی انچارج مشن نے تحریکِ احمدیت سے روشناس کرنے اور مرکزِ احمدیت اور دیگر جماعتی خبروں کو بروقت افرادِ جماعت تک پہنچانے کے لئے لیگوس سے "دی نائیجیریا احمدیہ بلیٹن" (THE NIGERIA AHMADIYYA BULLETIN) جاری کیا جو پہلے سائیکلوسٹائل ہوتا تھا پھر (اگست ۱۹۵۱ء سے) پریس میں چھپنے لگا۔ بلیٹن کو ابتدائی مراحل میں ہی ایسی غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی کہ اسے دسمبر ۱۹۵۱ء میں "THE TRUTH" کے نام سے ایک باتصویر با مواد اخبار کی صورت دے دی گئی جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"اخبار ٹروتھ کا اجراء خوشکن ہے خدا کرے اس میں ترقی ہو۔ اخبار کو اچھا بنائیں یہ آمد کا بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اپنا پریس بھی بنانے کی کوشش کریں اس کے ذریعہ بہت کامیابی ہو سکتی ہے۔ آپ پہلی تجارت پریس کے ذریعہ ہی شروع کریں۔ اِس ملک

---

[1] الفضل ۱۶ اخاء ۱۳۳۰ ہش / اکتوبر ۱۹۵۱ء صہ ۴۔

[2]، [3] اِن اخبارات کے تراشے خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں۔

میں پریس کی زیادہ ضرورت ہے۔"

اِس کے بعد تحریر فرمایا:۔

"TRUTH کا پرچہ ملا۔ بہت بڑی کامیابی ہے۔ خدا کرے اِس سے بڑا ہو۔"

پھر حضور نے اِس دِلی خواہش کا اظہار فرمایا کہ:۔

"مَیں سمجھتا تھا کہ آپ کا اخبار ہفتہ وار ہے اَب معلوم ہُوا ماہوار ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد ہفتہ وار کرنے کی توفیق بخشے اور خدا کرے پھر روزانہ ہو جائے۔"

اِس ارشاد پر جولائی ۱۹۵۲ء میں پرچہ کے سائز کو دُگنا کر کے اِسے ہفتہ وار کر دیا گیا۔ یہ اخبار نائیجیریا میں پہلا مُسلم اخبار ہے جو اَب تک نہایت کامیابی سے ملکی، قومی اور ملّی خدمات بجا لا رہا ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؓ نے ہفتہ وار ایڈیشن پر لکھا:۔

"اللہ تعالیٰ ہفتہ واری اخبار مبارک کرے۔ ٹائپ ضرور رکھیں اور پریس کو اور سکول کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ مُلک کی آزادی سے پہلے زبردست جماعت بنالیں چار پانچ لاکھ کی جماعت تو شروع میں ضرور ہونی چاہیئے۔" [1]

انڈونیشیا۔ انڈونیشیا میں تحریکِ احمدیت کو اِس سال انڈونیشیا کے طُول و عرض میں کئی اعتبار سے نمایاں کامیابی نصیب ہوئی اور ترقی کے نئے دروازے کُھل گئے۔ دَورانِ سال قریباً آٹھ سو نفوس مہدی موعود کی جماعت میں شامل ہوئے۔ ملک کی احمدی جماعتوں میں تنظیم اور یکجہتی کا دَورِ جدید شروع ہُوا اور اُن کے چندوں میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ باقاعدگی پیدا ہو گئی چنانچہ اِس سال پہلے سالوں کے مقابلہ میں کئی گُنا زیادہ آمد ہوئی۔ اِس کے علاوہ طوعی چندوں کی کئی مدّات میں انفرادی اور اجتماعی طور پر جماعتِ انڈونیشیا نے اپنے اخلاص و قربانی کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ گزشتہ مالی سال[2] میں چونسٹھ ہزار آٹھ سو چھتیس روپے چندۂ عام اور حصّۂ آمد میں جمع ہوئے جبکہ اِن مدّات میں اِس سال ہجرت/مئی سے لیکر اخاء/اکتوبر تک کی صرف ششماہی آمد باون ہزار روپیہ ہوئی۔

---

[1] رسالہ تحریکِ جدید صلح ۱۳۵۳ ہش/جنوری ۱۹۷۴ء صفحہ ۱۴، صفحہ ۱۴۔

[2] ماہ ہجرت ۱۳۲۹ ہش/مئی ۱۹۵۰ء تا ماہِ شہادت ۱۳۳۰ ہش/اپریل ۱۹۵۱ء۔

اِس سال تاسکملایا میں جماعت نے ایک باموقعہ جگہ زمین اور مکان خرید کر اسے دار التبلیغ میں تبدیل کر دیا، جاکرتا کی خستہ مسجد ایک وسیع اور پختہ مسجد کی صُورت میں از سرِ نَو تعمیر کی گئی۔ اس کے پہلو میں مبلّغ کے لئے رہائشی مکان اور اس کے اُوپر مہمان خانہ بنایا گیا۔ پاڈانگ کے ایک پُرانے احمدی تاجر باگنڈا ذکریا[1] صاحب نے اپنی گرہ سے ایک باموقعہ اور وسیع قطعہ زمین اور مکان خرید کر جماعت کے نام وقف کر دیا۔

ماہِ تبلیغ ۱۳۳۰ہش / فروری ۱۹۵۱ء میں جاکرتا میں مجلس خدام الاحمدیہ قائم کی گئی جس کے چند ماہ بعد مجلس اپنا رسالہ سینار اسلام (SINAR ISLAM) جاری کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

احمدی مبلّغین کو دَورانِ سال کئی ایک انڈونیشین لیڈروں، حکام اور دوسری بڑی شخصیتوں سے ملاقاتوں کا موقعہ ملا۔ مکرم سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ اس سال بھی حسبِ سابق ملک کے پہلے صدرِ مملکت ڈاکٹر سکارنو (SUKARNO) کی طرف سے کئی تقریبوں پر مدعو تھے۔ شاہ صاحب کا تعارف ڈاکٹر سکارنو سے پہلی بار مارچ ۱۹۴۷ء میں ہؤا تھا جبکہ آپ نے تبلیغی مقاصد کے لئے جوگجاکرتا میں ان کے محل میں ملاقات کی اور لٹریچر پیش کیا۔

اِس سال کا اہم واقعہ جماعتہائے انڈونیشیا کی تیسری سالانہ کانفرنس[2] کا انعقاد ہے۔ جو ۲۷-۲۸-۲۹، ماہِ فتح / دسمبر کو پاڈانگ (سماٹرا) میں ہوئی۔ پہلی دو کانفرنسیں جاوا میں ہوئیں جہاں احمدیوں کی تعداد زیادہ ہے اور ذرائع آمد و رفت میں سہولتیں بھی ہیں لیکن سماٹرا میں معاملہ اسکے برعکس تھا اور جاوا سے آنے والوں کے پندرہ بیس دن صَرف ہوتے تھے۔ مرکزی عہدیداران میں نوّے فیصدی سرکاری ملازم تھے جن کے لئے اِتنی چھُٹی کا ملنا مُشکل تھا پھر اخراجاتِ سفر کا سوال الگ تھا لیکن اِن مُشکلات کے باوجود یہ کانفرنس نہایت کامیاب اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئی۔ پہلے روز مکرم سیّد شاہ محمد صاحب رئیس المبلّغین، مکرم مولوی عبدالواحد صاحب، مکرم مولوی امام الدین صاحب، مکرم مولوی محمد ایّوب صاحب، مکرم مولوی ذینی دھلان صاحب، مکرم سوکری برماوی صاحب

---

[1] ان کے صاحبزادے بختیار ذکریا صاحب ربوہ میں دینی علم حاصل کرتے رہے ہیں۔

[2] پہلی سالانہ کانفرنس ۹-۱۰-۱۱، ماہِ فتح ۱۳۲۸ہش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو جاکرتا میں اور دوسری ۲۴-۲۵-۲۶، فتح ۱۳۲۹ہش / دسمبر ۱۹۵۰ء کو بانڈونگ میں ہوئی۔

پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا اور دیگر نمائندگانِ جماعت نے خطاب فرمایا۔ دوسرے دو دن جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی ترقی و بہبود کے لئے بعض تجاویز زیرِ غور لائی گئیں اور ایک لاکھ چوراسی ہزار روپیہ کا بجٹ منظور کیا گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ جماعت کی آمد و خرچ کا تفصیلی بجٹ جماعتی نمائندوں کے سامنے رکھا گیا۔ بجٹ کے اعلان پر پریس کے رپورٹر حیران رہ گئے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کس قدر اخلاص اور جوش سے اتنی بھاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کر رہی ہے۔

آخری اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ چوتھی سالانہ کانفرنس تاسکملایا میں ہوگی۔ اِس اجلاس میں مبلغینِ احمدیت نے دوبارہ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں جماعت پاڈانگ کے مخلص پریذیڈنٹ جنابِ ابوبکر نے دردناک تقریر کی جس سے اکثر احباب چشمِ پُرآب ہو گئے۔ کانفرنس ایک لمبی اور پُرسوز دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

اگلے روز پاڈانگ کے ایک بڑے سینما ہال کیپٹل میں جماعت کا تبلیغی جلسہ ہوا جس کی تفصیلی روداد مقامی پریس اور ریڈیو دونوں نے نشر کی۔

مجاہدینِ انڈونیشیا ہمیشہ ہی اپنے اپنے رنگ میں پاکستان کے مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ انڈونیشیا میں پاکستان لیگ کا قیام سید شاہ محمدؐ صاحب کی کوشش سے ہوا۔ آپ اُن دنوں مرکزی آل انڈیا پاکستان لیگ کے وائس پریذیڈنٹ بھی تھے جو جاکرتا جس زمانہ میں جمہوریہ انڈونیشیا کا دارالحکومت تھا۔ آپ کو پاکستان کے لئے شاندار جدّوجہد کرنے کا موقعہ ملا۔ اِس مرکزی شہر میں آپ نے اِس محنت سے ملک و قوم کی خدمت کی کہ معلوم ہوتا تھا آپ پاکستان کے باقاعدہ نمائندہ ہیں۔ ڈاکٹر ملک عمر حیات صاحب سابق سفیر پاکستان برائے انڈونیشیا جو جاکرتا کے دَورہ پر تشریف لے گئے تو آپ کو مقامی اکابرین کے ذریعہ شاہ صاحب کی ان سنہری خدمات کا علم ہوا اور آپ بہت متأثر ہوئے۔ اِس سال ڈاکٹر صاحب اپنے دَورے میں جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے مبلغینِ سلسلہ اور دیگر احمدی افراد نے ان سے پُورا پُورا تعاون کیا خاص طور مکرم ڈاکٹر عبدالغفور صاحب احمدی سرابایا نے (جن کی پُرخلوص خدمات کو خود ڈاکٹر ملک عمر حیات صاحب نے خراجِ تحسین ادا کیا) بالی میں میاں عبدالحی صاحب مبلغ جزیرہ بالی نے اُن کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں مقامی حکام و رؤساء بھی مدعو تھے۔ تاسکملایا میں پاکستان لیگ کے صدر مکرم ملک عزیز احمد صاحب

تھے جنہوں نے اِس سال ماہِ ظہور/ اگست میں پاکستان کے متعلق ایک مختصر کتاب بھی تصنیف فرمائی[۱]

شام ۔ السیّد منیر الحصنی امیر جماعتِ احمدیہ شام کے قلم سے "عَثَرَاتُ الْعُلَمَاءِ فِیْ مُخَالَفَۃِ الْاَحْمَدِیَّۃِ" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی۔

نئی مطبوعات اِس سال برِّصغیر پاک و ہند میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئیں جن سے سلسلہ کے لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا:۔

۱۔ اسلام اور مذہبی رواداری (تقریر مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ)

۲۔ اصحابِ احمد۔ جلد اوّل (ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان)

۳۔ کتاب الآداب (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ)

۴۔ حیاتِ احمد۔ جلد دوم نمبر سوم (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ)

۵۔ حیاتِ قدسی۔ حصہ اوّل۔ دوم (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ)

۶۔ اسلامی خلافت کا صحیح نظریہ (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

۷۔ اشتراکیت اور اسلام (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

۸۔ اسلام اور اشتراکیت (چوہدری سردار احمد صاحب بزمی مولوی فاضل جامعہ احمدیہ)[۲]

۹۔ "تعلیم العقائد والاعمال پر خطبات"

(خطباتِ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا سلسلہ مرتبہ ادارہ ترقی اسلام سکندر آباد دکن)

۱۰۔ یومیہ ۱۳۳۰ ہش/ ۱۹۵۱ء (نظارت دعوۃ و تبلیغ کی تیار کردہ سالانہ ڈائری)

اِن کتابوں کے علاوہ صیغہ نشر و اشاعت ربوہ کی طرف سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی کتاب "احمدیت کا پیغام" انگریزی ساڑھے سات ہزار کی تعداد میں شائع کی گئی نیز اہم مختلف عنوانات کے تحت ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور ٹریکٹ بھی چھپوائے گئے[۳]

---

[۱] الفضل ۷ تا ۱۳ / امان ۱۳۳۱ ہش/ مارچ ۱۹۵۲ء (تلخیص)

[۲] حال انگلستان

[۳] تفصیلی رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۵۲-۱۹۵۱ء صفحہ ۲۶-۲۸ میں درج ہے۔

فصلِ چہارم

● اِفتاء کمیٹی کا احیاء ● سالانہ پروگرام بنانے اور صُوبجاتی نظام کو مستحکم کرنے کا فرمان ● تبلیغِ اسلام کی مؤثّر تحریک ● اخلاقِ فاضلہ کے قیام کی جدّوجہد ● بے لوث قومی خدمات بجالانے کی تلقین ● چوہدری محمد حسین صاحبؓ کی المناک شہادت ● جلسۂ سیالکوٹ پر منظّم یورش

(خلافتِ ثانیہ کا اُنتالیسواں ۳۹ سال ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء)

اِفتاء کمیٹی کا احیاء

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے ایک افتاء کمیٹی قائم فرمائی تھی[۱] جس کا احیاء اِس سال عمل میں آیا اور اس کے دَورِ نَو کا پہلا صدر ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ و پرنسپل جامعۃ المبشرین کو اور پہلا سیکرٹری مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کو مقرر فرمایا۔

اِس سلسلہ میں حضور کے قلم سے الفضل ۱۱ صلح ۱۳۳۱ہش کو حسبِ ذیل اعلان شائع ہوا:۔

"جیسا کہ جلسہ پر اعلان کیا گیا تھا فقہی مسائل پر یکجائی غور کرنے اور فیصلہ کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کی ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے۔ تمام اہم مسائل پر فتویٰ اِس کمیٹی کے غور کرنے کے بعد شائع کیا جائے گا۔

---

[۱] "تاریخِ احمدیت" جلد ۹ صفحہ ۴۵۴۔ صفحہ ۴۵۶۔

ایسے فتاوٰی خلیفۂ وقت کی تصدیق کے بعد شائع ہوں گے اور صرف انہی امور کے متعلق شائع ہوں گے جن کو اہم سمجھا گیا ہو۔ ایسے فتاوٰی جب تک ان کے اندر کوئی تبدیلی نہ کی گئی ہو یا تنسیخ نہ کی گئی ہو، جماعتِ احمدیہ کی قضاء کو پابند کرنے والے ہوں گے اور وہ ان کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکے گی۔ ہاں وہ ان کی تشریح کرنے میں آزاد ہو گی لیکن اگر وہ تشریح غلط ہو تو یہی مجلسِ فتویٰ دہندہ اس تشریح کو غلط قرار دے سکتی ہے۔

اِس کمیٹی کے ممبر فی الحال مندرجہ ذیل ہوں گے:۔

۱۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعۃ المبشّرین ۲۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس ۳۔ مولوی راجیکی صاحب ۴۔ مولوی ابوالعطاء صاحب ۵۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب ۶۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل نمائندہ قضاء ۷۔ مولوی تاج دین صاحب نمائندہ قضاء ۸۔ مولوی نذیر احمد صاحب[1] پروفیسر جامعہ احمدیہ ۹۔ مولوی محمد صدیق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین ۱۰۔ مولوی خورشید احمد صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین ۱۱۔ مرزا بشیر احمد صاحب ۱۲۔ مرزا ناصر احمد صاحب ۱۳۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودہا ۱۴۔ شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ لائلپور ۱۵۔ چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج۔

اِن ممبران[2] کا اِعلان سال بہ سال خلیفۂ وقت کی طرف سے ہُوا کرے گا اور ایک سال کے لئے یہ ممبر نامزد کئے جایا کریں گے۔ مناسب ہو گا کہ کچھ نہ کچھ ممبر اس میں سے بدلے جایا کریں تاکہ جماعت کے مختلف طبقوں کے لوگوں کی تربیت ہوتی رہا کرے۔ خاص امور کے متعلق خلیفۂ وقت اِس انجمن کا اجلاس اپنی نگرانی میں کروائے گا لیکن عام طور پر یہ کمیٹی اپنا اجلاس اپنے مقررہ صدر کی صدارت میں کیا کرے گی لیکن اس کے فیصلوں کا اِعلان خلیفۂ وقت کے دستخطوں سے ہُوا کرے گا اور ایسے ہی فیصلے سند سمجھے جایا کریں گے۔ سرِدست اِس کمیٹی کے صدر جامعۃ المبشّرین کے پرنسپل ملک سیف الرحمٰن صاحب ہوں گے اور اس کے سیکرٹری مولوی جلال الدین صاحب شمس۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۷/۱/۵۲ ”

---

[1] محترم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل مراد ہیں (ناقل)۔

[2] ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء سے لیکر ۱۳۵۴ہش/۱۹۷۵ء تک کے ممبرانِ کمیٹی کی فہرست شاملِ ضمیمہ ہے۔

یہ مجلس جس کی بنیاد سیدنا محمود رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۂ موعود کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ خدا کے فضل سے اب بھی خلیفۂ وقت کی زیرِ نگرانی گرانقدر فقہی خدمات بجا لا رہی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے قاعدہ ۷۸ کے مطابق جن امور میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے وحدتِ فکری کے بھی مقتضی ہوتے ہیں ان کے بارے میں مفتیِ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فتویٰ کی بجائے مجلس افتاء فیصلہ کرتی ہے۔

مجلسِ افتاء کے سال میں کم از کم چار اجلاس ضرور منعقد ہوتے ہیں[۱]۔ اجلاس کا کورم دس مقرر ہے[۲]۔ ممبرانِ مجلس کے لئے حکم ہے کہ وہ بیماری یا عدالت میں پیشی کے سوا بہرحال شریکِ اجلاس ہوں یا کم از کم سیکرٹری مجلس کو اجلاس سے ایک روز قبل اپنی معذوری سے مطلع کر دیں ورنہ وہ غیر حاضر متصوّر ہونگے ایسے رُکن سے باز پُرس ہوسکے گی[۳]۔

مجلسِ افتاء کے فیصلہ (۲۸۔ ماہ شہادت ۱۳۴۱ہش / اپریل ۱۹۶۲ء) کے مطابق اگر کوئی ایسا مسئلہ مجلس افتاء کے زیرِ بحث آئے جو کسی رُکنِ مجلس کے تنازع متدائرہ قضاء پر اثر انداز ہوتا ہو تو وہ رُکن اس مسئلہ کی بحث اور فیصلہ میں شریک نہیں ہو سکتا[۴]۔

خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک میں جن مسائل پر مجلسِ افتاء نے غور و فکر کیا ان میں سُود اور انشورنس کا مسئلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اوّل الذکر مسئلہ پر مولوی ابو العطاء صاحب، صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور ملک سیف الرحمٰن صاحب نے ٹھوس اور پُر مغز تحقیقی مقالے لکھے جو مجلسِ افتاء کی طرف سے "اسلام اور ربوٰ" کے عنوان سے شائع شدہ ہیں۔

سالانہ پروگرام تجویز کرنے کی ہدایت ۴۔ صلح ۱۳۳۶ہش / جنوری ۱۹۵۷ء کو سال کا پہلا جمعہ تھا جس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے تاکیدی ہدایت فرمائی کہ جماعتی ادارے ہر سال اپنا پروگرام شروع سے ہی تجویز کر لیا کریں اور پھر اس پر سختی سے عمل پیرا ہوں چنانچہ فرمایا:۔

---

[۱] فیصلہ ۵۔ ہجرت ۱۳۳۶ہش / مئی ۱۹۵۷ء
[۲] فیصلہ ۲۷۔ ہجرت ۱۳۴۱ہش / مئی ۱۹۶۲ء
[۳] فیصلہ ۲۔ تبوک ۱۳۴۰ہش / ستمبر ۱۹۶۱ء
[۴] "مجلسِ افتاء اور اس کے فرائض" صفحہ ۱۲ (شائع کردہ دارالافتاء ربوہ ضلع جھنگ)

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت پر اب یہ نیا سال چڑھ رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے لحاظ سے باسٹھواں سال ہے اور بیعت کے لحاظ سے چونسٹھواں سال ہے۔ بیعت پر گویا ۶۳ سال گذر گئے ہیں اور دعویٰ کے لحاظ سے جماعت پر ۶۱ سال گذر گئے ہیں۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ ہماری جماعت کی عمر صدی کے نصف سے آگے بڑھ رہی ہے۔ مگر کیا ہم جہاں عمر کے لحاظ سے نصف صدی سے اُوپر جا رہے ہیں وہاں ہم ترقی کے لحاظ سے بھی نصف صدی سے اُوپر جا رہے ہیں یا نہیں۔ جہاں تک جماعت کے متعدد ممالک میں پھیل جانے کا سوال ہے ہماری ترقی قابلِ تحسین و فخر ہے مگر جہاں تک تعداد کا سوال ہے ہماری جماعت ابھی بہت پیچھے ہے۔ جہاں تک مرکزی طاقت کا سوال ہے ہم اخلاقی اور عقلی طور پر اپنی پوزیشن قائم کر چکے ہیں مگر جہاں تک نفوذ کا سوال ہے ہم ابھی بہت پیچھے ہیں مگر ہماری مخالفت ترقی کر رہی ہے اور اب ان گروہوں اور جماعتوں میں بھی پھیل رہی ہے جو پہلے ہمیں نظر انداز کر دیتی تھیں یا ہمارے افعال کو خوشی کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ پس آنے والے سال میں ہمیں مزید جدّ و جہد کی ضرورت ہے ہمیں ایک انقلابی تغیّر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک انقلابی تغیّر پیدا کئے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ انقلاب ہمارے دماغوں میں پیدا ہونا چاہیئے ہماری رُوحوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔ ہمارے دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔ ہمارے افکار اور جذبات میں پیدا ہونا چاہیئے۔ ہم اپنے دِلوں، رُوحوں اور دماغوں میں عظیم الشان انقلاب پیدا کئے بغیر اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے یا کم از کم اس مقام کو جلدی حاصل نہیں کر سکتے جس کو حاصل کرنے کے لئے خُدا تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہر سال اپنے لئے ایک پروگرام مقرر کرنا چاہیئے اور اسے پُورا کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے ....."

"ہماری جماعت ایک جہاد کرنے والی جماعت ہے بیشک ہم تلوار کے اس جہاد کے مخالف ہیں جو کسی ناکردہ گناہ پر تلوار چلانے کی اجازت دیتا ہے مگر ہم سے زیادہ اس جہاد کا قائل کوئی نہیں جو جہاد ذہنوں جذبات اور رُوحوں سے کیا جاتا ہے پس حقیقتاً اگر کوئی جماعت جہاد کی قائل ہے تو وہ صرف ہماری جماعت ہی ہے"[1]

---

[1] الفضل ۱۱ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳

صُوبجاتی نظام کو مستحکم کرنے کا فرمان

متحدہ ہندوستان میں جماعتِ احمدیہ کا صوبجاتی نظام ۱۹۳۳ء میں معرضِ وجود میں آیا تھا[۱]

قیامِ پاکستان کے بعد پنجاب کے علاوہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے صُوبوں میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی صُوبائی انجمنیں خوش اُسلوبی سے کام کر رہی تھیں۔ اِس سال سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے پنجاب میں بھی صُوبائی امارت قائم فرمائی جس کے انتخاب کے لئے صُوبہ کے جُملہ اضلاع اور اُن کے ساتھ دو دو سیکرٹریوں نے حصّہ لیا۔ یہ انتخاب ربوہ کی پہلی مسجد مبارک میں ہوُا جو اس وقت کچی بنی ہوئی تھی۔ اِس انتخاب میں مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا صوبائی امیر مقرر ہوئے۔ صوبائی امارت اگرچہ صرف ایک سال کے لئے قائم کی گئی تھی مگر جب پہلا تجربہ کامیاب رہا تو اس کو مستقل حیثیت دے دی گئی۔ صوبائی امیر کے فرائض اب تک مرزا عبدالحق صاحب ہی انجام دے رہے ہیں۔[۲]

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۳۳۱ہش/ ۱۹۵۲ء کے پہلے خطبہ جمعہ میں مکرم مرزا عبدالحق صاحب اور ان کے رفقاء کار کی مساعی پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:-

"پہلے پنجاب کا صُوبہ، صوبجاتی نظام سے باہر تھا لیکن اب خدا تعالیٰ کے فضل سے پنجاب کو بھی صوبجاتی نظام میں شامل کر دیا گیا ہے اور یہ خوشی کی بات ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ صوبہ پنجاب کے لئے یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اسے ابتداء میں ہی ایسے کارکن مِل گئے جو اپنے اندر قربانی اور ایثار کی رُوح رکھتے ہیں مگر خالی اچھے کارکنوں کا مِل جانا کوئی چیز نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام کارکن اپنا پروگرام مقرر کریں اور پھر اس کے لئے وقت مقرر کریں اور اسے پُورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ امر ضرور مدِنظر رکھا جائے کہ پروگرام ایسا نہ ہو کہ جس پر عمل نہ کیا جا سکے بعض لوگ خیالی تجاویز بنا لیتے ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ انہیں پُورا نہیں کر سکیں گے۔ پروگرام ایسا ہونا چاہیئے جسکو وہ مالی لحاظ سے، افراد کے لحاظ سے، اور وقت کے لحاظ سے پُورا کر سکتے ہیں یعنی عملی پروگرام ہونا چاہیئے۔ ایسا پروگرام تجویز نہ کیا جائے کہ جس کو مالی لحاظ سے جاری نہ کیا جا سکے۔ ایسا پروگرام تجویز

[۱] مجلس مشاورت ۱۹۳۳ء صفحہ ۳ ٭ [۲] تابعین اصحابِ احمد جلد ۷ صفحہ ۶ مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مطبوعہ شہادت ۱۳۵۰ہش/۱۹۷۱ء، ناشر احمدیہ بک ڈپو دارالرحمت شرقی ربوہ ٭

نہ کیا جائے جس کے لئے اتنے کارکنوں کی ضرورت ہو جو مہیا نہ ہو سکیں یا ایسا پروگرام ہو جس کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہو۔ ہر کام معقول اور طاقت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہماری جو طاقت اور قوت ہے اسی کے مطابق ہم کوئی پروگرام بنا سکتے ہیں اور اپنی طاقت کو خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔۔۔ پروگرام ایسا ہونا چاہیئے جو عقلی لحاظ سے، مالی لحاظ سے، وقت اور افراد کے لحاظ سے ممکن ہو۔ پھر پوری کوشش کی جائے کہ جو تجویزیں اور پلین[1] شروع سال میں بنائی جائے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے۔

صوبجاتی نظام کے لحاظ سے بھی ایک پروگرام کی ضرورت ہے۔ پہلا تجربہ ہم یہ کریں گے کہ امراء کو بُلا کر شوریٰ کریں گے اور باہمی مشورہ سے ان کے علاقوں کے لئے ایک پروگرام تجویز کریں گے یہ کام نظارتِ علیا کا ہوتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد اُمراء کو بُلا کر مشورہ لے اور اُن کے لئے ایک پروگرام مقرر کرے پھر آئندہ ہر سال یہ مجلس ہُوا کرے۔ اور پھر آہستہ آہستہ بیرونی ممالک میں سے بھی اگر کسی میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ اس مجلس میں شریک ہو سکے تو پھر وہ شریک ہُوا کرے اور اس طرح اسے ایک عالمگیر ادارہ بنا دیا جائے۔"[2]

محاسبۂ نفس کی دعوت

۱۱ر ماہ صلح ۱۳۳۱ہش / جنوری ۱۹۵۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے احبابِ جماعت کو محاسبۂ نفس اور وقت کی قیمت پہچاننے کی تلقین کی اور فرمایا:۔

"مَیں سمجھتا ہوں کہ دُنیا میں ہر انسان کے اندر کوئی وقت سُستی کا آجاتا ہے اور کوئی وقت چُستی کا آجاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام باسط بھی ہے اور قابض بھی ہے اِس لئے وہ کبھی انسان کی فطرت میں قبض پیدا کر دیتا ہے اور کبھی بسط پیدا کر دیتا ہے۔ اِس حالت کا علاج یہی ہُوا کرتا ہے کہ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے گرد و پیش کے حالات کا بھی محاسبہ کرتا رہے۔ اِسی لئے صوفیاء نے محاسبۂ نفس کو ضروری قرار دیا ہے۔ میرے دِل میں خیال گزرا ہے کہ اگر ہم اپنے تمام وقت کا جائزہ لیتے رہتے تو شاید ہم بہت سی سُستیوں سے

---

[1] تجویز (PLAN) ؛ [2] الفضل ۱۱ر صلح ۱۳۳۱ہش / جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴ ؛

محفوظ رہتے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اِک اَور گھٹا دی

یعنی گھڑیال سے وقت کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں کی عمر زیادہ ہوگئی لیکن دراصل اس کی عمر کم ہوجاتی ہے۔ فرض کرو کسی کی ۶۰ سال عمر مقدر تھی وہ جب پیدا ہوا تو اس کی عمر کے ساٹھ سال باقی تھے لیکن جب وہ ایک سال کا ہوگیا تو اس کی ایک سال عمر گھٹ گئی۔ جب وہ دو۲ سال کا ہوگیا تو اس کی دو۲ سال عمر گھٹ گئی۔ جب وہ دس۱۰ سال کا ہوگیا تو اس کی دس۱۰ سال عمر گھٹ گئی۔ جب وہ بیس۲۰ سال کا ہوگیا تو اس کی بیس۲۰ سال عمر گھٹ گئی۔ غرض ہر وقت جو اُس پر گزرتا ہے وہ اس کی عمر کو گھٹاتا ہے۔ اِسی طرح ہماری زندگی ہے۔ ہمارے بہت سے اوقات یُونہی گزر جاتے ہیں اور ہم خیال تک نہیں کرتے کہ ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مثلاً کل مجھے خیال آیا کہ کسی وقت ہم جلسہ سالانہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ رات دن کارکن اس کام میں لگے ہوئے تھے اور خیال کر رہے تھے کہ جلسہ سالانہ آئے گا تو مہمان آئیں گے۔ اُن کے ٹھہرانے اور ان کی رُوحانی اور جسمانی ضروریات کو پُورا کرنے کا سامان ہم نے کرنا ہے۔ وہ دن آئے۔ دوست آئے۔ ہم سے ملے جُلے اور چلے بھی گئے۔ ہم دل میں خوش ہوئے کہ ایک سال ختم ہوگیا ہے مگر سوچنے والی یہ بات تھی کہ ہم نے نئے سال کو کس طرح گزارنا ہے۔ جو سال گزر گیا وہ تو کوتاہیوں سمیت گزر گیا۔ اصل چیز تو آنے والا سال ہے۔ کل مجھے خیال آیا کہ یا تو ہم اتنے جوش اور زور شور سے آئندہ جلسہ کی تیاریاں کر رہے تھے اور یا اب اس جلسہ پر چودہ۱۴ دن گزر گئے ہیں اور ابھی ہم بیکار بیٹھے ہیں۔ چودہ۱۴ دن کے معنے دو۲ ہفتے کے ہیں ۵۲ ہفتوں کا سال ہوتا ہے دو۲ ہفتے گزر جانے کا مطلب یہ ہوا کہ سال کا ۲۶ واں حصّہ گزر گیا لیکن ابھی کئی لوگ کہتے ہیں کہ وہ جلسہ سالانہ کی کوفت دُور کر رہے ہیں۔ دو۲ ہفتے اَور گزر گئے تو سال کا تیرھواں حصّہ گزر جائے گا لیکن نئے سال کے لئے شوراشوری شروع نہیں ہوگی چودہ۱۴ دن اَور گزر جائیں گے تو سال کا گیارہ فیصدی حصّہ گزر جائے گا اور چودہ دن اَور گزر گئے تو سال کا پندرہ فیصدی حصّہ گزر جائے گا۔ غرض بہت تھوڑی تھوڑی غفلت کے ساتھ ایک بہت بڑی چیز ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے پس ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ ہر سال جو ہم پر آئے

بجائے پچھلے سال کے ہم آئندہ سال پر نظر رکھیں۔ ہر دن ہم سوچیں کہ کام کے ۳۶۵ دنوں میں سے ایک دن گزر گیا ہے ہم نے کس قدر کام کرنا تھا اس میں سے کس قدر کام ہم نے کر لیا ہے اور کس قدر کام کرنا باقی ہے؟ اگر ہم اس طرح غور کرنا شروع کر دیں تو ہم اپنے وقت کو پوری طرح استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم سنجیدگی کے ساتھ غور کریں"۔ ؎۱

تبلیغ اسلام کی مؤثر تحریک

تحریکِ جدید کا نظام دنیا بھر میں تبلیغِ اسلام کی غرض سے قائم کیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ ہمیشہ اس کے مالی جہاد میں شرکت کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضورؓ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ صلح ۱۳۳۱ہش/جنوری ۱۹۵۲ء میں جماعت کو نصیحت فرمائی کہ:۔

"جس جہاد کو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰة والسّلام نے پیش کیا تھا اور جو جہاد ہم کر رہے ہیں وہ کسی وقت بھی ہٹ نہیں سکتا۔ ہر وقت نماز یا جہاد اور ذکرِ الٰہی ضروری ہیں۔ جہاد کے معنے ہیں اپنے نفس کی اصلاح کی کوشش کرنا اور غیر مسلموں کو اسلام میں لانے کے لئے تبلیغ کرنا اور روز و شب جماعت سے ہمارا یہی خطاب ہوتا ہے ہم انہیں یہی کہتے ہیں کہ تم دوسرے لوگوں کو تبلیغ کے ذریعہ مسلمان بناؤ۔ ہمارا جہاد وہ ہے جو نماز کی طرح روزانہ ہو رہا ہے اور جو احمدی اس جہاد میں حصّہ لیں گے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد کر رہے ہیں لیکن جو لوگ اس جہاد میں حصّہ نہیں لیں گے ہم ان کے متعلق فتویٰ تو نہیں دیتے لیکن جس طرح نماز نہ پڑھنے والا سچّا مسلمان نہیں ہو سکتا اسی طرح اسلام کی اشاعت کے لئے قربانی نہ کرنے والا بھی سچّا مسلمان یا سچّا احمدی نہیں کہلا سکتا۔ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے مقدمات میں کس طرح اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں۔ اب کفر و اسلام کے مقدمہ میں جو حصّہ نہیں لیتا اور اسے نفلی سمجھتا ہے وہ کیسے سچّا مسلمان کہلا سکتا ہے؟ تحریکِ جدید نفلی اس لئے ہے کہ ہم اس میں حصّہ نہ لینے کی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دیتے لیکن فرض اس لحاظ سے ہے کہ اگر تمہیں احمدیت سے سچّی محبّت ہے تو تحریکِ جدید میں حصّہ لینا تمہارے لئے ضروری ہے۔ جب ماں بچّہ کے لئے رات کو جاگتی ہے تو کون کہتا ہے کہ اس کے لئے رات کو جاگنا فرض ہے۔ بچّہ کی خاطر رات کو جاگنا فرض نہیں نفل ہے لیکن اسے رات کو جاگنے سے کون روک سکتا ہے؟ جس سے محبّت ہوتی ہے اس کی خاطر ہر

؎۱ الفضل ۳ تبلیغ ۱۳۳۱ہش/فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

شخص قربانی کرتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ ایسا کرنا فرض نہیں نفل ہے۔ اسی طرح جو شخص اسلام اور احمدیت سے سچی محبت رکھتا ہے وہ یہ نہیں کہے گا کہ ان کی اشاعت کی خاطر قربانی کرنا فرض نہیں بلکہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے قربانی کرنا اسے فرض سے بھی زیادہ پیارا لگے گا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ ایسا کرنے سے اسلام کو دوبارہ شوکت و عظمت حاصل ہو جائے گی بلکہ جب تبلیغ جہاد کا ایک حصّہ ہے تو اس میں حصّہ لینا فرض ہی کہلانے کا مستحق ہے۔" ؎۱

اَخلاقِ فاضلہ کے قیام کی جدّوجہد

۲۵ صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے بذریعہ خطبہ جمعہ یہ ارشاد فرمایا کہ قومی اخلاق کو راسخ کرنے کے لئے ہمیں اجتماعی جدّوجہد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضورؓ نے خطبہ کے پہلے حِصّہ میں فرمایا کہ:۔

"ہم نے دُنیا کے سامنے یہ نمونہ پیش کرنا ہے کہ اَخلاقِ فاضلہ دُنیا سے مِٹ گئے تھے اَب جماعتِ احمدیہ اخلاقِ فاضلہ پر قائم ہے اور ہر نیا تغیّر جو رُونما ہوتا ہے، ہر خرابی جو پیدا ہوتی ہے اس سے اگر ہم بھی متاثر ہو جاتے ہیں تو ہم دُنیا کے سامنے نمونہ پیش کیسے کر سکتے ہیں؟ مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس قسم کے جرائم میں قومی اثر بھی ضرور داخل ہوتا ہے مثلاً چوری ہے، ڈاکہ ہے، یہ ایک شخص کا فعل نہیں ہوتا بلکہ ایسا فعل کرنے والوں کو اس کے ہمسائے بھی جانتے ہیں۔ اگر سارے لوگوں کے اندر غیرت پیدا ہو جائے اور احساس پیدا ہو جائے تو ایسے لوگوں کا پکڑا جانا آسان ہے مثلاً حرام خوری ہے دکاندار ٹھگی کرتے ہیں وہ اچھی چیز میں خراب چیز کی آمیزش کر دیتے ہیں تو اس کا ہر گاہک کو پتہ ہوتا ہے۔ اگر ہر شخص بجائے یہ کہنے کے کہ مجھے مصیبت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور کہے کہ مَیں اسے برداشت نہیں کر سکتا تو دیکھ لیں ایسے لوگ فوراً اپنی اصلاح کر لیں گے۔"

خطبہ کے آخر میں اِس نکتۂ معرفت کی طرف متوجہ فرمایا:۔

"شیطانی کاموں کے لئے قربانی اور ایثار کی ضرورت نہیں ہوتی قربانی اور ایثار کی ضرورت خدائی کاموں کے لئے ہوتی ہے شیطان کو نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شیطانی باتیں خود بخود

؎۱ الفضل ۲۴ صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲-۳۔

چلتی جاتی ہیں کیونکہ ان میں ہر ایک کو مزا ملتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نبی بھیجتا ہے۔ اُنہیں ماریں پڑتی ہیں، دُکھ دیئے جاتے ہیں اور بعض اوقات انہیں جانیں دینی پڑتی ہیں۔ اس طرح بڑی قربانی اور ایثار کے بعد ایک جماعت بنتی ہے اور شیطان اُسے پھر خراب کر دیتا ہے۔ انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ میں ترقی کی لیکن جب ان کا زمانہ ختم ہونے کا وقت آیا تو شیطان نے کتنی جلدی انہیں ختم کر دیا؟ غرض شیطانی آواز کی طرف لوگ جلد آتے ہیں کیونکہ انہیں تر لقمہ ملتا ہے وہ آخرت کو بھول جاتے ہیں۔ اِس لئے مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور قومی احساس پیدا کرے۔"[1]

قوم کی بے لوث خدمات بجالانے کی تلقین

حضرت مصلح موعودؓ نے ۸ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء کے خطبہ جمعہ میں بتایا کہ قومی خدمات اپنے اندر بھاری برکات رکھتی ہیں۔ اِس ضمن میں ان کے فوائد اور بلند معیار کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں فرمائی:۔

"ایک لیڈری شیطان بن کر ملتی ہے اور ایک لیڈری خدا تعالیٰ کے فضل کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اِن دونوں میں کتنا فرق ہے۔ دُنیا میں ایسے خوش قسمت لوگ تھوڑے ہوتے ہیں جن کو فریب، دھوکہ بازی اور منصوبہ بازی کے بغیر لیڈری مل جائے۔ بعض لوگ قوم کی خدمت کرتے ہیں اور اِس طرح آگے آجاتے ہیں۔ مثلاً سر سیّد علی گڑھی[2]، مولانا محمد علی جوہر[3]، میاں فضل حسین[4] اور قائدِ اعظم محمد علی جناح[5]، سر اقبال[6]۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو تمام مسلمان جانتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے کوئی کام نہیں کیا بلکہ محض قوم کی خدمت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ انہیں آگے لے آیا۔ مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں ورنہ چھوٹی چھوٹی انجمنوں تک میں ہزاروں ریشہ دوانیاں ہوتی ہیں کہ کسی طرح کوئی خاص پارٹی آگے آجائے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ زید یا بکر اس انجمن کے لیڈر بن جائیں، سیکرٹری بن جائیں یا انہیں کوئی اَور عُہدہ مل جائے۔ ایسے آدمی جنہوں نے قوم کی خدمت کی اور آگے آئے وہ کروڑوں کی جماعت میں درجنوں اور بیسیوں کے اندر ہی رہ جاتے ہیں لیکن ہماری جماعت میں بغیر کسی قسم کے دھوکہ، فریب اور منصوبہ کے آپ ہی آپ نظام کے ماتحت کچھ لوگ اُوپر

---

[1] الفضل ۱۵ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، ۴ ؛ [2] وفات ۱۸۹۸ء ؛ [3] وفات ۱۹۳۱ء ؛ [4] وفات ۱۹۳۶ء ؛ [5] وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ؛ [6] وفات ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء ؛

آجاتے ہیں اور جماعت کی باگ ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ ان کی زندگیوں میں تو ایک تغیر ہونا چاہئے تھا جس طرح خدا تعالیٰ نے ان سے سلوک کیا ہے اور انہیں بلا استحقاق قوم کا لیڈر بنا دیا ہے اسی طرح ان کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے لیڈر بنیں جن کی مثال دنیا میں ملنی مشکل ہو۔ ان کے کام اپنے نفس کی خاطر نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان کے کردار، ان کے افعال، ان کے اخلاق اور ان کے طریق خالصتہً مذہب کے لئے وقف ہوں۔ اور جب کسی کی زندگی خالصتہً کسی مذہب یا جماعت کے لئے ہو جاتی ہے تو اس کے عمل میں دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ڈاک خانہ بن کر نہیں رہ جاتا کہ چند خطوط کا جواب دے دیا اور سمجھ لیا کہ بڑا کام کیا ہے بلکہ ایسا شخص رات دن سکیمیں سوچتا ہے کہ کس کس طرح میں اپنی قوم کو اونچا کروں جس کی وجہ سے اسے عزت ملی ہے حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر جو خدمات کی جاتی ہیں وہ پے در پے نفع لاتی ہیں ان کی یہ خدمت بھی بلا معاوضہ نہیں ہوتی۔ فرض کرو جماعت اب تین لاکھ کی ہے اور وہ قربانی کرتے ہیں اور تعداد تین لاکھ سے چھ لاکھ ہو جاتی ہے، تو انہوں نے صرف قوم کی خدمت نہیں کی انہوں نے اپنی خدمت بھی کی ہے۔ وہ پہلے تین لاکھ کے لیڈر تھے اب چھ لاکھ کے لیڈر ہو گئے۔ اگر وہ اور قربانی کریں اور تعداد بارہ لاکھ ہو جائے تو یہ خدمت اسلام کی بھی ہو گی مگر ساتھ ہی اپنی خدمت بھی ہو گی کیونکہ کل وہ چھ لاکھ کے لیڈر تھے تو آج وہ بارہ لاکھ کے لیڈر بن گئے ہیں۔ غرض ان کے اندر ایسی دیوانگی ہونی چاہیئے جو دوسری قوموں میں نہ ملے"۔ [1]

چوہدری محمد حسین صاحب رضی اللہ عنہ کی ریاست خیرپور میں المناک شہادت

یکم فروری ۱۹۵۲ء سے احراری لیڈروں نے سندھ کو اپنی اشتعال انگیز سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا اور کانفرنس منعقد کر کے صوبہ کی فضا کو اس درجہ مکدر کر دیا کہ ۱۹۔ فروری ۱۹۵۲ء کو ایک مخلص احمدی چوہدری محمد حسین صاحب گمٹ ریاست خیرپور میرس سندھ پر قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ چوہدری صاحب کو ہسپتال پہنچایا گیا جہاں آپ ۲۲۔ فروری ۱۹۵۲ء کو رحلت کر گئے۔ [2]

---

[1] الفضل ۱۷۔ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲، صفحہ ۳ ۔

[2] الفضل ۴۔ امان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ ۔

جلسہ سیالکوٹ پر یورش

جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ ۱۶-۱۷ / تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء کو قرار پایا تھا اور احمدیوں کی کثیر تعداد بیرونی مقامات اور مضافات سے اس میں شرکت کے لئے پہنچ چکی تھی کہ بعض احراری علماء نے پہلے تو احمدیوں کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ نشر کیا پھر ایک ہجوم میں یہ اعلان کر کے کہ ہم احمدیوں کا جلسہ نہیں ہونے دیں گے جلسہ گاہ کا رُخ کر لیا اور جُونہی پہلا اجلاس ختم ہوا اور سامعین جلسہ گاہ سے باہر نکلے تو ان پر شدید سنگ باری کی گئی جس سے چالیس سے زائد افراد بُری طرح مجروح ہوئے۔ اس کے بعد بلوائیوں نے بازار میں متعدد اشخاص کو مارا پیٹا اور گلیوں میں بھی تشدّد سے کام لیا۔

رات کو ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ نے جماعت احمدیہ کے ارکان کو بلایا اور مشورہ دیا کہ جلسہ احمدیہ مسجد میں کر لیں لیکن جماعتِ سیالکوٹ نے اِس رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اگلے روز کا پروگرام منسوخ کر دیا۔[1]

---

[1] اِس موقعہ پر مقامی جماعت کی طرف سے صاحب ڈپٹی کمشنر کو یہ مُراسلہ بھیجا گیا:۔

"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا بجائے اپنی جلسہ گاہ کے مسجد میں جاکر جلسہ کرنا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں اور ہمارے حق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ہم نے بار بار آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم خطرہ بھی برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن پہلی مرتبہ کے التواء کے بعد دوسری بار ایک نہایت ہی مختصر اجلاس کو کافی سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ ہم یقیناً اِس بات کے خواہاں ہیں کہ اُس تعاون کے بعد جو ہم نے پچھلی بار دکھایا تھا اِس دفعہ حالات کی مشکلات کو برداشت کر کے ہمارے لئے جلسہ کرنا ممکن کیا جاتا۔ اِس جلسہ میں شرکت کے لئے بعض دوست باہر کے اضلاع سے آئے ہوئے تھے۔ ہم حکومت کو یقیناً مشکلات میں پھنسانا نہیں چاہتے لیکن اِس کا یہ اثر ضرور ہو گا کہ ایسا شرارت پسند عنصر جو ہر ممکن طریق سے حکومت کو کمزور کرنا چاہتا ہے اَور زیادہ دلیر ہو جائے گا اور امن پسند لوگوں کیلئے اپنے حقوق کی حفاظت مشکل ہو جائے گی۔ بہرحال آپکی انتظامی معذوریوں کے پیشِ نظر ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم اپنا بقیہ پروگرام منسوخ کر دیں۔"

الفضل ۱۹ / تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء صا

فصل پنجم

● سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ بشیر آباد سندھ ● بصیرت افروز خطبات ● حیدر آباد میں پریس کانفرنس ● اِتّحاد المسلمین پر شاندار لیکچر

سیّدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اراضیِ سندھ کی نگرانی اور حسابات کی پڑتال کرنے کارکنوں کو ہدایات دینے اور بہت سے تربیتی و تبلیغی امور کی انجام دہی کے لئے سالہا سال سے سندھ تشریف لے جارہے تھے حضور حسبِ سابق اِس سال بھی ۴۳ نفوس پر مشتمل قافلہ سمیت ۲۵ر تبلیغ/فروری کو بشیر آباد سندھ تشریف لے گئے اور ایک ماہ کے کامیاب دَورہ کے بعد ۲۶ر امان/مارچ کو ربوہ میں رونق افروز ہوئے۔ حضور نے اِس سفر کے دَوران مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کو امیر مقامی نامزد فرمایا۔[1]

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء کے بابرکت سفرِ سندھ کے واقعات میں سے تین کا ذکر ضروری ہے:۔

۱۔ خطباتِ جمعہ ۲۔ پریس کانفرنس ۳۔ اتحاد المسلمین پر لیکچر

بصیرت افروز خطبات دَورانِ سفر حضور نے اپنے خطبات میں احبابِ جماعت کو بہت قیمتی نصائح فرمائیں جن کا ملخّص یہ تھا کہ اپنے اندر بیداری پیدا کرو، تبلیغ کرو، جماعت کو وسیع کرتے چلے جاؤ، ہمیشہ اپنے کاموں میں محبّت اور تحمّل کا توازن قائم رکھو اور اخلاقِ فاضلہ کا بہترین نمونہ بنو۔

---

[1] الفضل ۲۷ر تبلیغ و ۲۸ر امان ۱۳۳۱ہش (مطابق ۲۷ر فروری و ۲۸ر مارچ ۱۹۵۲ء)

پریس کانفرنس حضورؓ نے ۲۵؍امان/مارچ کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس کی رُوداد اخبار المصلح کراچی (مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۵۲ء) کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"حضرت امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے گزشتہ روز حیدرآباد میں صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"مَیں تو سمجھتا ہوں کہ مہاجر و انصار کی تعریف کو ختم کرنا چاہیئے اور ہمیں اس کی بجائے پاکستانی کے لفظ کو استعمال میں لانا چاہیئے۔ مَیں ذاتی طور پر تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہوں کہ ہندوؤں نے ہمیں مسلمان سمجھ کر نکال دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان میں حفاظت کی جگہ دے دی۔"

زبان کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"مَیں اصولاً تو یہی سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی زبان لازمی طور پر اُردو ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ بنگالیوں کی دلجوئی کرکے ان کے ساتھ محبّت اور ہمدردی کے جذبات رکھے جائیں اور زبان کے سوال کو موجودہ حالات میں اُٹھانا اور خواہ مخواہ اِس مسئلہ کو اختلاف کی بنیاد بنانا درست نہیں۔"

ایک سوال کے جواب میں مسئلۂ جہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"ہم قرآن کریم کو مانتے ہیں۔ لامحالہ جو چیز قرآن کریم میں ہوگی وہی ہمارا عقیدہ اور مسلک ہوگا ہاں اس کی توضیح اور مفہوم میں فرق ہو سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جہاد دشمنوں کے حملوں کے دفاع کا نام ہے اور ایک دفعہ دفاعی جنگ شروع ہو جانے کے بعد اقدام بھی لازماً اس کا ایک حصّہ بن جائے گا۔"

پاکستان میں آئندہ ماہ ہونے والی اسلامی ممالک کے وزراءِ اعظم کی کانفرنس کے متعلق آپ نے فرمایا:۔

"جہاں تک میرا خیال ہے اِس کانفرنس میں باہمی عام مسائل پر عام مشورہ ہوگا اور اسکے فیصلے سب پر عائد نہیں کئے جائیں گے۔ بہرحال یہ اقدام نہایت خوشکن ہے اور آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔" [1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲؍شہادت ۱۳۳۱ ہش/۲؍اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

سیدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ کی تقریر بعنوان اتحاد بین المسلمین کا ایک منظر

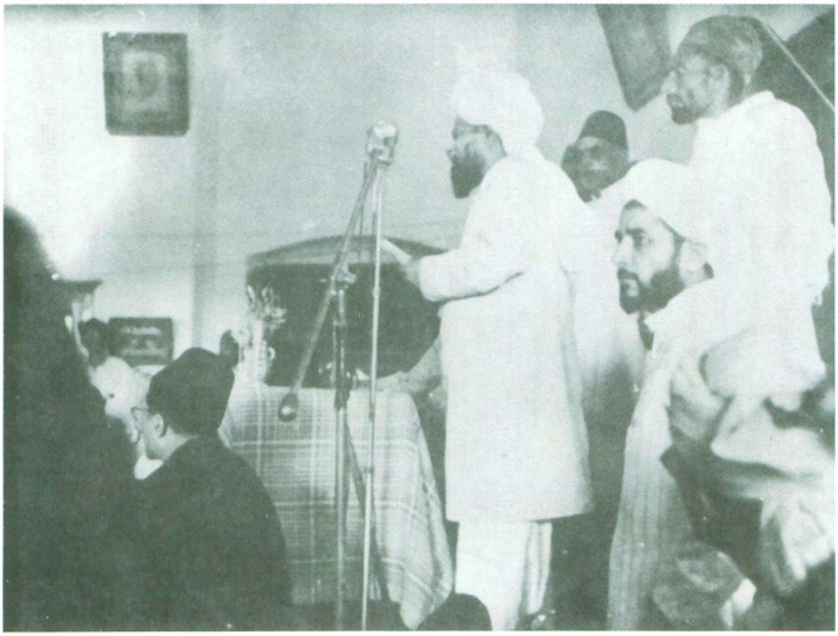

(حضور کے پیچھے دائیں طرف جناب چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی۔
اور بائیں طرف مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کھڑے ہیں)

حضرت مصلح موعودؓ کے سفر ناصر آباد کے دو اہم فوٹو

اتحاد المسلمین پر عظیم الشان لیکچر

قیامِ حیدر آباد کا اہم ترین واقعہ امیر المومنین حضرت مصلح موعودؓ کا "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر عظیم الشان لیکچر ہے جو ۲۵ / امان / مارچ کو پریس کانفرنس کے بعد تھیوسافیکل ہال میں ہؤا۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا قریباً ایک ہزار ٹکٹ غیر احمدی معززین میں تقسیم کئے گئے۔ جلسہ میں آلۂ نشر الصّوت کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ ہال کا اندرونی حصّہ اِس قدر پُر تھا کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی حتّٰی کہ احمدی اور غیر احمدی احباب کثیر تعداد میں دونوں طرف باغ اور صحن میں بیٹھے یا کھڑے آخر وقت تک پُوری توجہ، دلجمعی اور سکون کے ساتھ تقریر سُنتے رہے مستورات کے لئے ہال کے ایک ملحقہ کمرہ میں الگ پردہ کا بندوبست تھا۔ جناب ایم۔ اے حافظ بار ایٹ لاء حیدرآباد کی صدارت میں کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے مولوی سیّد احمد علی شاہ صاحب مبلغ سلسلہ[1] نے تلاوت فرمائی پھر مبارک احمد صاحب نے کلامِ محمود سے ایک نظم پڑھی۔ ازاں بعد صدرِ جلسہ نے حضرت مصلح موعودؓ کو خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے اِس تقریب پر اظہارِ مسرّت و شادمانی کیا اور فرمایا:-

" ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلام میں جماعتِ احمدیہ جیسی ایک جماعت موجود ہے جس کے کارنامے طویل ہیں۔ اِس جماعت نے اسلام کو جس جوش و خروش سے یورپ میں پیش کیا ہے وہ اس کا ہی حصّہ ہے اور ہم سب مسلمان اس کے ممنون ہیں۔ اِس جماعت کے ایک ممبر آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں حکومت میں شامل ہیں۔ اِس ممبر نے دُنیا میں پاکستان کی عزّت کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور دنیا میں پاکستان کا نام بلند کرنے اور اسلامی ممالک کو متحد بنانے میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے یہ ممبر ساری اسلامی دُنیا کے لئے ایک قابلِ فخر ہستی ہے۔ آج اس عظیم الشان جماعت کے عظیم الشان لیڈر کی تقریر سُننے کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور مَیں اِس بات پر فخر کرتا ہوں کہ آج صدارت کے لئے مجھے چُنا گیا"

اِس کے بعد حضور اقدس نے اتحاد المسلمین کے موضوع پر سوا گھنٹہ کے قریب ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

اِس تقریر کے ضروری حصّے درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

---

[1] آپ اُن دنوں زیریں سندھ (ضلع حیدر آباد، ٹھٹھہ، تھرپارکر، سانگھڑ، نواب شاہ اور ضلع دادو) کے انچارج مبلغ تھے۔

اتحاد اور اس کا فلسفہ "اتحاد عربی لفظ ہے اور وحدت سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں یکجہتی اختیار کرلینا۔ یہ لفظ بتاتا ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں اور انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو کھوکر اجتماعیت اختیار کریں گی۔ عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مطالب کو اِس طرح بیان کرتی ہے کہ ایک لفظ کے اندر سارا فلسفہ بیان کر دیا جاتا ہے۔ اتحاد نے اُردو زبان میں آکر اپنے معنی کھو دیئے ہیں لیکن عربی زبان میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے فلسفہ کو جاننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ بولنے والا کئی باتیں تسلیم کرتا ہے۔"

اسلام اور اجتماعیت "اجتماعیت اور ملّت کا جو احساس اسلام نے پیدا کیا ہے وہ کسی اَور مذہب نے پیدا نہیں کیا۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو اجتماعیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔"

کلمہ "مثلاً اسلام میں ایک کلمہ ہے جو ہر مسلمان کے لئے ماننا ضروری ہے۔ بیشک اسلامی فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہماری جماعت کو بھی دوسرے فرقوں سے اختلاف ہے لیکن کوئی احمدی ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ مَیں کلمہ طیّبہ نہیں مانتا۔ پھر شیعوں کو سُنّیوں سے اختلاف ہے اور سُنّیوں کو شیعوں سے اختلاف ہے لیکن سُنّی یا شیعہ کو یہ جُرأت نہیں کہ وہ کلمہ سے انکار کرے۔ تم کسی اسلامی فرقہ میں چلے جاؤ اور اُن سے پُوچھ لو وہ کلمہ سے باہر نہیں جائیں گے۔ ہر ایک مسلمان یہ یہ کہے گا کہ ہمارا ایک کلمہ ہے اور وہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ ہر شخص جو مسلمان ہوگا وہ اِس بارہ میں دوسرے مسلمانوں سے متّحد ہوگا۔ شیعہ سُنّیوں سے اختلاف رکھیں گے لیکن کلمہ کے بارہ میں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ سُنّی شیعہ سے اختلاف رکھیں گے لیکن کلمہ میں دونوں متحد ہوں گے اور یہ کلمہ صرف مسلمانوں میں ہے اَور کسی مذہب میں نہیں۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک عیسائی کو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا نہیں آتا۔ ایک عیسائی بھی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ سکتا ہے لیکن ان کا اپنا کوئی ایسا کلمہ نہیں جس میں بتایا گیا ہو کہ خدا تین ہیں۔ تم کسی مشن میں چلے جاؤ اور عیسائیوں سے پوچھو کہ کیا تمہارا بھی کوئی کلمہ ہے تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ہمارا کوئی کلمہ نہیں۔ وہ یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ ہمارا کوئی کلمہ ہے کیونکہ ان کے ہاں مذہب کا ضروری حصّہ وہ لوگ بھی ہیں جو تین خدا مانتے ہیں اور ساتھ ہی ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو باوجود عیسائی ہونے کے ایک

خدا کے قائل ہیں لیکن ہمارا ہر شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں دوسرے مسلمانوں سے اتحاد رکھتا ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے خلاف کسی تعلیم کو مانتا ہو اور وہ اسلام میں بھی رہے۔"

"ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳۷۰ سال قبل فرما دیا تھا کہ ہمارا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے اور اس میں اسلام کا خلاصہ آ گیا ہے۔ باقی لوگ ابھی ٹکریں مار رہے ہیں کہ ہمارا کلمہ کیا ہے؟ اب یہ اتحاد کی کتنی بڑی صورت ہے جو مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں۔"

قبلہ

"پھر اسلام میں ایک قبلہ پایا جاتا ہے لیکن اسلام کے سوا کسی مذہب میں قبلہ نہیں پایا جاتا۔ بیشک ہندوؤں کے پاس سومناتھ کا مندر موجود ہے لیکن یہ ایسی چیز نہیں جس پر سارے ہندو جمع ہو جائیں عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی کوئی قبلہ نہیں وہ یروشلم کی مسجد کو بطور قبلہ پیش کرتے ہیں لیکن یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پانچ سو سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام سے پانچ سو سال قبل یہودیوں کے پاس کونسا قبلہ تھا۔ ہمارے پاس پہلے سے قبلہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ظاہر ہوئے تو آپ نے بتا دیا کہ ہمارا فلاں قبلہ ہے اور اس طرح مسلمانوں پر کوئی دن ایسا نہیں آیا جب ان کے پاس کوئی قبلہ نہ ہو۔ یہ نہیں کہ ایک سال، دو سال یا دس سال کے بعد قبلہ کا حکم ہوا ہو بلکہ پہلے دن سے بتا دیا گیا ہے کہ ہمارا فلاں قبلہ ہے۔ اب یہ اتحاد کی کتنی بڑی صورت ہے جو دوسرے مذہب والوں کو حاصل نہیں۔"

نماز باجماعت

"پھر نماز باجماعت ہے۔ اسلامی نماز بھی انفرادی نماز نہیں بلکہ ایک قومی نماز ہے۔ پہلے صفوں میں سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ قبلہ رُخ ہو۔ اقامت ہو پھر ایک امام ہو۔ امام کھڑا ہو تو مقتدی کھڑا ہو امام سجدہ میں جائے تو مقتدی بھی سجدہ میں چلا جائے۔ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے اور مذاہب میں نہیں۔ نہ عیسائیوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے اور نہ یہودیوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ عیسائی اور یہودی اکٹھے تو ہو جاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے لئے اکٹھا ہونے کا کہاں حکم ہے؟ ساری تورات میں اکٹھے ہو کر عبادت کرنے کا حکم نہیں ملتا۔ تورات میں یہی آتا ہے کہ کامل عبادت یہی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے لئے قربانی پیش کرو۔ باقی یہ کہ عبادت کے لئے تم اکٹھے ہو جاؤ ایسا کوئی حکم نہ

پرانوں اور ویدوں میں موجود ہے اور نہ ایسا حکم تورات اور انجیل میں پایا جاتا ہے"۔

اذان "صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو کہتا ہے پہلے اذان دو پھر اس طرح مسجد میں آؤ۔ سیدھی صفوں میں کھڑے ہو جاؤ۔ پھر قبلہ کی طرف مُنہ کرو۔ سامنے ایک امام ہو۔ جو حرکت امام کرے وہی حرکت مقتدی بھی کرے۔ امام سجدہ میں جائے تو مقتدی بھی سجدہ میں چلے جائیں امام کھڑا ہو تو مقتدی بھی کھڑے ہو جائیں۔ اِس طرح ساری قوم امام کے تابع ہو جاتی ہے اور یہ طاقت ہٹلر میں بھی نہیں تھی کہ اس کے اشارہ سے سارے لوگ جُھک جائیں لیکن یہاں یہ بات پائی جاتی ہے کہ امام رکوع میں جاتا ہے تو سارے مقتدی رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ امام سجدہ میں جاتا ہے تو سارے لوگ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ طاقت بخشی ہے جس نے اجتماعیت کی ایسی مستحکم رُوح قائم کر دی ہے جس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی"۔

حج "پھر حج ہے یہ خصوصیت بھی صرف اسلام میں ہے۔ بیشک ہندو لوگ یاترا کے لئے جاتے ہیں لیکن یاترا ئیں بیسیوں ہیں۔ کوئی مشخصہ یاترا نہیں اور نہ ایسی تعلیم ہے کہ جس شخص کے پاس سرمایہ ہو۔ پھر امن ہو اس کے لئے کوئی روک نہ ہو۔ ایسا شخص اگر حج نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے یہ اجتماعیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ باقی لوگ یاترا گئے تب بھی بزرگ ہیں اور اگر یاترا کو نہ گئے تب بھی بزرگ ہیں"۔

زکوٰۃ "پھر زکوٰۃ ہے۔ اسلام میں جیسی زکوٰۃ پائی جاتی ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی بے شک یہودیوں میں بھی زکوٰۃ پائی جاتی ہے لیکن اس میں اتنی باریکیاں نہیں پائی جاتیں جتنی باریکیاں اسلامی زکوٰۃ میں پائی جاتی ہیں۔ اسلامی زکوٰۃ کے اخراجات کو نہایت وسیع طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس میں قومی ترقی کی ہر چیز آ جاتی ہے۔ اس میں کلیّت کا رنگ پایا جاتا ہے اور یہ بات یہودی زکوٰۃ میں نہیں پائی جاتی۔ اسلامی زکوٰۃ میں ہر قسم کے غرباء کا حق مقرر کر دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص کے پاس تجارت کے لئے سرمایہ نہیں تو اسلام کہتا ہے اسے کچھ سرمایہ دے دو۔ ایک وہ منڈی ہے وہ درزی کا کام جانتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی مشین نہیں تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ ایک شخص کو یکّہ چلانا آتا ہے لیکن اس کے پاس روپیہ نہیں تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ اِس طرح ایک مسافر آتا ہے وہ مالدار ہوتا ہے

لیکن وہ شہر میں جاتا ہے اور اس کا مال چوری ہو جاتا ہے اور وہ گھر سے بھی روپیہ منگوا نہیں سکتا تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ ایک غریب آدمی قید ہو جاتا ہے۔ اسکے بچوں کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دیدو۔ گویا اسلام نے زکوٰۃ کے نظام کو اس قدر وسیع کیا ہے اور اتنا نرم رکھا ہے کہ ہر قوم اور ہر گروہ کے لوگ اس سے اسی طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں کہ کسی کا سر بھی نیچا نہ ہو۔ کیونکہ بڑی زکوٰۃ حکومت خود دیگی۔ مثلاً زمین ہے۔ زمین کی زکوٰۃ میں ذاتی طور پر نہیں دے سکتا بلکہ یہ زکوٰۃ گورنمنٹ کے پاس جمع کرائی جائے گی اور وہ آگے مستحقین میں تقسیم کرے گی۔ اگر حکومت اس رقم میں سے کچھ میرے ہمسایہ کو دیتی ہے تو اگرچہ وہ میری رقم ہو گی لیکن میرا ہمسایہ اسے گورنمنٹ سے حاصل کرے گا اِس طرح وہ میرا ممنون نہیں ہو گا اور میرے سامنے نظریں نیچی نہیں کرے گا۔ گویا زکوٰۃ لینے کے نتیجہ میں جو تحقیر پیدا ہوتی ہے وہ پیدا نہیں ہو گی۔ غرض اسلامی زکوٰۃ میں اِس امر کو مدِنظر رکھا گیا ہے کہ غریب کی نظر نیچی نہ ہو۔ اور باوجود مدد لینے کے وہ امیر ہمسایہ کو کہہ سکے کہ مَیں نے تجھ سے مدد نہیں لی۔"

قضاء "پھر قضاء ہے یہ بھی اسلام کی ہی ایک خصوصیت ہے اور یہ خصوصیّت بھی اِس بات کی ایک دلیل ہے کہ اسلام اجتماعیّت کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک فرد اگر کسی کو ڈنڈا مارے تو قضاء اسے کہے گی کہ تم قاضی کے پاس جاؤ وہ اسے ڈنڈا مارے گا۔ یہاں تک کہ اسلام میں بدکاری کی سزا سخت ہے لیکن اس کے لئے بھی اسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ تم سزا کو اپنے ہاتھ میں نہ لو بلکہ معاملہ قاضی کے پاس لے جاؤ وہ سزا دے گا۔

ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس وقت یہودی سزا پر عمل کیا جاتا تھا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ اگر خاوند دیکھے کہ اس کی بیوی بدکاری کر رہی ہے تو کیا اسے حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مار ڈالے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں[1]۔ اسے خود سزا دینے کا حق نہیں۔ موسوی شریعت میں زنا کی سزا قتل تھی اور اس وقت تک اس بارہ میں موسوی شریعت کے مطابق ہی عمل کیا جاتا تھا۔ اُس شخص نے عرض کیا جب زنا کی سزا قتل ہے تو خاوند جب اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو کیوں نہ اُسے قتل کر دے؟ رسول کریم

[1] ابوداؤد (کتاب الحدود)

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے سزا دینے کا حق نہیں۔ سزا دینے کا حق قاضی کو ہے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور اسے قتل کر دیتا ہے تو اُسے قاتل سمجھ کر موت کی سزا دی جائیگی اب دیکھو اسلام اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اسلام یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کہیں بدلہ لینے میں جلد بازی سے کام تو نہیں لیا گیا۔ کیا جُرم کی تحقیق کے سامان پُوری طرح مہیا کئے ہیں؟ اور یہ باتیں قاضی دیکھ سکتا ہے دوسرا نہیں۔ اگرچہ یہ انفرادی حق ہے لیکن کسی شخص کو اِس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے لے۔ مُجرم کو سزا صرف حکومت کے ذریعہ ہی دلائی جاسکتی ہے؟"

جہاد

"پھر فرضیتِ جہاد ہے۔ جہاد بھی اکیلا شخص نہیں کر سکتا بلکہ جب جہاد فرض ہوگا تو ساری قوم لڑے گی۔ پس جہاد بھی ایک اجتماعی چیز ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب امام کہے کہ اَب جہاد کا موقعہ ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فریضہ کو پُورا کرے اور اگر کوئی مسلمان اِس فرض کو پُورا نہیں کرتا تو وہ شریعت اور قانون کا مجرم ہے یہ ایک اجتماعی حکم ہے پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام انفرادی مذہب ہے وہ غلطی پر ہے۔ اسلام انفرادی مذہب نہیں بلکہ اجتماعی مذہب ہے۔"

اِنفرادیّت و اجتماعیّت

"اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ایک طرف تو انفرادیت کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہے اور نہ صرف تسلیم کرتا بلکہ اسے ضروری قرار دیتا ہے اور دوسری طرف وہ اجتماعیّت کی تعلیم دیتا ہے یہ دونوں چیزیں اکٹھی کیسے ہو سکتی ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں لیکن در اصل یہ متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کی مددگار ہیں۔ اِن دونوں کو جمع کئے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔

جس مذہب نے صرف انفرادیّت کی تعلیم دی ہے وہ بھی تباہ ہوا ہے۔ کوئی مذہب اور کوئی حکومت اپنے لئے ترقی کا راستہ نہیں کھول سکتی جب تک وہ اِن دونوں چیزوں پر بیک وقت عمل نہ کر رہی ہو۔ اگلے زمانہ میں خدا سے تعلق محض انفرادیّت کے طور پر ہوتا تھا لیکن صحیح راستہ انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ہے۔ جیسے اگلے جہان میں ایک پُل صراط ہو گی یہ اِس دُنیا کی پُل صراط ہے۔ اسلام دونوں چیزوں کو ایک وقت میں بیان کرتا ہے۔ ایک طرف وہ اِنسان کو اتنا بلند کرتا ہے کہ اسے عرش پر پہنچا دیتا ہے اور اس کے درمیان اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی

واسطہ باقی نہیں رہتا اور دوسری طرف جس طرح یونانی جب لڑتے ہیں تو وہ آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ باندھ دیتے ہیں تاکہ وہ اگر مریں تو اکٹھے مریں اسی طرح اسلام بھی ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ اتحاد موجودہ حالات اور افراد سے اتحاد کا نام ہے۔ اتحاد اس بات کا نام ہے کہ موجودہ حالات اور افراد سے کام لیا جائے اور ترقی کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ حالات اور افراد میں اختلاف پیدا کیا جائے۔ جب تک تجربہ اور تھیوری سے اختلاف نہیں کیا جاتا اس وقت تک ترقی نہیں ہوسکتی۔ غرض انفرادیت کے بغیر ترقی مشکل ہے اور اتحاد کے بغیر امن قائم رکھنا مشکل ہے۔"

قرآن مجید کی تعلیم

"قرآن کریم نے اِن دونوں کو تسلیم کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (انفال: ۴۷)

اے مسلمانو!! تم آپس میں اختلاف نہ کرو۔ اگر تم آپس میں اختلاف کروگے تو کمزور ہو جاؤ گے اور دشمن سے شکست کھا جاؤ گے۔ تم ہمیشہ اکٹھے رہنا اور ایک دوسرے کے مددگار رہنا۔ وَاصْبِرُوْا اور چونکہ اکٹھے رہنے میں تمہیں کئی مشکلات پیش آئیں گی اس لئے تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ جب تم اجتماعیت کی طرف آؤ گے تو کئی جھگڑے پیدا ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی شکوہ پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جا رہا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے شخص اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اَور کون کرے گا؟ حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود تھے آپ نے تلوار نکال لی اور عرض کیا یا رسُولَ اللہ آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن کاٹ دوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانے دو۔ اس شخص نے بے شک غلطی کی ہے لیکن اگر اس کی گردن کاٹ دی گئی تو لوگ کہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتا ہے[1] پس اگر اُس زمانہ کے لوگ بھی شکوہ کر دیتے تھے اور اختلاف کا اظہار کر دیتے تھے تو پاکستان اور شام اور عراق اور اردن کے لوگ کیوں نہیں کرسکتے؟ غلطیاں ہو جاتی ہیں اور لوگ شکوہ بھی کرتے ہیں پھر تم کیا کرو

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۵۳

فرمایا وَاصْبِرُوْا۔ تم صبر کرو۔ اور مجھ پر امید رکھو۔ میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔ پھر فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران رکوع ۱۱) اے مسلمانو! تم سارے مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔ اگر تم نے تفرقہ کیا تو اس کے نتیجہ میں تمہاری طاقت زائل ہو جائے گی۔ یہ اجتماعی اتحاد کی دعوت ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے مذہب کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ بے دین ہیں۔ گویا قرآنِ کریم اختلاف و اتحاد دونوں کو تسلیم کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی اختلاف اور اتحاد دونوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ[1] میری اُمّت کا اختلاف رحمت ہے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف کو بجائے عذاب کے رحمت قرار دیتے ہیں اور اختلاف کرنے والے دونوں فریق کو اپنی اُمّت قرار دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف آپؐ فرماتے ہیں کہ۔۔۔ جو شخص[2] جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا وہ ہم میں سے نہیں۔ گویا آپؐ نے ایک طرف یہ کہا کہ اختلاف رحمت ہے اور دوسری طرف یہ کہا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہو گا وہ ہم میں سے نہیں یعنی وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یا رسولَ اللہ جب تفرقہ ہو گا تو میں کیا کروں۔ کیا میں تلوار لوں اور لوگوں کا مقابلہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اُس صحابی نے پھر عرض کیا یا رسولَ اللہ پھر میں کیا کروں۔ تو آپؐ نے فرمایا۔۔۔ جس طرف جماعت[3] ہو تم اسی طرف چلے جاؤ۔ گویا آپ نے ایک طرف انفرادیت پر اس قدر زور دیا ہے کہ اختلافِ اُمّت کو رحمت قرار دے دیا اور دوسری طرف یہ شدّت ہے کہ اگر تم پر ظلم بھی کیا جائے تب بھی تم اختلاف نہ کرو بلکہ جماعت کا ساتھ دو۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم دونوں نے اختلاف اور اتحاد دونوں کو تسلیم کیا ہے۔"

---

[1] "کنوز الحقائق" (از حضرت علامہ امام عبد الرؤوف مناویؒ)

[2] ابوداؤد میں ہے "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهٖ" (کتاب السنّۃ) بخاری کتاب الاحکام میں ہے "لَيْسَ اَحَدٌ يُّفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً"۔

[3] بخاری کتاب الفتن کے الفاظ ہیں "تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ"۔

پہلا اسلامی اصول اتحاد

"اگر ہم اکٹھے ہو کر بیٹھ جائیں گے تو آہستہ آہستہ اتحاد کی کئی صورتیں نکل آئیں گی۔ فلاں مُردہ باد۔ فلاں زندہ باد کے نعروں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر کوئی نقطہ مرکزی ایسا ہے جس پر اتحاد ہو سکتا ہے تو اس کو لے لو کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ اختلافات قائم رکھو بلکہ بعض دفعہ یہاں تک کہتا ہے کہ ہم اختلافات رکھتے ہیں تمہاری مدد کریں گے۔ پھر یہ بیوقوفی کی بات ہے کہ ہم ان اختلافات کی وجہ سے اتحاد کو چھوڑ دیں۔ مَیں نے عملی طور پر بھی اس کا تجربہ کیا ہے۔ جب تحریکِ خلافت کا جھگڑا شروع ہوا اور مولانا محمد علی اور شوکت علی نے یہ تحریک شروع کی کہ انگریزوں کو کہا جائے کہ وہ سُلطانِ ترکی کو جسے ہم مسلمان خلیفہ تسلیم کرتے ہیں کچھ نہ کہیں ورنہ ہم سب مسلمان مل کر ان کا مقابلہ کریں گے تو انہوں نے باقی مسلمانوں کو بھی دعوت دی کہ وہ اِس تحریک میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور اس کے تعلق میں لکھنؤ میں ایک جلسہ کیا گیا۔ مَیں نے جب اِس بات پر غور کیا تو مَیں نے دیکھا کہ شیعہ اور اہلِ حدیث سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے اور نہ خوارج اسے خلیفہ تسلیم کرتے ہیں اور پھر ہم احمدی بھی اِس بات کے خلاف ہیں۔ ہمارا ہیڈ خود خلیفہ ہوتا ہے۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہ سارے لوگ یہ بات کیوں کہیں گے کہ ہم سب مسلمان سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ مانتے ہیں اِس لئے اگر تم نے اس پر ہاتھ ڈالا تو ہم سب متحد ہو کر اس کی امداد کریں گے۔ مَیں نے جلسہ میں شرکت کے لئے ایک وفد لکھنؤ بھیجا اور انہیں تحریری پیغام بھجوایا[1] کہ اگر تم اِس صورت میں انگریزوں کے پاس جاؤ گے تو وہ کہیں گے کہ خوارج، اہلِ حدیث اور شیعہ سلطان عبد الحمید کو اپنا خلیفہ نہیں مانتے تم کیسے کہتے ہو کہ وہ سب مسلمانوں کا خلیفہ ہے؟ مَیں نے کہا تم یوں کہو کہ سلطانِ ترکی جسے مسلمانوں کی اکثریت خلیفہ تسلیم کرتی ہے اور باقی مسلمان بھی ان کا احترام کرتے ہیں اگر تم نے اسے کچھ کہا تو ہم سب مسلمان مل کر تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اگر تم یُوں کہو گے تو کام بن جائے گا۔ کسی احمدی، شیعہ یا اہلِ حدیث کو یہ جرأت نہیں ہو سکے گی کہ وہ کہے سلطان عبد الحمید کو مار دو۔ وہ دِل میں بے شک کہے لیکن اس کا زبان سے اظہار نہیں کرے گا۔ مولانا شوکت علی کی طبیعت جوشیلی تھی جب وفد میرا خط لے کر گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تفرقہ کی بات ہے۔ پندرہ دن کے بعد اہلِ حدیث کی طرف سے اعلان شائع ہُوا کہ ہم سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ شیعوں کی طرف سے

---

[1] یہ پیغام "ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض" کے نام سے چھپا ہوا ہے۔

بھی اِس قسم کا اعلان شائع ہوًا اور پھر سر پھٹول شروع ہوگئی۔ خوارج اس ملک میں موجود نہیں تھے ورنہ وہ بھی اِس قسم کا اعلان کر دیتے اور پھر سال ڈیڑھ سال کے بعد خود ترکوں نے بھی اسے جواب دے دیا۔ تین چار سال کے بعد شملہ میں ہم سب ملے تو مولانا محمد علی نے کہا کتنا اچھا کام تھا لیکن آخر ہم اس میں ناکام ہوگئے مسلمانوں میں تفرقہ ہوگیا اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ مَیں نے کہا مولانا مَیں نے مشورہ دے دیا تھا کہ یہ نہ لکھا جائے کہ ہم سب مسلمان سلطانِ ترکی کو خلیفہ مانتے ہیں کیونکہ اہلِ حدیث، خوارج، شیعہ اور ہم احمدی اسے خلیفہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ کہا جائے کہ سلطانِ ترکی جس کو مسلمانوں میں سے اکثریت خلیفہ مانتی ہے اور جو خلیفہ نہیں مانتے وہ بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ اگر میری بات مان لی جاتی تو یہ ناکامی نہ ہوتی۔ انہوں نے کہا آپ نے یہ مشورہ ہمیں دیا ہی نہیں۔ مَیں نے کہا آپ کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کو دیا تھا مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ مَیں نے کہا اگر آپ میرا مشورہ مان لیتے تو اہلِ حدیث، خوارج اور شیعہ کو شکایت پیدا نہ ہوتی۔ آپ یہ لکھتے کہ اکثریت مسلمانوں کی سلطانِ ترکی کو خلیفہ مانتی ہے اور اقلیت اسے اپنے اقتدار کا نشان مانتی ہے۔ وہ افسوس کرنے لگے کہ مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔ پس شیعہ، سُنّی اور حنفی، وہابی اور احمدی اور غیر احمدی کے اختلاف کو چھوڑ دیا جائے اور ان کی اتحاد کی باتوں کو لے لیا جائے یہی اتحّاد کا اصول ہے۔"

دوسرا اسلامی اصولِ اتحّاد

"دوسرا اصول اتحّاد کا یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز پر قربان کر دیا جائے۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ ہر بات میں اتحاد نہیں ہوسکتا تو تم چھوٹی باتوں کو چھوڑ دو اور بڑی باتوں کو لے لو۔ دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جہاں توحید کا ذکر کرتا ہے وہاں ماں باپ کا بھی ذکر کرتا ہے اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری پر زور دیتا ہے لیکن جب انبیاء دُنیا میں آئے اور ان کی قوم نے یہ کہا کہ ہم اپنے آباء واجداد کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے تو خدا تعالیٰ نے یہاں تک کہہ دیا کہ کیا تم جاہلوں کی بات مانتے ہو۔ باپ دادے کی عزت بے شک بڑی ہے لیکن جب ان کا مقابلہ خدا تعالیٰ سے ہو جائے تو انہیں چھوڑ دیں۔"

عالَمِ اِسلام کو دعوتِ اتحّاد

"پس اِن دونوں باتوں پر عمل کیا جائے تو اتحاد ہو سکتا ہے اِس وقت پاکستان، لبنان، عراق، اردن، شام، مصر،

لیبیا، ایران، افغانستان، انڈونیشیا اور سعودی عرب یہ گیارہ مسلم ممالک ہیں جو آزاد ہیں اور ان سب میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپس میں اتحاد کرنا ہے تو پھر اختلافات کو برقرار رکھتے ہوئے ان کا فرض ہے کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ کیا کوئی ایسا پوائنٹ بھی ہے جس پر وہ متحد ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی ایسا پوائنٹ مل جائے تو وہ اس پر اکٹھے ہو جائیں اور کہیں کہ ہم یہ بات نہیں ہونے دیں گے۔ مثلاً یہ سب ممالک اِس بات پر اتحاد کر لیں کہ ہم کسی مسلم ملک کو غلام نہیں رہنے دیں گے اور بجائے اس کے کہ اِس بات کا اِنتظار کریں کہ پہلے ہمارے آپس کے اختلافات دُور ہو جائیں وہ سب مل کر اِس بات پر اتحاد کر لیں کہ وہ کسی ملک کو غلام نہیں رہنے دیں گے اور سب مل کر اس کی آزادی کی جدّ و جہد کریں گے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو دعوت دی تھی کہ آؤ ہم توحید پر جو ہم سب میں مشترک ہے متحد ہو جائیں، اسی طرح ہم سب مسلمان اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ ہم کسی کو غلام نہیں رہنے دیں گے اختلافات بعد میں دیکھے جائیں گے۔ اسی طرح پاکستان کے مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے ہیں اور ان میں کئی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ان سب ممالک میں کوئی چیز مشترک بھی ہے وہ اس پر متحد ہو سکتے ہیں مثلاً یہی بات لے لو کہ ہم نے پاکستان کو ہندوؤں سے بچانا ہے یا کشمیر حاصل کرنا ہے تم اِن چیزوں کو لے لو اور بجائے آپس میں اختلاف کرنے کے اِن چیزوں پر متحد ہو جاؤ بعد میں ملنے ملانے سے دوسرے اختلافات بھی دُور ہو جائیں گے ..... عالَمِ اسلامی کا اتحاد بھی اسی طرح ہوگا۔ اگر مسلم ممالک آپس میں اتحاد کرنا چاہتے ہیں تو وہ اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اختلاف کے باوجود ہم دشمن سے اکٹھے ہو کر لڑیں گے اور ہم بھی اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ باہمی اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے سے لڑیں گے نہیں۔"

نازک زمانہ کی خبر

"اسلام پر ایک نازک زمانہ آرہا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو کھولیں اور خطرات کو دیکھیں اور کم از کم اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مٹنے نہیں دیں گے۔"[۵]

---

[۵] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲-۱۹ ارفتح ۱۳۴۱ ہش مطابق ۱۲-۱۹ ردسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۲ تا ۵

غیر احمدی معزّزین کے تاثّرات

اِس پُر از معلومات خطاب کے بعد بعض غیر احمدی معززین نے فرطِ محبت سے حضور سے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ آج کی تقریر سُننے کے بعد ہمارے بہت سے شکوک و شبہات رفع ہو گئے ہیں۔

دیگر کوائف

اِس یادگار اور تاریخی موقع پر جن مقامات کے احمدی تشریف لائے اُن کے نام یہ ہیں :-

کراچی، بدین، میرپورخاص، نواب شاہ، سکھر، روہڑی، کرونڈی (خیرپور اسٹیٹ)، سانگھڑ، پڈعیدن، ٹنڈوالہ یار، باندھی، لاکھا روڈ، نبی سرروڈ، ڈگری، کوٹ احمدیاں اور احمدیہ اسٹیٹس۔

چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی اور قائد و نائب قائد مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے بھی جماعت کی خاصی تعداد اور قریباً ڈیڑھ سو خدام کے ساتھ شرکت کی اور انتظامی اور حفاظتی امور میں مقامی جماعت سے مخلصانہ تعاون کیا۔ اسی طرح مکرم ماسٹر رحمت اللہ صاحب (نگران اعلیٰ) پریذیڈنٹ حیدرآباد، مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مبلغ حیدرآباد، مکرم مولوی غلام احمد صاحب فرخ مبلغ بالائی سندھ، مکرم ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب سیکرٹری تبلیغ، مکرم بابو عبدالغفار صاحب کانپوری، مکرم ڈاکٹر غلام مجتبیٰ صاحب اپنے اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوشاں رہے[1]

---

[1] الفضل ۳۰ر امان - یکم شہادت - ۱۰ شہادت ۱۳۳۱ ہش (مطابق ۳۰ر مارچ - یکم و ۱۰ر اپریل ۱۹۵۲ء) بابو عبدالغفار صاحب نے خورونوش کے سامان اور لاؤڈ سپیکر کی فراہمی کے علاوہ حضور کی تقریر بھی ریکارڈ کی۔ قیام گاہ اور ٹرانسپورٹ کا انتظام ڈاکٹر غلام مجتبیٰ صاحب کے سپرد تھا اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب پریس کانفرنس اور معززین کی ملاقات کے منتظم تھے ؛

فصل ششم

- حکّامِ وقت کو حالات سے باخبر رکھنے کی واضح ہدایت
- چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا پارلیمنٹ میں اعلانِ حق
- خلافتِ احمدیّہ سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کی وضاحت
- دفتر خدّام الاحمدیّہ مرکزیہ کا افتتاح۔

حکّام کو حالات سے باخبر رکھنے کی واضح ہدایت

پاکستان میں اب تک کئی احمدی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفت کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ لہذا سیدنا محمود خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۲۸ امان ۱۳۳۱ ہش کے خطبہ جمعہ میں واضح رنگ میں یہ ہدایت دی کہ ہر صورت میں احبابِ جماعت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ حکّامِ وقت کو ہمیشہ حالات سے باخبر رکھیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"جہاں تک قانون کا سوال ہے میرے نزدیک صاف بات ہے کہ جماعت کو ایسے افعال کی طرف بار بار توجہ دلانی چاہیئے کیونکہ حکومت کے ذمّہ دار افراد نے خواہ وہ اپنی ذمّہ داری ادا نہ کریں جو نام اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے ان کا فرض ہے کہ وہ اِس طرف توجّہ کریں۔ اگر جماعتیں انہیں اِس طرف توجّہ نہ دلائیں تو وہ دُنیا کے سامنے کہہ سکتے ہیں کہ ہم حالات سے واقف نہیں تھے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم تیرے بندوں کی حفاظت کے لئے تیار تھے لیکن انہوں نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔ پس دُنیا کے دربار میں اور خدا تعالیٰ کے دربار میں بھی حکومت کے افسروں پر حجّت پُوری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر ضلع اور ہر صوبہ کے حکّام اور گورنمنٹ پاکستان کے سامنے

متواتر اپنے حالات رکھیں اور قطعاً اس بات کا خیال نہ کریں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ جتنی دیر سے نتیجہ نکلے گا اتنا ہی وہ انہیں مجرم بنانے اور خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا موجب ہوگا۔ دُنیا کی حکومت جتنی گرفت کر سکتی ہے خدا تعالیٰ کی حکومت یقیناً اس سے زیادہ گرفت کر سکتی ہے لیکن کسی شخص پر حُجّت تمام کر دینا سب سے بڑا کام ہے۔ خود سر، جوشیلے اور بیوقوف لوگ اسے فضول سمجھتے ہیں لیکن عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ کسی شخص پر حُجّت پُوری ہو جائے اور اس کے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں پر حُجّت پُوری ہو جائے اس کے بعد وہ خواہ عمل نہ کرے اس کے لئے یہی سزا کافی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ جو سزا دے گا وہ الگ ہے۔ مَیں ان لوگوں سے متّفق نہیں ہوں جو کہتے ہیں کہ حکومت نے پہلے کیا کیا ہے کہ ہم پھر اس کے پاس جائیں۔ یہاں اس بات کا سوال نہیں کہ وہ کوئی علاج بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ یہ لوگ ہم پر مقرّر کر دئے گئے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ نے ہم پر حاکم مقرّر کیا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی انہیں اسی نام سے مخاطب کریں اور کہیں کہ تم ہمارے حاکم ہو اور امن قائم رکھنا تمہارا فرض ہے۔ اور اگر وہ اپنی ذمّہ داری ادا نہ کریں تو ہم دوبارہ انکے پاس جائیں گے اور انہیں اِس طرف توجّہ دلائیں گے۔"

"جو لوگ مادّی چیزوں کو لیتے ہیں وہ کسی افسر کے موقوف ہو جانے اور اس کے ڈسمس ہو جانے کا نام سزا رکھتے ہیں بے شک وہ سزا ہے لیکن وہ سزا گھٹیا درجہ کی ہے کسی شخص کا مُجرم ثابت ہو جانا، اس کا غیر ذمّہ دار قرار پانا اور فرض ناشناس قرار پانا اس کے ڈسمس ہو جانے اور معطّل ہو جانے سے زیادہ خطرناک ہے۔ کتنے آدمی ہیں جو معطّل ہوئے لیکن بعد میں آنے والوں نے انہیں بَری قرار دیا۔ پُرانے زمانے میں کئی کمانڈر اپنی کمانوں سے الگ ہوئے۔ کئی بادشاہ اپنی بادشاہتوں سے الگ ہوئے لیکن بعد کی تاریخ نے انہیں بَری قرار دے دیا۔ وہ کتنے سال تھے جو انہوں نے تکلیف میں گزارے؟ یہی دس بارہ سال وہ تکلیف میں رہے اور انہوں نے ذِلّت کو برداشت کیا لیکن بعد کی تاریخ نے انہیں اتنا اُچھالا کہ وہی معطّل شدہ کمانڈر اور بادشاہ عزّت والے قرار پائے۔ اس کے مقابلہ میں کتنے بڑے سرکش بادشاہ اور کمانڈر گزرے ہیں جنہیں اپنے وقت میں طاقت، قوت اور دبدبہ حاصل تھا، انہوں نے ماتحتوں پر ظلم بھی کئے لیکن سینکڑوں اور ہزاروں سال گزر گئے کوئی شخص انہیں اچھا نہیں سمجھتا۔ ہر تاریخ پڑھنے والا انہیں ملامت کرتا

ہے اور انہیں حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کی اولاد بھی اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتی "

" اگر تم پر کوئی شخص ظلم اور تعدّی کرتا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ افسر فرض شناس ہے اور وہ تمہاری مدد بھی کرے گا تو پھر بھی وہ اس وقت تک ظلم کو نہیں مٹا سکتا جب تک کہ وہ وقت نہ آجائے جو خدا تعالیٰ نے اسے مٹانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ ایک صداقت کی دشمنی محض یہ نہیں ہوتی کہ اس کے قبول کرنے والے کو مارا جائے بلکہ دشمنی یہ ہوتی ہے کہ اسے جھوٹا کہا جائے۔ اب کیا حکومتیں کسی کو جھوٹا کہنے سے روک سکتی ہیں؟ اگر وہ جلسے روک دیں گی تو لوگ گھروں میں بیٹھے باتوں باتوں میں جھوٹا کہیں گے۔ اور اگر حکومت اُور زیادہ دبائے گی تو وہ دلوں میں جھوٹا کہیں گے اب دِلوں میں بُرا منانے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے؟ اگر ایک شخص صداقت سے محروم ہے، وہ ناواقف ہے اِس لئے وہ صداقت سے دشمنی کرتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے۔ تو جب تک اس کا دِل صاف نہ ہو اس کی دشمنی کو دُور نہیں کیا جا سکتا اور جس دن اس کا دل صاف ہو جائے گا تو کیا ایسی طاقت ہے یا کوئی ایسی حکومت ہے جو اس سے مخالفت کروا سکے؟ جو لوگ احمدیت کے دشمن ہیں حکومت اگر چاہے بھی تو ان کے دِلوں سے دشمنی کو نہیں نکال سکتی۔ اسی طرح جن لوگوں نے احمدیت کو قبول کر لیا ہے اگر حکومت چاہے بھی تو بھی ان کے دلوں سے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی محبّت کو نہیں نکال سکتی۔

ہمارا مقابلہ اور ہماری جنگ دِل سے ہے، اور جب ہمارا مقابلہ اور ہماری جنگ دِل سے ہے تو حکومت پر نظر رکھنی فضول ہے۔ تمہاری فتح دلوں کی فتح ہے اور جب دِل فتح ہو جائیں گے تو تمہیں فتح حاصل ہو جائے گی۔ اگر تم نے دِلوں کو فتح کر لیا تو تم دیکھو گے کہ یہی افسر جو آج تمہارے خلاف دوسروں کو اُکساتے ہیں ہاتھ جوڑ کر تمہارے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے ہم تو آپ کے ہمیشہ سے خادم ہیں "

" آخر کوئی حکومت ہو مسلم ہو یا غیر مسلم، بُری ہو یا اچھی اس کے بننے میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ

تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ[1]

یعنی حکومت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے وہ جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں فلاں شخص نے لڑائی کر کے حکومت لے لی ہے، فلاں شخص نے غصب کر کے حکومت لے لی ہے یا فلاں شخص نے بغاوت کر کے حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے لیکن ہر حکومت میں خدا تعالیٰ کی مرضی ضرور شامل ہوتی ہے جس طرح انسان کی پیدائش میں خدا تعالیٰ کی مرضی شامل ہے جس طرح انسان کی موت میں خدا تعالیٰ کی مرضی شامل ہے۔ جس طرح رزق میں خدا تعالیٰ کی مرضی شامل ہے اسی طرح اس کی مرضی حکومت میں بھی شامل ہوتی ہے بیشک اس میں انسانی اعمال کا بھی دخل ہے۔ بیشک اس میں انسانی کوششوں، سستیوں اور غفلتوں کا بھی دخل ہے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہماری طرف سے ہے۔ جس طرح موت اور حیات خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح حکومتوں کا بننا اور ٹوٹنا بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

کسی قوم کی موت اور حیات اس کا ٹوٹ جانا اور بننا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب ہم کہتے ہیں

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

تو حکومتوں کا بننا اور ٹوٹنا بھی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوا۔ اور جس خدا کے ہاتھ میں حکومت کا قائم کرنا ہے جس خدا کے ہاتھ میں حکومتوں کا بننا اور ٹوٹنا ہے وہی خدا حکم دیتا ہے کہ تم اپنی تکلیفیں افسرانِ بالا کے سامنے لے جاؤ اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا بیوقوفی ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم مذہبی لحاظ سے بار بار اپنی تکالیف گورنمنٹ تک پہنچائیں۔ اس طرح اگر کوئی افسر فرض شناس ہوگا تو وہ ہماری مدد بھی کرے گا اور ہمیں فائدہ پہنچائے گا۔ لیکن اگر وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچائے گا تو تم خدا تعالیٰ کے سامنے یہ کہہ سکو گے کہ اے خدا جو ذریعہ اصلاح کا تُو نے بتایا تھا وہ ہم نے اختیار کیا ہے۔"

"پھر تم یہ بات بھی مت بھولو کہ تمہارا توکل خدا تعالیٰ پر ہے حکومت پر نہیں۔ پھر جہاں تمہارا یہ

[1] آلِ عمران: ۲۸

فرض ہے کہ ان امور کو حکومت کے سامنے لے جاؤ وہاں اگر تمہیں مایوسی نظر آتی ہے تو مایوس مت ہو کیونکہ اصل بادشاہ خدا تعالیٰ ہے اور جو فیصلہ بادشاہ کرے گا وہی ہو گا انسان جو فیصلہ کرے گا وہ نہیں ہو گا۔ ایک افسر کی غلطی کی وجہ سے حکّام کو توجہ دلانا چھوڑ نہ دو اور ایک افسر کی غفلت کی وجہ سے فائدہ اُٹھانا ترک نہ کرو محض چند افسران کا اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہونا ایسی چیز نہیں کہ تم حکّام کے کام سے غافل ہو جاؤ۔ تم انہیں توجہ دلاتے رہو اور ان کے پاس اپنی شکایات لے جاؤ لیکن تمہارا ایمان تبھی مکمّل ہو گا جب تم اپنی شکایات حکومت کے سامنے پیش تو کرو، تم ان امور کو لے کر افسران کے پاس جاؤ تو ضرور لیکن یہ خیال مت کرو کہ اگر وہ توجہ نہ کریں گے تو تم کو نقصان پہنچے گا۔ اگر یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے تو خدا تعالیٰ نے ہی اسے پُورا کرنا ہے جس دن تمہیں یقین ہو جائیگا کہ یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور وہ اسے ضرور کرے گا تو تم موجودہ مخالفت سے گھبراؤ گے نہیں۔ ہر انسان میں تھوڑی بہت شرافت ضرور ہوتی ہے تم اگر متواتر افسروں کے پاس جاتے رہو گے تو ایک نہ ایک دن وہ شرما جائیں گے اور وہ خیال کریں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا نہیں کیا لیکن یہ لوگ اپنا فرض ادا کئے جا رہے ہیں اور جب تم خدا تعالیٰ پر توکّل کرو گے تو تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمام رحمتوں اور فضلوں کا منبع ہے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک جماعت کو خود قائم کرے اور پھر اسے مٹا دے اس سے بڑی بے دینی اور بدظنّی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔"

آخر میں حضور نے قوّت و یقین سے لبریز الفاظ میں پیشگوئی فرمائی کہ:۔

"اگر تم نیکی اور معیارِ دین کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہو گے تو وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا کبھی نہیں چھوڑے گا کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اگر دُنیا کی ساری طاقتیں بھی تمہاری مدد کرنے سے انکار کر دیں تو خدا تعالیٰ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ اس کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور تمہاری مدد کے سامان پیدا کریں گے۔" [1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا پارلیمنٹ میں اعلانِ حق

مارچ ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کہ پاکستان میں بائیں بازو کے بعض

[1] الفضل ۲۳ ہجرت ۱۳۳۱ہش / ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، صفحہ ۴

لیڈروں نے پاکستان کی پارلیمنٹ میں پاکستان کی خارجہ پالیسی پر تنقید کی کہ برطانیہ اور امریکہ کے دامن سے بندھی ہوئی ہے۔ نیز کہا:۔

"وزیرِ خارجہ کا ریکارڈ یہ ہے کہ تیس سال تک برطانوی سامراجیت کے سامنے سجدہ ریز رہے ہیں۔"

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے جواب میں پہلے تو چند ایک مثالیں پیش کیں جن میں پاکستان نے بڑی بڑی طاقتوں کی سخت سے سخت مخالفت کے علی الرغم مسلم ممالک کی آزادی کے لئے حمائت کی اور ان کو مدد دی۔ آپ نے کہا ان میں سے لیبیا، ایریٹریا، سمالی لینڈ، مراکو، ٹیونس اور انڈونیشیا بعض مثالیں ہیں۔ آپ نے ان لیڈروں کو دعوت دی کہ وہ ان مشرق وسطی کے ممالک کا دورہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اِن ممالک کا ہر ایک انسان مُعترف ہے کہ جہاں کہیں بھی آزادی، حریت اور سامراجیت کے خلاف لڑائی اور نوآبادیاتی پالیسی کی مخالفت کا سوال پیدا ہؤا پاکستان ہمیشہ صفِ اوّل میں رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مصری برطانوی جھگڑے میں پاکستان کا موقف یہ تھا کہ کوئی ایسا فیصلہ ہو جس سے مصری عوام کی پوری پوری تسلی ہو اور جو مصر کے وقار، عزتِ نفس اور علوِّ شان کے شایاں ہو۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ برطانوی ایرانی جھگڑے میں ہماری تمام جدوجہد اس اصول کے پیشِ نظر رہی ہے کہ اِس امر کو غیر مُبہم الفاظ میں تسلیم کر لیا جائے کہ ایران کو اپنی تیل کی صنعت کو قومی بنانے کا حق حاصل ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قومی بنانے کا اقدام اب منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت چوہدری صاحب نے برطانوی سامراجیت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے اعتراض کے جواب میں واضح لفظوں میں اعلان کیا کہ:۔

"مَیں کبھی کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہؤا خواہ کوئی حکومت ہو یا ایک بادشاہ یا رعایا سوائے اس کے کہ جو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ اور چونکہ مَیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں مَیں کسی دوسرے کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا۔"

پھر فرمایا:۔

"مَیں نے ہرگز کبھی کسی کے پاس کسی عُہدے یا مرتبے کے لئے درخواست نہیں کی۔ وزارتِ خارجہ

مجھے پیش کی گئی جیسا کہ مَیں غیر منقسم ہندوستان میں اِس عہدہ پر فائز تھا اور مجھے اِس عزّت افزائی کا فخر ہے کہ جو مجھے پاکستان کی تاریخ کے ایسے نازک مرحلے پر اس کی حقیر سی خدمت کرنے کا موقعہ دینے سے کی گئی ہے۔" لہ

حضرت مصلح موعودؓ کی وضاحت خلافتِ احمدیہ سے متعلق

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے الفضل (۲۵۔ فتح ۱۳۳۰ہش/ ۲۵۔ دسمبر ۱۹۵۱ء) میں "اسلامی خلافت کا نظریہ" کے زیرِعنوان ایک پُرمغز مقالہ تحریر فرمایاؔ جس میں یہ ذوقی بات بھی شامل ہوگئی کہ "یہ اٹل تقدیر ظاہر ہو کر رہے گی کہ کسی وقت احمدیت کی خلافت بھی ملوکیت کو جگہ دے کر پیچھے ہٹ جائے گی۔"

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو یہ نظریہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصریحات اور جماعتی مسلک کے منافی معلوم ہوا اور آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھی اپنی رائے عرض کر دی جس پر حضور پُرنور نے موجودہ اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے حسبِ ذیل وضاحتی نوٹ سپردِ قلم فرمایا:۔

" اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّـــــاصِرُ

خلافت عارضی ہے یا مستقل؟

عزیزم مرزا منصور احمد نے میری توجہ ایک مضمون کی طرف پھیری ہے جو مرزا بشیر احمد صاحب نے خلافت کے متعلق شائع کیا ہے اور لکھا ہے کہ غالباً اس مضمون میں ایک پہلو کی طرف پُوری توجہ نہیں کی گئی جس میں مرزا بشیر احمد صاحب نے یہ تحریر کیا ہے کہ خلافت کا دَور ایک حدیث کے مطابق عارضی اور وقتی ہے۔ مَیں نے اِس خط سے پہلے یہ مضمون نہیں پڑھا تھا اِس خط کی بناء پر مَیں نے مضمون کا وہ حصّہ نکال کر سنا تو مَیں نے بھی سمجھا کہ اس میں صحیح حقیقتِ خلافت کے بارہ میں پیش نہیں کی گئی۔

لہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ (لاہور) ۱۳مارچ ۱۹۵۲ء صٓ (ترجمہ وتلخیص) بحوالہ الفضل ۲۹۔ مارچ ۱۹۵۲ء صٓ

لہ یہ مقالہ "اسلامی خلافت کا صحیح نظریہ" کے نام سے شائع شدہ ہے۔

مرزا بشیر احمد صاحب نے جس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ خلافت کے بعد حکومت ہوتی ہے اُس حدیث میں قانون نہیں بیان کیا گیا بلکہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے حالات کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے اور پیشگوئی صرف ایک وقت کے متعلق ہوتی ہے سب اوقات کے متعلق نہیں ہوتی۔ یہ امر کہ رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافت نے ہونا تھا اور خلافت کے بعد حکومتِ مستبدہ نے ہونا تھا اور ایسا ہی ہو گیا۔ اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر مامور کے بعد ایسا ہی ہوُا کرے گا۔ قرآنِ کریم میں جہاں خلافت کا ذکر ہے وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ خلافت ایک انعام ہے۔ پس جبتک کوئی قوم اس انعام کی مستحق رہتی ہے وہ انعام اسے ملتا رہے گا۔ پس جہاں تک مسئلے اور قانون کا سوال ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد خلافت ہوتی ہے اور وہ خلافت اس وقت تک چلتی چلی جاتی ہے جب تک کہ قوم خود ہی اپنے آپ کو خلافت کے انعام سے محروم نہ کر دے لیکن اِس اصل سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی کہ خلافت کا مٹ جانا لازمی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خلافت اب تک چلی آ رہی ہے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ پوپ صحیح معنوں میں حضرت مسیحؑ کا خلیفہ نہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی تو مانتے ہیں کہ اُمّتِ عیسوی بھی صحیح معنوں میں مسیحؑ کی اُمّت نہیں۔ پس جیسے کو تیسا تو ملا ہے مگر ملا ضرور ہے بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے موسٰیؑ کے بعد ان کی خلافت عارضی رہی لیکن حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بعد ان کی خلافت کسی نہ کسی شکل میں ہزاروں سال تک قائم رہی، اسی طرح گو رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافتِ محمدیہ تواتر کے رنگ میں عارضی رہی لیکن مسیحِ محمدی کی خلافت مسیحِ موسوی کی طرح ایک غیر معیّنہ عرصہ تک چلتی چلی جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اِس مسئلہ پر بار بار زور دیا ہے کہ مسیحِ محمدی کو مسیحِ موسوی کے ساتھ ان تمام امور میں مشابہت حاصل ہے جو امور کہ تکمیل اور خوبی پر دلالت کرتے ہیں سوائے ان امور کے کہ جن سے بعض ابتلاء ملے ہوتے ہیں۔ ان میں علاقۂ محمدیت علاقۂ موسویت پر غالب آجاتا ہے اور نیک تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ مسیحِ اوّل صلیب پر لٹکایا گیا لیکن مسیحِ ثانی صلیب پر نہیں لٹکایا گیا کیونکہ مسیحِ اوّل کے پیچھے موسوی طاقت تھی اور مسیحِ ثانی کے پیچھے محمدی طاقت تھی۔ خلافت چونکہ ایک انعام ہے ابتلاءُ نہیں اِس لئے اِس سے بہتر چیز تو احمدیت میں آ سکتی ہے جو کہ مسیحِ اوّل کو ملی لیکن وہ ان نعمتوں سے محروم نہیں رہ سکتی جو کہ مسیحِ اوّل کی اُمّت کو ملیں کیونکہ مسیحِ اوّل کی پُشت پر موسوی برکات تھیں

اور مسیحِ ثانی کی پُشت پر محمدی برکات ہیں۔

پس جہاں میرے نزدیک یہ بحث نہ صرف یہ کہ بیکار ہے بلکہ خطرناک ہے کہ ہم خلافت کے عرصہ کے متعلق بحثیں شروع کر دیں وہاں یہ امر ظاہر ہے کہ سلسلہ احمدیہ میں خلافت ایک بہت لمبے عرصہ تک چلے گی جس کا قیاس بھی اِس وقت نہیں کیا جا سکتا اور اگر خدانخواستہ بیچ میں کوئی وقفہ پڑے بھی تو وہ حقیقی وقفہ نہیں ہوگا بلکہ ایسا ہی وقفہ ہوگا جیسے دریا بعض دفعہ زمین کے نیچے گھس جاتے ہیں اور پھر باہر نکل آتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں ہوُا وہ ان حالات سے مخصوص تھا وہ ہر زمانہ کے لئے قاعدہ نہیں تھا۔" [1]

دفتر مجلس خدّام الاحمدیہ مرکزیہ کا افتتاح

نوجوانانِ احمدیت کی عالمی تنظیم۔ خدام الاحمدیہ کے مرکزی دفتر کی بنیاد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۶؍ ماہِ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش/۶؍ فروری ۱۹۵۲ء کو اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ قریباً پانچ ہزار روپیہ کی لاگت سے دفتر کے دو کمرے اور ان کے آگے آٹھ فٹ چوڑا برآمدہ، ایک سٹور اور ایک چوکیدار کا کمرہ تعمیر ہو چکا تو مورخہ ۵۔ اپریل ۱۹۵۲ء (مطابق ۵؍ شہادت ۱۳۳۱ ہش) کو دفتر اپنی عمارات میں منتقل ہو گیا۔ اس روز سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بعد نماز عصر دفتر میں تشریف لا کر افتتاحی دعا کی۔ دعا سے قبل حضور نے مجلس کے دفتر بنانے پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اسے جلد مکمل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ [2]

اِس موقعہ پر حضور نے ایک مختصر مگر ایمان افروز خطاب کیا جس میں فرمایا:۔

" اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم جنگلوں میں رہیں تو ہمیں جنگلوں میں رہنا چاہیئے اور اپنا کام کرتے چلے جانا چاہیئے۔ ہم چُوہوں اور چیونٹیوں کو باہر پھینک دیتے ہیں تو وہ وہیں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کو دیکھ لو انسان ان کا تیار کیا ہوُا شہد حاصل کر لیتا ہے اور انہیں دُور پھینک دیتا ہے لیکن وہ وہیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کام میں کامیاب رہتی ہیں۔ اگر وہ اِس بات کا انتظار کرتی رہیں کہ انہیں پہلی جگہ ملے تو کام کریں تو ہزاروں چھتے

---

[1] روزنامہ الفضل ۳؍ شہادت ۱۳۳۱ ہش/ ۳؍ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

[2] روزنامہ الفضل ۱۶؍ شہادت ۱۳۳۱ ہش/ ۱۶۔ اپریل ۱۹۵۲ء

مر جائیں۔ اسی طرح اگر تمہیں اپنا گھر نہیں ملتا تو جس گھر میں تمہیں خدا تعالیٰ نے رکھا ہے تمہیں اسی میں فوراً کام شروع کر دینا چاہیئے۔ اگر خدا تعالیٰ تمہیں واپس لے جائے تو وہاں جا کر کام شروع کر دو لیکن کسی منٹ میں بھی اپنے کام کو پیچھے نہ ڈالو۔ مومن ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے یہانتک کہ اسے موت آجاتی ہے۔ گویا مومن کے لئے کام ختم کرنے کا وقت موت ہوتی ہے۔" ؎۱

فصلِ ہفتم

◉ مجلسِ مشاورت ۱۳۳۱ہش / ۱۹۵۲ء کا انعقاد ◉ چندہ تعمیرِ مساجد کا مستقل نظام ◉ اشاعتِ لٹریچر کیلئے ۲ دو کمپنیوں کے قیام کا اعلان ◉ مکمّل مرکزی لائبریری کا منصوبہ۔

مجلسِ مشاورت ۱۳۳۱ہش / ۱۹۵۲ء اور اہم فیصلے ۱۱-۱۲-۱۳ ماہِ شہادت ۱۳۳۱ہش / اپریل ۱۹۵۲ء کو جماعتِ احمدیہ کی تینتیسویں ۳۳ مجلسِ مشاورت کا ربوہ میں انعقاد ہوا۔

خطبۂ جمعہ میں نصیحت حضرت مصلح موعودؓ نے افتتاحِ مشاورت سے قبل خطبۂ جمعہ میں نصیحت فرمائی کہ:۔

"جب تک کسی قوم کے افراد اپنے اندر صحیح تبدیلی پیدا نہ کریں، وہ اپنے اندر سچا تقویٰ نہ پیدا کریں، وہ اپنے اندر درمیانہ روش کی رُوح پیدا نہ کریں یا وہ اپنے اندر سوچنے اور فکر کرنے کی

؎۱ "مشعلِ راہ" صفحہ ۳۸۵ (خدام الاحمدیہ سے متعلق سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے خطبات و تقاریر کا مجموعہ) شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ (پاکستان) تاریخ اشاعت ۱۴ دسمبر ۱۹۷۰ء

رُوح پیدا نہ کریں یا وہ اپنے اندر عقل اور دانائی سے کام لینے کی رُوح پیدا نہ کریں، اس کے نمائندے بھی درحقیقت صحیح رستہ اور سچائی سے ایسے ہی دُور ہوں گے جیسے اس جماعت کے افراد جس کا کوئی نمائندہ نہیں ہوتا پس یہ جو ہم شوریٰ کرتے ہیں وہ اس غرض کو تو پُورا کرتی ہے کہ اگر جماعت کے افراد صحیح ہوں تو شوریٰ مفید ہو سکتی ہے لیکن اس غرض کو پُورا نہیں کرتی کہ اس کے افراد ٹھیک ہوں افراد کا ٹھیک ہونا ان کے اپنے ارادے اور کوشش کے صحیح ہونے پر مبنی ہے۔ یہ وہ کام ہے جو آپ لوگ کر سکتے ہیں کوئی نمائندہ نہیں کر سکتا۔ دل کی اصلاح کے لئے انسان کی اپنی جدّوجہد کی ضرورت ہے۔ اس کی اپنی کوشش کی ضرورت ہے۔ اگر تم ٹھیک ہو جاؤ تو تمہاری شوریٰ اور مشورے بھی ٹھیک ہو جائیں اور پھر صحیح مشورے پُورے بھی ہو جائیں۔ کیونکہ اگر تم صحیح ہو گے تو تم اپنے مشوروں کو پُورا کرنے کی کوشش کرو گے" [1]

مشاورت کے عمومی کوائف

مشاورت دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں منعقد ہوئی جس میں ۳۷۳ نمائندوں نے شرکت فرمائی۔ بیرونی ممالک میں سے اس مرتبہ جرمنی، امریکہ، سوڈان، انڈونیشیا اور چین کے نمائندے بھی شامل ہوئے فیصلہ ہُوا کہ آئندہ سال بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لئے قریباً تیرہ لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے۔ صدر انجمن کا میزانیہ جس کی منظوری حضرت امام ہمام نے عطا فرمائی پندرہ لاکھ ۷۶ ہزار روپیہ پر مشتمل تھا۔

چندہ تعمیرِ مساجد کا مستقل نظام

اِس تقریب پر حضور رضی اللہ عنہ نے تعمیرِ مساجد کے چندہ کی فراہمی کے لئے ایک مستقل نظام تجویز فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ (۱) ملازم پیشہ اپنی سالانہ ترقی کے پہلے ماہ کی رقم (۲) بڑے پیشہ ور ایک مہینے کی آمد کا پانچواں حصہ (۳) چھوٹے پیشہ ور مہینے کی کسی معیّنہ تاریخ کی مزدوری کا دسواں حصہ (۴) تاجر اصحاب مہینہ کے پہلے سَودا کا منافع اِس مدّ میں دیا کریں۔ اور (۵) زمیندار احباب ہر فصل پر ایکڑ زمین میں سے ایک کرم کے برابر چندۂ تعمیرِ مساجد ادا کیا کریں۔

مندرجہ بالا طبقوں کے نمائندوں نے خلیفۂ وقت کے سامنے بشاشت کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ مجوّزہ نظام کے مطابق بالالتزام چندہ دیا کریں گے۔ اس موقعہ پر سیالکوٹ کے ایک تاجر دوست

[1] الفضل ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش صٓ۳

خواجہ محمد یعقوب صاحب نے حضور کی خدمت میں ایک سو روپیہ اِس فنڈ کے لئے پیش کیا جس پر حضور کی خدمت بابرکت میں نقدی پیش کرنے کی ایک عام رَو پیدا ہوگئی اور حضورؓ کے اِرد گرد اتنا ہجوم ہوگیا کہ نظم وضبط کی خاطر انہیں قطاروں میں کھڑا کرنا پڑا چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چار ہزار سے زائد روپیہ نقد اور ایک ہزار روپیہ سے زائد کے وعدے وصول ہوگئے۔ خواتین کی طرف سے ۹۰/۶/- نقد کے علاوہ دو طلائی انگوٹھیاں بھی حضور کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ چندہ دینے کا یہ سلسلہ ابھی پورے جوش وخروش سے جاری تھا کہ حضور نے مجلس کی کارروائی کی خاطر اسے روک دینے کا اعلان کیا اور ارشاد فرمایا کہ مسجد فنڈ کے مزید چندے اور وعدے بعد میں دئے جائیں[۱]

سب سے پہلے احمدی تاجر جنہوں نے مشاورت کے معًا بعد اِس مالی جہاد میں حصّہ لیا اور ڈھائی سو روپیہ اِس مَد میں بھجوایا حضرت شیخ کریم بخش صاحب آف کوئٹہ کے فرزند شیخ محمد اقبال صاحب ہیں جن کا ذکرِ خصوصی خود حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ ۲۶ ہجرت ۱۳۳۱ ہش میں فرمایا[۲]

اشاعتِ لٹریچر کیلئے دو کمپنیوں کے قیام کا اِعلان

حضورؓ نے اِس مشاورت پر اشاعتِ لٹریچر کے لئے صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کی دو اشاعتی کمپنیوں کے قیام کا بھی اِعلان فرمایا۔ ایک کمپنی اُردو لٹریچر کے لئے اور ایک کمپنی غیر ملکی زبانوں خصوصاً عربی زبان کے لٹریچر کے لئے!!

کمپنیوں کے سرمایہ کی نسبت حضورؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ:۔

"خلافت جوبلی فنڈ کا روپیہ جو دو لاکھ ستّر ہزار کے قریب ہے مَیں اِس کمپنی کو دیتا ہوں جو صدر انجمن احمدیہ کی ہوگی۔ اس کے علاوہ گذشتہ سالوں میں صدر انجمن احمدیہ چھ ہزار روپیہ سالانہ مجھے گذارہ کے لئے قرض کے طور پر دیتی رہی ہے بعض سالوں میں اِس سے کم رقم بھی لی ہے بہرحال آپ لوگ مجھے امداد کے طور پر وہ رقم دینا چاہتے (تھے) اور مَیں نے قرض کے طور پر لی۔ اب مَیں چاہتا ہوں کہ اس رقم کو بھی جب مَیں ادا کرنے کے قابل ہوسکوں تو اِس مَد میں ادا کر دوں۔ اِس رقم کو ملا کر تین لاکھ ستّر ہزار بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ رقم جمع ہو جائے گی کچھ سرمایہ پہلے سے اِس مَد میں فروختِ کتب سے حاصل ہوچکا ہے اسے ملا کر قریباً چار لاکھ روپیہ کا سرمایہ ہوجاتا ہے۔ جب کمپنی جاری ہو تو اس

---

[۱] الفضل ۷ / شہادت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳ ؛ [۲] الفضل ۱۳ / احسان ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳

وقت ایک لاکھ کے حصے اگر صاحبِ توفیق احباب خرید لیں تو پانچ لاکھ سرمایہ ہو جائے گا اور یہ اتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا پریس اور کافی کتب شائع کی جاسکتی ہیں۔ سرِ دست مَیں اِس غرض کے لئے چار لاکھ سرمایہ کی ہی اجازت دیتا ہوں اگر ضرورت پڑی تو بعد میں اِس رقم کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ جب اِس کمپنی کی وجہ سے آمد شروع ہوگئی تو چونکہ خلافت جوبلی فنڈ کے روپیہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور مَیں نے اس فنڈ سے وظائف دینے کا بھی اعلان کیا تھا اس لئے آمد کے پیدا ہونے پر اس کا ایک حصّہ وظائف میں بھی جاسکتا ہے۔

اب رہ گئی تحریکِ جدید کی چار لاکھ روپیہ کی کمپنی جس کا کام اُردو کے سوا دوسری زبانوں میں لٹریچر شائع کرنا ہوگا، اس کمپنی کے سرمایہ کے لئے مَیں یہ تجویز کرتا ہوں کہ قرآن کریم کے غیر زبانوں میں تراجم کا کام چونکہ اس کا حصّہ ہے اور اس کا سرمایہ ہماری جماعت دس سال سے جمع کر چکی ہے جو دو لاکھ کے قریب ہے، اِس لئے مَیں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ تراجم قرآن کا دو لاکھ روپیہ اِس کمپنی کو دے دیا جائے۔ وہ تراجم بھی یہی کمپنی شائع کرے گی اور اس کے علاوہ دوسرا لٹریچر بھی یہ کمپنی شائع کرے۔ باقی دو لاکھ روپیہ رہ گیا اس کے لئے میرے ذہن میں ایک اور صورت ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے اور وہ کام بن جائے تو اس کمپنی کے لئے بھی پُورا سرمایہ حاصل ہوسکتا ہے۔ میرے ذہن میں جو صورت ہے وہ ایسی نہیں کہ فوری طور پر روپیہ مل جائے لیکن بہرحال اگر کوشش کی جائے تو مجھے امید ہے کہ دو لاکھ روپیہ ہمیں مل جائے گا۔ اس کے لئے ایک زمین کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے جو مجھے کسی دوست نے تحفہ کے طور پر پیش کی ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ وہ تحفہ بھی اس طرف منتقل کر دوں اِس وقت ضرورت اِس امر کی ہے کہ غیرملکی زبانوں میں قرآنِ کریم کے تراجم شائع کئے جائیں۔"[1]

اِس عظیم الشان سکیم کے مطابق "الشرکۃ الاسلامیہ" اور "دی اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ" کے نام سے دو مستقل اشاعتی ادارے معرضِ وجود میں آئے جن کی بدولت سلسلہ احمدیہ کا اُردو، عربی اور انگریزی لٹریچر کثیر تعداد میں چھپ کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔[2]

ایک مکمل مرکزی لائبریری کا منصوبہ

اِس مشاورت کو یہ خصوصیّت بھی حاصل ہے کہ اس میں حضورؓ نے پہلی بار جماعتِ احمدیہ کے سامنے ایک

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱۔ [2] تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

ایسی مکمل اور جدید لٹریچر سے آراستہ لائبریری کا منصوبہ رکھا جو سلسلہ احمدیہ کی جملہ علمی و تبلیغی ضروریات میں اس کو خود کفیل بنا دے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے ذہن میں جماعتِ احمدیہ کی مرکزی لائبریری اور اس کے کارکنوں کے فرائض کا نقشہ کیا تھا؟ اس کی تفصیل حضور انور کے مبارک الفاظ ہی میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرمایا:-

"لائبریری ایک ایسی چیز ہے کہ کوئی تبلیغی جماعت اس کے بغیر کام نہیں کرسکتی ... یہ اتنی اہم چیز ہے کہ ہمارے سارے کام اس سے وابستہ ہیں۔ تبلیغِ اسلام، مخالفوں کے اعتراضات کے جواب، تربیت یہ سب کام لائبریری ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس وقت تک جتنا کام ہو رہا ہے یا تو حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی لائبریری سے ہو رہا ہے اور یا پھر میری لائبریری سے ہو رہا ہے۔ مَیں نے اپنے طور پر بہت سی کتابیں جمع کی ہوئی ہیں جن پر میرا پچاس ساٹھ بلکہ ستر ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے .. حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کو کتابوں کا شوق تھا اور آپ نے بھی ہزاروں کتابیں اکٹھی کی ہوئی تھیں وہ کام آتی ہیں لیکن وہ جماعت جو ساری دُنیا میں تبلیغِ اسلام کے کام کے لئے کھڑی ہوئی ہے اس کے علوم کی بنیاد کسی دوسرے شخص کی لائبریری پر ہونا عقل کے بالکل خلاف ہے۔

ہمارے پاس تو اتنی مکمل لائبریری ہونی چاہیئے کہ جس قسم کی مکمل مذہبی لائبریری کسی دوسری جگہ نہ ہو مگر ہمارا خانہ اِس بارہ میں بالکل خالی ہے۔ پچھلے سال لائبریری کی مدّ میں مَیں نے کچھ رقم رکھوائی تھی مگر وہ زیادہ تر الماریوں وغیرہ پر ہی صرف ہو گئی۔ شائد بارہ چودہ سو روپیہ الماریوں پر صرف ہو گیا تھا باقی جو روپیہ بچا اس میں سے ایک کتاب ہی آٹھ سو اسی روپیہ میں آئی ہے اور جو باقی کتابیں منگوائی گئی ہیں ان کی قیمت سرِدست امانت سے قرض لے کر دی گئی ہے۔

غرض مَیں نے ایک خاصی رقم کتابوں کے جمع کرنے پر خرچ کی ہے تقسیم کے وقت قادیان میں میری لائبریری کی بہت سی کتابیں رہ گئیں۔ حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی لائبریری کا بھی ایک اچھا خاصہ حصّہ وہیں رہ گیا اور گورنمنٹ نے اس لائبریری کو تالا لگا دیا۔ میرے بیٹے چونکہ وہاں موجود تھے اِس لئے مَیں شروع ہجرت میں ان کو لکھتا رہا کہ میری کتابیں بھجوانے کی کوشش کرو چنانچہ انہوں نے میری بہت سی کتب بھجوا دیں لیکن انجمن کے نمائندوں نے ہوشیاری سے کام نہ لیا اور حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی کتابوں کا اکثر حصّہ وہیں رہ گیا ...

پھر دُنیا میں نئی سے نئی کتابیں نکل رہی ہیں اور ان کتابوں کا منگوانا بھی ضروری ہے صرف مذہب سے تعلق رکھنے والی ہی نہیں بلکہ تاریخی اور ادبی کتابیں منگوانا بھی لائبریری کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے۔میرا اندازہ یہ ہے کہ اچھی لائبریری وہ ہو سکتی ہے جس میں کم سے کم ایک لاکھ جلد منتخب کردہ کتب کی موجود ہو اور اگر ایک جلد کی اوسط قیمت ۲۵ روپے لگائی جائے تو میرے نزدیک صرف ایک لائبریری کے لئے پچیس لاکھ روپیہ ہونا چاہیئے لیکن ظاہر ہے کہ پچیس لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں۔ایسی صورت میں یہی طریق رہ جاتا ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق اس بوجھ کو اُٹھائیں اور اس کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اس کام کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنی لائبریری کو زیادہ سے زیادہ مکمل کرتے چلے جائیں۔لائبریری کا بجٹ بھی پرائیویٹ سیکرٹری کے بجٹ میں ہوگا گو اس کے خرچ کا تعلق لائبریری سے ہوگا۔عام طور پر ہمارا طریق یہ ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کسی کام کی ہمت نہیں تو ہم اس کام کو کرتے ہی نہیں حالانکہ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے۔

پس میں تجویز کروں گا کہ فائنانس[1] کمیٹی ان تمام حالات کو دیکھ لے اور بجٹ میں اس کی گنجائش رکھے۔اور جماعت کو بھی اِس بات کی اجازت ہوگی کہ اگر وہ دیکھے کہ میری کوئی تجویز ضروری تھی مگر فائنانس کمیٹی نے اس طرف توجہ نہیں دی تو وہ ترمیم کے طور پر اس کو یہاں مجلس میں پیش کر دے میری تجویز یہ ہے کہ سر دست ہم کو دس ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے لائبریری کے کام کو شروع کر دینا چاہیئے لیکن دس ہزار روپیہ سالانہ خرچ کرنے کے بھی یہ معنے ہیں کہ ہم اڑھائی سو سال میں پچیس لاکھ روپے کی کتابیں اکٹھی کر سکیں گے۔

پس میرا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں ہمیشہ دس ہزار روپیہ پر ہی کھڑے رہنا چاہیئے جوں جوں ہماری تبلیغ بڑھے گی اور چندہ میں زیادتی ہوگی یہ رقم بھی بڑھتی چلی جائے گی۔چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم اس خرچ کو کسی وقت لاکھ دو لاکھ بلکہ دس پندرہ لاکھ سالانہ بھی کر سکتے ہیں۔یہ دس ہزار روپیہ صرف کتابوں کے لئے ہوگا۔عملہ جو تھوڑا بہت پہلے بجٹ میں رکھا جا چکا ہے وہ الگ ہوگا۔شائد اس میں بھی کچھ زیادتی کرنی پڑے گی کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ لائبریرین کے طور پر صرف ایک ہی نیا آدمی رکھا گیا ہے حالانکہ وہاں کم از کم دو آدمی اَور ہونے چاہئیں۔

---

[1] FINANCE COMMITTY (مالیات کی کمیٹی)

لائبریرین کا کام ایسا ہے کہ اس کے لئے آجکل پاس شدہ آدمی رکھے جاتے ہیں پہلے انسان گریجوایٹ ہو اور پھر لائبریرین کا امتحان پاس کرے تب وہ لائبریرین لگایا جاتا ہے ورنہ نہیں لائبریرین کے معنے محض چپڑاسی یا کتابوں کی دیکھ بھال کرنے والے کے نہیں ہوتے بلکہ لائبریرین کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ مختلف مضامین کی کتابوں سے واقف ہو اور جب اس سے پوچھا جائے کہ فلاں فلاں مضمون پر کون کون سی کتابیں دیکھنی چاہئیں تو وہ فوراً ان کتابوں کے نام بتا سکے اور پوچھنے والے کی رہنمائی کر سکے کہ اسے کس کتاب سے کس قسم کی مدد مل سکتی ہے۔"

"لائبریری میں ہر فن کے جاننے والے آدمی ہونے چاہئیں۔ ان کا کام یہ ہو کہ وہ کتابیں پڑھتے رہیں اور ان کے خلاصے نکالتے رہیں اور ان خلاصوں کو ایک جگہ نتھی کرتے چلے جائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب لوگوں کو ان کتابوں کے حوالوں کی ضرورت ہوگی وہ خلاصہ سے فوراً ضروری باتیں اخذ کر لیں گے۔ مثلاً ہماری جماعت کا یہ ایک معروف مسئلہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کشمیر گئے تھے۔ اب مسیحؑ کے کشمیر جانے کا کچھ عرصہ انجیلوں سے تعلق رکھتا ہے کچھ انجیلوں کی تفسیروں میں بحث آئیگی کہ یہ جو لکھا ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی طرف نہیں بھیجا گیا۔ اس میں کھوئی ہوئی بھیڑوں سے بنی اسرائیل کے کون کون سے قبائل مراد ہیں اور مسیحؑ ان کی تلاش کے لئے کہاں کہاں گئے؟؟ یا یہ جو لکھا ہے کہ مسیحؑ گھر میں غائب ہو گیا اس کے کیا معنے ہیں؟ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ اس میں مسیحؑ کے سفر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ غرض جو لوگ تفسیر کریں گے ان کا ذہن اس طرف ضرور جائیگا کہ ان فقروں کا حل کیا ہے؟ اور وہ اس پر بحث کریں گے۔ جس طرح ہمارے ہاں تفسیریں ہیں اسی طرح عیسائیوں میں بھی سینکڑوں تفسیریں ہیں۔ اب جو لائبریرین مقرر ہوں گے ان میں سے وہ جو عیسائی لٹریچر پر مقرر کیا جائیگا اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ زائد وقت میں تمام تفاسیر پر نظر ڈالتا چلا جائے اور ان کے انڈکس تیار کرتا چلا جائے جس وقت ہم کو کسی تحقیق کی ضرورت ہو گی ہم انچارج کو بلا کر کہیں گے کہ کتابوں پر نشان لگا کر لاؤ کہ مفسرین نے اس بارہ میں کہاں کہاں بحث کی ہے۔ پھر یہی مضمون تاریخوں میں بھی آتا ہے چنانچہ اس کے بعد تاریخوں کے ماہر کو بلایا جائیگا اور اسے کہا جائیگا کہ اس اس مضمون کے متعلق تاریخی کتابوں پر نشان لگا کر لاؤ۔ اس طرح کتاب لکھنے والا آسانی اور سہولت کے ساتھ کتاب لکھ لے گا۔ کتاب والے کا یہ فن ہوگا کہ وہ اپنی کتاب کے لئے چند

اصول تجویز کرے اور پھر اپنے مضمون کو ترتیب دے اور اسے ایسی عبارت میں لکھے جو موثر اور دلنشین ہو۔ گویا لڑنے والا حصہ اَور ہوگا اور گولہ بارود تیار کرنے والا حصہ اَور ہوگا۔ کیا تم نے کبھی کوئی سپاہی ایسا دیکھا ہے جسے لڑائی پر جانے کا حکم ملے تو وہ کارتوس بنانا شروع کر دے یا بندوق بنانا شروع کر دے۔ کیا کبھی تم نے کبھی دیکھا کہ کسی کو مدرّس مقرر کیا گیا ہو تو ساتھ ہی اسے یہ کہا گیا ہو کہ اب جغرافیہ پر ایسی کتاب لکھ دو جو پڑھانے کے کام آسکے۔

ہمیشہ اصل کام والا حصہ الگ ہوتا ہے اور تعاونی حصہ الگ ہوتا ہے۔"

"درحقیقت لائبریرین کے عہدہ پر ایسے آدمی ہونے چاہئیں جو صرف و نحو کا علم رکھتے ہوں، تاریخ جانتے ہوں، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تفسیرِ قرآن اور اصولِ تفسیر سے تعلق رکھنے والے تمام علوم سے آگاہ ہوں اور جب مصنّفین کو حوالہ جات وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ کتابیں نکال نکال کر ان کے سامنے رکھتے چلے جائیں۔ جیسے لڑنے کے لئے سپاہی جاتا ہے تو اُسے وردی تم سلا کر دیتے ہو، اسے گولہ بارود خود تیار کر کے دیتے ہو۔ اس کے بعد ہمیں ضرورت ہو گی کہ جرمن جاننے والے آدمی ہمارے پاس موجود ہوں۔ فرانسیسی جاننے والے ہمارے پاس موجود ہوں۔ انگریزی جاننے والے ہمارے پاس موجود ہوں۔ اِسی طرح عربی علوم کے جاننے والے لوگ موجود ہوں۔ کوئی تفسیر کا ماہر ہو۔ کوئی حدیث کا ماہر ہو۔ کوئی لُغت کا ماہر ہو اور ان کا کام یہی ہو کہ وہ رات دِن ان کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں اور ان کے خلاصے تیار کرتے رہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوں جو سلسلہ کے خلاف دشمنوں کا شائع کردہ لٹریچر ہی پڑھتے رہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوں جو وفاتِ مسیح وغیرہ کے متعلق نئے دلائل کی جستجو میں مشغول رہنے والے ہوں۔ اَب تو اِس مسئلہ پر کچھ لکھتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ یہ مضمون پامال ہو چکا ہے لیکن بعض دفعہ کوئی نیا نکتہ بھی ذہن میں آجاتا ہے بعض دفعہ کوئی نیا اعتراض آجاتا ہے جس کے متعلق انسان سمجھ لیتا ہے کہ اس کا حل ہونا ضروری ہے۔ یہ لائبریرین کا کام ہے کہ وہ بتائے کہ فلاں فلاں مسائل پر ہمارے علماء نے روشنی نہیں ڈالی یا ان کو اِن اِن کتابوں سے مدد مل سکتی ہے۔ گویا لائبریری ایک آرڈیننس ڈپو یا سپلائی ڈپو ہے جو مبلّغین اور علماءِ سلسلہ کی مدد کے لئے ضروری ہے۔

یہ کام بہت بڑا ہے۔ مَیں جب حساب لگاتا ہوں تو میرا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے پاس

ایک لاکھ کتاب ہو تو ہمارے پاس پچاس آدمی لائبریرین ہونا چاہیئے جن میں سے کچھ نئی کتابوں کے پڑھنے میں لگا رہے، کچھ پُرانی کتابوں کے خلاصے تیار کرنے میں لگا رہے، کچھ ایسے ہوں جو طلباء کے لئے نئی نئی کتابوں کے ضروری مضامین الگ کرتے چلے جائیں تاکہ وہ تھوڑے سے وقت میں ان پر نظر ڈال کر اپنے علم کو بڑھا سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ طالبعلموں کو جو سکولوں اور کالجوں میں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے دُنیا میں وہ کوئی مفید کام نہیں کر سکتے کیونکہ وہ صرف ابتدائی کتابیں ہوتی ہیں مگر پھر بھی کسی کالج اور سکول سے امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہر طالبِ علم کو لاکھ لاکھ دو دو لاکھ کتاب پڑھا دے۔ یہ لائبریرین کا کام ہوتا ہے کہ وہ ایسے خلاصے نکال کر رکھیں کہ جن پر طلباء کا نظر ڈالنا ضروری ہو۔ اور جن سے تھوڑے وقت میں ہی وہ زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہوں۔"

"غرض یہ کام نہایت اہم ہے اس کے بغیر ہماری جماعت کی علمی ترقی نہیں ہو سکتی۔ مرکزی لائبریری یعنی حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی لائبریری بھی اسی میں شامل ہو جائے گی اور پھر میری کتابیں بھی آخر آپ لوگوں کے ہی کام آنی ہیں۔ اِس طرح پانچ سات سال میں اِس قدر کتابیں جمع کر لی جائیں کہ ہر قسم کے علوم ہمارے پاس محفوظ ہو جائیں۔" [1] [2]

اختتامی خطاب حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے مشاورت کے پُراثر اختتامی خطاب میں جماعتِ احمدیہ کے بین الاقوامی نصب العین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہمارا مقابلہ اڑھائی کروڑ یا تین کروڑ سے نہیں بلکہ ہمارا مقابلہ اڑھائی ارب سے ہے اور یہ مقابلہ کم نہیں۔ جو حالت آپ لوگوں کی ہے وہی حالت ہماری ہے۔ ہم نے دُنیا میں تبلیغ کرنی ہے

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۸۔ [2] جیسا کہ ۱۳۳۱ہش/ ۱۹۵۲ء کے واقعات کی آخری فصل میں ذکر آ رہا ہے حضرت مصلح موعودؓ نے اس منصوبہ کی داغ بیل کے طور پر اپنی ذاتی لائبریری اور صدر انجمن احمدیہ کی لائبریری کو مدغم کر کے خلافت لائبریری قائم فرما دی جس نے خلافتِ ثانیہ کی علمی ضروریات کو پُورا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ازاں بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۸ صلح ۱۳۴۹ہش / ۱۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو خلافت لائبریری ربوہ کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا اور ۳ اخاء ۱۳۵۰ہش / ۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو اس کا افتتاح فرمایا۔ (تفصیل خلافتِ ثالثہ کے حالات میں آئے گی)

حوصلہ پست نہ کیجئے اور یہ مت کہیئے کہ فلاں رعایت ملے گی تو کام ہوگا۔ اگر پنجاب والے حوصلہ چھوڑ دیں تو کام ہی رُک جائے۔ تم اپنا کام بھی کرو اور اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی تبلیغ کا کام کرو۔ کسی مومن کے ذمّہ کوئی خاص گھر نہیں، کوئی خاص گاؤں نہیں، کوئی خاص شہر نہیں، کوئی خاص ملک نہیں بلکہ ساری دُنیا ہے۔" [1]

فصلِ ہشتم

حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگمؓ کا انتقال

مسیح محمدی علیہ السلام کے یومِ وصال — ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء — کی طرح ۲۰/۲۱ اپریل ۱۹۵۲ء کی دردبھری رات بھی سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ یہ وہ رات تھی جس میں جماعتِ احمدیہ اور مہدئ موعودؑ کے درمیان وہ زندہ واسطہ جو حضرت اُمّ المومنین سیّدہ نصرت جہاں بیگم کے مقدّس وجود کی شکل میں اب تک باقی تھا آپ کی وفات کے ساتھ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔

علالت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم حرم مسیحِ پاکؑ قریباً دو ماہ سے بیمار تھیں۔ ڈاکٹری تشخیص کے مطابق گُردوں کے فعل میں نقص پیدا ہو جانے سے بیماری کا آغاز ہوُا اور پھر اس کا اثر دِل پر اور تنفّس پر پڑنا شروع ہوُا۔ بیماری کے حملے وقتاً فوقتاً بڑی شدّت اختیار کرتے رہے لیکن آپ نے ان تمام شدید حملوں میں نہ صرف کامل صبر و شکر کا نمونہ دکھایا بلکہ بیماری کا بھی نہایت ہمّت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس عرصہ میں لاہور سے علی الترتیب ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب، ڈاکٹر غلام محمدؐ صاحب بلوچ اور ڈاکٹر محمد یوسف صاحب علاج کے لئے بُلائے جاتے رہے۔ ان کے ساتھ مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحب بھی ہوتے تھے لیکن وقتی افاقہ کے سوا بیماری میں کوئی تخفیف

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۲۶ (یہاں اشارہ بنگالی احمدیوں کی طرف ہے جن کے امیر صاحب صوبائی نے مشاورت میں بعض مطالبات پیش کئے تھے)۔

کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اس کے بعد حکیم محمد حسن صاحب قریشی کو بھی بُلا کر دکھایا گیا جن کے ساتھ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ بھی تھے لیکن ان کے علاج سے بھی کوئی تخفیف کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ مقامی طور پر ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب بھی معالج تھے جن کے ساتھ بعد میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب بھی شامل ہو گئے اور چند دن کے لئے درمیان میں ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب نے بھی علاج میں حصّہ لیا۔ خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی مبارک خواتین اور نونہال نہایت تندہی کے ساتھ خدمت میں لگے رہے۔ بالآخر ۲۰ شہادت ۱۳۳۱ ہش/ ۲۰ اپریل ۱۹۵۲ء کی صبح کو ساڑھے تین بجے کے قریب دِل میں ضعف کے آثار پیدا ہوئے جو فوری علاج کے نتیجہ میں کسی قدر کم ہو گئے مگر دن بھر دل کی کمزوری کے حملے ہوتے رہے۔ اِس عرصہ میں حضرت سیّدہ کے ہوش و حواس خدا کے فضل سے اچھی طرح قائم رہے۔ صرف کبھی کبھی عارضی غفلت سی آتی تھی جو جلد دُور ہو جاتی تھی۔ رات پونے نو بجے آپ نے دِل میں زیادہ تکلیف محسوس کی اور اس کے ساتھ ہی نظامِ تنفّس میں خلل آنا شروع ہو گیا اور نبض کمزور پڑنے لگی۔ ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے خود ہی ٹیکے وغیرہ لگائے مگر کوئی افاقہ کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت امّاں جانؓ نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ قرآن شریف پڑھو چنانچہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے میر محمود احمد صاحب[1] نے قرآن شریف پڑھ کر سنایا۔ اس وقت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا دعا کریں چنانچہ حضور بعض قرآنی دعائیں کسی قدر اُونچی آواز سے دیر تک پڑھتے رہے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود حضرت امّاں جان مصروفِ دعا ہیں۔ آپ کی نبض اس وقت بیحد کمزور ہو چکی تھی بلکہ اکثر اوقات محسوس تک نہیں ہوتی تھی لیکن ہوش و حواس بدستور قائم تھے اور کبھی کبھی آنکھیں کھول کر اپنے ارد گرد نظر ڈالتی تھیں اور آنکھوں میں شناخت کے آثار بھی واضح طور پر موجود تھے۔

حضرت امیر المومنین تھوڑے وقفہ کے لئے باہر تشریف لے گئے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت سیّدہ کے سامنے بیٹھ کر دعائیں کرتے رہے۔ اس وقت بھی آپ آنکھ کھول کر دیکھتی تھیں

---

[1] حال پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ ٭

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعا میں مصروف ہیں۔ دیگر عزیز بھی چارپائی کے ارد گرد موجود تھے اور اپنے اپنے رنگ میں دعائیں کرتے اور حسب ضرورت خدمت بجا لاتے تھے۔

سوا گیارہ بجے شب کے بعد آپ نے اشارۃً کروٹ بدلنے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن کروٹ بدلتے ہی نبض کی حالت زیادہ مخدوش ہوگئی اور چند منٹ کے بعد تنفس زیادہ کمزور ہونا شروع ہوگیا۔

وفات بالآخر ساڑھے گیارہ بجے شب آپ کی رُوح اپنے مولائے حقیقی کے حضور پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بُلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

وفات کے وقت آپ کی مبشّر اولاد میں سے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ آپ کے پاس موجود تھے۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ چند روز قبل ربوہ آکر لاہور واپس تشریف لے گئے تھے اور وفات کی خبر پانے کے بعد ربوہ پہنچے[1]

بیرونی احباب کو اطلاع خاندانِ مسیح موعودؑ کے دیگر افراد اور جملہ امراء جماعت کو اس اندوہناک حادثہ کی فی الفور اطلاع بذریعہ ایکسپریس تار دی گئی۔ تار کے الفاظ یہ تھے:-

"HAZRAT UMMUL-MUMENEEN
PASSED AWAY ELEVEN THIRTY
TONIGHT—INNALILLAH
JANAZA 5 A.M. TUESDAY MORNING"

(ترجمہ) ربوہ ۲۰/۲۱ اپریل (سوا بارہ بجے شب) حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا آج شب ساڑھے گیارہ بجے انتقال فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ نماز جنازہ منگل کو صبح پانچ بجے ادا کی جائے گی۔

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۵۲ء صـ۲

ریڈیو پر خبر

صبح سوا آٹھ بجے ریڈیو پاکستان لاہور نے حضرت سیدہ ممدوحہؓ کی وفات کی خبر حسبِ ذیل الفاظ میں نشر کی :-

"ہم افسوس سے اعلان کرتے ہیں کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی زوجہ محترمہ گزشتہ رات ساڑھے گیارہ بجے ربوہ میں انتقال کر گئیں۔ آپ جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی والدہ ہیں۔ جنازہ کل (صبح) ۵ بجے ربوہ میں ہوگا۔" [۱]

تکفین

آپ ایک تھان قادیان دارالامان سے بوقتِ ہجرت ساتھ لائی ہوئی تھیں اور اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ مَیں نے اسے اپنے کفن کے لئے رکھا ہوُا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مہدیٔ معہود و مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ایک متبرک کُرتہ بھی ململ کا آپ نے محفوظ رکھا ہوُا تھا چنانچہ غُسل کے بعد پہلے یہ مُبارک کُرتہ اور پھر کفن پہنایا گیا۔

ہزاروں احمدیوں کی ربوہ میں مضطربانہ آمد

حضرت امام ہمام سیدنا المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ جنازہ ۲۲۔ اپریل کی صبح کو ہو تاکہ دوست زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوسکیں چنانچہ ۲۲۔ اپریل کی صبح تک ملک کے چاروں اطراف سے ہزاروں کی تعداد میں احمدی مرد و زن ربوہ میں پہنچ چکے تھے اور پشاور سے لیکر کراچی تک کی جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔ ۲۱۔ اپریل کی شام کو حضرت سیّدہ کی نعشِ مبارک کی زیارت کا موقع مستورات کو دیا گیا۔ قریباً ڈیڑھ ہزار مستورات نے زیارت کا شرف حاصل کیا اور ابھی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی۔

جنازہ اور تدفین کا دردناک منظر

حضرت سیّدہ کا جنازہ اندرونِ خانہ سے اُٹھا کر چھ بجکر ایک منٹ پر تابوت میں باہر لایا گیا۔ اس وقت خاندانِ مسیح موعودؑ کے زخم رسیدہ جگر گوشے اسے تھامے ہوئے تھے۔ تابوت کو ایک چارپائی پر رکھ دیا گیا جس کے دونوں طرف لمبے بانس بندھے ہوئے تھے۔ اُس وقت تک ملک کے کونے کونے سے ہزاروں احمدی مرد و زن پہنچ چکے تھے جو اپنی مادرِ مشفق کے لئے سوز و گداز سے دعائیں کرنے میں معروف تھے۔ چھ بجکر پانچ منٹ پر جنازہ اُٹھایا گیا جبکہ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ،

---

[۱] روزنامہ الفضل لاہور ۲۱ شہادت ۱۳۳۱ ہش صلہ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد دیگر افراد جنازے کو کندھا دے رہے تھے اور ساتھ ساتھ قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ کی دعائیں بعض اوقات خاموشی کے ساتھ اور بعض اوقات کسی قدر بلند آواز سے دہرا رہے تھے۔

چونکہ احباب بہت بڑی تعداد میں آچکے تھے اور ہر دوست کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کا متمنی تھا اِس لئے رستے میں یہ انتظام کیا گیا کہ اعلان کرکے باری باری مختلف دوستوں کو کندھا دینے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ مسیح موعود، امرائے صوبجات، اضلاع یا ان کے نمائندگان، بیرونی ممالک کے مبلّغین، غیر ملکی طلباء، کارکنان صدر انجمن احمدیہ و تحریکِ جدید، مدارس، مجالس خدام الاحمدیہ و انصار اللہ کے نمائندگان اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کے علاوہ مختلف مقامات کی جماعتوں نے بھی وقفے وقفے سے جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کی۔ سیّدنا حضرت امیر المومنین، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض افراد نے شروع سے آخر تک کندھا دئے رکھا۔

چھ بجکر چھپن منٹ پر تابوت جنازہ گاہ میں پہنچ گیا، جو موصیوں کے قبرستان کے ایک حصّہ میں مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر کی مساعی سے قبلہ رُخ خطوط لگا کر تیار کی گئی تھی صفوں کی درستی اور گنتی کے بعد سات بجکر پانچ منٹ پر سیّدنا حضرت امیر المومنین مصلح موعودؓ نے نماز جنازہ شروع فرمائی جو سات بجکر سترہ منٹ تک جاری رہی۔ نماز میں رقّت کا ایک ایسا عالم طاری تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

نماز جنازہ کے بعد تابوت مجوّزہ قبر تک لیجایا گیا جہاں امّاں جانؓ کو امانتاً دفن کرنا تھا۔ قبر کے لئے حضورؓ کے منشاء کے ماتحت قبرستان موصیاں ربوہ کا ایک قطعہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ ہجوم بہت زیادہ تھا اِس لئے نظم و ضبط کی خاطر مجوّزہ قبر کے اِرد گرد ایک بڑا حلقہ قائم کر دیا گیا جس میں جماعت کے مختلف طبقوں کے نمائندگان کو بُلا لیا گیا چنانچہ صحابہ کرام، مختلف علاقوں کے امراء، افسرانِ صیغہ جات، بیرونی مبلّغین، غیر ملکی طلباء اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کو اس حلقہ میں بُلا کر شمولیّت کا موقع دیا گیا۔

پونے آٹھ بجے تابوت کو قبر میں اُتارا گیا۔ اس وقت سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اور تمام حاضر الوقت

احباب نہایت رقت اور سوز و گداز کے ساتھ دعاؤں میں مصروف تھے۔ رقت کا یہ سماں اپنے اندر ایک خاص روحانی کیفیت رکھتا تھا۔

تابوت پر چھت ڈالنے کے بعد حضرت امیر المومنین نے ۸ بجکر ۲۲ منٹ پر قبر پر اپنے دستِ مبارک سے مٹی ڈالی جس کی تمام احباب نے اتباع کی جب قبر تیار ہو گئی تو حضور نے پھر مسنون طریق پر مختصر دعا فرمائی۔

نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والے احباب کا اندازہ نامہ نگار الفضل کی رائے کے مطابق چھ سات ہزار تھا جو پاکستان کے ہر علاقہ اور ہر گوشہ سے تشریف لائے تھے۔ علاوہ ازیں پندرہ سولہ وہ غیر ملکی طلباء بھی شامل تھے جو دنیا کے مختلف حصّوں سے دین سیکھنے اور خدمتِ دین میں اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ربوہ آئے ہوئے تھے۔ ان غیر ملکی طلبہ میں چین، جاوا، سماٹرا، ملایا، برما، شام، مصر، سوڈان، حبشہ، مغربی افریقہ، جرمنی، انگلستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے طلبہ شامل تھے[۱]

ریڈیو میں خبر

اگلے روز ریڈیو پاکستان سے ۲۲ اپریل ۵۲ء بوقت ۵ بجکر ۲۰ منٹ شام حسبِ ذیل خبر نشر کی گئی:۔

"آج ربوہ میں سلسلۂ احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ سیدہ نصرت جہاں بیگم کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کی وفات کل (۲۰ اپریل بروز اتوار) ربوہ میں ہوئی تھی۔ ایک بڑے مجمع نے جنازہ میں شرکت کی۔ نمازِ جنازہ ان کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے پڑھائی۔ آپ سلسلہ احمدیہ کے موجودہ امام ہیں۔"

پریس میں اطلاعات

پاکستانی پریس نے حضرت سیّدہ موصوفہ کی وفات پر اطلاعات شائع کیں۔ اِس سلسلہ میں لاہور کے اخبارات میں سے احسان، آفاق، خاتون، امروز، سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پاکستان ٹائمز خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ چنانچہ روزنامہ "احسان" (لاہور) نے ۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء کو لکھا:۔

"مرزا غلام احمد کی بیوہ ربوہ میں دفن کر دی گئیں

لاہور ۲۲ اپریل۔ بانیٔ جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد کی اہلیہ نصرت جہاں بیگم کو آج صبح ربوہ میں

---

[۱] روزنامہ الفضل لاہور ۲۳ شہادت ۱۳۵۱ ہش مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۔

سپردِ خاک کر دیا گیا۔ آپ نے اتوار کی شب کو ربوہ ہی میں انتقال کیا تھا۔ (نامہ نگار)"

۲۔ روزنامہ "آفاق" لاہور (مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء) کی خبر:۔

"بانیٔ احمدیت کی بیوہ کا انتقال

لاہور ۲۲ اپریل۔ مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ فرقہ احمدیت کی بیوہ نصرت جہاں بیگم کا پرسوں شب ۸۶ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ نصرت جہاں بیگم احمدی فرقہ کے موجودہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی والدہ تھیں۔ ان کی تدفین آج ربوہ میں ہوگئی۔ (ا۔پ)"

۳۔ روزنامہ "خاتون" لاہور نے ۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں بعنوان "مرزا بشیر الدین کی والدہ کا انتقال" لکھا:۔

" لاہور ۲۲ اپریل۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ سیدہ نصرت جہاں بیگم کو آج صبح ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ آپ نے اتوار کی شب کو ربوہ ہی میں وفات پائی تھی۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین صاحب امام جماعتِ احمدیہ نے پڑھائی۔"

۴۔ روزنامہ "امروز" لاہور (۲۴۔ اپریل ۱۹۵۲ء) کے نامہ نگار نے لکھا:۔

بانیٔ جماعتِ احمدیہ کی زوجۂ محترمہ سپردِ خاک کر دی گئیں

لاہور ۲۲ اپریل۔ مرزا غلام احمد بانیٔ جماعتِ احمدیہ کی اہلیہ محترمہ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کو جو اتوار کی شب وفات پا گئی تھیں آج صبح ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ نے پڑھائی جس میں ہزارہا افراد نے شرکت کی۔

مرحومہ کو احمدیہ جماعت میں کافی بلند مقام حاصل تھا۔ مقاصد کی تکمیل میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک سرگرمِ عمل رہیں۔"

۵۔ اخبار "دی سول اینڈ ملٹری گزٹ" (۲۳۔ اپریل ۱۹۵۲ء) کی خبر کا متن یہ تھا:۔

MIRZA GHULAM AHMAD'S WIDOW
LAID TO REST
(From a Correspondent)

RABWAH, April 22—The body of Sayyeda Nusrat

Jahan Begum widow of late Mirza Ghulam Ahmad, founder of the Ahmadiyya Movement who breathed her last on Sunday night was laid to rest this morning at Rabwah.

The funeral prayer was led by her eldest son, Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, the present Head of the community and was attended by several thousand people from all classes of society. Besides members of the Ahmadiyya community from various parts of the country, a large number of the general public reached Rabwah to join the funeral.

The deceased lady was held in high esteem in the Ahmadiyya community for her association for over half a century with the work of her husband, the founder of the Ahmadiyya Movement. Condolence messages are pouring in from all parts of Pakistan India and the word including Indonesia, the Middle East, Europe and America where the follower of the movement are spread.

(ترجمہ) (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب) کی بیوہ کو سپردِ خاک کر دیا گیا

ربوہ ۲۲ر اپریل۔ سیدہ نصرت جہاں بیگم جو مرزا غلام احمد بانی سلسلہ احمدیہ کی بیوہ تھیں گذشتہ اتوار کی رات کو وفات پاگئیں اور آج صبح انہیں ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آپ کی نمازِ جنازہ اُن کے سب سے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد جو کہ جماعت کے موجودہ سربراہ ہیں نے پڑھائی اور جنازہ میں جماعت کے ہر طبقہ کے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ ملک کے مختلف حصّوں سے آئے ہوئے جماعتِ احمدیہ کے ممبران کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کثیر تعداد میں نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے ربوہ پہنچے۔

مرحومہ کا اپنے شوہر محترم کے کام کے ساتھ نصف صدی سے زائد تعلق کی وجہ سے بہت بلند مقام تھا۔ پاک و ہند کے ہر حصے سے اور دُنیا کے دیگر ممالک مثلاً انڈونیشیا، مشرقِ اوسط، یورپ اور امریکہ سے جہاں جہاں بھی جماعت کے ممبران موجود ہیں تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔

۶۔ اخبار "دی پاکستان ٹائمز" (۲۳ر اپریل ۱۹۵۲ء) نے حسبِ ذیل الفاظ میں خبر دی:۔

BEGUM MIRZA GHULAM AHMAD LAID TO REST

The body of Sayyeda Nusrat Jahan Begum, the consort of late Mirza Ghulam Ahmad, the Founder of the Ahmadiyya Movement, whose sad demise took place on Sunday night, was laid to rest on Tuesday morning at Rebwah.

The funeral prayer was led by her eldest son, Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, the present Head of the community and was attended by several thousand people belonging to all classes of society. Not only devoted members of the Ahmadiyya Community from various parts of the country flocked to the headquarter but also a large number of well-wishers and relations joined the burial rites.

(ترجمہ) بیگم (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب) کو سپردِ خاک کر دیا گیا

سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ زوجۂ محترمہ مرزا غلام احمدؑ بانی سلسلہ احمدیہ کو جو اتوار کی شب کو فوت ہو گئی تھیں منگل کی صبح ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

نمازِ جنازہ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے پڑھائی جس میں جماعت کے ہر طبقہ کے ہزاروں افراد شریک ہوئے۔

تجہیز و تکفین کی رسومات میں شریک ہونے کے لئے نہ صرف جماعتِ احمدیہ کے مخلصین ہی تشریف لائے بلکہ دوسرے بہی خواہان اور متعلقین بھی کثیر تعداد میں حاضر ہوئے۔

تعزیتی تاریں اور خطوط

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات پر جماعت کے مخلصین کی طرف سے جن میں صحابی بھی شامل تھے، اور غیر صحابی بھی، بچے بھی شامل تھے اور بوڑھے بھی، عورتیں بھی شامل تھیں اور مرد بھی، خاندانِ مسیح موعودؑ کے مختلف افراد کے نام بے شمار تار[1] اور خطوط پہنچے۔ یہ ہمدردی کے پیغامات نہ صرف غربی اور شرقی پاکستان کے ہر حصہ سے بلکہ قادیان اور دِلّی اور لکھنؤ اور حیدر آباد اور مالیر کوٹلہ اور مونگھیر اور

---

[1] محکمہ تار نے تاروں کی کثرت دیکھ کر حضرت سیّدہ کی بیماری کے ایام ہی سے ایک آورسگنیلر عارضی طور پر ربوہ میں متعیّن کر دیا تھا (الفضل ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش)

کلکتہ اور بمبئی اور مدراس اور ہندوستان کے دوسرے حصوں اور بلادِ عربی اور برِّاعظم ایشیا اور افریقہ اور یورپ اور امریکہ کے مختلف ملکوں سے اِس طرح چلے آرہے تھے جس طرح ایک قدرتی نہر اپنے طبعی بہاؤ میں بہتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر ان اصحاب میں صرف ہماری جماعت کے دوست ہی شامل نہیں تھے بلکہ غیر مبائع اور غیر احمدی اور غیر مسلم سب طبقات کے لوگ شامل تھے۔ اظہارِ ہمدردی کے لئے بعض غیر احمدی معززین اور غیر مبائع اصحاب مثلاً مرزا مسعود بیگ صاحب لاہور سے اور مکرم عبداللہ جان صاحب پشاور سے ربوہ تشریف لائے[1]

حضرت اُمّ المومنینؓ کا مقام سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی نظر میں

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ حضرت اُمّ المومنینؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اِس سال احمدیت کی تاریخ کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہُوا ہے اور وہ ہے حضرت ام المومنین کی وفات۔ ان کا وجود ہمارے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان میں ایک زنجیر کی طرح تھا اولاد کے ذریعے بھی ایک تعلق اور واسطہ ہوتا ہے مگر وہ اَور طرح کا ہوتا ہے۔ اولاد کو ہم ایک درخت کا پھول تو کہہ سکتے ہیں مگر اسے اس درخت کا اپنا حصہ نہیں کہا جاسکتا۔ پس حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا ہمارے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان ایک زندہ واسطہ تھیں اور یہ واسطہ ان کی وفات سے ختم ہوگیا۔ پھر حضرت امّ المومنینؓ کے وجود کی اہمیت عام حالات سے بھی زیادہ تھی کیونکہ ان کے متعلق خدا تعالیٰ نے قبل از وقت بشارتیں اور خبریں دیں چنانچہ انجیل میں آنے والے مسیح کو آدم کہا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ جس رنگ میں حوّا آدم کی شریکِ کار تھیں اسی طرح مسیح موعودؑ کی بیوی بھی اس کی شریکِ کار ہوگی۔ پھر رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آنے والا مسیح شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی۔ اب شادی تو ہر نبی کرتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس خبر میں یہی اشارہ تھا کہ اس کی بیوی کو یہ خصوصیت حاصل ہوگی کہ وہ اس کے کام میں اس کی شریک ہوگی۔ اسی طرح دِلّی میں ایک مشہور بزرگ خواجہ میر ناصر گذرے ہیں ان کے متعلق آتا ہے کہ ان کے پاس کشف میں حضرت امام حسنؓ تشریف لائے اور انہوں نے

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۳۰ شہادت ۱۳۳۱ ہش صک ۴

ایک رُوحانیت کی خلعت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تحفہ ایسا ہے جس میں تم مخصوص ہو۔ اس کی ابتداء تم سے کی جاتی ہے اور اس کا خاتمہ مہدی کے ظہور پر ہوگا چنانچہ یہ کشف اِس طرح پُورا ہُوا کہ آپ کی ہی اولاد میں سے حضرت اُمّ المومنین رضؓ کا وجود پیدا ہُوا۔ یہ کشف خواجہ ناصر نذیر فراق کے بیٹے خواجہ ناصر خلیق نے اپنی کتاب میخانۂ درد (صٓ۲۵) میں درج کیا ہے۔" [1]

حضرت سیّدہ کے شمائل و اَخلاق اور بلند سیرت

حضرت اُمّ المومنین کے شمائل و اخلاق اور بلند سیرت کے متعلق سب سے جامع اور سب سے زیادہ مختصر کلام وہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری ہُوا یعنی اذکر نعمتی رأیت خدیجتی ھذا من رحمۃ ربّک [2] میری نعمت کو یاد کر کہ تُو نے میری خدیجہ کو دیکھا یہ تیرے ربّ کی رحمت ہے۔

اِس مختصر فقرہ کی کسی قدر تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے الفاظ میں دی جاتی ہے۔

۱۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

دو امتیازی خصوصیات

"حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کی شادی خاص الٰہی تحریک کے ماتحت ہوئی تھی اور دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ یہ شادی ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ اور یہی وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعوئ مجدّدیّت کا اعلان فرمایا تھا اور پھر سارے زمانۂ ماموریّت میں حضرت امّاں جان مرحومہ مغفورہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفیقۂ حیات رہیں اور حضرت مسیح موعود اُنہیں انتہاء درجہ محبّت اور انتہاء درجہ شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی بے حد دلداری فرماتے تھے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ زبردست احساس تھا کہ یہ شادی خدا کے خاص منشاء کے ماتحت ہوئی ہے اور یہ کہ حضورؑ کی زندگی کے مبارک دَور کے ساتھ حضرت امّاں جان کو مخصوص نسبت ہے۔ چنانچہ

---

[1] متن کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۲ صٓ۵۳ ۔

[2] الفضل ۱۳ فتح ۱۳۳۱ ہش / ۱۳ دسمبر ۱۹۵۲ء صٓ۴ ۔

[3] الحکم ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء صٓ۱ بحوالہ تذکرہ صٓ۳۷۷ ایڈیشن سوم ۔

بعض اوقات حضرت امّاں جان بھی محبّت اور ناز کے انداز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں کہ میرے آنے کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں برکتوں کا دَور شروع ہُوا ہے جس پر حضرت مسیح موعودؑ مُسکرا کر فرماتے تھے کہ " ہاں یہ ٹھیک ہے۔" دوسری طرف حضرت امّاں جان بھی حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق کامل محبّت اور کامل یگانگت کے مقام پر فائز تھیں اور گھر میں یُوں نظر آتا تھا کہ گویا دُو سینوں میں ایک دِل کام کر رہا ہے۔

حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاقِ فاضلہ اور آپ کی نیکی اور تقویٰ کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں مگر اِس جگہ مَیں صرف اشارہ کے طور پر نمونۃً چند باتوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

عبادات میں شغف

آپ کی نیکی اور دینداری کا مقدّم ترین پہلو نماز اور نوافل میں شغف تھا۔ پانچ فرض نمازوں کا تو کیا کہنا ہے حضرت امّاں جان نمازِ تہجد اور نمازِ ضُحٰی کی بھی بے حد پابند تھیں اور انہیں اس ذوق وشوق سے ادا کرتی تھیں کہ دیکھنے والوں کے دلوں میں بھی ایک خاص کیفیّت پیدا ہونے لگتی تھی بلکہ ان نوافل کے علاوہ بھی جب موقعہ ملتا تھا نماز میں دِل کا سکون حاصل کرتی تھیں۔ مَیں پُوری بصیرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی یہ پیاری کیفیّت کہ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ[1] (یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) حضرت امّاں جان کو بھی اپنے آقاؐ سے ورثے میں ملی تھی۔

پھر دُعا میں بھی حضرت امّاں جان کو بے حد شغف تھا۔ اپنی اولاد اور دوسرے عزیزوں بلکہ ساری جماعت کے لئے جسے وہ اولاد کی طرح سمجھتی تھیں بڑے درد وسوز کے ساتھ دعا فرمایا کرتی تھیں اور اسلام اور احمدیّت کی ترقی کے لئے ان کے دل میں غیر معمولی تڑپ تھی۔

اولاد کے متعلق حضرت امّاں جان کی دعا کا نمونہ ان اشعار سے ظاہر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے امّاں جان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کی طرف سے اور گویا انہی کی زبان سے فرمائے۔ خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے آپؑ عرض کرتے ہیں ؎

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو تیرا طالب ہے ✧ کوئی رُسوا نہیں ہوتا جو ہے جویاں تیرا
آسماں پر سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں ✧ کوئی ہو جائے اگر بندۂ فرماں تیرا
اِس جہاں میں ہی وہ جنّت میں ہے بے ریب گماں ✧ وہ جو اِک مُحکم توکّل سے ہے مہماں تیرا

[1] نسائی باب النساء۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵ ✧

میری اولاد کو تُو ایسی ہی کر دے پیارے ؛ دیکھ لیں آنکھ سے وہ چہرہ نمایاں تیرا
عُمر دے، رزق دے، اور عافیت و صحت بھی ؛ سب سے بڑھ کر یہ کہ پا جائیں وہ عرفاں تیرا

اپنی ذاتی دعاؤں میں جو کلمہ حضرت اماں جانؓ کی زبان پر سب سے زیادہ آتا تھا وہ یہ مسنون دعا تھی کہ:۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

یعنی اے میرے زندہ خدا اور میرے زندگی بخش آقا! میں تیری رحمت کا سہارا ڈھونڈتی ہوں

یہ وہی جذبہ ہے جس کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شعر فرمایا ہے کہ ؎

تری رحمت ہے میرے گھر کا شہتیر
مری جاں تیرے فضلوں کی پنہ گیر

مالی جہاد میں شمولیت

جماعتی چندوں میں بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا بڑے ذوق و شوق سے حصّہ لیتی تھیں اور تبلیغ اسلام کے کام میں ہمیشہ اپنی طاقت سے بڑھ کر چندہ دیتی تھیں۔ تحریکِ جدید کا چندہ جس سے بیرونی ممالک میں اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام پاتا ہے اُس کے اعلان کے لئے ہمیشہ ہمہ تن منتظر رہتی تھیں اور اعلان ہوتے ہی بلا توقّف اپنا وعدہ لکھا دیتی تھیں بلکہ وعدہ کے ساتھ ہی نقد ادائیگی بھی کر دیتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں وعدہ جب تک ادا نہ ہو جائے دِل پر بوجھ رہتا ہے۔ دوسرے چندوں میں بھی یہی ذوق و شوق کا عالم تھا۔

صدقہ و خیرات

صدقہ و خیرات اور غریبوں کی امداد بھی حضرت اماں جان نوّر اللہ مرقدھا کا نمایاں خلق تھا اور اس میں وہ خاص لذّت پاتی تھیں اور اس کثرت کے ساتھ غریبوں کی امداد کرتی تھیں کہ یہ کثرت بہت کم لوگوں میں دیکھی گئی ہے۔ جو شخص بھی اُن کے پاس اپنی مصیبت کا ذکر لے کر آتا تھا حضرت امّاں جان اپنے مقدور سے بڑھ کر اس کی امداد فرماتی تھیں اور کئی دفعہ ایسے خفیہ رنگ میں مدد کرتی تھیں کہ کسی اور کو پتہ تک نہیں چلتا تھا۔ اسی ذیل میں ان کا یہ طریق بھی تھا کہ بعض اوقات یتیم بچّوں اور بچّیوں کو اپنے مکان پر بُلا کر کھانا کھلاتی تھیں اور بعض اوقات ان کے گھروں پر بھی کھانا بھجوا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک واقف کار شخص سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو کسی ایسے

شخص (احمدی یا غیر احمدی، مسلم یا غیر مسلم) کا علم ہے جو قرض کی وجہ سے قید بھگت رہا ہو (اوائل زمانے میں ایسے سِوِل[1] قیدی بھی ہُوا کرتے تھے) اور جب اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ تلاش کرنا، مَیں اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں تا قرآنِ مجید کے اس حکم پر عمل کر سکوں کہ معذور قیدیوں کی مدد بھی کارِ ثواب ہے۔

قرض سے مدد

قرض مانگنے والوں کو فراخدلی کے ساتھ قرض بھی دیتی تھیں مگر یہ دیکھ لیتی تھیں کہ قرض مانگنے والا کوئی ایسا شخص تو نہیں جو عادی طور پر قرض مانگا کرتا ہے اور پھر قرض کی رقم واپس نہیں کیا کرتا ایسے شخص کو قرض دینے سے پرہیز کیا کرتی تھیں تا کہ اس کی یہ بُری عادت ترقی نہ کرے مگر ایسے شخص کو بھی حسبِ گنجائش امداد دے دیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میرے سامنے ایک عورت نے اُن سے کچھ قرض مانگا اس وقت اتفاق سے حضرت امّاں جان کے پاس اس قرض کی گنجائش نہیں تھی مجھ سے فرمانے لگیں "میاں! (وہ اپنے بچّوں کو اکثر میاں کہہ کر پکارتی تھیں) تمہارے پاس اتنی رقم ہو تو اسے قرض دے دو یہ عورت لین دین میں صاف ہے" چنانچہ مَیں نے مطلوبہ رقم دیدی اور پھر اس غریب عورت نے تنگدستی کے باوجود عین وقت پر اپنا قرض واپس کر دیا جو آجکل کے اکثر نوجوانوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

یتامیٰ کی پرورش و تربیت

حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَھَا کو اسلامی احکام کے ماتحت یتیم بچّوں کی پرورش اور تربیت کا بھی بہت خیال رہتا تھا مَیں نے جب سے ہوش سنبھالا اُن کے سایۂ عاطفت میں ہمیشہ کسی نہ کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کو پلتے دیکھا اور وہ یتیموں کو نوکروں کی طرح نہیں رکھتی تھیں بلکہ اُن کے تمام ضروری اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ اُن کے آرام و آسائش اور ان کی تعلیم و تربیت اور اُن کے واجبی اکرام اور عزّتِ نفس کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس طرح ان کے ذریعہ بیسیوں یتیم بچّے جماعت کے مفید وجود بن گئے۔ بسا اوقات اپنے ہاتھوں سے یتیموں کی خدمت کرتی تھیں مثلاً یتیم بچّوں کو نہلانا، ان کے بالوں کو کنگھی کرنا اور کپڑے بدلوانا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت امّاں جان رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے انشاء اللہ ضرور حصّہ پائیں گی کہ اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ[2]

[1] CIVIL ٭ [2] بخاری (کتاب الطلاق۔ کتاب الادب) مسلم (کتاب الزہد)٭

"یعنی قیامت کے دن میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والا شخص اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح کہ ایک ہاتھ کی دو انگلیاں باہم پیوست ہوتی ہیں۔

مہمان نوازی مہمان نوازی بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا طرّۂ امتیاز تھا۔ اپنے عزیزوں اور دوسرے لوگوں کو اکثر کھانے پر بلاتی رہتی تھیں اور اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تھی تو ان کے گھروں میں بھی بھجوا دیتی تھیں۔ خاکسار راقم الحروف کو علیحدہ گھر ہونے کے باوجود حضرت اماں جان نے اتنی دفعہ گھر سے کھانا بھجوایا ہے کہ اس کا شمار ناممکن ہے۔ اور اگر کوئی عزیز یا کوئی دوسری خاتون کھانے کے وقت حضرت اماں جان کے گھر میں جاتی تھیں تو حضرت اماں جان کا اصرار ہوتا تھا کہ کھانا کھا کر واپس جاؤ چنانچہ اکثر اوقات زبردستی روک لیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہمان نوازی ان کی رُوح کی غذا ہے۔ عیدوں کے دن حضرت اماں جان کا دستور تھا کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے پاس کھانے کی دعوت دیتی تھیں اور ایسے موقعوں پر کھانا پکوانے اور کھانا کھلانے کی بذاتِ خود نگرانی فرماتی تھیں اور اِس بات کا بھی خیال رکھتی تھیں کہ فلاں عزیز کو کیا چیز مرغوب ہے اور اس صورت میں حتی الوسع وہ چیز ضرور پکواتی تھیں۔ جب آخری عمر میں زیادہ کمزور ہو گئیں تو مجھے ایک دن حسرت کے ساتھ فرمایا کہ اب مجھ میں ایسے اہتمام کی طاقت نہیں رہی میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے رقم لے لے اور میری طرف سے کھانے کا انتظام کر دے۔

وفات سے کچھ عرصہ قبل جب کہ حضرت اماں جان بے حد کمزور ہو چکی تھیں اور کافی بیمار تھیں مجھے ہماری بڑی ممانی صاحبہ نے جو اُن دنوں میں حضرت اماں جان کے پاس اُن کی عیادت کے لئے ٹھہری ہوئی تھیں، فرمایا کہ آج آپ یہاں روزہ کھولیں۔ مَیں نے خیال کیا کہ شاید یہ اپنی طرف سے حضرت اماں جان کی خوشی اور ان کا دل بہلانے کے لئے ایسا کہہ رہی ہیں چنانچہ مَیں وقت پر وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ بڑے اہتمام سے افطاری کا سامان تیار کر کے رکھا گیا ہے۔ اس وقت ممانی صاحبہ نے بتایا کہ مَیں نے تو اماں جان کی طرف سے اُن کے کہنے پر آپ کی یہ دعوت دی تھی۔

محنت کی عادت حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا میں بے حد محنت کی عادت تھی اور ہر چھوٹے سے چھوٹا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں راحت پاتی تھیں۔ مَیں نے انہیں اپنی آنکھوں سے بارہا کھانا پکانے، چرخہ کاتنے، نواڑ بنتے بلکہ بھینسوں کے آگے چارہ تک ڈالتے دیکھا

ہے۔ بعض اوقات خود بھنگنوں کے سر پہ کھڑے ہو کر صفائی کرواتی تھیں اور ان کے پیچھے لوٹے سے پانی ڈالتی جاتی تھیں۔ گھر میں اپنے ہاتھ سے پھولوں کے پودے یا سیم کی بیل یا دوائی کی غرض سے گلو کی بیل لگانے کا بھی شوق تھا اور عموماً انہیں اپنے ہاتھ سے پانی دیتی تھیں۔

مریضوں کی عیادت

مریضوں کی عیادت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی احمدی عورت کے متعلق یہ سنتیں کہ وہ بیمار ہے تو بلا امتیاز غریب و امیر خود اس کے مکان پر جا کر عیادت فرماتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے مطابق تسلّی دیا کرتی تھیں کہ گھبراؤ نہیں خدا کے فضل سے اچھی ہو جاؤ گی۔ ان اخلاقِ فاضلہ کا یہ نتیجہ تھا کہ احمدی عورتیں حضرت امّاں جان پر جان چھڑکتی تھیں اور اُن کے ساتھ اپنی حقیقی ماؤں سے بھی بڑھ کر محبّت کرتی تھیں۔ اور جب کوئی فکر کی بات پیش آتی تھی یا کسی امر میں مشورہ لینا ہوتا تھا تو حضرت امّاں جان کے پاس دوڑی آتی تھیں۔ اس میں ذرّہ بھر بھی شُبہ نہیں کہ حضرت امّاں جان کا مُبارک وجود احمدی مستورات کے لئے ایک بھاری ستون تھا بلکہ حق یہ ہے کہ ان کا وجود محبّت اور شفقت کا ایک بلند اور مضبوط مینار تھا جس کے سایہ میں احمدی خواتین بے انداز راحت اور برکت اور ہمّت اور تسلّی پاتی تھیں۔

تقویٰ اور توکّل کے دُو واقعات

مگر غالباً حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا کے تقویٰ اور توکّل اور دینداری اور اخلاق کی بلندی کا سب سے زیادہ شاندار اظہار ذیل کے دُو واقعات میں نظر آتا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعض اقرباء پر اتمامِ حُجّت کی غرض سے خدا سے علم پا کر محمدی بیگم والی پیشگوئی فرمائی تو اس وقت حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دن دیکھا کہ حضرت امّاں جان علیٰحدگی میں نماز پڑھ کر بڑی گریہ وزاری اور سوز وگداز سے یہ دعا فرما رہی ہیں کہ خدایا! تُو اِس پیشگوئی کو اپنے فضل اور اپنی قدرت نمائی سے پُورا فرما۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوئیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم یہ دعا کر رہی تھیں لٰہذا تم جانتی ہو کہ اس کے نتیجہ میں تم پر سَوکن آتی ہے؟ حضرت امّاں جان نے بے ساختہ فرمایا "خواہ کچھ ہو مجھے اپنی تکلیف کی پروا نہیں میری خوشی اِسی میں ہے کہ خدا کے مُنہ کی بات اور آپ کی پیشگوئی پُوری ہو۔"

دوست سوچیں اور غور کریں کہ یہ کس شان کا ایمان اور کس بلند اخلاق کا مظاہرہ اور

کس تقویٰ کا مقام ہے کہ اپنی ذاتی راحت اور ذاتی خوشی کو کلیتۃً قربان کر کے محض خدا کی رضا کو تلاش کیا جا رہا ہے اور شاید منجملہ دوسری باتوں کے یہ ان کی اسی بے نظیر قربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشروط پیشگوئی کو اس کی ظاہری صورت سے بدل کر دوسرے رنگ میں پورا فرما دیا۔ پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی (اور یہ میری آنکھوں کے سامنے کا واقعہ ہے) اور آپکے آخری سانس تھے تو حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَھَا وَرَفَعَھَا فِی اَعْلٰی عِلِّیِّیْن آپ کی چارپائی کے قریب فرش پر آکر بیٹھ گئیں اور خدا سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ :-

"خدایا! یہ تو اب ہمیں چھوڑ رہے ہیں مگر تو ہمیں نہ چھوڑیو"

یہ ایک خاص انداز کا کلام تھا جس سے مُراد یہ تھی کہ تُو ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا اور دل اِس یقین سے پُر تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ اللہ!

خاوند کی وفات پر اور خاوند بھی وہ جو گویا ظاہری لحاظ سے ان کی ساری قسمت کا بانی اور اُن کی تمام راحت کا مرکز تھا توکل، ایمان اور صبر کا یہ مقام دُنیا کی بے مثال چیزوں میں سے ایک نہایت درخشاں نمونہ ہے۔ مجھے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بے حد پیارا اور مضبوطی کے لحاظ سے گویا فولادی نوعیّت کا قول یاد آ رہا ہے جو آپ نے کامل توحید کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی وفات پر فرمایا کہ :-

"اَلَا مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" [1]

"یعنی اے مسلمانو! سنو کہ جو شخص محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں مگر جو شخص خدا کا پرستار ہے وہ یقین رکھے کہ خدا زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی" [2]

---

[1] بخاری کتاب الغزوات (باب وفات النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

[2] "چار تقریریں" صفحہ ۹۴ تا صفحہ ۱۰۸ مولفہ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ ناشر شعبہ نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان (طبع دوم دسمبر ۱۹۶۶ء)

۲۔ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:۔

غیر معمولی محبّت کرنے والی ماں

"صرف اِس لئے نہیں کہ امّاں جان رضی اللہ عنہا غیر معمولی محبّت کرنے والی ماں تھیں اور اِس لئے نہیں کہ آج وہ اِس دُنیا میں نہیں ہیں تو محض ذکرِ خیر کے طور پر آپ کا تاریخی پہلو لکھا جائے۔ اور اِس لئے بھی نہیں کہ مجھے اُن سے بے حد محبّت تھی (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس طرح مَیں اُن کی جُدائی کو برداشت کر رہی ہوں) بلکہ حق اور محض حق ہے کہ حضرت امّاں جانؓ کو خدا تعالیٰ نے سچ مچ اِس قابل بنایا تھا کہ وہ اُن کو اپنے مامور کے لئے چُن لے اور اس وجود کو اپنی خاص "نعمت" قرار دے کر اپنے مُرسل کو عطا فرمائے۔

صابرہ و شاکرہ

آپ نہایت درجہ صابرہ اور شاکرہ تھیں۔ آپ کا قلب غیر معمولی طور پر صاف اور وسیع تھا کسی کے لئے خواہ اُس سے کتنی تکلیف پہنچی ہو آپ کے دِل پر مَیل نہ آتا تھا۔ کان میں پڑی ہوئی رنج دہ بات کو اِس صبر سے پی جاتی تھیں کہ حیرت ہوتی تھی اور ایسا برتاؤ کرتی تھیں کہ کسی دوسرے کو کبھی کسی بات کے دوہرانے کی جُراُت نہ ہوتی تھی شکوہ، چغلی، غیبت کسی بھی رنگ میں نہ کبھی آپ نے کیا نہ اس کو پسند کیا۔ اِس صفت کو اس اعلیٰ اور کامل رنگ میں کبھی کسی میں مَیں نے نہیں دیکھا۔ آخر دُنیا میں کبھی کوئی بات کوئی کسی کی کر ہی لیتا ہے مگر زبان پر کسی کے لئے کوئی لفظ نہیں آتے سُنا۔

شفقت

حضرت امّاں جانؓ سے جہاں کسی نے مجلس میں کسی کی بطور شکایت بات شروع کی اور آپ نے فوراً ٹوکا حتیٰ کہ اپنے ملازموں کی شکایت جو خود آپ کے وجود کے ہی آرام کے سلسلے میں تنگ آکر کبھی کی جاتی پیچھے سے سُننا پسند نہ کرتی تھیں۔ اپنے ملازموں پر انتہائی شفقت فرماتی تھیں۔ آخری ایام میں جب آواز نکلنا محال تھا مائی عائشہ (والدہ مجید احمد مرحوم درویش قادیان) کی آواز کسی سے جھگڑنے کی کان میں آئی۔ بڑی مُشکل سے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور بہ رقت فرمایا "مائی کیوں روئی؟" مَیں نے کہا نہیں امّاں جان روئی تو نہیں یُوں ہی کسی سے بات کر رہی تھی۔ مگر جو درد حضرت امّاں جان کی آواز میں اُس وقت مائی کے لئے تھا وہ آج تک مجھے بے چین کر دیتا ہے۔ آپ نے کئی لڑکیوں اور لڑکوں کو پرورش کیا اور سب سے بہت ہی شفقت و محبّت کا برتاؤ تھا خود

اپنے ہاتھ سے اُن کا کام کیا کرتی تھیں اور کھلانے، پلانے، آرام کا خیال رکھنے کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا مگر تربیت کا بھی بہت خیال رکھتیں اور زبانی نصیحت اکثر فرماتیں۔ ایک لڑکی تھی، مجھے یاد ہے میں اُن دنوں حضرت امّاں جانؓ کے پاس تھی۔ وہ رات کو تہجد کے وقت سے اُٹھ بیٹھتی اور حضرت امّاں جانؓ سے سوالات کرنے اور لفظوں کے معنے پوچھنا شروع کرتی اور آپ اُس کی ہر بات کا جواب صبر اور خندہ پیشانی سے دیا کرتیں۔ میں نے اُس کو سمجھایا کہ اِس وقت نہ ستایا کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ نے بہت زیادہ صبر و تحمل کا نمونہ دکھایا مگر آپؑ کی جدائی کو جس طرح آپ محسوس کرتی رہیں اس کو جو لوگ جانتے ہیں وہ اس صبر کو اَور بھی حیرت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے غیر معمولی محبت

آپ اکثر سفر پر بھی جاتی تھیں اور بظاہر اپنے آپ کو بہت بہلائے رکھتی تھیں۔ باغ وغیرہ یا باہر گاؤں میں پھرنے کو بھی عورتوں کو لے کر جانا یا گھر میں کچھ نہ کچھ کام کرواتے رہنا، کھانا پکوانا اور اکثر غرباء میں تقسیم کرنا (جو آپ کا بہت مرغوب کام تھا) لوگوں کا آنا جانا اپنی اولاد کی دلچسپیاں یہ سب کچھ تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پورا سکون آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اپنا وقت کاٹ رہا ہے۔ ایک سفر ہے جس کو طے کرنا ہے۔ کچھ کام ہیں جو جلدی کرنے ہیں۔ غرض بظاہر ایک صبر کی چٹان ہونے کے باوجود ایک قسم کی گھبراہٹ سی بھی تھی جو آپ پر طاری رہتی تھی مگر ہم لوگوں کے لئے تو گویا وہ ہر غم اپنے سینہ میں چھپا کر خود سینہ سپر ہو گئی تھیں۔ دل میں طوفان اس دردِ جُدائی کے اُٹھتے اور اس کو دبا لیتیں اور سب کی خوشی کے سامان کرتیں۔ مجھے ذاتی علم ہے کہ جب کوئی بچہ گھر میں پیدا ہوتا تو خوشی کے ساتھ ایک رنج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جُدائی کا آپ کے دِل میں تازہ ہو جاتا اور وہ آپ کو اس بچہ کی آمد پر یاد کرتیں۔

چشمۂ محبت

مَیں اپنے لئے ہی دیکھتی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک چشمہ ہے بے حد محبت کا جو امّاں جان کے دل میں پھوٹ پڑا ہے اور بار بار فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے ابّا تمہاری ہر بات مان لیتے اور میرے اعتراض کرنے پر بھی فرمایا کرتے تھے کہ "لڑکیاں تو چار دن کی مہمان ہیں یہ کیا یاد کرے گی جو یہ کہتی ہے وہی کرو۔" غرض یہ "محبت" بھی دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت تھی جو آپ کے دِل میں موجزن تھی۔

اِس کے بعد میری زندگی میں ایک دوسرا مرحلہ آیا یعنی میرے میاں مرحوم کی وفات! ان کے بعد ایک بار اَور مَیں نے اِس "چشمۂ محبّت" کو پُورے زور سے پُھوٹتے دیکھا جیسے بارش برستے برستے یکدم ایک جھڑا کے سے گرنے لگتی ہے۔ اُس وقت وہی بابرکت ہستی تھی، وہی رحمت و شفقت کا مجسّمہ تھا جو بظاہر اِس دُنیا میں خدا تعالیٰ رفیقِ اعلیٰ و رحیم و کریم ذات کے بعد میرا رفیق ثابت ہُوا، جس کے پیار نے میرے زخمِ دِل پر مرہم رکھا۔ جس نے مجھے بُھلا دیا تھا کہ مَیں اب ایک بیوہ ہوں بلکہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ مَیں کہیں جا کر پھر آغوشِ مادر میں واپس آ گئی ہوں۔ اَب دُنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میرا مُنہ دیکھے کہ اُداس تو نہیں ہے۔ اب کوئی ایسا نہیں جو میرے احساس کو سمجھے، میرے دُکھ کو اپنے دل پر بیتا ہُوا دُکھ محسوس کرے۔ خدا سب عزیزوں کو سلامت رکھے۔ میرے بھائیوں کی عمر میں اپنے فضل سے خاص برکت دے۔ مگر یہ خصوصیّت جو خدا نے ماں کے وجود میں بخشی ہے اس کا بدل تو کوئی خود اس نے ہی پیدا نہیں کیا اور میری ماں تو ایک بے بدل ماں تھیں، سب مومنوں کی ماں۔ ہزاروں رحمتیں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی رحمتیں ہمیشہ ہمیشہ آپ پر نازل ہوتی رہیں۔ وہ تو اَب خاموش ہیں مگر ہم جبتک خدا اُنہی سے نہ ملائے گا اُن کی جُدائی کی کھٹک برابر محسوس کرتے رہیں گے۔ ؎

عمر بھر کا ہشِ جاں بن کے یہ تڑپائے گی
وہ نہ آئیں گی مگر یاد چلی آئے گی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کے لئے زیادہ ہی زیادہ ان دعاؤں کو جو حضرت مسیح موعودؑ نے ہمارے لئے فرمائیں (اور حضرت اماں جانؓ نے جو سلسلہ ٹوٹنے نہ دیا) قبول فرمائے اور ایسا ہو کہ گویا وہ دعائیں جاری ہیں اور ہر گھڑی مقبول ہو رہی ہیں، آمین، اور ہم سب کو اِس قابل بنائے کہ ہم اِن فضلوں کے جاذب بنیں جو ہمارے لئے مانگے جاتے رہے۔ ثمّ آمین۔

حضرت امّاں جانؓ کو ہماری تعریف کی حاجت نہیں خدا نے جس وجود کی تعریف کر دی اس کو اَور کیا چاہیئے مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ جو عمر بھر دیکھا اُس کو آئندہ ہونے والوں کے لئے ظاہر کر دیں۔

آپ ایک نمایاں شان کے ساتھ صابرہ تھیں اور خدا تعالیٰ کی رضا پر خوشی سے راضی ہونیوالی تکالیف کا حوصلہ سے مقابلہ کرنے والی! کبھی کسی کا شکوہ شکایت زبان پر نہ لانے والی کِسی سے پہنچے ہوئے رنج کو مہر بہ لب ہو کر ایسی خاموشی سے برداشت کرنے اور مٹا ڈالنے والی کہ وہ مٹ

ہی جاتا تھا۔

جس سے تکلیف پہنچتی اس پر اپنی مہربانی اِس طرح جاری رکھتیں بلکہ زیادہ حتیٰ کہ وہ امر اَوروں کے بھی دلوں سے محو ہو جاتا۔

خشیتِ الٰہی بہت خشوع وخضوع سے، بہت سنوار کر نمازیں ادا کرنے والی، بہت دعائیں کرنے والی کبھی مَیں نے آپ کو کسی حالت میں بھی جلدی جلدی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ تہجّد اور اشراق بھی جب تک طاقت رہی ہمیشہ باقاعدہ ادا فرماتی رہیں۔ دوسرے اوقات میں بھی بہت دعا کرتی تھیں۔ اکثر بلند آواز سے دعا بے اختیار اس طرح آپ کی زبان سے نکلتی گویا کسی کا دم گھُٹ کر یکدم رُکا ہؤا سانس نکلے۔ بہت ہی بیقراری اور تڑپ سے دعا فرماتی تھیں۔ کبھی کبھی موزوں نیم شعر الفاظ میں اور کبھی مصرع یا شعر کی صُورت میں بھی دعا فرماتی تھیں اسی درد اور تڑپ سے ایک بار لاہور میں غیر آباد مسجد کو دیکھ کر ایک آہ کے ساتھ فرمایا ؏

الٰہی مسجدیں آباد ہوں گرجائیں ، گرجائیں

آپ کی دعاؤں میں سب آپ کی احمدی اولاد شریک ہوتی۔ اکثر ایسوں کا نام لے کر بے قرار ہو کر دعا کرتیں جن کا بظاہر کسی کو خیال تک نہ ہوتا۔ ایک بار لیٹے لیٹے اِس طرح کرب سے "یا اللہ" کہا کہ مَیں گھبرا گئی مگر اس کے بعد کا فقرہ کیا تھا؟ یہ کہ "میرے نیرّ کو بیٹا دے" خدا نے آپ کے نیرّ (مکرم مولوی عبدالرحیم صاحب نیرّ[1]) کو اُس کے بعد محمودہ کے بطن سے دو بیٹے عطا فرمائے۔ خدا نیکی اور زندگی اُن کو بخشے، سب جماعت سے محبت دلی فرماتی تھیں اور خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے لوگوں سے آپ کو بہت ہی پیار تھا۔ ان کی اولادوں کو اَب تک دیکھ کر شاد ہو جاتی تھیں۔ شاید آپ میں سے بعض کو پُورا احساس نہ ہو مجھ سے پوچھیں آپ سچ مچ ایک اعلیٰ نعمت سے، ایک ہزار ماں سے بہتر ماں سے محروم ہو گئے ہیں۔

شریکِ غم ہر چھوٹے بڑے کی خوشی اور تکلیف میں بدِل شریک ہوتی تھیں۔ جب تک طاقت رہی یعنی زمانہ قریب ہجرت تک جب باہر جاتیں اکثر گھروں میں ملنے جاتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے آپ کا یہی عمل تھا مجھے کئی واقعات یاد ہیں کہ کسی کے گھر بچہ پیدا

---

[1] بانی نائیجیریا مشن (وفات ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء) مفصل حالات تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۲۰۵ طبع اوّل میں درج ہیں۔

ہوُا ہے اور آپ برابر اُن کی تکلیف کے وقت میں زچہ کے پاس رہیں اور یہی طریق بعد میں جبتک ہمّت رہی جاری رہا۔

خاص چیز جو پکواتیں بہت کھُلی اور ضرور سب میں تقسیم کرتیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں چونکہ لوگ کم تھے تو سب کو گھروں سے بُلا کر اکثر ساتھ ہی کھلوایا کرتی تھیں۔

خیرات و فیاضی خیرات کثرت سے فرماتی تھیں۔ غرباء کو کھانا کھلانا آپ کو بہت پسند تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے پسند کی چیز تو ضرور کھلایا کرتی تھیں۔ اور گھر میں روزمرہ جب کوئی چیز سامنے آتی تو اوّل اوّل دنوں میں تو بہت فرمایا کرتی تھیں کہ یہ چیز آپؑ کو پسند تھی لو تم کھاؤ!

ہاتھ سے کام کرنا ہاتھ سے کام کرنے میں ہرگز کبھی آپ کو عار نہ تھا۔ قادیان سے آتے وقت بھی برابر خود کوئی نہ کوئی کام کرتی تھیں۔ باورچی خانہ جا کر خود کچھ پکا لینا، چیز خود ہی جا کر بکسوں میں سے نکالنا، کسی کو بہت کم کہتی تھیں، خود ہی کام کرنے لگتی تھیں۔ جب تک کمزوری حد سے نہ بڑھی سہارا لینا ہرگز پسند نہیں فرماتی تھیں کوئی سہارا دینا چاہتا تو نہیں دینے دیتیں کہ مَیں خود چلوں گی سہارا نہ دو۔

ذکرِ الٰہی ایک خاص بات آپ کی اپنی بچپن سے مجھے یاد ہے کہ جن ایّام میں آپ نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی تھی اُس وقت کو کبھی باتوں وغیرہ میں ضائع نہیں فرماتی تھیں برابر مقررہ اوقاتِ نماز میں تنہا ٹہل کر یا بیٹھ کر دعا اور ذکرِ الٰہی کرتی تھیں اور پھر ہمیشہ مَیں نے اِس امر کا التزام دیکھا۔

نظافت پسندی جن لڑکیوں کو پالا اُن کی جوئیں نکالنا، کنگھی کرنا یہ کام اکثر خود ہی کرتی تھیں اور باوجود نہایت صفائی پسند ہونے کے گھن نہیں کھاتی تھیں۔

صاف لباس، پاکیزہ بستر اور خوشبو آپ کو بے حد پسند تھی مگر اِن چیزوں کا شغف کبھی اس درجہ کو نہیں پہنچا کہ آپ کے اوقاتِ نماز یا دُعا یا ذکر میں حارج ہوُا ہو۔

عطر کا استعمال مجھے یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی عطر اور چنبیلی کا تیل آپ کے لئے خاص طور پر منگایا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ نے اپنا عطر کا صندوقچہ مجھے پاس بُلا کر تیسرے روز دے دیا تھا (جو مَیں نے بھاوجوں میں تقسیم کر دیا تھا) زمانۂ عدّت میں آپ نے خوشبو نہیں استعمال کی نہ زیور ہی کوئی پہنا۔

سفید لباس پہنتی تھیں مگر صاف مَیلا نہیں۔ مجھے یاد ہے جس دن ایّامِ عدّت ختم ہوئے آپ نے غُسل کیا، صاف لباس پہنا، عطر لگایا اور اُس دن جو کیفیّت صدمہ کی اور پھر ضبط آپ کے چہرہ سے مترشّح تھا وہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ آپ کا رونا نمازوں کا رونا، دعاؤں کا رونا ہوتا تھا ویسے نہیں۔ روزانہ بہشتی مقبرہ جاتیں اور نہایت رِقّت سے دعائیں کرتیں۔ وہ آپ کی حالت دیکھی نہیں جایا کرتی تھی جس مقام میں آخری آرام کرنے کے لئے آپ کی رُوح چالیس سال تڑپ سے انتظار کرتی رہی اور دل جس زمین کو دیکھ دیکھ کر بے قرار ہوتا رہا اُس میں آپ کے جسدِ مبارک کا فی الحال رکھا جانا تقدیرِ الٰہی کے مطابق نہ تھا۔ دل بے چین ہو جاتا ہے جب یاد کرتی ہوں کہ قادیان سے آنے کا صدمہ بھی صبر اور تحمّل سے برداشت کر جانے والی میری امّاں جانؓ کس بے قراری سے وہاں سے آکر بار بار کہا کرتی تھیں کہ "مجھے قادیان ضرور پہنچانا یہاں نہ رکھ لینا" (یعنی بعد وفات) اگر کوئی گھبراہٹ ظاہراً دیکھی تو بس ایک اِسی بات کے لئے!

داغِ ہجرت میں وفات

سخت کرب پیدا ہوتا ہے اِس خیال سے کہ یہ آرزو حضرت امّاں جانؓ کی پُورا نہ ہونا اور اُن کا ہجرت میں داغِ جُدائی دینا، بے شک پیشگوئی کے مطابق ہوُا مگر کہیں ہم لوگوں کی شامتِ اعمال تو اِس وقت کو نزدیک نہیں کھینچ لائی۔ یہی منشاءِ الٰہی تھا اور ضرور تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہوُا۔ مگر اَب تو خُدا کرے وہ دن بھی جلدی لائے کہ حضرت امّاں جانؓ کی تمنّا کو پُورا کرنے والے آپ لوگ بنیں اور ہم سب اِس طرح حضرت امّاں جانؓ کو اُن کے اصل مقام میں لے جائیں جس طرح جانا اُن کے شایانِ شان ہے (آمین)

ایک دُعا اور اُس کی قبولیت

بہت سال ہوئے حضرت سیّدنا بھائی[1] صاحب نے ایک دن مجھے کہا تھا کہ "مَیں بھی یہ دعا کیا کرتا ہوں تم بھی کیا کرو کہ امّاں جانؓ کو خدا تعالٰی مُدّت دراز تک سلامت رکھے مگر اب امّاں جانؓ ہم میں سے کسی کا صدمہ نہ دیکھیں"۔ مَیں نے اُس دن سے اِس دعا کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی خاص اِس دعا کے ساتھ کہ ایسا وقت اِس حالت میں نہ آئے کہ مَیں امّاں جانؓ سے دُور ہوں۔ مَیں سالہاسال مالیرکوٹلہ رہی گو بار بار اور جلد جلد آتی تھی کیونکہ حضرت امّاں جانؓ اور اِس گھر کو، بھائیوں کو، دیکھے بغیر مجھے چَین ہی نہ آتا تھا مگر جب بھی وہاں ہوتی حضرت امّاں جانؓ کے متعلق توہّمات مجھے چَین سے نہ رہنے دیتے۔ مَیں نے میاں مرحوم سے صاف کہہ رکھا

---

[1] یعنی سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ۔

تھا کہ مَیں یہاں آپ کا ساتھ دے کر رہتی تو ہوں لیکن اگر کبھی امّاں جانؓ کی علالت کی خبر مجھے ملی تو ہرگز نہ مجھے کسی اجازت کی حاجت ہو گی نہ کوئی ساتھ ڈھونڈنے کی مَیں ایک منٹ بھی پھر نہیں ٹھہروں گی خواہ اکیلے چل پڑنے کی صورت ہو ہمیشہ ہر حال میں مَیں نے ایک رقم الگ محفوظ رکھی اِس نیّت سے کہ امّاں جانؓ کو خدانہ کرے کبھی تکلیف ہو تو کسی روپیہ کے انتظام کے لئے میرا گھنٹہ بھر بھی ضائع نہ ہو۔

الحمدللہ! کہ وہ دُعا بھی خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ خدمت کے قابل گو مَیں نہ رہی تھی مگر پاس رہی۔ مُنہ دیکھتی رہی اور وہ پاکیزہ نعمتِ الٰہی جو مجھے دُنیا میں لانے کا ذریعہ ایک دن بنی تھی میری آنکھوں کے سامنے میرے ہاتھوں میں اِس دُنیا سے رخصت ہو کر محبوبِ حقیقی سے جا ملی۔" [1]

تاریخی شخصیت

" چُن لیا تُو نے مجھے اپنے مسیحا کے لئے"

آپ میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے یہ دعائے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام بزبان حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا نہ پڑھی ہوگی۔ یہ مصرعہ آپ کو اس وجود کی اہمیّت اور بزرگی کا مرتبہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے مسیحا کے لئے چُن کر چھانٹ لیا وہ کیا چیز ہوگی؟

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کا وجود بھی اِس زمانہ کی مستورات کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ بنا کر اپنے مُرسل مسیحِ موعود اور مہدیٔ معہودؑ کے لئے رفیقِ حیات منتخب فرما کر بھیجا تھا اور آپ کی تمام حیات آپ کی زندگی کا ہر پہلو اِس پر روشن شہادت دیتا رہا اور دے رہا ہے اور ہمیشہ تاریخِ احمدیت پر مہرِ درخشاں کی مانند چمک دکھلا کر شہادت دیتا رہے گا۔" [2] [3]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۱ ہجرت ۱۳۳۱ ہش / ۱۱ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، ۴ ؛ [2] " نصرت الحق" صفحہ ۱۳، ۱۴ ناشر خدام الاحمدیہ لاہو طبع اوّل ؛ [3] آپ کی سوانح اور سیرت پر مستقل لٹریچر شائع ہو چکا ہے مثلاً (۱) سیرت نصرت جہاں بیگم حصّہ اوّل (مصنّفہ شیخ محمود احمد صاحبؓ عرفانی مجاہد مصر مدیر الحکم طبع اوّل دسمبر ۱۹۴۳ء مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن)۔ (۲) سیرت نصرت جہاں بیگم حصّہ دوم (مصنّفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی الکبیر موسّس الحکم تاریخ اشاعت ۲۵ جولائی ۱۹۴۵ء مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن)۔ (۳) نصرت الحق (ناشر چوہدری عبدالعزیز صاحب واقفِ زندگی مہتمم مقامی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)۔

اِن کتابوں کے علاوہ وسط ۱۳۳۱ ہش/ ۱۹۵۲ء میں رسالہ "مصباح" اور رسالہ "درویش" کے خصوصی نمبر آپکے اخلاق و شمائل پر شائع کئے گئے ؛

دوسرا باب

جماعتِ احمدیہ کے جلسۂ کراچی سے لیکر مسئلۂ اقلیت سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کے وضاحتی اعلان تک

فصل اوّل

● مرکزی تعلیمی اداروں کو ایک ضروری ہدایت ● الجزائری نمائندہ احتفال العلماء کی ربوہ میں آمد ● جماعتِ احمدیہ کا جلسۂ کراچی، مخالف عناصر کا ہنگامہ اور پاکستان اور بیرونی ممالک میں اس کا وسیع ردِّعمل

مرکزی تعلیمی اداروں کو ایک ضروری ہدایت

چونکہ سلسلہ احمدیہ کے مرکزی تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے نوجوانوں کو علمی و اخلاقی اعتبار سے بہت بلند معیار پر ہونا چاہیئے اس لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۲۔ہجرت

۱۳۳۱ ہش/ مئی ۱۹۵۲ء کو بذریعہ خطبۂ جمعہ واضح ہدایت دی کہ ہمارے مرکزی سکولوں اور کالجوں کے منتظمین کا فرضِ اوّلین ہے کہ وہ آئندہ نسل کی ایسے بہترین رنگ میں تربیت کریں کہ وہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید وجود بن سکیں۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا:-

" اساتذہ کا فرض ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ اُن کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہیں تو وہ اُن کے ماں باپ سے مشورہ کریں اور اُن کی اصلاح کی تدابیر سوچیں۔ مگر یہ طریق صرف اُن لڑکوں کے متعلق اختیار کیا جا سکتا ہے جو بورڈنگ میں نہیں رہتے۔ جو لڑکے بورڈنگ میں رہتے ہیں اُن کی توسو فیصدی ذمہ داری اساتذہ اور نگران عملہ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ یہی ضرورت مَیں سمجھتا ہوں دینیات کے مدارس میں بھی ہے۔ وہاں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے۔ لڑکے تعلیم پا رہے ہوتے ہیں اور ہم یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ بیس مبلّغ تیار ہو جائیں گے مگر ہوتا یہ ہے کہ بیس بے دین یا بیس نکمے یا بیس ناکارہ یا بیس جاہل پیدا ہو جاتے ہیں۔"

" اُستاد کا کام نہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے کورس کو پورا کرے بلکہ اُس کا یہ بھی کام ہے کہ وہ زائد سٹڈی کروائے۔ کوئی طالبِ علم صحیح طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتا جب تک اُس کا مطالعہ اِس قدر وسیع نہ ہو کہ وہ اگر ایک کتاب مدرسہ کی پڑھتا ہو تو دس کتابیں باہر کی پڑھتا ہو۔ باہر کا علم ہی اصل علم ہوتا ہے۔ استاد کا پڑھایا ہوا علم صرف علم کے حصول کے لئے ممد ہوتا ہے، سہارا ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ وہ سارے علوم پر حاوی ہو سکے۔ دُنیا میں کوئی ڈاکٹر نہیں بن سکتا اگر وہ اتنی ہی کتابیں پڑھنے پر اکتفا کرے جتنی اُسے کالج میں پڑھائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی وکیل، وکیل نہیں بن سکتا اگر وہ صرف اتنی کتابوں پر ہی انحصار رکھے جتنی اُسے کالج میں پڑھائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی مبلّغ، مبلّغ نہیں بن سکتا اگر وہ صرف انہی کتابوں تک اپنے علم کو محدود رکھے جو اسے مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ وہی ڈاکٹر، وہی وکیل اور وہی مبلّغ کامیاب ہو سکتا ہے جو رات اور دن اپنے فن کی کتابوں کا مطالعہ رکھتا ہے اور ہمیشہ اپنے علم کو بڑھاتا رہتا ہے۔ پس جب تک ریسرچ[1] ورک کے طور پر نئی نئی کتابوں کا مطالعہ نہ رکھا جائے اُس وقت تک لڑکوں کی تعلیمی حالت ترقی نہیں کر سکتی۔"[2]

---

[1] RESEARCH WORK ؛ [2] الفضل یکم احسان ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ ؛

الجزائری نمائندۂ احتفال العلماء کی ربوہ میں آمد کراچی میں "احتفالِ علماءِ اسلام" کا ایک سہ روزہ اجلاس ۱۶-۱۷-۱۸ ؍ فروری ۱۹۵۲ء کو منعقد ہوا جس میں مسلم ممالک کے ۳۴ علماء نے شرکت کی۔ ۱۲ علماء پاکستان کے تھے اور ۲۲ ایران، انڈونیشیا، عراق، افغانستان، مصر، شام، ہندوستان اور الجیریا سے تشریف لائے۔ اجلاس نے متفقہ قرارداد کے ذریعہ استعماری طاقتوں کو خبردار کیا کہ وہ کشمیر اور تمام دوسرے اسلامی ممالک کے متعلق اپنی پالیسی فوراً بدل لیں ورنہ امنِ عالم خطرہ میں پڑ جائے گا۔[1]

اجلاس میں الجزائر کی نمائندگی علامہ محمد البشیر الابراہیمی الجزائری نے کی جو اس ملک کے ایک مقتدر عالم اور قریباً ۱۳۰ سکولوں کے نگران و ناظم تھے۔ علامہ موصوف اجلاس کے بعد کراچی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ۵ ہجرت ۱۳۳۱ہش / مئی ۱۹۵۲ء کو مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے۔

جلسہ آپ کے اعزاز میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ربوہ کے عربی دان بزرگ اور اصحاب خصوصیت سے شامل ہوئے۔ تلاوتِ قرآنِ عظیم کے بعد الجزائری مندوب کے ترجمان محمد عادل قدوسی صاحب نے آپ کا تعارف کرایا۔ پھر اہلِ ربوہ کی طرف سے مکرم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مبلغ بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ نے خوش آمدید کہا۔ آپ نے سب سے پہلے معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ربوہ تشریف لائے جہاں نئی بستی ہونے کی وجہ سے نہ اشجار ہیں نہ پانی کی کثرت اور نہ یہ کوئی بڑا شہر ہے گو انشاء اللہ بہت جلد ربوہ ایک بڑا شہر بن جائے گا لیکن فی الحال اِس کی حیثیت ایک چھوٹی سی بستی کی ہے جس میں شہروں جیسے آرام و سامان میسّر نہیں آسکتے۔ ازاں بعد آپ نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے تمام ممبر چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورتیں سب کے دماغ میں صرف ایک ہی بات سمائی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کو تمام دُنیا میں پھیلانا اور تمام مسلمانوں کو وحدت کے رشتہ میں پرونا ہے۔

مولانا ابو العطاء صاحب کی تقریر کے بعد جناب علامہ محمد البشیر ابراہیمی نے الجزائری مسلمانوں کی فرانسیسی انقلاب کے خلاف تحریکِ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جدّوجہدِ آزادی پر روشنی

---

[1] زمیندار (لاہور) ۱۹؍ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱

ڈالی اور بتایا کہ کس طرح طویل جدّوجہد کے بعد الجزائر کو غلامی سے نجات ملی۔

تقریر کا دوسرا حصّہ تربیتی رنگ کا تھا جس میں آپ نے اِس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ مسلمان قوم پر جو آجکل نکبت و اَدبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں تو اِس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اِس قوم کے ساتھ کوئی دشمنی ہے بلکہ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیم بھُلا دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے اور آپ لوگوں کا فرض ہے کہ جہاں آپ یورپ میں اسلامی تعلیمات پھیلاتے ہیں وہاں مسلمانوں کی اصلاح کو مقدّم کریں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان علماء کی حالت خصوصاً اعمال کے لحاظ سے نہایت ناگفتہ بہ ہے وہی ساری خرابی کے ذمّہ دار ہیں۔ وہ اسلام کی رُوح کو بھُلا بیٹھے ہیں آپ کو ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔

آخر میں آپ نے فرمایا یہاں مَیں اجنبیّت محسوس نہیں کرتا کیونکہ کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عربی زبان مادری زبان کی طرح بول سکتے ہیں۔

آپ کی تقریر کے بعد حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے صدارتی خطاب میں جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کا تذکرہ فرمایا اور دعا پر یہ تقریب ختم ہوئی۔[۱]

جماعتِ احمدیہ کراچی کا سالانہ جلسہ

اب ہم اِس سال کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے تاریخ کے ایک ایسے نازک موڑ پر آن پہنچے ہیں جہاں سے حالات نے یکایک پلٹا کھایا اور اہلِ پاکستان عموماً اور جماعتِ احمدیہ پاکستان خصوصاً ایک سنگین اور تشویش انگیز صُورتِ حال سے دوچار ہوگئے۔ واقعہ یُوں ہُوا کہ جماعتِ احمدیہ کراچی کا سالانہ جلسہ ۱۷ و ۱۸ ؍ مئی بروز ہفتہ و اتوار بعد نمازِ مغرب جہانگیر پارک میں مقرر تھا جس کا اِعلان دو پوسٹروں، ہینڈبل اور دعوتی خطوط کے ذریعہ اچھی طرح سے کیا گیا۔ پوسٹروں کے شائع ہوتے ہی ایک طرف تو مسجدوں میں تقریریں کرکے عوام النّاس کو اشتعال دلانے اور جلسہ کو ناکام بنانے کے لئے ہر ناجائز طریق استعمال کرنے کی ترغیب دلائی گئی، دوسری طرف ذمّہ دار حکّام پر تاروں وغیرہ کے ذریعہ زور دیا گیا کہ وہ اِس جلسہ کے انعقاد کی اجازت نہ دیں لیکن اِس میں صریح ناکامی ہوئی۔

---

[۱] الفضل ۱۱ ؍ ہجرت ۱۳۳۱ ہش ؍ ۱۱ ؍ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔

پہلا اجلاس پروگرام کے مطابق پہلے دن کے اجلاس میں تلاوتِ قرآن کریم اور نظم کے بعد محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد حسبِ ذیل موضوعات پر تقاریر ہوئیں ۔

۱ ۔ قرآن کریم کے کامل ہونے کے دلائل	مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل مبلّغ بلادِ عربیہ
۲ ۔ اتحاد بین المسلمین	ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب آف موگا
۳ ۔ کیا یہ وہی زمانہ ہے جس میں مسیح موعود و مہدیٔ مسعود کا ظہور مقدّر تھا ؟	مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلّغ بلادِ عربیہ و انگلستان ۔
۴ ۔ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے عقیدہ سے اسلام کو کیا نقصان پہنچا ہے ؟	سیّد احمد علی شاہ صاحب سیالکوٹی

صاحبِ صدر کی تقریر شروع ہوتے ہی بعض لوگوں نے آوازے کسنے ، نعرے لگانے اور گالیاں دینی شروع کر دیں۔ پولیس نے ان لوگوں کو جو ایک پروگرام کے ماتحت جلسہ گاہ کی مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے ایک طرف دھکیلنا شروع کیا تاکہ انہیں جلسہ گاہ کے باہر نکال دے لیکن جب یہ لوگ تشدد پر اُتر آئے اور پولیس پر بھی پتھراؤ شروع کر دیا تو پولیس کو مجبوراً لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ ہر تقریر کے دَوران شرپسند باہر والوں کو اُکسا کر اندر لے آتے اور پھر شور مچانا شروع کر دیتے جس سے ان کی غرض یہ ہوتی کہ تقریریں نہ ہو سکیں اور جلسہ بند ہو جائے لیکن جب اِس مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آوازے کسے ، نعرے لگائے بلکہ سخت سے سخت گندی اور فحش گالیاں دیں ، تالیاں پیٹیں ، سیٹیاں بجائیں اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مولانا ابوالعطاء صاحب قرآن کریم کے کامل ہونے کے دلائل بیان کر رہے تھے ۔ اِس ہنگامہ آرائی کے باوجود سامعینِ جلسہ خصوصاً غیراز جماعت معززین اور شرفاء جو محض تقریریں سُننے کی غرض سے تشریف لائے ہوئے تھے آخر تک نہایت دلچسپی اور ذوق و شوق کے ساتھ تقریریں سُنتے رہے۔

اس کے بعد جونہی صاحبِ صدر نے اجلاس اوّل کی کارروائی کے خاتمہ کا اعلان کیا ایک جتھہ آگے بڑھا اور اُن رسیوں کو جو پولیس نے سٹیج کے گرد بغرض حفاظت باندھی تھیں پھلانگ کر سٹیج پر حملہ کرنا چاہا[۱] جس پر پولیس کی ایک بڑی جمعیت نے اندر جانے سے روک دیا۔ اس موقعہ پر ان لوگوں نے

---

[۱] یاد رہے احرار کے مذہبی راہ نماؤں کا فتویٰ احمدیوں کی نسبت یہ ہے کہ "اُن کی واہیات (باقی اگلے صفحہ پر)

پولیس پر پتھر وغیرہ پھینکے اور مقابلہ کیا لیکن پولیس نے اُنہیں پیچھے ہٹا دیا اور ان کا ایک آدمی بھی حفاظتی لائن کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ اس ہنگامہ میں جماعت کے بعض احباب کو بھی جنہیں یہ حکم تھا کہ وہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں پولیس کے لاٹھی چارج سے چوٹیں آئیں۔ اس سے قبل بجلی کی تاریں کاٹ دی گئیں۔ لاؤڈ سپیکر گرا دیا گیا لیکن چونکہ سٹیج پر لاؤڈ سپیکر ٹھیک کام کر رہا تھا اس لئے وہ اپنی اس حرکت سے بھی جلسہ کو خراب نہ کر سکے جلسہ ختم ہونے کے بعد لوگ باہر جانے لگے تو بعض احمدیوں کی کاروں پر بلکہ اُس کار پر بھی جس میں علماء کرام تشریف لے جا رہے تھے پتھر پھینکے گئے جس سے کاروں کے شیشے ٹوٹ گئے اور بعض کو سخت نقصان پہنچا۔

دوسرا اجلاس دوسرے دن اتوار کی صبح کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے جہانگیر پارک کے چاروں طرف آدھ آدھ میل تک دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی اور تمام شہر میں اعلان کرایا کہ احمدیہ جماعت کا جلسہ جہانگیر پارک میں بدستور منعقد ہو گا لیکن پارک کے اردگرد دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے کوئی آدمی لاٹھی وغیرہ ساتھ لے کر نہ آئے اور پانچ سے زائد آدمی باہر جمع نہ ہوں۔ دوسرے دن کے جلسہ میں تلاوتِ قرآن کریم اور نظم کے بعد حسب ذیل موضوعات پر تقاریر ہوئیں:۔

۱۔ جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات — مولانا عبدالمالک خان صاحب

۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل احمدیہ نقطۂ نگاہ سے۔ — مولانا ابوالعطاء صاحب

۳۔ اسلام زندہ مذہب ہے۔ — چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان

۴۔ مخالفینِ احمدیت کے اعتراضات کے جوابات۔ — مولانا جلال الدین صاحب شمس

اجلاسِ دوم میں بھی شور و غوغا بلند کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔ بایں ہمہ جلسہ کی کارروائی بدستور جاری رہی۔ اس روز سامعین کی تعداد سات آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ جلسہ میں چیف کمشنر صاحب،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ مت سنو اگر ہو سکے تو اپنی جماعت سے خارج کر دو بحث کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے اُن کو جواب دو۔"

(تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صفحہ ۱۲۰ سوانح مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولفہ مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ناشر حافظ محمد مقبول الٰہی صاحب طبع دوم مطبع محبوب المطابع دہلی)۔

آئی جی پولیس، سپرنٹنڈنٹ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈسٹرکٹ اور ایڈیشنل مجسٹریٹ وغیرہ اعلیٰ حکام بھی موجود تھے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر[1] شروع ہوتے ہی باہر کے لوگوں کو اندر آنے سے روک دیا گیا اور اُن لوگوں کو جو ایک بھاری تعداد میں باہر جمع ہو کر نعرے لگا رہے تھے اور شور مچا رہے تھے پولیس نے سمجھایا کہ دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت اُن کا وہاں آنا خلافِ قانون ہے لیکن اس کا اُلٹا نتیجہ برآمد ہوا اور غضبناک ہجوم تشدد پر اُتر آیا مجبوراً پولیس کو بھی کئی بار اشک آور گیس استعمال کرنا پڑی جس کے بعد بلوائیوں نے شیزان ہوٹل کو آگ لگا دی، شاہنواز موٹرز کے شوروم پر سنگباری کر کے شیشے توڑ دئے اور نئی موٹروں کو نقصان پہنچایا، احمدیہ فرنیچر ہاؤس میں آگ لگا دی۔ بلوائیوں نے بندر روڈ پر احمدیہ لائبریری اور احمدیہ ہال (احمدیہ مسجد) کو بھی جلانے کی کوشش کی اور گو فائر بریگیڈ نے موقع پر پہنچ کر آگ بجھا دی لیکن اس کے باوجود ان مقامات پر ہزاروں روپے کا نقصان ہو گیا۔ اس وقت اِکے دُکے احمدیوں کو بھی ظلم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ ایک نوجوان کے سر پر سخت چوٹیں آئیں۔ ایک احمدی نوجوان پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر وہ خدا کے فضل سے محفوظ رہے۔

احمدیوں کا صبر و تحمل

اِس نہایت دل آزار اور اشتعال انگیز فضا میں احمدیوں نے صبر و تحمل اور اطاعت و فرمانبرداری کا جو نمونہ دکھایا وہ اپنی نظیر آپ تھا فحش گوئی اور گالیوں کی بوچھاڑ میں بھی ہر احمدی نے قانون کا احترام ضروری سمجھا اور شروع سے آخر تک پورے وقار کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر قال اللہ اور قال الرسولؐ کی اس پاکیزہ مجلس سے ہر ممکن استفادہ کیا۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ایمان افروز تقریر

جلسۂ کراچی کے موقعہ پر علمائے سلسلہ کی تقاریر نہایت بلند پایہ اور پُراز معلومات تھیں خصوصاً چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا خطاب بہت ایمان افروز تھا جس میں آپ نے علمی اور واقعاتی دلائل سے روزِ روشن کی طرح ثابت کیا کہ دُنیا میں صرف اسلام ہی زندہ مذہب ہے

---

[1] تقریر کا خلاصہ الفضل ۱۳ ہجرت ۱۳۳۱ ہش میں شائع شدہ ہے ایضاً "تحدیثِ نعمت" صفحہ ۵۸۲ مؤلفہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب طبع اوّل دسمبر ۱۹۷۱ء مطبع جسارت پرنٹرز ۳۴ سرکلر روڈ لاہور۔

آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف صاحبِ شریعت نبی بنایا بلکہ آپکو خاتم النبییّن کا بے مثال مقام عطا فرمایا اور وہ کتاب بخشی جو مختصر سی کتاب ہونے کے باوجود معانی و مطالب میں غیر محدود ہے اور ایک صحیفہ میں گویا کئی سمندر بند ہیں۔ اِن حقائق پر روشنی ڈالنے کے بعد آپ نے قرآنِ مجید کی اِس خصوصیت کو پیش کیا کہ خدا تعالیٰ نے اس کے نزول کے ساتھ ہی اس کی لفظی، لغوی اور معنوی ہر اعتبار سے حفاظت کا وعدہ فرمایا جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے :۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1]

مَیں نے ہی اِس ذکر کو نازل کیا اور مَیں ہی اِس کی حفاظت کرونگا

قرآنِ مجید کی معنوی حفاظت کے ضمن میں آپ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے منظوم اور عارفانہ کلام میں سے متعدد اشعار پڑھے جن میں حضرت اقدس علیہ السلام نے نہایت وجد آفریں اور رُوح پرور انداز میں خدا تعالیٰ، قرآنِ مجید، خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے فضائل و محاسن کا تذکرہ فرمایا ہے۔

چوہدری صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں واضح فرمایا کہ احمدیت خدا کا لگایا ہوُا پودا ہے۔ یہ پودا قرآنی وعدہ کے عین مطابق اسلام کی حفاظت کے لئے لگایا گیا ہے اور اِس غرض سے لگایا گیا ہے تا اس زمانہ میں بھی اسلام کا زندہ مذہب ہونا، قرآن کا زندہ کتاب ہونا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ رسُول ہونا پُوری دُنیا پر ظاہر ہو جائے۔

"تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں جلسۂ کراچی کا ذکر

جسٹس منیر اور جسٹس کیانی نے رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء میں جلسۂ کراچی اور چوہدری صاحب کی تقریر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے :۔

"کراچی میں اشتہار دیا گیا کہ انجمن احمدیہ کراچی کا ایک جلسہ ۱۷-۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک میں منعقد ہوگا اور اس میں دوسرے مقرّرین کے علاوہ چوہدری ظفر اللہ خاں بھی تقریر کریں گے اگرچہ یہ جلسہ انجمن احمدیہ کے زیرِ اہتمام منعقد کیا گیا تھا لیکن یہ جلسۂ عام تھا جس میں جمہور کا کوئی فرد بھی تقریریں سُننے کے لئے شریک ہو سکتا تھا۔ اِس جلسے سے چند روز پہلے خواجہ ناظم الدین وزیرِ اعظم

---

[1] سورۃ الحجر آیت: ۱۰

نے اِس امر کے خلاف اپنی ناپسندی کا اظہار کیا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے ایک فرقہ وار جلسۂ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے لیکن چوہدری ظفر اللہ نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ مَیں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو مَیں جلسے میں شریک نہ ہوتا لیکن وعدہ کر لینے کے بعد مَیں اس جلسہ میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اور اگر اس کے باوجود بھی وزیرِ اعظم اِس بات پر مُصر ہوں کہ مجھے جلسے میں شامل نہ ہونا چاہیئے تو مَیں اپنے عُہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔

اِس جلسے کے پہلے اجلاس پر عوام کی طرف سے ناراضی کا مظاہرہ کیا گیا اور اجلاس کی کارروائی میں مداخلت کرنے کی کوشِشیں بھی کی گئیں لیکن ۱۸ رمئی کو قیامِ امن کے لئے خاص انتظامات کئے گئے اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے اِس عنوان پر تقریر کی کہ "اسلام زندہ مذہب ہے"۔ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور ختمیت کے مسئلے پر یہ ایک فاضلانہ تقریر تھی۔ مقرر نے واضح کیا کہ قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں عالمِ انسانیت کے لئے آخری ضابطۂ حیات مہیّا کیا گیا ہے کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو موقوف نہیں کر سکتا۔ پیغمبرِ اسلام صلعم خاتم النّبیّین ہیں جنہوں نے عالمِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچایا ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا جو نئی شریعت کا حامل ہو یا قرآنی شریعت کے کسی قانون کو منسوخ کر سکے۔ احمدیوں کے مسلک کے متعلق پوری تقریر میں صرف اتنا اشارہ کیا گیا تھا کہ (رسُول اللہ کے) وعدے کے مطابق ایسے اشخاص آتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجدیدِ دین پر مامور ہوں گے تاکہ اصلی دینِ اسلام کی پاکیزگی کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح و تجدید کریں اور اگر اس میں کوئی غلطی فروگذاشت یا بدعت راہ پا گئی ہو تو اس کو دُور کر دیں۔ مقرر نے دعویٰ کیا کہ مرزا غلام احمد اِسی قسم کے مجدّد تھے۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اور اب جڑ پکڑ گیا ہے تاکہ قرآن کے وعدے کی تکمیل میں اسلام کی حفاظت کا ضامن ہو۔" [۱]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا بیان

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خود نوشت سوانح عمری میں واقعہ کراچی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

[۱] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۶، ۷ اُردو ایڈیشن ۔

۱۹۵۲ء کے جماعتِ احمدیہ کراچی کے سالانہ جلسے میں مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ مَیں نے اپنی تقریر کا عنوان "اسلام زندہ مذہب ہے" انتخاب کیا۔ جب جلسے کا دن قریب آیا تو بعض عناصر کی طرف سے جلسے کے خلاف اور خصوصاً میرے تقریر کرنے کے خلاف آواز اُٹھائی گئی۔ جلسے کے دن تک یہ مخالفت بظاہر ایک منظم صورت اختیار کر گئی۔ مَیں نے تقریر کی۔ دورانِ تقریر میں کچھ فاصلے سے شور و شغب کے ذریعے جلسے کی کارروائی میں خلل ڈالنے کی کوشش جاری رہی کچھ آوازے بھی کسے گئے۔ تقریر کے بعد مَیں اپنے مکان پر واپس آ گیا۔ جہاں تک علم ہے گو کسی قدر بدمزگی تو پیدا کی گئی لیکن الحمدللہ کوئی فساد نہیں ہوا۔

وقتاً فوقتاً جماعتِ احمدیہ کے جلسوں یا دیگر سرگرمیوں کے خلاف مختلف مقامات پر جوش کا مظاہرہ ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی جہاں کہیں ایسی صورت پیدا ہوتی رہی، جماعت کا ردِّ عمل بفضل اللہ امن پسندی کا رہا۔ جماعت کی طرف سے کبھی خلافِ وقار یا موجبِ اشتعال کارروائی یا حرکت ظہور میں نہیں آئی۔ نتیجہ ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ دو چار روز میں مخالفت کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا۔ اس موقعہ پر خلافِ معمول ایک تو متعدد عناصر نے مل کر مخالفت کا ایک محاذ قائم کر لیا اور دوسرے مخالفت کا جوش ٹھنڈا پڑنے کی بجائے زور پکڑتا گیا اور بعض دوسرے مقامات پر بھی تائیدی مظاہرے شروع ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اس محاذ کی طرف سے ایک فہرست مطالبات کی تیار کی گئی اور کثرت سے عوام کے دستخطوں کے ساتھ بذریعہ ڈاک حکومت کو پہنچائی جانے لگی۔ ... یہ سلسلہ جاری تھا کہ مَیں اقوامِ متحدہ کی اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے نیویارک چلا گیا۔ میری غیر حاضری میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل کا تو مجھے کوئی ذاتی علم نہیں کیونکہ اس نوع کی بہت کم کوئی خبر مجھے امریکہ پہنچی لیکن واپسی پر معلوم ہوا کہ یہ تحریک بہت زور پکڑ چکی ہے۔

امریکہ جانے سے پہلے بھی اور امریکہ سے واپسی کے بعد بھی مَیں نے خواجہ ناظم الدین صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر میرے وزارتِ خارجہ سے علیحدہ ہو جانے سے آپ کے لئے سہولت ہو جاتی ہے تو مَیں آپ کی خدمت میں اپنا استعفےٰ پیش کر دیتا ہوں لیکن خواجہ صاحب نے اسے پسند نہ فرمایا بلکہ کہا کہ تمہارا استعفےٰ دینے سے مشکل حل نہیں ہو گی بلکہ اور بڑھے گی۔ جو صورتِ حال پیدا کر دی گئی وہ ہر چند مجھ پر گراں تھی لیکن "اقامة فی ما اقام الله" (جہاں اللہ تعالیٰ کھڑا

کرے وہاں قائم رہنا) کا مقدس ارشاد اور فرض کی ادائیگی کا احساس ترکِ خدمت کے رستے میں روک تھے۔"[1]

جماعتِ احمدیہ کے خلاف تین مطالبات

تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب کے فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے" احراریوں نے اِس موقعہ سے جس کا وہ مدت سے انتظار کر رہے تھے خوب فائدہ اُٹھایا۔"[2] اِس سلسلہ میں احرار نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ کراچی میں ہی مختلف علماء کو فوراً جمع کر کے خفیہ مشورہ کیا اور ۲ رجون ۱۹۵۲ء کو ایک کانفرنس میں مندرجہ ذیل مطالبات تشکیل دیئے:۔

۱۔ احمدی غیر مسلم اقلیت قرار دئے جائیں۔

۲۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ کے عہدہ سے برطرف کئے جائیں۔

۳۔ احمدیوں کو تمام کلیدی اسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔

پس منظر

جو مطالبات ایک اسلامی مملکت کے اندر آتش زنی، ہلڑ بازی اور قانون شکنی کی کوکھ سے جنم لیں اُن کے صحیح خدوخال کا پہچاننا چنداں مشکل نہیں تاہم مذکورہ مطالبات کے حقیقی پس منظر کو سمجھنے کے لئے پاکستان کے ایک سوشلسٹ ادیب عبداللہ ملک صاحب کا مندرجہ ذیل تجزیہ بہت ممد و معاون ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

" قادیانیوں کے خلاف مجلس احرار کی تحریک کو ایک مذہبی تحریک کے طور پر سمجھنے کی کوشش ہمیشہ کی جاتی رہی ہے لیکن تمام تقدس کے باوجود یہ مذہبی تحریکیں سیاسی اور اقتصادی تقاضوں، خواہشات اور ضرورتوں کے لئے اُوپر کا خول ہوتی ہیں کبھی یہ تحریکیں عوامی خواہشات کا مظہر بن جاتی ہیں تو کبھی یہ بدترین قسم کے رجعت پسند طبقوں کے ہاتھ کا ہتھیار بن جاتی ہیں چنانچہ خود احرار کے قائد بھی اِس

---

[1] "تحدیثِ نعمت" صفحہ ۵۸۳ و صفحہ ۵۸۴۔ مؤلفہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ اشاعت اوّل دسمبر ۱۹۷۱ء مطبع جسارت پرنٹرز، ۲۴ سرکلر روڈ لاہور۔ ناشر ڈھاکہ بے نیولنٹ ایسوسی ایشن۔ ڈھاکہ

[2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء اُردو صفحہ ۵، مطبوعہ انصاف پریس لاہور۔

تحریک کے سیاسی تقاضوں کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔" [1]

عبداللہ ملک صاحب کے اِس نظریہ کی مکمل تائید خود زعمائے احرار کے مستقل عقیدہ و مسلک سے بھی ہوتی ہے چنانچہ "مفکرِ احرار" چوہدری افضل حق صاحب "فتنۂ قادیان" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں :۔

"لوگ بجا طور پر پوچھتے ہیں کہ احرار کو کیا ہو گیا کہ مذہب کی دَل دَل میں پھنس گئے یہاں پھنس کر کون نکلا ہے جو یہ نکلیں گے ؟ مگر یہ کون لوگ ہیں وہی جن کا دِل غریبوں کی مصیبتوں سے خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ مذہبِ اسلام سے بھی بیزار ہیں اِس لئے کہ اس کی ساری تاریخ شہنشاہیّت اور جاگیرداری کی دردناک کہانی ہے۔ کسی کو کیا پڑی کہ وہ شہنشاہیّت کے خس و خاشاک کے ڈھیر کی چھان بین کر کے اسلام کی سُوئی کو ڈھونڈے تا کہ انسانیّت کی چاک دامانی کا رفو کر سکے۔ اس کے پاس کارل مارکس کے سائنٹفک سوشلزم کا ہتھیار موجود ہے وہ اس کے ذریعہ سے امراء اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اسے اسلام کی اتنی لمبی تاریخ میں سے چند سال کے اوراق کو ڈھونڈ کر اپنی زندگی کے پروگرام بنانے کی فرصت کہاں ؟" [2]

احراری لیڈروں نے اِسی بناء پر متحدہ ہندوستان میں اعلان کیا تھا :۔

"اسلام کے باغی پاکستان سے ہم اس ہندو ہندوستان کو پسند کریں گے جہاں نماز روزہ کی اجازت کے ساتھ اسلام کے باقی عدل و انصاف کے پروگرام کے مطابق نظامِ حکومت ہو گا یعنی ہر شخص کو صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم، صدّیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کی زندگی کی پیروی میں محض ضروریاتِ زندگی مہیّا کی جائیں گی اور کسی کو کسی دوسرے پر سیاسی یا اقتصادی فوقیت نہ ہو گی۔"

"امراء اور سلاطین کی لُوٹ کھسوٹ سے لوگوں کو بچانا پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مشن

[1] پنجاب کی سیاسی تحریکیں صفحہ ۲۰۹ از عبداللہ ملک صاحب۔ ناشر نگارشات پبلشر طبع اوّل یکم جنوری ۱۹۷۱ء مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور۔ [2] "تاریخِ احرار" صفحہ ۱۲۶ از چوہدری افضل حق صاحب طبع اوّل ۱۹۴۱ء طبع ثانی ۱۹۶۸ء۔ ناشر دفتر مکتبہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کاشانہ معاویہ ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ ملتان۔ دفتر مجلس احرارِ اسلام پاکستان مقابل شاہ محمد غوث بیرون دہلی دروازہ لاہور شہر۔

تھا۔ پس اگر محمد علی جناح اسلام کے اقتصادی اور سیاسی نظام کے خلاف کسی سرمایہ داری کے نظام کو چلاتے تو نفع کیا اور اگر جواہر لعل اور گاندھی خلفائے راشدین کی پیروی میں سوسائٹی میں نابرابری کے سارے نقوش کو مٹاتے چلے جائیں تو بطور مسلمان کے ہمیں نقصان کیا؟" ؎۱

پھر لکھا:۔

"مجلسِ احرار کا ہر دستورِ عمل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا جاتا ہے اِس لئے پاکستان کے مسئلے پر غور کرنے سے قبل ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ اسلام دُنیا میں کسی قسم کی جغرافیائی تقسیم یا وطنوں کا تعیّن کرنے نہیں آیا۔۔۔ ہم وطنی تقسیم کے قائل نہیں ہم تو صرف ایک ہی تقسیم کے قائل ہیں اور وہ ہے دولت کی منصفانہ تقسیم۔" ؎۲

چیف کمشنر کراچی کی پریس کانفرنس

مندرجہ بالا احراری مسلک و عقیدہ کی روشنی میں ہنگامۂ کراچی کا اصولی پس منظر بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کے اندرون و بیرونِ ملک ردِّ عمل کی طرف آتے ہیں اور سب سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ جلسہ کے اگلے روز ۱۹ ارمئی کو کراچی کے چیف کمشنر مسٹر ابوطالب نقوی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"انجمن احمدیہ کراچی کے زیرِ انتظام دو جلسے ہوئے۔ پولیس کی اطلاع کے مطابق اِن جلسوں میں گڑبڑ کا اندیشہ تھا اِس لئے جہانگیر پارک میں پولیس کی جمعیّت تعینات کر دی گئی تھی۔ ۱۷ ارمئی کو

؎۱ ایضاً صفحہ ۶۰ ؎۲ ایضاً صفحہ ۶۱-۶۲

خود "امیرِ شریعتِ احرار" جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے قیامِ پاکستان کے بعد کہا:۔

"سیاستدانوں نے جغرافیائی نقشہ اُٹھا کر اس پر ضرب و تقسیم کی ہے لیکن اس کی بدولت بڑی مدت کے لئے انسان مرگیا ہے۔"

"برِّ عظیم میں تبلیغ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے ہم نے سیاسی حقوق کے حصول کی خاطر دینی فرائض سے بغاوت کر دی ہے۔"

"پاکستان سیاسی بزدلوں کی آماجگاہ بن کے رہے گا۔"

(کتاب "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" صفحہ ۲۹۵ موٴلفہ شورش کاشمیری مدیر چٹان مطبوعہ چٹان پرنٹنگ پریس ۸۰ میکلوڈ روڈ لاہور)

حسبِ معمول گڑبڑ ہوئی اور جو لوگ گڑبڑ کے ذمہ دار تھے اُنہیں گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا گیا۔اس رات کو جلسہ گاہ میں پتھراؤ بھی ہوا تھا جس سے پولیس کے ۱۲ سپاہی زخمی ہوئے۔ گرفتار شدگان کو جلسہ ختم ہونے کے بعد رہا کر دیا گیا تھا۔ ۱۸ رمئی کو جلسہ گاہ کے باہر ہنگامہ ہوا اور ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کو حکم ہوا اور گیس استعمال کرنا پڑی۔ جب ہجوم کو پولیس نے جہانگیر پارک کے قریب منتشر کیا تھا اُس نے شیزان ریسٹورنٹ کے شیشے وغیرہ توڑ ڈالے اور اندر گھس کر فرنیچر کو آگ لگانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے بعد ہجوم نے شاہ نواز موٹرز کمپنی کی دکان کے شیشے توڑے اور احمدیہ فرنیچر اسٹور کو آگ لگا دی جس سے ایک ہزار روپے کا نقصان ہوا۔ کل رات کے ہنگامہ میں کل ساٹھ آدمی گرفتار ہوئے اور اُن کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ ہجوم کا رویہ بہت زیادہ قابلِ اعتراض تھا اور وہ اپنے اِس رویہ کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے۔ یہ ضروری ہے کہ ہر پاکستانی کو قانونی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی اعتقادات پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ قادیانیوں کے اِن دونوں جلسوں کی کارروائی پولیس کے رپورٹروں نے قلم بند کی ہے اور اگر مقررین نے اپنی تقاریر میں کوئی قابلِ اعتراض بات کہی ہے تو حکومت ان کے خلاف کارروائی کرے گی لیکن کسی شہری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرے۔ مَیں یہ تہیہ کر چکا ہوں کہ اِس قسم کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا...۔ چیف کمشنر نے بتایا کہ ان کے پاس جلسے سے کئی روز قبل اِس قسم کے تار آئے تھے کہ جلسے میں گڑبڑ ہوگی اور ان کا خیال تھا کہ اِس گڑبڑ میں کسی جماعت کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ گرفتار ہونے والوں میں مجلسِ احرار کے چند کارکن ہیں اور اِس امر کی تحقیق ہو رہی ہے کہ اَور کسی جماعت کا اس میں ہاتھ ہے یا نہیں۔ مسٹر نقوی نے کہا "غنڈوں اور کرایہ کے آدمیوں کے ذریعہ ہنگامہ کرایا گیا تھا...۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جن اشخاص یا جماعتوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ لوگوں کو اِس قسم کا ہنگامہ کرنے پر اُکسایا تھا اُن کے خلاف بھی قانونی کارروائی کی جائے گی...۔ چیف کمشنر نے اِس سوال کے جواب میں کہ اگر کراچی میں ہندو کوئی جلسہ کر کے اسلام پر تبصرہ کریں تو حکومت اُنہیں اسکی اجازت دے گی؟" کہا "ضرور بشرطیکہ وہ قانونی حدود سے باہر نہ جائیں"۔ [1]

---

[1] جنگ کراچی ۲۱رمئی ۱۹۵۲ء - شیخ حسام الدین صاحب صدر مجلس احرار نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کراچی بار ایسوسی ایشن کا متفقہ بیان

کراچی بار ایسوسی ایشن کے ۴۷ وکلاء نے چیف کمشنر صاحب کراچی کی پالیسی کی تائید میں متفقہ طور پر حسب ذیل بیان جاری کیا :-

" ۱- ہم مندرجہ ذیل دستخط کنندگان ممبران انجمن وکلاء کراچی نے بعض متعصب افراد کے نہایت ہی افسوسناک اور ناخوشگوار رویہ اور اس سے پیدا شدہ غنڈہ گردی کے متعلق چیف کمشنر صاحب صوبہ کراچی و دیگر اداروں کے متعدد بیانات پر انتہائی غور و خوض کیا ہے ۔

۲ - پاکستان جو انجام کار ایک خالص اسلامی مملکت یا سیکولر سٹیٹ بنے، اس کا قیام اس بات کی ضمانت اور مسلم لیگ کی یقین دہانی پر ہوا تھا کہ پاکستان مختلف اقلیتوں اور فرقہ جات کے تمام جائز حقوق کی حفاظت کرے گا لہذا اب حکومت کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ ان تمام مواعید اور یقین دہانیوں پر کاربند رہے۔ کوئی مملکت اپنی ہستی کے قیام کا ثبوت جھوٹے بیانات اور بہانہ تراشیوں سے نہیں دے سکتی۔

۳ - ہر قسم کی جمہوریت جس کا دستور تحریری ہو یا غیر تحریری، ہر شہری کو بلا لحاظ عقیدہ، رنگ، مذہب اور ملت تقریر و تحریر جدّ و جہد اور مذہبی رسومات کی بجا آوری کی آزادی کی ضمانت دیتی ہے اب ان وعدوں کا احترام نہ کرنا جو اس وقت کئے گئے جب پاکستان جملہ مسلم فرقوں کی متحدہ جدّوجہد سے حاصل کیا جا رہا تھا ایک اخلاقی اور مذہبی جرم ہے ۔

۴ - ہر اچھی حکومت کا سب سے مقدم کام یہ ہے کہ وہ اپنے آہنی اور مضبوط ذرائع سے لاقانونیت، غنڈہ گردی اور تباہ کن سرگرمیوں کا قلع قمع کرے، چاہے وہ کسی شکل میں یا کسی طبقہ سے نمودار ہوں ایسے اقدامات مملکت کے مختلف شہریوں کے دل میں اعلیٰ نظام مملکت کی بابت اعتماد اور وثوق کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہیں ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- اس بیان پر کہا " کراچی کا ایک کمشنر صرف کمشنر ہے مفتی نہیں اسے فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں ہے تم اسے سازش کہہ کر یاد فرما رہے ہو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم پاکستان کے کسی گوشے میں مرزائیوں کا کوئی جلسہ نہ ہونے دیں گے !"

("آزاد" لاہور ۲۳ رمئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ کالم ۳)

۵۔ ایک اعلیٰ حکومت کے بقاء کا انحصار صرف اس کے دلکش فلسفہ اور نظریات پر نہیں ہوتا جو اوراق پر مکتوب ہوں یا لاسلکی سے نشر کئے جائیں بلکہ اس کا انحصار ہر فرد جاہے وہ اقلیتی فرقہ سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو کے اس درجہ ایقان پر ہے جو اسے ملکی قوانین کی رُو سے اپنے اظہارِ خیالات اور عملی جدوجہد کی ادائیگی کے لئے دئے گئے قانونی حقوق کے متعلق حاصل ہے۔

۶۔ ہمیں علاقی دارالحکومت میں جو پاکستانی قوم اور اس کے احساس کا مظہر ہے کسی غنڈہ گردی کو برداشت نہیں کرنا چاہیئے۔

۷۔ اگر مختلف فرقوں کے درمیان جذباتِ منافرت کو پھیلانے کی اجازت دی گئی تو یہ مملکت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔

۸۔ یہ ہمیشہ ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے کہ وقت کی نزاکت اس امر کی متقاضی ہے کہ پاکستان کے شہریوں میں ایسی حالت میں جبکہ ہم دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں اتحاد کے جذبات کی ہمّت افزائی کی جائے اور اندرونِ مملکت ایک مضبوط چٹان کی مانند یکجہتی پیدا کی جائے۔

۹۔ ہر گروہ سے جو کسی حیلہ سے پھوٹ پیدا کرے مذہبی اختلافات کی آگ کو ہوا دے کر انارکی پھیلائے مملکت کے انتہائی خطرناک دشمن کا سا سلوک کیا جائے۔

۱۰۔ ہم عوام سے مستدعی ہیں کہ وہ ہر گمراہ کُن تحریک سے اجتناب کریں جو ملک کے اتحاد کو کمزور اور اس کی پُرسکون فضا کو زہر آلود کرے۔

۱۱۔ ہم چیف کمشنر صاحب صوبہ کراچی کے امن اور قانون کی برقراری کے سلسلہ میں اختیار کئے گئے طرزِ عمل اور بیان کی پُرزور حمایت کرتے ہیں جو انہوں نے اِس مقصد پر قیامِ امن کے بارے میں دیا ہے۔

دستخط ایڈووکیٹ و وکلاء صاحبان

(۱) سید بشیر احمد رضوی (۲) ثروت حسین (۳) فاروقی صاحب (۴) محمد معجز علی (۵) ایم اے حسینی (۶) زیڈ ایچ نقوی (۷) ایس علی حسین (۸) عبدالحکیم خان (۹) ایم خان (۱۰) انعام الحق (۱۱) شیخ عبدالغنی (۱۲) اے ایچ قریشی سیکرٹری (۱۳) ایس۔ ایم۔ ایس حسینی (۱۴) ایس حسن علی رضوی (۱۵) آسانند جوشی (۱۶) ایس جعفر حسین (۱۷) ایم۔ آر۔ عباسی (۱۸) پی۔ ایف کھلنانی۔

(۱۹) ایس۔ ایم احمد (۲۰) مسٹر رضا (۲۱) سید ممتاز الدین (۲۲) قاضی خورشید علی (۲۳) شبیر حسین (۲۴) نصیر حسین (۲۵) آغا علی حیدر (۲۶) محمد علی خاں (۲۷) کبیر الدین خاں (۲۸) محمد جلال الدین (۲۹) فیض الجلیل (۳۰) مسٹر کرمانی (۳۱) پی اے بین والا (۳۲) محمد حسن صدیقی صدر (۳۳) ایس ایم نور الحسن (۳۴) افتخار الدین (۳۵) عبد المجید (۳۶) حافظ محمد صدیقی (۳۷) ایم نجم الدین قریشی۔ (۳۸) حیدر حسین (۳۹) محمد داؤد (۴۰) سید اے رفیق سابق صدر (۴۱) حیات احمد خاں۔ (۴۲) ایم فصیح الدین (۴۳) ایم ایس قریشی (۴۴) عبد المجید خاں (۴۵) عبد الرؤف (۴۶) سید معزّز حسین (۴۷) کے اے قدوائی۔

حادثہ کراچی اور پاکستان کا محبِ وطن پریس

حادثۂ کراچی اور کنونیشن کا ردِّ عمل مغربی پاکستان کے محبِ وطن اور متین و سنجیدہ پریس پر بھی نہایت شدید ہوا اور نہ صرف کراچی بلکہ دوسرے صوبوں کے اخبارات نے بھی اس کی پُر زور مذمت کی بلکہ کراچی کے بعض اخبارات نے تو خدشہ ظاہر کیا کہ اس ہنگامہ آرائی کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ کام کر رہا ہے اور کسی بیرونی سازش کا نتیجہ ہے۔

مشہور مسلم لیگی راہ نما سردار شوکت حیات کا کہنا ہے "تحریک ختم نبوت بھی ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ یہ تحریک مرکزی حکومت کے سی ایس پی افسروں نے چلائی۔" الخ [1]

ذیل میں بطور نمونہ بعض اخبارات و رسائل کے تبصرے درج کئے جاتے ہیں۔

کراچی

۱۔ کراچی کے ہفتہ وار اخبار "ایوننگ سٹار" نے ۲۴ مئی ۱۹۵۲ء کو صفحہ اوّل پہ ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا

"WHO DIRECTED KARACHI RIOTS?"

(کراچی کے بلوہ میں کس کا ہاتھ تھا؟) اس مضمون کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:۔

احمدیہ کانفرنس کے دوران جو اکّا دُکّا فسادات ہوئے اور جن کے نتیجہ میں کئی گرفتاریاں ہوئیں۔ کئی لوگ زخمی ہوئے اور ایسے ناخوشگوار حالات پیدا ہوئے جن سے کراچی کا پُرسکون ماحول کبھی آلودہ نہ ہوا تھا مبصرین سمجھتے ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی بیرونی ہاتھ کام کر رہا ہے۔

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۵ جون ۱۹۷۰ء ص

اِن بدنما مظاہروں کے لئے جو وقت منتخب کیا گیا وہ بہت اہمیّت رکھتا ہے۔ اور یہ وہ وقت تھا جبکہ امریکی شہ پر منعقدہ MPO تماشا بُری طرح ناکام ہوچکا تھا۔

جس طریق پر MPO کو نظر انداز کیا گیا اور اس کی تذلیل کی گئی۔ نہ صرف عوام اور پریس کی طرف سے بلکہ حکومت کی طرف سے بھی امریکنوں کو یہ بہت تلخ محسوس ہوُا ہے۔ غالب خیال یہی کیا جاتا ہے کہ وزیرِ خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وجہ سے ہوُا ہے۔

زخم خوردہ امریکنوں کے لئے اِس سے بہتر اَور کوئی موقع نہ مل سکا کہ وہ عوام کو وزیرِ خارجہ کے خلاف بھڑکا سکیں۔

احمدیہ کانفرنس کُلیتہً MPO کے کھنڈرات پر منعقد ہو رہی ہے۔ MPO کا پنڈال ابھی تک گرایا جا رہا ہے اور اِسی جہانگیر پارک میں ہی چوہدری ظفر اللہ خان کو اپنی زندگی کا بدترین مظاہرہ دیکھنا پڑا۔

اِس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ امریکن سفارت خانہ اور ان کے قونصل خانے اِس ملک میں ہمیشہ وہی کردار ادا کرتے رہے ہیں جو بین الاقوامی سیاست کے حلقوں میں ادا کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے امریکنوں کو سرکاری یا نیم سرکاری پریس کی ناخوشگوار تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

جہانگیر پارک میں کراچی کو جو نظّارہ دیکھنا پڑا وہ سخت وحشت ناک تھا شہر میں اِس قدر بے لگامی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ آنسو گیس یا لاٹھی چارج اِس شہر میں عملی طور پر کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

جو بات اِسے اَور بھی بدتر بنا رہی ہے وہ یہ کہ یہ ایک مذہبی کانفرنس کا موقعہ تھا۔ باوجود اِس امر کے کہ اس کے پیچھے ایک غیر ملکی ہاتھ تھا ایک بدنما داغ یہ ہے کہ ایک مخالف گروہ ایک کانفرنس درہم برہم کر رہا ہے اور پولیس ہنگامہ کو فرو کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو ایک ملک کے دارالسّلطنت کی توہین ہے[1]

اِسی اخبار نے ۱۹؍ جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں حسبِ ذیل اداریہ بھی لکھا:۔

ہم نہایت سختی سے ان تمام لوگوں کی مذمّت کرتے ہیں جو جہانگیر پارک میں غنڈہ گردی کے

---

[1] مضمون کا متن کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ درج کیا جا رہا ہے۔

مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسلام کو خاص نقصان پہنچایا ہے اور پاکستان اور پاکستانیوں کی یکجہتی کو برباد کرنا چاہا ہے۔

فرقہ دارانہ مذہبی اختلافات و فسادات اور بغیر مقصد مسلمان کے ہاتھوں مسلمانوں کی جان و مال کی تباہی نے ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کو ایک مہیب نقصان پہنچایا ہے اور ایسا رویہ یقیناً ہماری عزیز آزادی کو خطرہ میں ڈال دے گا۔ اسلام نے کبھی بھی اجازت نہیں دی کہ کسی دوسرے پر اپنے خیالات جبر کے ساتھ ٹھونسے جائیں اور متضاد نظریوں کو دلائل اور بات چیت سے حل نہ کیا جائے۔ بدقسمتی سے لوگوں کے ایک طبقے نے تبلیغ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا اور اسے ایک ثانوی حیثیت دے کر زیادہ زور عوام کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر سیاسی مقاصد حاصل کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے۔ سیاسی مصروفات اس طبقہ کو تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرنے دیتیں۔ یہ طبقہ دلائل کا جواب تشدد سے دینا چاہتا ہے یہ قابلِ مذمت ہے اور بدامنی اور قانون شکنی کو ہرگز برداشت نہیں کیا جانا چاہیئے۔

اَب وقت آگیا ہے کہ ایسے آدمیوں میں جو خدا تعالیٰ کا پیغام مذہبی جماعتوں کے پلیٹ فارموں سے عوام کو سمجھاتے ہیں اور ان سیاسی گرگوں میں جو مذہبی پلیٹ فارموں کو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں امتیاز کیا جائے۔ آخر الذکر لوگ عوام کے مذہبی جذبات کو خطرناک حد تک بھڑکا کر ایسے کام ان سے کراتے ہیں جن سے اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کی عزّت پر بٹّہ لگتا ہے ایسے لوگوں کو مسلمانوں کو ہرگز کوئی پناہ نہیں دینی چاہیئے[1]

۲۔ ہفت روزہ "مسلم آواز" کراچی (۱۹ر مئی ۱۹۵۲ء) نے لکھا۔

" کل ایک ہفتہ وار میری نظروں سے گذرا جس میں فرقہ قادیانی کی مخالفت میں شرافت سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے تھے مضمون نگار کے مضمون کو دیکھ کر ہر شخص یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ مضمون نگار کو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ ارکانِ اسلام کیا کیا ہیں ایسی حالت میں کسی فرقہ کے خلاف قلم اٹھانا ہی نہایت واہیات طریقہ ہے۔ ہم مضمون نگار سے صاف صاف کہہ دینا بہتر سمجھتے ہیں کہ پاکستان تمام فرقوں کا ملک ہے۔ دوسروں پر انگشت نمائی کرنے سے بہتر ہے کہ وہ

---

[1] (ترجمہ) ایوننگ سٹار کراچی ۱۹ر جون ۱۹۵۲ء ۔

گریبانِ خود دیکھے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارے اور تمہارے مقابلہ میں اِس فرقہ کا ہر فرد اپنے طریقۂ مذہب کا سختی سے پابندیٔ احکامِ خداوندی کو بجا لانے والا ہے۔ ہم لوگ نہ تو نماز روزہ کے پابند ہیں اور نہ کسی نیک کام کے عادی، صرف زبانی جمع خرچ کے علاوہ باقی اللہ کا نام۔

اِس گمراہ کُن پراپیگنڈہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ۱۷ مئی کی رات کو جہانگیر پارک کے جلسہ میں ہنگامہ ہُوا۔ اوّل تو ہمارے انڈے پر اٹھے والے مولوی دوسرے ہم تعلیم یافتہ اخبار نویس حضرات بِلاوجہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں نتائج سے بے خبر رہتے ہوئے ایسا خطرناک پراپیگنڈہ کرتے ہیں جو کسی وقت بھی بجائے فائدہ کے ملک وملّت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ پاکستان میں ہر شخص اور ہر فرقہ کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور رہے گی۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر اسلام کے تمام فرقے قائدِاعظم کے اصول عمل، اتحاد اور تنظیم پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کو ترقی کی راہ پر لے جانے کی کوشش کریں۔"

۳۔ اخبار "ڈان" انگریزی نے مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

گذشتہ دنوں کراچی میں مسلسل دو روز تک تشدّد کا جو شرمناک مظاہرہ ہوتا رہا ہے اسے محض اتّفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس سے تعصّب اور قانون شکنی کے اس خطرناک رُجحان کی نشان دہی ہوتی ہے جو ملک میں دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ پاکستان کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں مسلّمہ خوبیوں کے انحطاط پذیر ہونے اور رواداری کی بجائے قریب قریب لاقانونیت کی سی کیفیت پیدا ہونے کی ذمّہ داری ہمارے بہت سے مذہبی اور سیاسی لیڈروں پر عائد ہوتی ہے لیکن ان سے کہیں زیادہ اِس صورتِ حال کی خود حکومت ذمّہ دار ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی اصول اور اسلامی اتحاد کی ضرورت اور اس کی اہمیت بیان کرنے میں لوگوں کی زبان نہیں تھکتی۔ لیکن عجب ستم ظریفی ہے کہ اِس بارے میں کوئی جتنا زیادہ چرب زبان واقع ہُوا ہے اتنا ہی وہ رواداری کے اصولوں کو خاک میں ملانے اور لوگوں کو خود تشدّد پر اُکسانے میں پیش پیش نظر آتا ہے۔ حالانکہ مذہبی آزادی اور رواداری کے جذبات ہی اسلام کی اصل رُوح ہے۔

رواداری کے اصول کو خاک میں ملانے والے یہ چرب زبان لوگ اسلام اسلام پکارنے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان تشتّت وافتراق کی خلیج دن بدن وسیع کر رہے ہیں اور پھر اس پر

استہزاء یہ کہ ہماری حکومت جو اپنی ذات میں کُلّی اختیارات مجتمع کرنا چاہتی ہے ایسے شرپسند عناصر کے بروقت انسداد کے لئے معمولی اختیارات کے استعمال سے بھی گریزاں ہے۔

گذشتہ اتوار کو بے شک حکومت نے سخت قدم اُٹھایا اور صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کراچی میں پولیس کی کافی جمعیت موجود تھی لیکن اگر ہماری حکومت زیادہ مستعد ہوتی، یا سخت اقدام کے لئے بروقت جرأت مندی سے کام لیتی تو یقیناً وہ فتنہ جسے روکنے کے لئے بالآخر یہ سب کچھ انتظامات کرنے پڑے بہت پہلے ہی دبا دیا جاتا۔ یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ حکام اِس فتنہ سے جو اندر ہی اندر پرورش پا رہا تھا بے خبر تھے یا ان کے لئے چند لوگوں کی نشان دہی ممکن نہ تھی جو اعلانیہ یا درپردہ فتنہ پردازی کی مہم کو ہوا دینے میں مصروف تھے۔ ہمیں اس بحث سے کوئی واسطہ نہیں کہ مذہبی اعتبار سے کس فرقہ کا موقف زیادہ صحیح ہے اور کس کا کم، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک مہذب سوسائٹی میں کسی مذہب یا سیاسی جماعت کے اس حق کا احترام لازمی ہے کہ وہ اپنے مقاصد کی تبلیغ کر سکے البتہ یہ ضروری ہوگا کہ ایسا کرنے میں مروجہ قانون اور عام ضابطہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔

جہاں تک اِس قضیہ کا تعلق ہے، احمدیوں کو پبلک جلسے کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ان کے مخالفین کو ہے۔ اگر یہ حق استعمال کرنے میں ان دونوں میں سے کوئی ایک قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس بارے میں اصلاحی قدم اُٹھانا حکومت کا کام ہے نہ عوام النّاس کا۔ اسی طرح اگر دوسرے فرقوں کے لوگ بھی اسی طرح ایسے ہی جرم کا ارتکاب کریں تو بھی اصلاحِ حال کی یہی صُورت ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ کوئی فرقہ یا گروہ حقیقی یا محض خیالی وجہِ اشتعال کو آڑ بنا کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس طرح معاشرے کا وجود ہی معرضِ خطر میں پڑ جائے گا۔ لیکن کیا کیا جائے کافی مکروہ حد تک پاکستان کے مختلف حصّوں میں ایسا ہی کچھ وقوع میں آ رہا ہے۔ اِس ہفتہ کے واقعات سے قطع نظر پہلے ہی ہم تعصّب و عدمِ رواداری کے اس جذبہ کا بعض نمایاں اور واضح صورتوں میں مشاہدہ کرتے رہے ہیں۔ بعض لوگوں کو کُھلم کُھلا قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ ان کا زیادہ سے زیادہ قصور یہ تھا کہ انہوں نے مذہبی امور سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اظہارِ خیال کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ اسی طرح تقریر و تحریر کے ذریعہ علی الاعلان تشدّد کا پرچار کیا گیا لیکن حکومت کمالِ بے تعلّقی سے اِس صُورتِ حال کا نظّارہ کرتی رہی

مذہب کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی بعض عناصر کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ وہ تشدد سے کام لیکر قانون کے پرخچے اُڑا سکتے ہیں اور حتیٰ کہ حیطۂ اقتدار کو بھی تہ وبالا کر سکتے ہیں۔ کیا یہی وہ طریق ہے جس پر چل کر ہم اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں؟

اس تمام صورتِ حال کا علاج کیا ہے؟ اس کا علاج خود معاشرے میں موجود ہے۔ ضروری ہے کہ ہر فرقہ کے افراد اس بڑھتے ہوئے خطرے کو جوان کی پُرامن زندگی کو دن بدن لاحق ہوتا جا رہا ہے پوری شدت سے محسوس کریں اور ان عناصر کی قطعاً ہمت افزائی نہ کریں جو مذہب کے نام پر ناجائز انتفاع کی خاطر انہیں آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ ہمارا پریس اور بالخصوص اُردو اور دوسری قومی زبانوں کے اخبارات اس گند کو روکنے میں بڑی خدمت سرانجام دے سکتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں اس کے سوا بھی چارہ نہیں کہ حکومت فتنہ پردازوں کے خلاف سخت اور موثر اقدامات کرے اور آئندہ اس امر کا انتظار ترک کر دے کہ حالات نازک صورت اختیار کریں تو وہ حفاظتی سامان اشک آور گیس اور حکومتی رُعب و داب کے نشانوں سے مسلح پولیس کی مدد سے حالات پر قابو پائے۔ یہ زرّیں دستور العمل کہ "قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں" کتبوں اور طغروں کی شکل میں لکھوا کر وزراء اور دیگر حکام کے کمروں میں آویزاں کر دینا چاہئیے۔ بعض لوگوں میں یہ تاثر عام ہے کہ اُونچے منصب داروں اور بعض مذہب کے نام کو اُچھال کر ناجائز فائدہ اُٹھانے والوں کے درمیان ملی بھگت چل رہی ہے وہ تمام لوگ جو اپنے اپنے مخصوص حلقہ میں نمایاں شخصیت رکھتے ہیں یقیناً اس بات کے حقدار ہیں کہ معاشرے میں ان کی عزّت و توقیر کو محفوظ رکھا جائے اور بالخصوص جہاں تک حقیقی علماء کا تعلّق ہے کوئی ان کے احترام سے رُوگردانی نہیں کر سکتا۔

اگر ان میں سے کوئی عالم اور بالخصوص پیشہ ور قسم کے وہ مُلّاں جو روشن دماغی اور بیدار مغزی سے یکسر محروم ہیں اور جن کا کاروبار ہی لوگوں کے جذبات سے کھیلنا ہے اگر انہیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ از خود اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت اختیار کر لیں اور کوئی ان کے بھکائے ہوئے یا کرایہ پر ملازم رکھے ہوئے کتبوں کے ہاتھوں تشدّد کا نشانہ بنے بغیر ان کے خلاف لب کشائی نہ کر سکے تو پھر پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ بین الاقوامی لحاظ سے ہمارے وقار کو پہلے ہی کافی صدمہ پہنچا ہے اس ہفتہ کے واقعات اس میں اَور اضافہ کا سبب ہوں گے۔ کیا ہم اُمید رکھیں کہ خواجہ ناظم الدین صاحب

نے جہاں اور بہت سے معاملات کو سلجھا کر اپنے فہم و تدبر کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اب بھی مملکت کی کشتی کو تعصب و تنفر کے متلاطم سمندر سے نکال کر امن و عافیت کی بندرگاہ پر جلد واپس لے آئیں گے ؟

"ڈان" نے ایک اور اشاعت میں لکھا :۔

گزشتہ ہفتہ کے شرمناک واقعات میں جو فتنہ پنہاں تھا وہ اب کسی نہ کسی شکل میں برابر سر اٹھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بعض عناصر اپنی خطرناک سرگرمیوں سے ابھی دستکش نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی پبلک کو روزانہ مشورہ دینے والے بعض مشیروں (یعنی اخبارات نے معاملہ فہمی اور سمجھ بوجھ کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ عوامی زندگی کے چشمے برابر زہر آلود کئے جارہے ہیں ان حرکات سے بیرونی ممالک میں بھی ہمارے قومی وقار کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے کراچی کے چیف کمشنر نے فتنہ پردازوں کو زبردست تنبیہہ کی ہے اور ساتھ ہی حکومت کے اس عزم کا اعلان کیا ہے کہ ان شورش پسندوں کو فتنہ انگیزی کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی فی الحقیقت ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ گزشتہ اتوار کی شب کو جو سخت اقدامات کئے گئے ان کے متعلق سستی شہرت کے دلدادہ تقریر و تحریر کے ذریعہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں اس میں شک نہیں ان اقدامات نے ایک حد تک یہ اعتماد بحال کر دیا ہے کہ حکومت میں حکمرانی کی صلاحیت موجود ہے لیکن جیسا کہ ہم نے گزشتہ مضمون میں بھی اشارہ کیا تھا یہی نہیں کہ حکومت کو بہت دیر میں ہوش آیا بلکہ خدشہ یہ ہے کہ اس کی یہ بیداری شررنا پائیدار کی طرح دیر پا ثابت نہ ہو۔

چیف کمشنر نے اپنے بیان میں اس امر کا اعتراف کیا کہ حالیہ فساد کرانے کے غنڈوں کے ذریعہ برپا ہوا تھا اگر یہ صحیح ہے تو پھر ضرور ایسے لوگ ہونے چاہئیں جنہوں نے کرایہ پر ان غنڈوں کی خدمات حاصل کیں۔ ہم پوچھتے ہیں ان لوگوں کی نشان دہی کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟ اور اگر ان کی نشان دہی ہو چکی ہے تو پھر ان کے خلاف کیا کارروائی عمل میں آئی ہے؟ یہ خیال کرنا عبث ہے کہ ہر قسم کے ہنگامی اور غیر ہنگامی قوانین وضع کر لینے کے بعد حکومت میں اچانک ایک ایسا فطری تغیر رونما ہوا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے استعمال سے خود ہی کترانے لگی ہے حقیقت الامر یہ ہے کہ حکومت نے اب تک اس بارے میں کوئی معین پالیسی ہی وضع نہیں کی اور نہ ہی اس میں اتنی ہمت ہے ہمیں اس کا امکان بھی نظر آرہا ہے کہ کہیں حکومت ایک مرتبہ پھر بے تعلقی اور لاپرواہی

کی اسی رَو میں نہ بہہ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو حکومت پھر ملک کو لاقانونیت اور تاراج سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی اور عوام النّاس کے جذبات سے کھیلنے والوں کے حوصلے جو پہلے ہی کافی بڑھے ہوئے ہیں اَور زیادہ بلند ہوجائیں گے۔ ہمارے نزدیک ایسے خطرناک رُجحانات کا سدِّباب سخت قسم کی مثبت پالیسی سے ہی کیا جا سکتا ہے گا ہے گا ہے اشک آور گیس استعمال کرنے سے نہیں۔ اگر سرِدست خاص قسم کے مُجرموں کو عدالت کے کٹہرے میں لےجانا اور معمول کے مطابق ان کے خلاف چارہ جوئی کرنا ممکن نہیں ہے تو متعلقہ تعزیری قوانین میں یقیناً ترمیم ہونی چاہیئے تعزیرات کا موجودہ مجموعہ برطانوی راج کی یادگار ہے اور ان ہی سے ہم کو ورثہ میں ملا ہے۔ اس میں سے بعض خطرناک جرائم کی سزا کا جنہوں نے بعد میں معیّن صورت اختیار کی ہے کوئی ذکر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس سے کسی کو اتفاق نہ ہوگا کہ ایسی تشدّد آمیز دھمکیاں جن کا مقصد دوسروں پر خاص قسم کے مذہبی یا سیاسی نظریات ٹھونسنا ہو یا دوسرے طبقۂ خیال کے لوگوں کو تحریر و تقریر اور تمدّنی میل جول کی آزادی سے محروم کرنا ہو جرائم کی فہرست میں شمار ہونی چاہئیں اور وہ لوگ جو اعلانیہ طور پر جُرم کا ارتکاب کئے بغیر بالواسطہ یا بلاواسطہ ایسی لاقانونیّت کو ہوا دیتے ہیں انہیں بھی ملزم گردانا چاہیئے۔ اگر موجودہ تعزیری قوانین میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ ان کے تحت ایسے لوگوں پر عدالت میں مقدمہ چلایا جاسکے تو جرائم کی از سرِ نو وضاحت ہونی چاہیئے یا نئے جرائم کی تعیین عمل میں آنی چاہئے تاکہ عدالتیں ایسے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا سکیں۔ اس کام کے لئے ضروری نہیں کہ میکالے کو قبر سے نکال کر اسے پھر زندہ کیا جائے۔ خود اپنے ملک میں ایسے ماہر قانون دان موجود ہیں جو یہ کام بآسانی کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ حکومت اس کام کو سرانجام دینے کا عزم کرلے۔ رہا جمہوری دَور سو اس کے لئے بھی حکومت اتنی بے بس نہیں ہے جتنا کہ اس کے بعض ترجمان اسے ظاہر کرتے ہیں۔

بعض مخصوص قسم کے مذہبی دیوانوں کے ہاتھوں پاکستان کو حال ہی میں مُہلک قسم کا جو نقصان پہنچا ہے ان میں سے ایک ملک کے نامور وزیرِ خارجہ کے خلاف گند اچھالنے کی مہم ہے۔ حالانکہ جہاں تک بیرونی دُنیا میں پاکستان کی شہرت اور وقار کو چار چاند لگانے کا سوال ہے موجودہ قائدین میں سے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کو بدنام کرنے کی مہم اگر عاقبت نااندیش مذہبی دیوانگی کی

پیداوار ہے تو یہ جذبہ قومی استحکام کے لئے اتنا ہی مُضر ہے جتنا کہ یہ خود اسلام کی اصل رُوح کے منافی ہے۔ ہمارے موجودہ مقاصد کے پیشِ نظر یہ قطعی غیر ضروری ہے کہ مذہبی مناقشات کا دروازہ کھولا جائے لیکن ہم پُورے انشراح کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے والے سیاسی اغراض کے تحت ایسا کر رہے ہیں اور مذہب کو محض روغنِ قاز کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے اصل مقاصد پر پردہ پڑا رہے۔ کوئی ہوشمند پاکستانی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کا کسی فرقہ سے تعلق ملک کی خارجہ پالیسی پر کوئی خفیف سے خفیف اثر بھی ڈال سکتا ہے۔ ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کی خارجہ پالیسی یا اس کی خامیوں پر نکتہ چینی کرے اور اگرچہ خارجہ پالیسی اور اس کی جزئیات کی تمام تر ذمہ داری مجموعی طور پر کابینہ پر عائد ہوتی ہے پھر بھی وزیرِ خارجہ کی حیثیت میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو زیرِ تنقید لایا جا سکتا ہے لیکن ان کو بدنام کرنے والوں کا طرزِ عمل یہ نہیں ہے۔ وہ حملہ کرنے میں حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ چوہدری صاحب کے اپنے خیالات خواہ کچھ ہی ہوں لیکن ہمیں امید ہے کہ یہ امر ان کے لئے موجبِ اطمینان ہو گا کہ ان کو بدنام کرنے والے اہلِ دانش کی نظر میں خود اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں مُنہ لگایا جائے۔ قوم ان لوگوں کے حق میں جو پُورے خلوص اور انہماک کے ساتھ اس کی خدمت کر رہے ہیں اتنی ناشکر گزار نہیں ہو سکتی کہ وہ معدودے چند رجعت پسندوں کی غوغہ آرائی سے گمراہ ہو جائے اور پھر ان گنے چُنے لوگوں کی غوغہ آرائی سے جو جہالت کے محدود و متعفن ماحول میں پھنسے ہوئے ہیں اور کنوئیں کے مینڈک کی طرح ساری کائنات کو اس تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔" [1]

۴۔ اخبار "سندھ آبزرور" (۲۰ رمئی ۱۹۵۲ء) میں حسبِ ذیل نوٹ شائع ہوا :۔

" جماعتِ احمدیہ کے جلسہ سے بہت سے اہم امور ہمارے سامنے آگئے ہیں جن کا فیصلہ عوام کے ذہنوں سے اُلجھن دُور کرنے اور ایسے واقعات کے سدِّ باب کے لئے اسی وقت کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ اس ضرورت سے اَور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ہماری مجلسِ دستور ساز کی مقرر کردہ سب کمیٹی بنیادی اصول کی تدوین کر رہی ہے۔ لہٰذا یہ فیصلے اس رہنمائی کے لئے بہت ممد ثابت ہوں گے۔ سہولت کے لئے ان امور کو دو حصوں میں منقسم کر دینا چاہیئے ایک وہ جو خاص اِس واقعہ سے تعلق رکھتے ہیں

[1] روزنامہ "ڈان" کراچی مورخہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۲ء (ترجمہ)

اور دوسرے جن کا اثر مستقبل پر پڑنے والا ہے۔ جہاں تک موجودہ حادثہ کا تعلّق ہے دو نظریے ہمارے سامنے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ قرار دادِ مقاصد کے مطابق (جس کی تشریح لیاقت علی مرحوم نے ۷۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو کی) ان کو جلسے کرنے اور اپنے خیالات کے اظہار و اشاعت کا پُورا حق حاصل ہے۔ یہ جلسہ حکّام متعلقہ کی اجازت کے ساتھ خاص پنڈال میں منعقد کیا گیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ احمدیوں کے خیالات سے ان کے جذبات مجروح ہوں گے وہ جلسہ میں شرکت کے لئے مجبور نہ تھے چنانچہ ہجوم کا متشددانہ رویّہ قانون کی خلاف ورزی ہے لہذا ان کے خلاف موثّر کارروائی ہونی چاہیئے۔ برعکس اس کے علماء کہتے ہیں کہ قادیانیوں کو اس قسم کے جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے تھی۔ قادیانیوں کے عقائد مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں اور ان کی اشاعت سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ جلسہ میں جو تقریریں کی گئیں وہ اشتعال انگیز تھیں۔ پولیس کا اقدام اس اشتعال انگیزی میں اضافہ کا باعث ثابت ہوا۔ چند قادیانیوں کے لئے سولہ لاکھ مسلمانوں کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔ قادیانی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اس لئے ان کو اقلیت قرار دیا جائے۔ گرفتار شدگان نے چونکہ مشتعل ہو کر ہنگامہ برپا کیا اس لئے ان کو رہا کیا جائے۔ اِن ہر دو قسم کے خیالات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف اور نا قابلِ اتفاق ہیں۔ جہاں احمدی اپنے خیالات کو آزادانہ استعمال کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور تشدّد کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کو ضروری خیال کرتے ہیں وہاں دوسری طرف علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ احمدیوں کو عام جلسے کرنے اور اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ اِس سے اکثریت کے جذبات مجروح ہوتے ہیں لہذا جنہوں نے ان کے جلسہ میں تشدّد کیا ہے ان کو رہا کیا جائے۔ اِن حالات میں حکومت کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے :۔

۱۔ کیا وہ فرقے اور مذاہب جو اکثریت کے خلاف عقائد رکھتے ہیں اِس بات کے مجاز ہیں کہ وہ اپنے عقائد کی آزادانہ تبلیغ کریں خواہ اس سے اکثریت کے دِل مجروح ہی کیوں نہ ہوں؟

۲۔ برعکس اِس کے کیا اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اقلیت کے جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے خیالات، معتقدات کی اشاعت کریں۔

۳۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے عقیدہ کو حکومت قانونی

حیثیت دے گی اور جو نہ مانے گا اُس کے خلاف تعزیری کارروائی کرے گی؟

۴۔ کیا حکومت کا مذہب اسلام ہے اگر ایسا ہے تو وہ کس فرقہ سے اپنے آپ کو وابستہ اور کون سے فقہ پر عمل کرے گی۔ کیا وہ کسی خاص فرقہ اور فقہ کی تائید کرے گی ایسی صورت میں کیا مخالف فقہ رکھنے والوں کو ریاست کے فقہ کی آزادانہ مخالفت کرنے کا حق دیا جائے گا؟

۵۔ کیا حکومت ایسے معاملات میں اکثریت کی اتباع کرے گی یا اپنے خیالات کو خواہ وہ اکثریت کے خیالات کے خلاف ہوں نافذ کرے گی؟

۶۔ مذہب کے معاملہ میں قرارداد مقاصد کے تحت عطا کردہ حقوق کی کونسی حدود مقرر کی جائیں گی؟

۷۔ متنازعہ فیہ امور کے تصفیہ کے لئے کونسا ذریعہ مقرر کیا جائے گا؟

مندرجہ بالا امور کا فیصلہ صاف صاف ہونا چاہیئے اور لوگوں کے حقوق شہریت کی حدود متعین کر دینی چاہیئے۔ تذبذب اور تامل سے اور زیادہ اُلجھنیں پیدا ہوں گی جس سے بسا اوقات خود حکومت کی اپنی پوزیشن نازک ہو جائے گی۔ قرارداد مقاصد اور لیاقت علی خاں صاحب مرحوم کے بیان میں صرف اجمالی طور پر ان اصولوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ وہ خلاء ہے جس سے یہ تمام تر اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں جتنی جلدی اس خلاء کو پورا کر دیا جائے گا اتنا ہی ہماری مملکت کے لئے مفید ہو گا۔ بالآخر ہم پھر یہ تجویز کرتے ہیں کہ جہانگیر پارک میں جلسہ کے دوران میں جو ہنگامہ ہوا اس کی پوری پوری تحقیقات کی جائے اور قانون کے مطابق جو بھی اس کا ذمہ دار ہے خواہ وہ احمدی ہو یا غیر احمدی اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔ ساتھ ہی جن لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان پر عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور اشتعال کے عذر کو عدالت کے فیصلے پر چھوڑا جائے۔

۵۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کراچی کے ۱۹ رمئی ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں "سیہ کاری" کے تحت ایک مقالہ افتتاحیہ شائع ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱۷ رمئی کو) ہفتہ کے روز ایک بے لگام ہجوم نے جہانگیر پارک میں احمدیوں کے جلسہ پر زبردست ہلّہ بول دیا اور مُنہ میں کف لا لا کر چوہدری محمد ظفراللہ خاں کے خلاف نعرے لگائے۔ ان کے اس طرزِ عمل نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ مذہبی تعصب کا مکروہ جذبہ جو ذہنی

اور رُوحانی آزادی کے حق میں زہر کا درجہ رکھتا ہے ظلم روا رکھنے میں کیا کچھ گُل نہیں کِھلا سکتا۔ ظاہر ہے کہ ہجوم نے تشدّد اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ اِس لئے کیا کہ وہ بعض مخصوص رُوحانی اور اخلاقی نظریات کے پبلک اظہار اور خارجہ پالیسی کے مزعومہ نقائص کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے تھے حالانکہ جہاں تک خارجہ پالیسی کا تعلّق ہے ہمیں صفِ اوّل کی چند نامور ہستیوں میں سے ایک ہستی کی راہنمائی اور نگرانی حاصل ہے جس کو بجا طور پر ایشیا بھر میں علم و دانش اور فہم و فراست کا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے۔

اِس سر پھرے ہجوم نے یہ نعرے بلند کئے کہ "قادیانی برطانیہ کے ایجنٹ ہیں" "ظفر اللہ کو وزارتِ خارجہ سے الگ کر دو" اور ساتھ ہی پُرامن جلسہ پر پتھراؤ بھی کیا۔ ان کی یہ نعرہ بازی اور شورہ پُشتی ان کے اس خوفناک رُجحان کو بے نقاب کر رہی تھی کہ وہ لوگوں کو اتنی بھی آزادی دینے کے روادار نہیں ہیں کہ وہ مظاہرین کے مخصوص عقائد و نظریات کے سوا کوئی اَور عقیدہ یا نظریہ اختیار کر سکیں ہمیں احمدیت یا کسی دوسرے فرقے کے مذہبی معتقدات کے متعلق بحث کی ضرورت نہیں۔ البتہ مسلّمہ طور پر ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جلسوں وغیرہ کے ذریعہ اپنے مخصوص مذہبی عقائد و نظریات کی تبلیغ کر سکے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مُلّائیت ہر قسم کی انفرادی اور اجتماعی آزادی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے پر کمربستہ ہو چکی ہے اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے ضروری خیال کیا ہے کہ پُوری طرح مسلّح ہو کر علی الاعلان میدان میں نکل آئے۔ ہمارے مُلک میں مُلّا اِزم کا فریب ان لوگوں پر بآسانی چل جاتا ہے جو احیائے دین کے تو دِل سے حامی ہیں لیکن ان کے ذہنوں میں اسکی ماہیّت اور اہمیّت کا صرف ایک مُبہم سا تصوّر ہے۔ جہاں تک اس کے مالہ و ماعلیہ کا تعلق ہے مذہبی تعصب نے ان کی آنکھوں پر پٹّی باندھی ہوئی ہے اور وہ اس کے صحیح جذبات سے بالکل عاری ہیں۔ ایک جمہوری حکومت شخصی آزادی کی اِس حد تک اجازت نہیں دے سکتی کہ لوگ فساد برپا کر کے فرقہ وارانہ امن کو خاک میں ملا کر رکھ دیں۔ حکومت کے قیام کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ امن کو برقرار رکھے۔ بالخصوص وہ اِس ذمہ داری کو تو کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتی کہ وہ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ہر طبقۂ خیال کے لوگوں میں اعتماد پیدا کرے کہ وہ اپنے خیالات کا پُوری آزادی

اور بے باکی سے اظہار کر سکتے ہیں اور ایسا کرنے میں انہیں تشدد آمیز دھمکیوں اور مظاہروں کے خلاف قانون کی پوری پوری حمایت حاصل ہوگی۔ جمہوری خیالات کی صحت مند نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ قانوناً شخصی آزادی کی حدود تعین کر دی جائیں اور باقاعدہ ان کی وضاحت کر کے ہر قسم کا ابہام دُور کر دیا جائے۔

شخصی آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ انسان اپنے نظریات اور رُجحانات کو دوسروں پر بالجبر ٹھونسنے کی کوشش کرے کسی کو بدگوئی اور تذلیل و تحقیر کی اجازت دینا جمہوری آزادی کے یکسر منافی ہے۔ اِس سے جہاں دوسروں کی آزادی میں رخنہ پڑتا ہے وہاں جماعتی تحفظ اور مفادِ عامہ کو بھی سخت نقصان پہنچتا ہے۔

مظاہرین نے ایک ایسی ہستی کو ہدفِ ملامت بنایا جو ان اسلامی نظریات پر صدقِ دل سے ایمان رکھنے میں کسی دوسرے سے پیچھے نہیں ہے جن کا یہ مظاہرین خود اپنے آپ کو علمبردار سمجھتے ہیں اور پھر اسے شاندار قومی و ملّی خدمات کی وجہ سے بیرونی دُنیا میں بھی عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے ایسی قابلِ قدر شخصیّت کے خلاف بدگوئی سے کام لے کر احسان فراموشی کا انتہائی شرمناک مظاہرہ کیا۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے جو اس وقت اقوامِ عالم میں دُنیائے اِسلام کے عظیم ترین سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں پاکستان کی خدمت بجا لانے میں حیرت انگیز کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے سامنے ملک کا معاملہ پیش کرنے کا سوال ہو یا مسلمان قوموں کے نظریات و مقاصد کو فروغ دینے کا مسئلہ امنِ عالم کے قیام کا تذکرہ ہو یا دُنیا کی پسماندہ قوموں کے حقِ خود اختیاری کی تائید کا ذکر بہرحال جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے انہوں نے پاکستان کی عظمت و وقار میں وہ گرانقدر اضافہ کیا ہے کہ جس کی مثال ملنی محال ہے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں ان نادرِ روزگار مدبّرین میں سے ایک ہیں جن کی سیاسی پیش بینیوں میں رُوحانی بصیرت کا عنصر نمایاں طور پر غالب نظر آتا ہے۔ ایمان و یقین اور باطنی پاکیزگی کے باہمی امتزاج نے ان کے ضمیر اور قول و فعل میں کامل مطابقت پیدا کر دی ہے وہ موجودہ وقت کے اُلجھے ہوئے سیاسی مسائل کو مذہبی عرفان کی مدد سے حل کرتے ہیں لیکن ان کی باطنی معرفت اور رُوحانی بصیرت نام نہاد صوفیاء کی کرامات اور فاسد قسم کے مذہبی جنون سے یکسر پاک ہے

تاریخ کے گہرے مطالعہ اور دُور بینی کی خدا داد صلاحیت نے ان کے نقطۂ نظر میں ایسا توازن پیدا کر دیا ہے جو بلاشُبہ کمال کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔

ایک ایسا شخص جس کی باطنی تربیت کا معیار بے حد بلند ہو جس میں عجز و انکسار کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہو جس کی حُبّ الوطنی اور جس کا جذبۂ وفاداری حد درجہ پختہ اور مستحکم ہو اور جو کمال خاموشی سے تعمیرِ ملّت میں ہمہ تن مصروف ہو ایسے شخص کے لئے دِل میں محبّت واخلاص اور احسان مندی کے گہرے جذبات کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس پر" برطانیہ کا پٹھّو" ہونے کا الزام لگانا حق وصداقت کا خون نہیں تو اور کیا ہے۔ (اس کے سوا کیا کہا جائے کہ) اِس الزام تراشی کا کوئی فاسد اور بدنما دماغ ہی مرتکب ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا واجب التّعظیم شخص بھی حاسدوں کے جھوٹے پراپیگنڈے کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ پُرہول صُورتِ حال اِس دَور میں انسانی سیہ کاری کی انتہائی پست حالت پر دلالت کرتی ہے۔"

۶۔ اخبار" نئی روشنی" نے اپنی ۲۵ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"۱۷ مئی اور ۱۸ مئی کو کراچی میں فرقہ احمدی کے جلسے منعقد ہوئے۔ اِن جلسوں میں جو ناخوشگوار واقعات پیش آئے اِس قدر شرمناک ہیں کہ کوئی شخص تردید کی جُرأت نہیں کر سکتا۔

فرقہ احمدیہ آج سے تیس برسوں سے اس برّصغیر ہندو پاکستان میں موجود ہے اور اِس فرقہ کے عالمِ وجود میں آنے سے لے کر آج تک سینکڑوں مناظرے احمدیوں اور عام مسلمانوں کے درمیان ہوئے۔ اختلافات پیدا ہوئے۔ سوال وجواب کے سلسلے جاری ہوئے لیکن کوئی غیر سنجیدہ اور تکلیف دِہ قسم کا حادثہ پیش نہیں آیا بلکہ ہر موقعہ پر ضبط و نظم کا خیال رکھا گیا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

احمدیوں کے متذکرہ جلسہ سے کچھ ہی دن قبل رام باغ میں ختمِ نبوّت کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں فرقہ احمدیہ کے خلاف انتہائی زہر افشانی کی گئی تھی مگر ان جلسوں میں کسی قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں ہوا حالانکہ اگر وہ چاہتے تو جلسہ کا نظم ونسق برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا جس کے معنی یہ ہوئے کہ احمدیوں نے انتہائی صبر وسکون کے ساتھ جلسہ کی کارروائیوں کو جاری رہنے دیا۔ کوشش یہ کی کہ اُن کا کوئی فرد اس میں شریک نہ ہو اور اگر شریک ہو بھی تو نہایت صبر وسکون کے ساتھ جلسہ

کی کارروائی کو سننے۔ اس کے برعکس احمدیوں کے جلسہ میں چند شر پسند عناصر نے مجمع کو اکٹھا کرکے ایسے غیر قانونی ذرائع استعمال کرنے کی کوشش کی جو انتہائی شرمناک متصور ہوتے ہیں۔ ہم ان حضرات سے براہِ راست مخاطب ہو کر یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ان میں مخالفانہ نظریات کو سننے کی جرأت نہیں تھی تو وہ جلسہ گاہ میں شرکت کی غرض سے گئے کیوں؟ اور یہ کہ کیا اختلافات کو مٹانے اور اپنے نظریات کو سمجھانے کا یہی طریقہ کار رہ گیا ہے؟ کہ شہر میں بد امنی پھیلا دی جائے اور دکانوں اور ہوٹلوں کو آگ لگا دی جائے؟

اس ہنگامہ میں شیزان ریسٹورنٹ، احمدیہ فرنیچر مارٹ اور شاہنواز لمیٹڈ کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ سارے ادارے احمدیوں کی ملکیت ہیں ان اداروں کو آگ لگا کر عام مسلمانوں نے جس غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکت پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کی گئی ہے اور ہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کسی کا ہاتھ ہے یا عوام نے خود ایسا کیا ہے لیکن صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ ہوا نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے۔ ہمیں عوام کے جذبات کا احترام ہے لیکن ہم کسی ایسی حرکت کی اجازت نہیں دے سکتے جس سے پاکستان کا امن خطرے میں پڑے اور نہ ہی ہمیں یہ توقع رکھنا چاہیئے کہ کوئی پاکستانی پاکستان میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس ناخوشگوار واقعہ سے کوئی اَور نتیجہ برآمد ہو یا نہ ہو۔ یہ تلخ حقیقت ضرور سامنے آتی ہے کہ کراچی میں ایک بھی ایسی شخصیت نہیں ہے جو عوام کو ایسے موقعوں پر صحیح راہ دکھا سکے۔ کراچی میں عوام کے محبوب قائدین کا کال شہیدِ ملّت کی یاد کو اَور تازہ کر رہا ہے ہمیں یقین ہے کہ آج قائدِ ملّت لیاقت علی خاں زندہ ہوتے تو پولیس کو اشک آور گیس اور لاٹھی چارج کرنے کی ضرورت نہ پڑتی ان کا صرف ایک جملہ عوام کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی ہوتا بلکہ ہم اس قدر کہنے کے لئے تیار ہیں کہ ان کی موجودگی میں ایسا واقعہ سرے سے رُونما ہی نہ ہو سکتا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ ہمارے درمیان سے دانستہ طور پر ہٹا دئے گئے جن کے بعد ایسا واقعہ پیش آگیا اور وہ بھی پاکستان کے دارالخلافہ میں جس کے متعلق یہ اندیشہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ آگ کہیں دوسرے شہروں میں نہ پہنچ جائے اِس لئے کہ جو چیز مرکز سے شروع ہوتی ہے وہ دوسرے شہروں میں ضرور پھلنے پھولنے

کے مواقع تلاش کرتی ہے۔

ہمیں سب سے زیادہ حیرت تو اس امر پر ہے کہ مرکزی وزراء میں سے کسی نے اِس واقعہ سے دلچسپی نہیں لی۔ یقیناً مرکزی کابینہ میں ایک دو شخصیتیں ایسی بھی موجود ہیں جن کی قدر و منزلت عوام کی نظر میں بے انتہا ہے اور جن کو عوام کا اعلیٰ ترین اعتماد حاصل ہے۔ اگر اِس وقت مسلم لیگ زندہ ہوتی اور سرکاری جماعت نہ بن چکی ہوتی تو ایسے موقعوں پر صدر مسلم لیگ کے فرائض نہایت اہم۔ مسلم لیگ کے پرانے کارکن۔ آج اگر میدانِ عمل میں ہوتے تو یقیناً پاکستان کی اِس قدر بے عزّتی نہ ہوتی۔ افسوس کہ علماءِ اسلام بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے بلکہ ہم تو اِس خیال کے حامی ہیں کہ اِس واقعہ نے مذہبِ اسلام کو بدنام کیا ہے کیونکہ آج عام مسلمانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کسی اختلافی نظریہ کو سننے کی اہلیّت نہیں رکھتے اور مخالفین کے لئے کیچڑ اُچھالنے کا موقعہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ کیا ہم اپنی حکومت سے توقع رکھیں کہ وہ اِس ناخوشگوار واقعہ کے سلسلہ میں نہایت سخت اقدام سے بھی گریز نہیں کرے گی؟ اور اِس فتنہ کے اُٹھانے والوں کو انتہائی عبرتناک سزائیں دے کر ملک میں اس آگ کو پھیلنے سے روک دے گی۔ ہمیں خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے قوی توقع ہے کہ وہ اِس شر کو کچلنے کے لئے ہر ذریعہ استعمال کریں گے اور ان "مولویوں" کے فتنہ کا قلع قمع کر دیں گے جنہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر مسلم خون کی ارزانی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر پاکستان میں غیر مسلم ہندوستان کی فرقہ وارانہ روایات کو دہرایا گیا تو ہمارا دعویٰ ہے کہ پاکستان تباہ ہو جائے گا۔

عام مسلمانوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے ان کو سوچنا چاہیئے کہ جن شر پسندوں نے یہ حرکت کی ہے کیا انہوں نے احمدیت کے قلع قمع کرنے کا یہ صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ کہاں ہیں مفتی محمد شفیع صاحب؛ کدھر ہیں سیّد سلیمان ندوی، مولانا احتشام الحق اور صدر پاکستان مسلم لیگ کہاں ہیں؟ یہ سب کیوں نہیں اس موقعہ پر پہنچے؟ اور کہاں ہیں کراچی مسلم لیگ کی صدارت کے امید وار۔ اگر یہ سوچی سمجھی تجویز اور پروگرام نہیں ہے تو برانگیختہ مسلمانوں کو کیوں نہیں سمجھایا گیا کیا اِس عوامی حکومت کے پاس گیس مارنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔ شر پسندوں کو سمجھانے کی ضرورت تھی اگر ان کو کوئی عوامی شخصیت سمجھانے والی ہوتی تو یہ ہنگامہ اِس قدر شدید

صورت اختیار نہ کرتا۔ ہم ان افراد کی جنہوں نے اس میں حصّہ لیا ہے یا جنہوں نے اس کا پروگرام بنایا ہے سخت مذمّت کرتے ہیں۔"

۷۔ ہفت روزہ "پیامِ مشرق" (۸۔جون ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"پاکستان کا باشعور طبقہ بہت عرصہ سے یہ سوچ رہا ہے کہ مملکتِ اسلامیہ دولتِ خداداد پاکستان کا کیا مفہوم ہے اور اسلامی حکومت کا نعرہ کمزور حکومت کے ایوانوں میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیا اسلامی حکومت سے مُراد ایک ایسا نظام ہے جہاں صرف مولانا بدایونی ہی شہریت کے پُورے حقوق کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں یا قراردادِ مقاصد کی چھاؤں میں سوامی کلجگانند بھی پاکستان کے شہری ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

آج پانچ سال کے بعد یہ سوال اِس وجہ سے اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ شُہرت و اقتدار کے بھوکے پاکستان کے نام نہاد مُلّا اور مولوی پاکستان کی سالمیت کے لئے ایک مُستقل خطرہ بن کر اس کے سامنے آ گئے ہیں اور آج ہی ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اِس اجتماعی قومیت کو باقی رکھنے کے لئے ہمارا آئندہ قدم کیا ہونا چاہیئے۔

احمدیہ عقائد سے ہمیں شدید اختلاف ہے اور ہم کبھی بھی ان کے ہمنوا نہیں ہو سکتے لیکن پچھلے دِنوں جہانگیر پارک کراچی میں سالانہ کانفرنس میں شر پسند عناصر نے اسلامی حکومت کا نام لے کر جس طرح قراردادِ مقاصد کو ننگا کیا ہے ساری دُنیا کے جمہوریت پسند انسانوں کی نگاہ میں اسلام ایک متعصب مُلّا کا ایک پُر فریب سیاسی عقیدہ بن کر رہ گیا ہے۔

اِسلام دُنیا کے ہر انسان کے لئے امن اور خوشحالی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ پاکستان کے ان تنگ نظر اور مفاد پرست مُلّاؤں نے اس مقدّس تعلیم کو محض کارخانوں اور وزارتوں کی ہوس میں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہے۔ ۲۔جون ۱۹۵۲ء کو "آل مسلم پارٹیز کنونشن" کے نام سے تھیاسوفیکل ہال کراچی میں علماء کرام کا ایک جلسہ منعقد ہُوا۔ کارکنانِ جلسہ میں بہت سے ایسے علماء کے نام بھی درج ہیں جن کی مذہبی خدمات آج کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں اور برِّ صغیر پاک و ہند کا ہر مسلمان ان کا ذکر آنے پر عقیدت سے سر جھکا دیتا ہے۔ ہم ان کے تقدّس اور علمیت کا پُورا احترام کرتے ہوئے ان سے یہ دریافت کرنے کی جُرأت ضرور کریں گے کہ احمدیوں کے مذہبی

عقائد کچھ بھی ہوں لیکن وہ پاکستان کے آزاد شہری ہیں یا نہیں؟

اگر اسلامی جمہوریت کے اصولوں کے تحت ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو فتح مکّہ کے بعد مکّہ کی آزاد شہریت فراخ دلی سے بخشی جاسکتی ہے تو احمدیہ عقائد کے پیرو تو پھر بھی خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ ویسے وہ بھی اگر سر ظفر اللہ کی سُرخ ٹوپی کو نعوذ باللہ خدا مان لیں تو بھی پاکستان دُنیا کے نقشہ پر کعبہ بن کر نہیں بلکہ ایک آزاد جمہوریت بن کر اُبھرا ہے۔

کسی پاکستان کے ٹھیکیدار یا مذہب کے رکھوالے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کو محض احمدی ہونے کی بناء پر پاکستان کا غدّار قرار دیدے۔ پاکستان کے اصل غدّار لمبی عبائیں قبائیں پہنے ہوئے وہ دشمنِ اسلام افراد ہیں جو لاکھوں پاکستانی شہریوں میں پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کرکے انہیں پانچویں کالم والوں کی ایک بڑی فوج بنا دینا چاہتے ہیں۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن نے ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان ممالک اسلامیہ اور کشمیر کے مُفادات کے پیشِ نظر وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو کابینہ سے فوری علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ وہ پاکستان اور ہندوستان کو دوبارہ اکٹھا بنانے پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

کیوں نہیں قائدِ اعظم یا قائدِ ملّت کی زندگی میں یہ اعتراض اُٹھایا گیا کہ تمہارا انتخاب غلط ہے اور وزیر خارجہ کی وفاداری مشکوک ہے؟ شاید وجہ یہ ہو کہ ان قائدین کے آہنی ہاتھوں کا شکنجہ مضبوط اور ایک مولانا چند ماہ جیل میں رہ کر اور انتہائی گریہ وزاری کے بعد معافی مانگ کر یہ سمجھ چکے تھے کہ بین الاقوامی سیاست اور ملّائی ذہنیت میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن آنریبل خواجہ ناظم الدین کی اس وزارت میں جہاں عوام کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے، انہیں بدامنی کی تلقین کرنے اور امن کی بحالی پر پولیس کے رویہ پر قراردادِ مذمّت منظور کرنے والے شر پسندوں کو پاکستانی دشمن کے الزام میں گرفتار نہیں کیا جاتا وہاں قائدِ اعظم کے زمانہ کا زمین و آسمان والا فرق خود بخود ایک سراب میں تبدیل ہو جانا چاہیئے تھا چنانچہ آل مسلم پارٹیز کنونشن کی ساری قراردادیں اس سراب کے پس منظر ہی پر پیش کی گئیں اور اگر حکومت کو اب بھی ہوش نہ آیا تو ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے اور خود مستفید ہونے کے لئے یہ نام نہاد علماء ایک اتنا بڑا ہنگامہ شروع کرا دیں گے کہ پولیس کے اشک آور گیس کے گولے بھی کوئی مدد نہ کر یں گے۔

پاکستان دشمن مُلّاؤں کی نظر میں سر محمد ظفر اللہ اور احمدیہ فرقہ کے لاتعداد پیرو محض اِس وجہ سے پاکستان کے غدّار قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر یقین نہیں رکھتے احمدیہ فرقہ کے مذہبی عقائد سے پاکستان کی ایک بڑی اکثریت کو اختلاف ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ ہم اعلان کر دیں کہ وہ تمام فرقے جو ہمارے مذہبی عقائد کو تسلیم نہیں کرتے قابلِ گردن زدنی ہیں اور ان پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

کل یہ اعتراض بھی ہوسکتا ہے کہ شیعہ فرقہ کے مذہبی عقائد سے پاکستان کی ایک بڑی اکثریت کو اختلاف ہے لہٰذا ان کے کسی آدمی کو پاکستان کا کوئی اہم عہدہ نہیں دیا جاسکتا۔ اِسی طرح آغاخانی، مہدوی، ذِکری، ہندو، عیسائی، پارسی اور وہ تمام لوگ جو اپنی اجتماعی جدّ و جہد اور پُوری توانائی سے پاکستانی قومیّت کی تخلیق کر رہے ہیں پاکستان کے غدّار قرار دئے جا سکتے ہیں۔ ہم حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ قبل اِس کے کہ تعصّب کی یہ آگ بھڑک کر اپنے ہی گھر کو جلا ڈالے اس کے خلاف سخت انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔

سر چوہدری محمد ظفر اللہ وزیرِ خارجہ پاکستان کے خلاف عام طور پر انگریز نوازی کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے ہمیں انتہائی افسوس ہے کہ ہمارا پڑھا لکھا نوجوان طبقہ کابینہ سے چوہدری سر ظفر اللہ کی علیحدگی کا پُر زور مطالبہ کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ سر ظفر اللہ کی علیحدگی سے انگریز نوازی ختم ہو جائے گی۔

سر ظفر اللہ کی خارجہ پالیسی خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کی خارجہ پالیسی ہے۔ مرکزی حکومت جس حکمتِ عملی کا تعیّن کرتی ہے وزیرِ خارجہ پاکستان ان بُنیادوں پر اپنی تقاریر کا خاکہ تیار کرتے ہیں۔

یہ تو انتہائی بچپن ہوگا کہ ہم سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھیں اور ان اندرونی دھاروں سے چشم پوشی اختیار کریں جو ان حالات کی اصل ذمّہ دار ہیں۔

۷۔ ہفت روزہ "شیراز" (۲۶ رمئی ۱۹۵۲ء) نے زیرِ عنوان "کراچی کا ہنگامہ" لکھا:۔

" قادیانی جماعت کے سالانہ اجتماعات کے موقع پر کراچی میں جو ہنگامہ ہوُا ہے اس نے ایک مرتبہ پھر اِس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جب تک تنگ نظر متعصّب مذہبی باغیوں کو ڈھیل دی جاتی

رہے گی پاکستان کی سالمیت خطرے میں رہے گی۔ کراچی کے بعض علمائے اسلام کا بیان ہے کہ اِس ہنگامہ کا سبب قادیانی جماعت کی دِل آزار اور اشتعال انگیز تقریریں تھیں۔ اور مسٹر ابوطالب نقوی چیف کمشنر کا اعلان یہ ہے کہ ہنگامہ ایک منظّم سازش کے ماتحت کرایا گیا۔ اور اگر پولیس کی پوری طاقت استعمال نہ کی جاتی تو خُدا جانے قادیانیوں کے خلاف یہ گڑبڑ کیا رُخ اختیار کرتی ؟ نقوی صاحب نے اپنے بیان میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اِس ہنگامہ کی وسعت اور اس کے پس منظر کی طرف اشارے کئے ہیں چیف کمشنر کے وضاحتی بیان کی تردید مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق، مفتی جعفر حسین (رکن پارلیمنٹ) اور مولانا لال حسین اختر نے کی ہے اور اشتعال انگیزی کا سرچشمہ قادیانی جماعت کے مقرّروں بلکہ خود چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحب کو قرار دیا ہے۔ اِن متضاد بیانات کی موجودگی میں بیک وقت کسی قطعی نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے تاہم اگر سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ صورتِ حالات کا تجزیہ کیا جائے تو چند "واضح حقائق" تک پہنچنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ بھلا اِس بات سے کون واقف نہیں کہ پُورے پاکستان میں قادیانی جماعت کی تعداد چند لاکھ (شاید یہ اندازہ بھی زیادہ ہے) سے زیادہ نہیں۔ اور اِس قلیل تعداد کو ہمیشہ ایک عظیم ترین مخالفت سے دوچار رہنا پڑتا ہے مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق قادیانیوں کے کیا عقائد ہیں؟ وہ ان کی مجدّدیت کے قائل ہیں یا نبوّت کے؟ وہ ختمِ رسالت کے عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں ؟ یہ تمام مباحث علمی اور تحقیقی نوعیت رکھتے ہیں اور یہ منصب علماء کا ہے کہ وہ ان عقائد کی تردید اور اصلاح کریں۔ اور جو گمراہ لوگ ختمِ رسالت کے عقیدے میں متذبذب ہیں ان کو راہِ راست پر لائیں لیکن یہ بحث و مباحثہ مناظرہ و مکالمہ کی حدود تک رہنا چاہیئے۔ بے شک جو شخص "ختمِ رسالت" کے عقیدے کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔ اِس باب میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ لیکن قادیانی اپنی صفائی میں کیا کہتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ تحمّل کے ساتھ اُسے سُنیں اور جہاں جہاں انہیں اعتقادی طور پر غلط پائیں نرمی کے ساتھ متنبّہ اور محبّت کے ساتھ خبردار کریں۔ یہ تو ہے اصلاحِ نفوس اور امر بالمعروف کا وہ طریقہ جو اسلام نے تسلیم کیا ہے اور قرآنِ مجید میں بار بار اِس کا اعادہ کیا گیا ہے رغنڈہ گردی اور جہالت کا راستہ یہ ہے کہ لاٹھیاں لے کر مخالف عقیدہ رکھنے والوں پر دھاوا بول دیا جائے اور ڈنڈے کے زور سے انکی اِصلاح کی جائے۔ افسوس یہ ہے کہ بعض حلقوں نے قادیانیوں کی اصلاح کے لئے یہی دوسرا راستہ

اختیار کر رکھا ہے جس کے نتائج "جہانگیر پارک" کے جلسے میں ظاہر ہوگئے۔ ہم ہرگز اِس الزام کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ قادیانیوں کے جلسہ میں اشتعال انگیزی کی گئی۔ مولانا احتشام الحق صاحب اور ان کے دوسرے رُفقاء نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ "سوڈیڑھ سو قادیانیوں کی خوشنودی کے لئے کراچی کے سولہ لاکھ باشندوں کو کُچلا نہیں جاسکتا"۔ اِس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِس جلسہ میں قادیانیوں کی تعداد سوڈیڑھ سو سے زائد نہ تھی۔ انصاف کیجئے کہ مخالفت کے ایسے عظیم طوفان میں مُٹھی بھر انسانوں کو اشتعال انگیزی اور بدزبانی کی جُرأت ہوسکتی ہے؟ نہیں یہ الزام کوئی شخص تسلیم نہیں کرسکتا۔ اِس سلسلہ میں چیف کمشنر نے جو وضاحت کی ہے صرف وہی قابلِ تسلیم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کافی عرصہ سے قادیانیوں کے خلاف وسیع پیمانے پر اشتعال انگیزی کی جارہی ہے اور اِس پُرجوش مخالفت کے سبب پنجاب میں کہیں کہیں چند ناخوشگوار حوادث بھی پیش آئے۔ چند ماہ قبل کراچی میں اینٹی قادیانی اجتماعات ہوئے تھے انہوں نے بھی مخالفانہ احساسات کو کافی بھڑکایا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کے ایک مشتعل ہجوم نے پولیس سے مڈبھیڑ کے بعد شیزان ریسٹورنٹ، احمدیہ فرنیچر سٹور، احمدیہ لائبریری اور بعض دوسرے ایسے اداروں کو جن کے متعلق احمدی ملکیّت ہونے کا شبہ تھا آگ لگانے کی کوشش کی اور اگر کراچی ایڈمنسٹریشن اِس موقع پر غیر معمولی احتیاطی تدابیر نہ اختیار کرتا اور پولیس وسیع پیمانے پر حرکت میں نہ لائی جاتی تو خدا جانے کراچی میں کیا کیا مناظر دیکھنے میں آتے۔ ہم ایک طرف تو حضرت علماء کرام کے روشن خیال طبقہ سے درخواست کریں گے کہ وہ خدا تعالیٰ اور رسولؐ کے لئے میدان میں آئیں اور جاہلوں کو موقع نہ دیں کہ وہ دس لاکھ انسانوں کے خون سے خریدی ہوئی اس گراں مایہ مملکت کے اتحّاد، سالمیّت اور آزادی کو خطرہ میں ڈال دیں اور دوسری طرف حکومتِ پاکستان سے اصرار کریں گے کہ "مذہبی اشتعال انگیزی" کے مقابل اس کا رویّہ اَب تک تحمّل اور نرمی کا رہا ہے۔ یہ رویّہ ایک دن پُوری قوم کو خطرے میں ڈال دے گا جہاں تک قادیانیوں کا تعلق ہے ہم اِس کے حامی ہیں کہ ان کے عقائد کی تردید مؤثر طور پر کی جانی چاہیئے اِس کا طریقہ یہ ہے کہ علماءِ اسلام تحقیق و علم کے میدان میں ان کا مقابلہ کریں لیکن یہ غنڈہ گردی، یہ بلوے، یہ اشتعال انگیزیاں! ہمیں صاف لفظوں میں اعلان کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں مذہبی مخالفت پر لاٹھیاں برسانے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے"۔

(۷) "شیراز" نے علماء کنونشن کے مطالبات پر حسبِ ذیل رائے کا اظہار کیا۔

"کراچی میں "علمائے کرام" اور "مفتیانِ عظام" کے ایک کنونشن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"چونکہ سر محمد ظفر اللہ قادیانی ہیں اور قادیانیوں کو پاکستان سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہو سکتی اِس لئے انہیں پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیا جائے اور قادیانیوں کو پاکستان میں ایک "مذہبی اقلیت" قرار دے دیا جائے"!

حضرات علمائے کرام نے جس بناء پر چوہدری صاحب کی "برخواستگی" کا مطالبہ کیا ہے ہم اس بنیاد کو پاکستان کی سالمیت، خوشحالی، ترقی اور اتحاد کے لئے زہرِ قاتل سمجھتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ ہمارے واجب الاحترام علماء نے اِس کنونشن میں جو مطالبہ کیا ہے وہ ملک اور ملت کے لئے سخت تباہ کُن ہے۔ "قادیانیت" کو "پاکستانیت" کا حریف اور ہر قادیانی کو اینٹی پاکستان قرار دینا ایک ایسی پالیسی ہے جس سے کوئی باشعور پاکستانی اتفاق نہیں کر سکتا۔ اِس موقع پر جبکہ ابھی ہم اپنے قومی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ایک شدید جنگ لڑ رہے ہیں مذہبی بنیادوں پر ایک اِس قسم کے ہنگامے گرم کرنا اور سیاسیات کو خواہ مخواہ فرقہ پرستی کی عینک سے دیکھنا گویا اجتماعی خودکشی کا سامان فراہم کرنا ہے۔ ہم اِس ملک کے سمجھدار طبقے سے درخواست کریں گے کہ وہ میدان میں آئے اور بغیر کسی توقف اور تامّل کے اِس قسم کے مضحکہ انگیز مطالبوں کے خلاف اپنی آواز بلند کرے۔ حکومت کو بھی زیادہ عرصہ تک اِس سلسلہ میں "مجہول پالیسی" اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس کا فرض ہے کہ اَور کسی سبب سے نہیں تو اپنے وزیرِ خارجہ کی پوزیشن کے تحفّظ ہی کے لئے حرکت میں آئے اور ان مدعیانِ دین سے صاف الفاظ میں کہہ دے کہ تم فقہی تاویلات کی بناء پر مسلمانوں کو کافر یا مومن بناتے رہو لیکن تمہیں یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ تم پوری قوم کے مفادات سے (اِس قسم کے مطالبات کر کے) کھیلو"۔ ؎

۸۔ ہفت روزہ "تارا" (۲۶ رجون ۱۹۵۲ء) نے علماء کی کنونشن کی نسبت لکھا:۔

"کراچی میں حال میں "مفتیانِ عظام" اور علماءِ کرام کا ایک عظیم الشان کنونشن ہوا اور حکومت

؎ ہفت روزہ "شیراز" کراچی ۱۵ رجون ۱۹۵۲ء

سے مطالبہ کیا گیا کہ (خلاصہ یہ ہے)

"چونکہ سر ظفر اللہ قادیانی ہیں اور قادیانیوں کو پاکستان سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں اس لئے انہیں پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیا جائے اور قادیانیوں کو پاکستان میں ایک "مذہبی اقلیت" قرار دے دیا جائے۔" ؎

ہنسی ہنسی میں بعض اوقات
طول پکڑ جاتی ہے بات

اس مطالبہ پر بحث کرنے اور لکھنے کے لئے تو بہت کچھ ہے مگر مختصراً ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ قومی حکومت کی خارجہ پالیسی سے نا مطمئن ہو کر حضرات علماءِ کرام نے جن بنیادوں پر وزیر خارجہ کی برخواستگی طلب کی ہے وہ بنیادیں پاکستان کی سالمیت، خوشحالی، ترقی اور اتحاد کے لئے نشتر اور زہرِ ہلاہل کا حکم رکھتی ہیں۔ اور ہمارے واجب الاحترام علماء نے اس کنونشن میں جو مطالبہ کیا ہے وہ ملک اور ملّت کے لئے انتہائی تباہ کن ہے۔ ہر قادیانی کو اینٹی پاکستان اور قادیانیت کو پاکستانیت کا تضاد ٹھہرانا ایک ایسی پالیسی ہے جس سے کوئی باشعور پاکستانی اتفاق نہیں کر سکتا۔ ایسے حالات میں جبکہ ہمیں اپنا قومی وجود قائم رکھنے کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک جنگ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مذہبی بنیادوں پر اس قسم کے ہنگامے برپا کرنا اور سیاسیات کو مذہبی رنگ دے کر فرقہ پرستی کی آگ میں جھونکنا کہاں کی دانشمندی ہے بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

ہم ملک کے دانشمند اور باشعور طبقہ سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ میدانِ عمل میں آئیں اور اس قسم کے مضحکہ انگیز مطالبات کے خلاف اپنی آواز بلند کریں اور بلا تامّل و توقف حکومت کے اس "مجہول پالیسی" اختیار کرنے پر آدابِ سیاست کا خیال رکھتے ہوئے احتجاج کریں۔" [1]

بہاولپور ۹۔ سہ روزہ "رہبر" (۳۰ مئی ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"مجلس احرار جب سے قائم ہوئی ہے تب ہی سے بزرگانِ احرار نے مسلمانوں کے سوادِ اعظم مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کرنا اپنا شیوۂ ملّی قرار دے رکھا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد خیال تھا کہ یہ بزرگ اپنے رویّہ میں خوشگوار تبدیلی کر کے ملّت کا ساتھ دیں گے لیکن فطرت کی

---

[1] ہفت روزہ "تارا" کراچی ۲۶ جون ۱۹۵۲ء

بدنصیبی ہے کہ ایسے لوگوں سے کوئی بھلائی کی توقع کیونکر ہوسکتی ہے جنہوں نے جنم ہی ہندو کانگرس کی گود اور سیٹھ ڈالمیا کی دولت کی تجوریوں میں لیا ہو اور جنہوں نے اِس بات کی قسم کھا رکھی ہو کہ انہوں نے ہمیشہ ملّت کے خلاف ہی محاذ قائم کر کے ملّت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ہی اپنا فریضۂ ملّی تصوّر کر رکھا ہو۔ کہیں قادیانیوں کی مخالفت کے بہانے سے تبلیغی کانفرنس اور کہیں ختمِ نبوّت کانفرنسوں کے نام پر بڑے بڑے اجتماع کر کے مسلمانوں میں وزیرِ خارجہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی مخالفت کی جاتی ہے اور کئی حیلے بہانے تلاش کر کے پاکستان کی وحدت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بزرگانِ احرار اگر تبلیغ اور تحفظِ نبوّت تک ہی اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھیں اور قادیانیوں کی مذہبی نقطۂ نگاہ سے ہی مخالفت کریں تو ہم جیسے حنفی العقیدہ لوگ بھی ان کا ضرور ساتھ دیں۔ لیکن قوم و ملک کی بدنصیبی ہے کہ اس احراری ٹولے نے یہ ڈرامہ صرف اپنے ان احراری زعماء کے ایماء پر (جو پاکستان کے قیام کے بعد بھارت میں اپنے ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے چلے گئے تھے اور بھارت میں بیٹھ کر پاکستان کو ختم کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں) پاکستان کے مسلمانوں کو حکومتِ پاکستان کے خلاف اُکسانے کے لئے کھیلنا شروع کر رکھا ہے۔

حال ہی میں معاصر عزیز "نوائے وقت" لاہور کی ایک خبر کے مطابق احراری امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ بخاری نے یہ اعلان پشاور کے ایک عام اجتماع میں کیا ہے کہ "میں ہوں قائدِ اعظم اور میرے مرکزی دفتر کے چپڑاسی کا نام بھی قائدِ اعظم ہے۔" اور ساتھ ہی حکومتِ پاکستان کو چیلنج بھی دیا ہے کہ "اگر حکومت میں طاقت ہے تو توہینِ قائدِ اعظم کے سلسلے میں میرے خلاف مقدمہ چلائے۔" قائدِ اعظم مرحوم کی زندگی میں بھی یہ احراری بزرگ مرحوم کو "کافرِ اعظم" کے نام سے خطاب کرتے رہے لیکن پاکستان کے بانی کی وفات کے بعد ان لوگوں کو اتنی ہمّت اور جرأت ہوگئی ہے کہ وہ برسرِ عام مسلمانوں کے اجتماع میں پشاور جیسے غیور شہر میں قائدِ اعظم مرحوم کی توہین کرنے کے بعد حکومتِ پاکستان کو چیلنج دے رہے ہیں۔ اَب دیکھنا تو یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان میں واقعی کوئی غیرت اور طاقت ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے رہنما کی توہین کو خاموشی اور بے غیرتی سے برداشت کر لیتی ہے یا اس گستاخی کے خلاف کوئی عملی اقدام کرتی ہے تاکہ آئندہ کسی دوسرے شخص کو ایسی گستاخی اور ذلالت کی جرأت ہی نہ ہو ورنہ یہ چنگاری جس کی داغ بیل احراری بزرگوں نے آج پشاور جیسے شہر میں رکھی کہیں پاکستان کے

سارے خرمنِ امن کو جلا کر خاکستر نہ کر دے کیونکہ بھارتی حکومت صرف اسی وقت کے انتظار میں ہے کہ بانئ پاکستان اور حکومتِ پاکستان کے خلاف پاکستانیوں کے جذبات کو اُبھار کر پاکستان میں اختلاف پیدا کرکے حکومتِ پاکستان کے خلاف عوام میں جذباتِ نفرت پیدا کر کے پاکستان پر حملہ کر کے پاکستان کو خدانخواستہ ختم کر دیا جائے جن کی ابتداء ہندوؤں کے دیرینہ زرخرید غلاموں اور ایجنٹوں نے پشاور سے کر دی ہے۔ اِس لئے حکومتِ پاکستان کو سختی سے اِس فتنہ کو جلد سے جلد دبا دینا چاہیئے ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا۔ وما علینا اِلّا البلاغ ۔" [1]

کوئٹہ

۱۰۔ کراچی کے فساد پر کوئٹہ کے پارسی اخبار "کوئٹہ ٹائمز" مورخہ ۲۱ رمئی ۱۹۵۲ء کا تبصرہ:۔

" ہنگامۂ کراچی کے وہ مکروہ واقعات جو حال ہی میں رُونما ہوئے ایک مہذّب ملک کے لئے شرم کا باعث ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کی تہ میں مذہبی تعصّب اور عدم رواداری کا جذبہ کارفرما ہے۔ یہ جہالت اور تعصّب کی بدولت ہے کہ مذہب کے نام پر عدم رواداری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ تاریخِ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے آپ کو بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ جب کبھی کسی ملک میں مذہب کی آڑ میں ظلم اور ایذا رسانی کا دَور دَورہ ہُوا تو ترقّی کی راہیں اس ملک پر مسدُود ہوگئیں۔

مذہب کے نام پر ظلم روا رکھنے سے انسانی فطرت مسخ ہو جاتی ہے اور جس ملک میں بھی یہ دَور دَورہ ہو وہ دُنیا میں ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرقہ دارانہ تنگ نظری نے جہاں راہ پائی وہیں آنکھوں پر تعصّب کی پٹّی بندھی۔ ایک مہذّب اور روشن خیال قوم مذہب کے نام پر کبھی ظلم روا نہیں رکھتی۔ علم انسان کے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ایک مقدّس ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ پس ایک ایسی قوم ہی جو جہالت کی تاریکیوں میں رینگ رہی ہو مذہبی غلامی کو برداشت کر سکتی ہے۔ تاریخ ایسی واضح مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ نیک دل بادشاہوں نے رواداری کی بدولت بڑی مستحکم سلطنتیں قائم کیں اور بعد میں آنے والوں نے عدم رواداری کے ہاتھوں انہیں خاک میں ملا دیا۔

یہ کہتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی زبان نہیں تھکتی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے یا اس کی

---

[1] سہ روزہ "رہبر" بہاولپور ۳۰ رمئی ۱۹۵۲ء ؛

تبلیغ و اشاعت میں تلوار کا بہت بڑا دخل ہے۔ جو لوگ گزشتہ ہفتہ کے ہولناک واقعات کے ذمہ دار ہیں افسوس کہ انہوں نے اپنی حماقت سے ایسے دشمنانِ اسلام کی خود ہی تائید کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کئے۔ رسولِ پاک (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ماننے والوں کو بار بار تاکید کی ہے کہ وہ رواداری کے اوصاف سے اپنے آپ کو متصف کریں لیکن کیا کیا جائے تعصب اور غیظ و غضب کی گرمی نے ان لوگوں کو اندھا کر رکھا ہے۔ بانیٔ اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روشن دماغی کا یہ ایک بیّن ثبوت ہے کہ آپ نے ہمیشہ اشاعتِ دین کی راہ میں طاقت استعمال نہ کرنے کی تعلیم دی۔

یہ جھگڑا مذہبی اور غیر مذہبی لوگوں کے درمیان نہیں ہے یہ جھگڑا ہے جہالت اور علم کے درمیان، نام نہاد مولویوں کے اندھے مقلدوں اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اسلام کی صحیح رُوح اپنے اندر جذب کی ہوئی ہے۔

جہاں تک مذہب اور مملکت کا تعلق ہے حکومت پر بعض فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ایسے تعصب کے قلعے سر کرنے میں ہر ممکن امداد کرنی چاہیئے۔ اگر کٹر اور متعصب لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا گیا تو لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ حکومت بھی ان عناصر سے باز پُرس کرنے سے خوف کھاتی ہے جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اِس سے ایسے عناصر کی گردنیں اور اکڑ جائیں گی اور پھر آگے چل کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا آسان نہ رہے گا۔ امن برباد کرنے والوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ قانون شکنی کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کے نتائج بھگتنے سے مستثنیٰ قرار نہ دینا چاہیئے۔"

پشاور

۱۱۔ اخبار "تنظیم" پشاور (۲۰ مئی ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"حضرت قائدِ اعظم اور مسلمانانِ پاکستان و ہند کے محبوب مطالبہ پاکستان کے وقت سے لے کر قیامِ پاکستان کے کافی عرصہ تک ہندوؤں کے اشارہ پر پاکستان، قائداعظم اور پاکستان کے عامی مسلمانوں کو جو بے نقط اور اَن گنت گالیاں[1] جماعتِ احرار نے سُنائی ہیں امید ہے مسلمانانِ

---

[1] شورش کاشمیری صاحب سابق جنرل سیکرٹری مجلسِ احرار لکھتے ہیں:۔

"احرار اپنے طبقاتی مزاج کے مطابق ملک کی سالمیّت کو مسلمانوں کے طبقہ امراء کی سیاست قرار دیتے اور گفتنی و ناگفتنی سب کہہ جاتے تھے ان کا خیال تھا کہ ملک کی تقسیم سے (باقی اگلے صفحہ پر)

پاکستان ابھی تک انہیں نہ بھولے ہوں گے۔ غرضیکہ پاکستان کے قیام کی مخالفت میں احرار نے رگوں کی ترکش کا زہر میں بجھا ہوا کوئی ایسا تیر باقی نہ رہا تھا جو انہوں نے استعمال نہ کیا ہو۔ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ پاکستان قائم ہوا اور اب انشاء اللہ ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر اسکی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ نامعلوم اب اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسلمانوں سے ناراض ہوگئے ہیں کہ انہوں نے اب پاکستان کی تخریب کے لئے شاید ایک دوسرے "قائدِ اعظم" پیدا کر دئے ہیں جن کا کام پہلے سرے سے پاکستان کے قیام کی مخالفت تھا اور اب اِن کا کام پاکستان میں رہنے والوں کو آپس میں لڑا کر تخریبِ پاکستان ہے۔ پیر عطاء اللہ صاحب پاکستان کے ہر حصّہ میں ختمِ نبوّت کانفرنسیں منعقد کر کے اپنے آپ کو قائدِ اعظم ظاہر کر رہے ہیں حالانکہ ختمِ نبوت کے مسئلہ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے کہ حضور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النّبییّن ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ "غلط کار اور جھوٹا" ہے اور مسلمانوں سے نہیں۔ اگر "مرزائی کافر" ہندو کافروں سے کٹ کر پاکستان کے "مومن مسلمانوں" کے سایہ میں آگئے ہیں تو کیا ہمارا اسلام اور آئین ہمیں یہی اجازت دیتا ہے کہ اختلافی عقائد کی بنا پر ہم ایک فرقہ کی زندگی دوبھر کر دیں۔ سادہ لوح جوشیلے مذہب اور اسلام کے نام پر کٹ مرنے اور مارنے والے مسلمانوں کو یہ جوش اور اشتعال دلاتے پھریں کہ مرزائیوں کو قتل کرنا عین ثواب اور اسلام دوستی ہے۔

مرزائیوں سے حضرت شاہ صاحب کو درحقیقت اتنی نفرت ہے یا نہیں البتہ پاکستان سے آپ کی دشمنی مسلّمہ[ے] ہے۔ آپ لوگ پاکستان کو باہر کی مسلمان دنیا اور جمہوری ممالک میں بدنام کرنا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کہیں النسب دولت کی تقسیم ہے۔۔۔۔ اسلام کا نام لے کر کسی ٹکڑے میں کسی یزید جیسے مسلمان کے لئے تختِ سلطنت بچھانے کے حق میں نہ تھے۔ ان کے نزدیک ایسا سوچنا یا کرنا اسلام سے غدّاری کے ہم معنی تھا"

(سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (سوانح افکار) ص ۲۶۹ مؤلفہ شورش کاشمیری ایڈیشن دوم نومبر ۱۹۷۳ء مطبوعات چٹان ۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور طباعت چٹان پرنٹنگ پریس لاہور)

ے شاہ صاحب موصوف نے لاہور کی ایک تقریر میں کہا:۔

"پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے"! (رپورٹ تحقیقاتی عدالت

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور غیر اسلامی حکومت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو خود بخود قائدِ اعظم بن کر تخریبِ پاکستان کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مرزائی کافر سہی لیکن پاکستان کے باشندے اور اپنے آپ کو وفادار شہری ظاہر کر رہے ہیں۔ اور حضرت قائدِ اعظم نے احمدیوں کے وجود کو پاکستان کے لئے مفید پاکر اکثر موقعہ پر ان سے پاکستان کے لئے امدادیں بھی حاصل کی ہیں اور پاکستان سے اپنا تعلق و اُنس ثابت کرنے کے لئے اپنے مرکز کو چھوڑنے اور کروڑوں روپیہ کی جائدادیں چھوڑ کر مرزائی کافروں نے اپنی جانیں پاکستان کی خدمت کے لئے پیش کی ہیں۔ حضرت قائدِ اعظم نے سر ظفر اللہ کو ایک قابل وفادار پاکستانی سمجھتے ہوئے وزارتِ خارجہ کا ایک نہایت اہم اور ذمّہ دار عہدہ پیش کیا تھا چنانچہ اپنی بےنظیر دماغی صلاحیّتوں اور قانونی قابلیّتوں کے باعث نہ صرف خود ظفر اللہ اقوامِ عالم میں ہمہ گیر ہر دلعزیزی حاصل کر چکے ہیں بلکہ انہوں نے پاکستان کے وقار اور عزّت کو بھی چار چاند لگا دئے ہیں۔ البتہ اگر حکومت کو اب ان کی خدمات کی ضرورت نہ ہو تو ان سے استعفٰے مانگا جاسکتا ہے اور مرزائیوں کو ایک علیحدہ اور اقلیّتی فرقہ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن پھر بھی پاکستان کے مرزائیوں کو ان کے عقائد، جان و مال کے تحفظ اور دوسرے شہری و مُلکی حقوق کی مراعات دینی ہوں گی۔ نامعلوم حکومت کن سیاسی مصلحتوں کی بناء پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ برائے فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۷۵ اُردو)

شاہ صاحب کے سیاسی پیشوا جناب مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک انہی کے لفظوں میں یہ ہے:۔

"مَیں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستان کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کا ایک حصّہ تو پاک ہے اور باقی ناپاک، پاک اور ناپاک کی بنیاد پر کسی قطعہ ارض کی تقسیم قطعاً غیر اسلامی اور رُوحِ اسلام کے بالکل منافی ہے"۔

اِس کے مقابل وطن الیہود کی تائید میں لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک یہودیوں کے قومی وطن کا مطالبہ ہے اس سے ہمدردی کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ساری دُنیا میں بکھرے ہوئے ہیں اور کسی علاقہ میں بھی وہاں کے نظم و انصرام پر کوئی اثر نہیں رکھتے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے"۔

(آزادیٔ ہند (ترجمہ) صفحہ ۲۵۶ "INDIA WINS FREEDOM" از مولانا ابوالکلام آزاد مترجم مولانا رئیس احمد جعفری۔ ناشر مقبول اکیڈیمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

خاموش نئے قائدِ اعظم کے تخریبی پروگرام کا تماشہ دیکھ رہی ہے ہمارے خیال میں اس موقعہ پر حکومت ناقابلِ تلافی سیاسی غلطیوں سے کام لے رہی ہے یہی نیا قائدِ اعظم کل کہے گا جو اسلامی آئین ہم چاہتے ہیں پاکستان کے موجودہ حکمران صحیح اسلامی آئین نہیں بنا سکے۔ لہذا جس حکومت کا آئین اسلامی نہ ہو وہ مسلمان نہیں کہلا سکتی۔ "میں قائدِ اعظم ہوں" کا خطاب حاصل کرنے کے باعث احرار مذہبی جھگڑوں کے ذریعہ تخریبِ پاکستان کے مواقع پیدا کر رہی ہے اور وہ ایک مذہبی جماعت کا لبادہ پہن کر اپنے لئے ایک وسیع سیاسی میدان پیدا کرنا چاہتی ہے پھر ہماری حکومت مذہبی رَو میں بہتے ہوئے مسلمانوں کے خیالات وعقائد کا جو احرار اس وقت ان میں پیدا کر رہے ہیں مقابلہ نہ کر سکے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت اور مسلمانوں کو اسلامی اور اخلاقی شعور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور چور دروازوں سے داخل ہونے کی بجائے احرار کے لئے بھی سیاسی اقتدار کی کوئی راہ نکالے تاکہ پاکستان تخریبی سرگرمیوں کا اڈہ بننے سے بچ سکے۔"

لاہور ۱۲۔ اخبار "امروز" (۲۲ مئی ۱۹۵۲ء) نے "کراچی کا ہنگامہ" کے زیرِ عنوان حسبِ ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

"جہانگیر پارک کراچی میں جماعتِ احمدیہ کے جلسۂ عام میں جو ہنگامہ ہوا وہ ہر اعتبار سے افسوسناک ہے اور ایک آزاد و مہذب قوم کے شایانِ شان نہیں۔ ذمہ دار قوموں کے افراد انتہائی اشتعال کے عالم میں بھی اپنے فرائض کا خیال رکھتے ہیں اور تہذیب و تمدن کی حدود سے آگے نہیں بڑھتے کیونکہ جبر و تشدد کے ذریعہ نہ تو کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور نہ عقائد ہی میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے تاہم یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ اس فوری اشتعال کے اسباب و علل کیا ہیں کیونکہ جب تک ہم کو علتِ غائی کا علم نہ ہو ہم اس حادثے کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے۔

ہجوم کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ وہ انتہائی مشتعل تھا اور اس قدر بے قابو تھا کہ پولیس کے لاٹھی چارج کے باوجود اس نے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی پیہم کوشش کی۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ خشت باری ہوئی۔ لوگوں کے چوٹیں آئیں۔ شامیانے پھٹے۔ کاروں، لاؤڈ سپیکروں اور روشنیوں کو نقصان پہنچا۔ گرفتاریاں ہوئیں۔ منتظمین کا باہر نکلنا مشکل تھا۔ غرض یہ کہ سوا گیارہ بجے رات تک میدانِ کارزار کا نقشہ جما رہا۔

قطع نظر اس سے کہ اِس اشتعال کے اسباب کیا تھے، کسی شہری کو اس کا حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اِس لئے اِس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ اگر ہر شخص اِسی طرح عمل کرتا رہے تو نظم و نسق تباہ ہو جائے گا اور لا قانونیت اور تاراج کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ رہا یہ سوال کہ یہ واقعہ پیش ہی کیوں آیا تو اس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ کراچی کے اخبارات میں مذکور ہے کہ جلسہ کی اجازت اِس بناء پر دی گئی تھی کہ اِس میں اختلافی امور پر کچھ نہ کہا جائے گا لیکن اس کے باوجود مقررین نے اختلافی مسائل پر تقریریں کیں مجمع نے احتجاج کیا مگر انہوں نے اس کے جذبات و احساسات کا احترام نہیں کیا۔

اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ منتظمین اور مقررین جلسہ نے انتہائی غیر ذمہ داری اور فرض ناشناسی کا ثبوت دیا۔ اگر وہ حدود سے تجاوز نہ کرتے تو غالباً یہ افسوسناک واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا جس طرح مشتعل ہجوم کو قانون شکنی کا حق نہیں تھا اسی طرح منتظمین و مقررین بھی اس کے مجاز نہیں تھے کہ وہ ان شرائط سے رُوگردانی کریں جو اِس جلسے کے انعقاد کے لئے لازمی قرار دی جا چکی تھیں لیکن اِس سلسلے میں ہر شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر منتظمین اور مقررین کی طرف سے عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا تھا۔ حاضرین نے اعتراض کیا تھا اور مقررین نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی تو نظم و نسق کے ذمہ دار خاموش کیوں رہے۔

اِس واقعہ کا ایک پہلو جو ان سب سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہے وہ یہ ہے کہ اگر اِس قسم کی آویزشات کی حوصلہ افزائی ہوئی تو اس سے قوم کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی جس سے ملک دشمن عناصر خوب فائدہ اُٹھائیں گے اِس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اِس مسئلہ پر ٹھنڈے دِل سے غور کریں۔

پاکستان میں مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف عقائد رکھنے والے لوگ بستے ہیں انہیں اِس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب اور عقیدے پر چلیں لیکن کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے فرقے کی دِل آزاری پر اُتر آئے اور دوسرے فرقہ کے جذبات و احساسات کا خیال نہ رکھے کیونکہ اگر اس کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو پھر ملک میں ہنگاموں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا اور جدال و قتال کا بازار ہمیشہ گرم رہے گا جو ملک کے مستقبل کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں۔ اِس لئے ہمیں یقین ہے کہ ملک کے تمام ذمہ دار سنجیدہ اور وطن دوست حضرات اِس واقعہ کی

مذمت کریں گے۔ ساتھ ہی ہم کراچی کے حکام کو بھی مشورہ دیں گے کہ وہ اِس ہنگامہ کی نہایت احتیاط سے تحقیقات کریں اور طرفین کے رویّہ کا جائزہ لیں"۔ ؎۱

۱۳۔ روزنامہ "آفاق" (یکم جون ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"احمدیوں کے خلاف عام مسلمانوں کو جو شکایات ہیں ان میں سب سے بڑی شکایت تو یہی ہے کہ وہ حضرت سرورِ کائنات کے بعد اجرائے نبوّت کے قائل ہیں حالانکہ خاتَم النّبییّن کا مطلب ۱۴۰۰ سال سے یہی سمجھا جا رہا ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اِس کے علاوہ احمدیوں کا یہ شیوہ بھی مسلمانوں کو بہت ناگوار ہے کہ وہ اپنے لوگوں کے سوا کسی دوسرے مسلمان کے لئے دعائے مغفرت نہیں کرتے نہ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر جذبات کی ہنگامہ آرائی سے الگ ہو کر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو دوسرے مسلمان فرقوں کے اختلافات بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہیں۔ شیعہ حضرات صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان غنیؓ کو غاصب و ظالم کہہ کر ناگفتہ بہ کلمات سے یاد کرتے ہیں۔ سُنّیوں کے پیچھے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ گو وہ کسی وقت منافقت سے شاملِ صلوٰۃ ہو بھی جاویں یا کسی سُنّی کی نمازِ جنازہ بھی پڑھ لیں لیکن ان کے عقائد کا یہ تقاضا نہیں ہے۔ بریلوی عقیدے کے لوگ اہلِ حدیث کے نزدیک پرلے درجے کے مُشرک ہیں جو انسانوں کی رُوحوں اور مُردوں کی قبروں کو قبلۂ مُراد مانتے ہیں اور بے شمار ایسی رسُوم کے پابند ہیں جن کی اصل دین میں موجود نہیں ہے۔ دُنیائے اسلام میں بعض ایسے فرقے بھی مسلم معاشرے کا جزوِ لاینفک سمجھے جاتے ہیں جن کے عقائد سوادِ اعظم کے سخت خلاف ہیں مثلاً آغاخانی، بہائی اور دروزی۔ لیکن ہندوستان، ایران، پاکستان، شام وغیرہ میں وہ مِلّتِ اسلامی ہی سمجھے جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ احمدیوں کے بارے میں مسلمان صبر اور رواداری سے کام نہ لیں اور لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کہہ کر ان سے تعرض نہ کریں۔ اگر مذہبی فرقوں کے درمیان جنگ و شقاق کا ہنگامہ جاری رہا تو ظاہر ہے کہ اس سے کلمہ گویوں کے اتحاد کی بنیاد کمزور ہو جائے گی۔ مَیں ان جوشیلے حضرات سے متفق نہیں ہوں جو یہ کہنے کے عادی ہیں کہ احمدی ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، یہودیوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص توحیدِ الٰہی، نبوّتِ محمدی، حشر نشر، سزا، جزا، قرآن اور کعبہ کا قائل ہے

؎۱ اداریہ روزنامہ "امروز" لاہور مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء؛

اور نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور تمام احکامِ فقہی میں سوادِ اعظم سے متشابہ ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ کفّار سے زیادہ کیوں کر بُرا ہوسکتا ہے اور ملّت سے خارج کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے بڑے بڑے عظیم الشّان آئمۂ اسلام نے تو نہایت شدید اختلافات کی حالت میں بھی دوسروں سے انتہائی رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ اور خود امام ابوحنیفہ کا یہ ارشاد مشہور ہے کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی اور ایک وجہ اسلام کی بھی موجود ہو اس کو کافر کہنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خیر مجھے مذہبی مسائل کی پیچیدگیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور نہ آج کل ان بھول بھلیّوں میں اپنے آپ کو کھو دینے کا زمانہ ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ پاکستان میں ملّتِ اسلامیہ کے اندر فرقہ پرستی کی آگ کو ہوا دینا ملّت اور بہبودِ وطن کے خلاف ہوگا۔ جب پاکستان کے ہندوؤں، اچھوتوں، عیسائیوں پارسیوں کے شہری حقوق مسلمانوں کے برابر ہیں اور ان کے جان و مال و آبرو کی حفاظت اور تحریر و تقریر و اجتماع کی آزادی کی ضامن و کفیل خود حکومتِ پاکستان ہے (بشرطیکہ وہ قانونِ ملکی کی خلاف ورزی نہ کریں) تو پھر اللہ اور رسول کا کلمہ پڑھنے والی جماعتوں کو وہ تمام حقوق اور آزادیاں کیوں حاصل نہیں۔ عیسائیوں کی تو تبلیغی جماعتیں مثلاً مشن اسکول۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے سالویشن آرمی و مکتی فوج تک پاکستان میں اپنا کام آزادانہ طور پر کر رہی ہیں اور ان سے کوئی معترض نہیں ہوتا پھر مرزائیوں سے معترض کے کیا معنی؟

بعض متعصّب مولوی اور ان کے جوشیلے پیرو یہ کہنے کی تو جرأت نہیں کرسکتے کہ فلاں فرقے کے تمام مردوں، عورتوں اور بچّوں کو پاکستان بدر کر دیا جائے اور اگر وہ ایسا مطالبہ بھی کریں تو اہلِ عقل میں سے کون ہے جو ان کا ہم زبان ہوسکے۔ پھر جب تمام حنفیوں، وہابیوں، بریلویوں، شیعوں، مرزائیوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور اچھوتوں کو اسی ملک میں رہنا ہے اور یہیں مرنا کھپنا ہے اور پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان سب کے حقوق مساوی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان قوموں اور فرقوں کی آپس میں ہنگامہ آرائی کرنا کس اعتبار سے پاکستان کے لئے مفید ہے۔

ہمارے بعض علماء کو اس امر کا اندازہ نہیں کہ کراچی میں مرزائیوں کے جلسے پر ہزاروں مسلمانوں کی یورش سے ہم دُنیا بھر کے ممالک میں حد درجہ بدنام ہوئے ہیں اور حریّتِ رائے اور جمہوریّت

کے بلند بانگ دعووں کی کس طرح قلعی کھلی ہے۔ خدا کے لئے اپنے وطن کو اقوامِ عالم میں بدنام و رُسوا نہ کرو تم اپنے عقائد پر قائم رہو اور دوسروں کو اپنے عقائد پر قائم رہنے کا حق دو عیسیٰ بدینِ خود موسیٰ بدینِ خود۔ بعض علماء کا صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے "ہجوم نے جو کچھ کیا بُرا کیا ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا" علماء اسلامی شائستگی اور اخلاق کے امین ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اختلافِ عقائد کو الگ رکھ کر عامۃ المسلمین کو اِس طرح احتجاج کی بنا پر سختی سے ڈانٹیں اور ملک بھر کی مسجدوں سے یہ آواز بلند کریں کہ آئندہ ایسا کوئی واقعہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ احکامِ اسلام، وقارِ اسلام اور اخلاقِ اسلام کے منافی ہے اور اس سے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ مولوی کبھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ یہ فتنہ فساد کا ہنگامہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہ خلوت میں اسی پر بغلیں بجا رہا ہے۔

قانون امن کی طاقتوں کو بلا خوف لومۃ لائم قانون و انتظام کو تباہ کرنے والوں کے خلاف شدید کارروائی کرنی چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ ہر صحیح الدماغ اور ذمہ دار پاکستانی اس اقدام میں ان کا حامی ہوگا۔

حکومت کے صیغہ داخلہ کو مذہبی فرقہ آرائی کے ذمہ داروں اور اشتعال انگیز واعظوں اور مقرروں پر نہایت کڑی نظر رکھنی چاہیئے خواہ وہ کسی فرقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔ احراری ہوں یا مرزائی جو بھی فتنہ انگیزی کے درپے ہو اس کے ساتھ قانونی سلوک ہونا چاہیئے"

سرگودہا ۱۴۔ ہفت روزہ "بیباک" کی یکم جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں حسبِ ذیل نوٹ چھپا:۔

" قارئین کو ریڈیو پاکستان اور روزانہ اخبارات کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ ۱۷۔ ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو کراچی کے جہانگیر پارک کے اندر" اسلام ایک زندہ مذہب ہے" کہنے والے کے خلاف مُردہ باد کے نعرے لگائے گئے جلسہ میں پتھراؤ کیا گیا جس سے حالات کافی مخدوش ہو گئے۔

ہمارے ایک احراری بزرگ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہمارا لب ولہجہ احرار کے بارے میں نہایت تُند و تلخ ہوتا ہے اِس لئے ہم ان کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے نہایت نرم الفاظ میں کچھ

گذارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

"مجلس احرار" یہ گرگٹ جماعت جو مرغ بادنما کی طرح اپنا رُخ بدلتی رہتی ہے جیسے کل اپنا آج کا مسلک غلط نظر آتا ہے اور پرسوں آج کا مسلک راست معلوم ہوتا ہے جیسے خود یہ علم نہیں کہ وہ چاہتی کیا تھی اور چاہتی کیا ہے جس کے مقدس "لیڈرانِ کرام" ۱۵ راگست تک سیاست کا رُخ معلوم نہ کر سکے اور ان سے کس سمجھ بُوجھ کی توقع رکھی جا سکتی ہے جس کا وجود ہی محض اِس لئے معرضِ ظہور میں لایا گیا کہ کچھ خود غرض لوگ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے اِس جماعت کو بطور "حربہ" استعمال کریں جس نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ غدّاری کی۔ جس نے نظریۂ پاکستان کا مذاق اُڑایا۔ کبھی تو یہ جماعت سیاسی ہے۔ کبھی مذہبی۔ پھر سیاسی۔ پھر مذہبی۔ غرضیکہ "مذبذب" کی یہ جماعت گرگٹ کی طرح رنگ ہی بدلتی نظر آئی۔"

مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور تخریبی کارروائیاں کرنا اِس جماعت کا پُرانا مشغلہ ہے جس پر نہایت استقلال کے ساتھ آج تک قائم ہے۔ کراچی کے تلخ واقعات بھی اِسی روش کا نتیجہ ہیں۔ آج قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کی رُوح "مسلمانوں" سے پوچھ رہی ہے کہ کیا میں نے تمہیں اتحاد اور تنظیم کا یہی سبق دیا تھا جس کا مظاہرہ تم مسلمان بھائیوں کے ساتھ کر رہے ہو۔ ہمیں بتایا جائے کہ آخر احمدیوں کا قصور کیا تھا؟ ان کے جلسہ میں پتھراؤ کیوں کیا گیا؟ اس جلسہ میں موضوعِ تقریر یہی تھا "اسلام ایک زندہ مذہب ہے"۔ کیا ان معترضین کو اِس چیز سے اختلاف ہے؟ آخر یہ متشدّدانہ رویّہ کیوں اختیار کیا گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ مسلمانوں سے دلچسپی ہے نہ اسلام سے۔ انہیں صرف اپنے ہی موضوع سے دلچسپی ہے۔ فساد! ان کی گذشتہ روایات بھی یہی کہتی ہیں۔ انہوں نے ہر اس موقعہ پر فساد کیا اور کرایا جہاں مسلمان آپس میں مِل بیٹھے۔ کبھی شیعہ سُنّی فتنہ کو ہوا دی گئی۔ کبھی مدحِ صحابہ کی راگنی الاپی گئی۔ کبھی ردِّ مرزائیت کے نام پر مُنہ میں جھاگ لا لا کر مظاہرے کئے گئے۔

اُس وقت تو یہ تخریبی کارروائیاں انگریز کراتا تھا کیونکہ اس کا مفاد ہی اِسی میں تھا کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ مگر اب ——؟

اب یہ نتیجہ ہے ہماری حکومت کی نرم پالیسی کا۔ ان بھیڑیوں کے مُنہ کو انسانی خُون لگ چکا

ہے یہ اب بھی بڑہ معصوم کی تلاش میں ہیں۔

ہم حکومت سے امن، اتحاد، تنظیم اور انسانیت کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اس فتنہ کو فی الفور دبا دیا جائے ورنہ یہ آئے دن کے فسادات نہ صرف حکومت کے لئے دردِ سر کا موضوع ہیں بلکہ عامۃ المسلمین میں بھی بددلی، تشکک اور عدمِ اعتماد کی ایک لہر پیدا کر دیں گے جو قوم کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ملی شیرازہ پارہ پارہ کرنے کا باعث ہوں گے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ پاکستانی سُورما بڑے بہادر ہیں۔ کاش! حکومت ابھی سے ان کی فہرست مرتب کرے تاکہ جب کبھی جہادِ کشمیر کا وقت آئے تو انہیں محاذ پر بھیج کر ان کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

حکومتِ پاکستان کے دِل، کراچی میں حکومتِ پاکستان کا منتدین اور متّقی وزیرِ خارجہ ایک جلسہ کے اندر اسلام کی افضلیّت پر تقریر فرما رہا ہے اور اس جلسہ گاہ کے باہر چند شوریدہ سر کرایہ پر لائے ہوئے مُفسد گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ ایک ایسے جلسہ میں جہاں اسلام کی فضیلت بیان کی جانی مقصود ہو غیر مسلم اور بیرونی ممالک کے سفراء و معززین بھی مدعو ہوں گے۔ صرف یہ تصوّر کیجئے کہ جب ہمارا وزیرِ خارجہ یو۔ این۔ او میں اور دیگر ممالک میں اپنی مدلّل تقاریر سے ان لوگوں کو محوِ حیرت بنا کر خراجِ تحسین حاصل کرتا ہوگا۔ اور پھر ان ممالک کے معزّزین جو کراچی میں مقیم ہیں اور جلسہ کے اندر ہمارے وزیرِ خارجہ کی اِس طرح گت بنتی دیکھتے ہوں گے تو ان کی مقبولیّت کے متعلق ان کا تاثّر کیا ہوگا؟

اگر ہمارے وزیرِ خارجہ کا وقار ان لوگوں کی نظروں کے سامنے خاک میں ملا دیا جائے تو کیا ہمارے ملک کا وقار قائم رہ سکتا ہے؟ اگر یہ کوئی انتخابی جلسہ ہوتا یا الیکشن کے سلسلہ میں کوئی اجتماع ہوتا تو بھی مفسدین کی یہ حرکت قابلِ برداشت نہ ہوتی لیکن — لیکن یہ ایک خالص مذہبی جلسہ تھا مُفسدین کی روش یقیناً حد درجہ افسوسناک ہے۔

ہمیں اَب یہ اندازہ لگانا ہوگا کہ آئندہ کے لئے حکومت اِس سلسلہ میں کیا پالیسی مقرر کرتی ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ عدالت میں یہ معاملہ ملزمان کے سزا پانے یا بری ہو جانے پر ہی ختم ہو جائے گا یا اس حادثہ کی روشنی میں آئندہ کے لئے اِس قسم کی تخریبی سرگرمیوں کے استیصال کے لئے بھی حکومت کوئی اقدامات کرتی ہے؟" [1]

[1] ہفت روزہ "بیباک" سرگودھا یکم جون ۱۹۵۲ء؟

سیالکوٹ ۱۵۔ اخبار "دُرِّ نجف" سیالکوٹ نے "حادثۂ کراچی" کے زیرِ عنوان اپنی یکم جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"۱۷۔۱۸ ۔ مئی کو جہانگیر پارک کراچی میں احمدیوں کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر اکثریتی عوام نے جو نازیبا مظاہرہ کیا ہے وہ ہر حسّاس پاکستانی کے لئے موجبِ مذمّت ہے۔ مملکتِ پاکستان نئے جذبات اور بلند ترین قدروں کی اساس پر قائم ہوئی ہے جس کی صیانت اور مزید استحکام ہر محبِّ وطن کا اوّلین فریضہ ہونا چاہیئے۔ ہمیں احمدیّت سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ان کا کوئی مسئلہ ہمارے مسائل سے میل کھاتا ہے بلکہ بلاخوفِ تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیعی مسلّمات جس شدّت سے احمدیت کی نفی کرتے ہیں مسلمانوں کے کسی فرقہ کے معتقدات میں اتنی سختی نہیں کیونکہ شیعہ عصمتِ انبیاء اور وجودِ امامِ عصر کا راسخ عقیدہ رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دوسرے فرقوں میں یہ اصول کچّی ٹہنی کی طرح لچکدار ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے عام مکاتب تو کسی نہ کسی گنجائش کے سبب ممکن ہے برداشت بھی کر لیں مگر تشیّع تو کسی صورت بھی احمدیت وغیرہ کو کوئی جگہ نہیں دے سکتا اس کے باوجود شیعہ علماء، پریس اور عوام نے کسی لمحہ مخالفت میں کوئی ایسا رویّہ اختیار نہیں کیا جس سے شرمناک فرقہ واریت کی ہمّت بڑھتی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مجلسِ احرار (جس کا مقصدِ وحید احمدیت کا استیصال ہے) کا اسٹیج ایک عرصہ تک بد زبانی اور غیر مہذّب طریقِ جدل کا اکھاڑہ بنا رہا مگر جب سے شیعہ علماء کو مدعو کیا جانے لگا اسی پلیٹ فارم پر مثالی شائستگی پیدا ہو گئی۔

شیعہ علماء وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ کے قرآنی فلسفہ سے اچھی طرح واقف اور اس پر عامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ پریس بھی اپنی روایتی متانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ عوام خواہ کسی فرقے کے ہوں ان ہی دو ذرائع سے اثر قبول کرتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثریت کے علماء اور پریس نے اپنے عوام کو اس درجہ اشتعال دلایا ہے کہ جب کبھی بھی انہیں موقعہ ملتا ہے دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں کوہِ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتے ہیں۔

جہانگیر پارک کا حادثہ یقیناً تکلیف دِہ ہے لیکن ہم اِس کی ذمہ داری کسی پر عائد کئے بغیر تمام پاکستانی عوام کی خدمت میں عرض کریں گے کہ پاکستان کی تخلیق میں اقلیت کے مفہوم کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس مملکت کے اربابِ بست وکشاد کا دعویٰ بھی ہے کہ سبز پرچم کا سایہ اقلیتوں

کی آسودگی کا ضامن ہے لہذا کسی خام خیالی کے باعث غلط راہیں اختیار کر کے کوئی ایسی صورت پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے جس سے ملک کی نیک نامی پر آنچ آئے۔ جمہور کو چاہیئے کہ وہ مسٹر طالب نقوی چیف کمشنر کراچی کے اِن الفاظ پر توجّہ دیں اور ہمیشہ کے لئے انہیں مشعلِ راہ بنائیں کہ:۔

"مرزائی بھی پاکستانی ہیں اور انہیں بھی اجلاس منعقد کرنے کا حق اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ وہ مروّجہ قانون کی خلاف ورزی نہ کریں۔ حکومت کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔"

ساتھ ہی ہم علمائے کرام کی خدمت میں بھی گزارش پیش کریں گے کہ وہ" جواز و عدم جواز" کی بحث چھیڑ کر جارحانہ ذہنیتوں کی حوصلہ افزائی نہ فرمائیں نیز پریس کو بھی اپنے واجبات اور ملک کے حالات کا احساس کرنا چاہیئے۔

اِس سلسلہ میں ۲۰ مئی کو کراچی میں مجلسِ ختمِ نبوّت کی جانب سے ایک پریس کانفرنس میں طبقۂ علماء نے جو بیان دیا ہے اسے ہم کم از کم پاکستانی معیار کے علماء کے اذہان کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے۔

اِس کانفرنس میں ہمارے ایک ذمّہ دار عالم مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ بھی شریک تھے اس اعتبار سے مولانائے موصوف بھی ایک حد تک مسئول ہیں جس کا ہمیں سخت ملال ہے۔ اور بصد ادب و احترام ہم قبلہ و کعبہ کی خدمت میں ملتجی ہیں کہ وہ آئندہ ایسی کسی نشست میں شمولیّت نہیں فرمائیں گے جس میں شعوری طور پر قراردادِ مقاصد کا پاس اور اقلیتوں کے لئے جذبۂ احترام موجود نہ ہو۔ اِس وقت سوادِ اعظم کے علماء صرف احمدیت کے خلاف اپنی جنبہ دارانہ ذہنیّت کا استعمال کر رہے ہیں مگر ان کے بگڑے ہوئے تیور شیعوں کو بھی للکار سکتے ہیں اور رفضا اعلان کر رہی ہے "آج وہ کل ہماری باری ہے"۔ [1]

مشرقی پاکستان

روزنامہ "آزاد" (مشرقی پاکستان) مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۵۲ء نے لکھا:۔

معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کا ایک فریق کراچی میں ایک جگہ متواتر دو دن سے اپنا (سالانہ) جلسہ کر رہا ہے اور ایک اور فریق کے لوگ جلسہ گاہ پر حملہ کر کے روک ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسرے دن وزیر خارجہ پاکستان چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تقریر کر

[1] "دُرِّ نجف" بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۳ جون ۱۹۵۲ء صـ۳۔

رہے تھے کہ عین اس وقت دوسرے فریق نے گڑبڑ ڈالنے کے لئے حملہ کر دیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے بعض لوگوں کی بے صبری اور عدمِ رواداری ہی ثابت ہوتی ہے۔ کسی معاملہ میں خاص کر مذہبی معاملات میں عدمِ رواداری اسلامی تعلیم کی رُوح کے بالکل خلاف ہے۔ پاکستان اور اسلامی دنیا کے کسی کونہ میں بھی ایسی ذہنیت کا وجود بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ ان دنوں جب کہ تمام اسلامی دُنیا کے اتحاد کے خواب کو امرِ واقع اور حقیقتِ مشہودہ بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ایسے نازک وقت میں فرقہ وارانہ مناقشات کو ہوا دینا اتحاد و یگانگت کی تمام تدبیروں کو ملیا میٹ کرنے کا موجب ہوگا۔ جب مسلمانوں کے لئے غیر مذاہب کے لوگوں کو محض اختلافِ عقائد کی بناء پر تکلیف دینا اسلامی شریعت میں ناجائز ہے تو خود کسی مسلمان کو اختلافِ عقائد کی وجہ سے کوئی دُکھ یا تکلیف دینا کہاں جائز ہو سکتا ہے؟ اختلاف خواہ کسی وجہ سے بھی ہو جنگل کا قانون یعنی یہ دستور کہ اپنی داد رسی آپ ہی کر لو اور جس سے اختلاف ہو اس کو مار کر تباہ کر دو قومی ترقّی کے لئے ایک بہت بڑی سدِّ راہ ہے۔ آج پاکستان کے ہر مرد اور ہر عورت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمان اپنے علم و عمل اور ریاضت ہی کے ذریعہ سے دوسروں کو ختم کر سکتے ہیں اس کے علاوہ اَور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔" ؎۱ (ترجمہ)

بھارت کا مسلم پریس اِس حادثہ کی بازگشت بھارت میں بھی سُنی گئی۔

۱۔ چنانچہ اخبار "حقیقت" (لکھنؤ) نے ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں ہنگامۂ کراچی کی مذمت کرتے ہوئے لکھا:-

"کراچی کا فرقہ وار فساد

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے بنانے میں جن مسلم جماعتوں نے نمایاں حصّہ لیا اور اس جدّوجہد میں مسلم لیگ کی بہت زیادہ مدد کی ان میں پیش پیش جماعت احمدیہ قادیان بھی رہی ہے۔ اس جماعت کے افراد نے آنکھیں بند کر کے اور بغیر انجام پر غور کئے پاکستان بنائے جانے کی حمایت کی۔ آج اسی پاکستان میں اس کے لئے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اور اس کو ایک غیر مسلم

؎۱ بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۱۱ نبوک ۱۳۳۱ ہش صہ ۸

"اقلیت" قرار دئے جانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ قادیانی جماعت کے مذہبی عقائد کیا ہیں؟ لیکن جب یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں ہر فرقہ کو یکساں مذہبی آزادی حاصل ہے تو پھر قادیانیوں پر اس قدر تشدد کیوں کیا جا رہا ہے؟ خاص کراچی میں پچھلے ہفتہ جو افسوسناک واقعہ پیش آیا اور جس کے نتیجہ میں ایک سَو سے زیادہ افراد زخمی ہوئے اور جابجا آتشزدگی اور لُوٹ مار کے واقعات بھی ہوئے۔ کیا یہ پاکستانیوں کے اِس دعویٰ کی قطعی تردید نہیں ہے کہ وہاں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہے؟ دیکھنا ہے کہ قادیانیوں کے بعد اَور کس فرقہ پر پاکستان کے مذہبی دیوانوں کا نزلہ گرتا ہے؟" [1]

اخبار "حقیقت" کے اِسی پرچہ میں درج ذیل خبر بھی شائع ہوئی:۔

"کراچی میں قادیانی ابھی تک اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلے
آگ لگانے کی اکّا دُکّا وارداتیں۔ پولیس کا وسیع انتظام"

کراچی ۲۲۔ مئی۔ قادیانیوں میں ابھی تک خوف وہراس پھیلا ہوا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے گھروں سے باہر نکلتے گھبراتے ہیں۔ ان کا کاروبار ابھی تک بند ہے۔ ان کی حفاظت کے لئے انکے مکانوں پر پولیس بٹھا دی گئی ہے پھر بھی کہیں کہیں آگ لگانے کی اکّا دُکّا واردات ہو رہی ہے۔

جہانگیر پارک میں بلوہ کے سلسلہ میں جو تین سو اشخاص گرفتار کئے گئے تھے ان میں سے پولیس نے صرف ساٹھ اشخاص کو حراست میں رکھا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے۔ کل پولیس افسروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام صورتِ حالات پر غور کیا گیا۔ بندر روڈ پر احمدیہ ایسوسی ایشن کی لائبریری بالکل بند پڑی ہے اس کے باہر پولیس کا پہرہ ہے۔ کراچی کے کمشنر نے ایک بیان میں کہا کہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں کے درمیان سنیچر اور اتوار کو جو تصادم ہوا ہے اس کے پس پُشت ایک آرگنائزیشن کام کر رہی ہے۔ آپ نے کہا کہ حکومت کو اس بلوہ کا پہلے ہی علم تھا۔ حکّام کو نامعلوم اشخاص کی طرف سے پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا کہ جلسوں میں جھگڑا کیا جائے گا۔" [2]

۲۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنے ہفتہ وار اخبار "صدقِ جدید" لکھنؤ (۲؍ جون ۱۹۵۲ء)

---

[1] روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ ۲۳؍ مئی ۱۹۵۲ء، صـ۲ ۔

[2] روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ ۲۳؍ مئی ۱۹۵۲ء، صـ۳ ۔

میں چوہدری صاحب کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے یہ نوٹ لکھا:۔

" تبلیغ غیروں کی مجلس میں

سر ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان کا بیان ۲؍جون کی پریس کانفرنس کراچی میں

"میرے اُوپر بارہا یہ اعتراض ہو چکا ہے کہ مَیں ملکی اور بین الملکی معاملات میں قرآن اور حدیث کو پیش کیوں کر دیتا ہوں۔ حالانکہ اگر ملکی اور بین الملکی مسائل کو دینی سند مل جائے تو بہتر ہی ہوا کرے۔ چنانچہ اِس وقت بھی اس اعتراض کا مزید خطرہ لے کر مَیں کہتا ہوں کہ ہمیں تو تعلیم اس کی ملی ہے کہ تعاونوا علی البرّ والتّقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] اور ہمارے پیغمبر کا قول ہے جسے مَیں پیرس میں جنرل اسمبلی میں پچھلے نومبر کو پیش بھی کر چکا ہوں کہ انصر اخاك ظالمًا او مظلومًا[2]۔ الخ"

کاش یہی شیوہ عرب اور مصر اور عراق اور ایران اور شرق یردن اور شام اور افغانستان کے نمائندوں کا بھی ہوتا۔ کاش ان میں بھی جرأت غیروں کے سامنے اپنے ہاں کی چیزوں کے پیش کرنے کی ہوتی! اور ایک تو نمائندۂ پاکستان اپنے منفرد ہونے کی بناء پر غیروں کی مجلس میں بیشک عجیب سا معلوم ہوتا ہوگا اور اسی لئے اس کا استحقاق اجر بھی کہیں بڑھ رہا ہوگا۔ غیروں کی مجلس میں بے باکانہ تبلیغِ دین کی یہ سُنّت قائم کی ہوئی مولٰنا محمد علیؒ کی ہے۔ اور ایک بار مرحوم وزیر اعظم پاکستان نے بھی اِس کا حق امریکہ میں ادا کیا تھا اور اب تو اُونچے حلقوں میں یہ وزیر خارجہ پاکستان کے دَم سے ہی قائم ہے۔"[3]

۳۔ رسالہ "مولوی" دہلی (بابت ماہ جولائی ۱۹۵۲ء) نے اِس واقعہ پر ایک دردانگیز مقالہ سپردِ اشاعت کیا جس کا متن یہ ہے:۔

"آپ اپنی تاریخ پر چاہے جتنا فخر کیجیے۔ آپ سلفِ صالحین کی حیاتِ طیبہ پڑھ کر کتنا ہی رقص کیجئے مگر اس کی حیثیت پدرم سلطان بُود سے ہرگز زیادہ نہ ہوگی۔ اسی اپنی گمشدہ متاع کو بروئے کار لانے اور اپنی بے چارگی کے بندھن توڑنے کے لئے تو اسے راہبرانِ دینِ متین اور اسے مجاہدینِ اسلام

---

[1] مائدہ ع ۱ ÷ [2] بخاری کتاب المظالم ÷ [3] "صدقِ جدید" لکھنؤ ۲؍جون ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۹؍جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۔:

آپ نے تقسیم کی مانگ کی تھی اور خدا نے اگر یہ اُس کا فضل تھا تو آپ کو اس نے نواز دیا۔

آج پورے پانچ سال ہو گئے کہ آپ آزاد ہیں۔ اپنے حاضر اور استقبال کے پورے مالک ہیں۔ آپ کے معاملات میں کوئی مداخلت کرنے والا بھی نہیں ہے۔ اللہ کے واسطے بتائیے کہ آپ نے ہم پسماندہ بھارت کے مسلمانوں کی نسبت سے زیادہ کونسا قدم اسلام کی طرف اُٹھایا اور وہ کونسی بات کی جس سے آپ کے دعویٰ کی ذراسی بھی سچائی دُنیا پر روشن ہوئی۔

الاٰ ثم آہ :- دہلی۔ یو۔پی۔سی۔پی بمبئی۔ مدراس کے مسلمانوں نے آپ کی ہمنوائی میں پورا پورا حصہ۔ یہ جان کر یہ بُوجھ کر کہ اس سے ہمیں مادّی نفع تو درکنار ہماری غلامی کے طوق اور بوجھل ہوں گے۔ ہماری بیڑیاں اب سے ہزار درجہ گراں بار ہوں گی۔ ہماری دُنیاوی عزتیں خاک میں ملیں گی۔ ہمارے اعزہ ہم سے جُدا ہوں گے۔ ہماری پیٹھیں ہی تازیانوں سے زخمی نہ ہوں گی، ہم پر پیٹ کی ماریں بھی پڑیں گی۔ ہم رکھوال اکثریت کی فیّاضی سے بھی پوری طرح واقف تھے اور ان کی تنگ نظریاں بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ تھیں۔ اور وہ مصیبت جو ہم پر آئی اور آرہی ہے اور شاید ابھی پوری نہ ہوئی ہو وہ ہماری توقع سے چاہے شدید ہو لیکن غیر متوقع ہرگز نہ تھی۔

پھر اے سرفروشانِ اسلام! یہ بربادی ہم نے کیوں قبول کی؟ ہم پاگل تو نہ تھے صرف ایک لگن تھی اور وہ یہ کہ اس آزادی کے بعد یہ مجاہدین اور شیدایانِ اسلام قرونِ اولیٰ کا اسلام زندہ کریں گے۔ دُنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ ہدایت کے چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ رُشد کی چمکاہٹ غیّ کی ظلمت کو نابود کردے گی۔ یہ ہمارا اسلامی وطن حرم محترم ہوگا۔ یہاں انسانی خون ہی نہیں اسکے پسینہ کا ہر قطرہ محترم ہوگا اور دُنیا کو یہ بتلا دینے کے پورے اسباب و وسائل ہمارے ہاتھ میں ہونگے کہ امن، ایٹم بموں۔ جراثیم بموں۔ لہر کی گیسوں سے قائم نہیں ہوسکتا کہ یہ سب شیطانی ہتھیار ہیں رحمانی ہتھیار تو ایثار ہے۔ انسانی ہمدردی ہے۔ انسانی برابری ہے۔ ادائے حقوق العباد ہے۔ اور دیکھو کہ ہم دُنیا کی ہر مادّی اتباع سے تہی دست ہیں لیکن پھر بھی پوری دُنیا سے مالدار ہیں کہ خدا کی تائید ہے۔ اُس کا فضل ہمارے ساتھ ہے۔ وکفیٰ باللہ وکیلاً۔

یہ تھا وہ خواب جس پر ہم نے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ اے اُونچے ایوانوں میں رہنے والے رہنماؤ! اے صوفہ اور قالینوں کو زینت دینے والے مجاہدو! اور اے کفن بردوش مسلمانو!

تم ہم سے کیا کہہ کر گئے تھے اور اب کیا کر رہے ہو۔ ابتدائی صعوبات کے زمانہ کو چھوڑ کر جب خدا نے تم کو اپنے کرم سے بے خوف کیا، غنی کیا، تم کو حکومت دی، تم نے اس کے افضال کا کونسا قرضہ چکایا؟

ہمارے دل کتنے دردمند ہیں ہم تم کو یہ نہیں بتا سکتے اور بتانا بھی نہیں چاہتے۔ ہم یہاں کتنے بے عزت ہیں اس کا استفسار بھی تم سے مقصود نہیں کہ اس بے عزتی کے ذمہ دار تم ہو! اور تم سے گلہ بھی نہیں کرتے کہ تم اس کے اہل نہیں۔ تم سے کوئی مدد بھی نہیں چاہتے کہ تمہارے پاس دھرا کیا ہے؟ تم نے متاعِ ایمان و اسلام کو ہی زنگ آلود بنا دیا تو پھر تمہارے پاس کیا رکھا ہے جو ہماری مدد کرو گے؟ ہم فاقوں کو برداشت کر لیتے ہیں کہ روزہ ہم کو اس پر صبر دلا دیتا ہے۔ ہم اس بے عزتی کو بھی سہار لیتے ہیں کہ بھارت کا فروتر سے فروتر غیر مسلم آج اس دَور میں ہم سے زیادہ معزز ہے۔ آج ہمارے آگے ہاتھ پھیلانے والا ہم کو بے تکلف گالی دیتا ہے اور ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔ ہم معمولی سی چپقلش میں اکثریت اور اس کے بعد پولیس کے ڈنڈے کھاتے ہیں۔ پھر جیل بھی ہم ہی جاتے ہیں۔ ہماری منقولہ متاع یہاں نئے بسنے والوں نے چھین لی اور غیر منقولہ محافظینِ جائداد نے اپنی حفاظت میں لے لیں۔ ہم نہایت محنتِ شاقہ کے بعد مٹھی بھر آن جوں توں حاصل کر لیتے ہیں اور پیٹ کی آگ بجھا لیتے ہیں۔ ہمارے خاندان متفرق ہوئے۔ مائیں اولاد سے دُور ہوئیں۔ خاوند بیویوں سے جُدا ہوئے۔ بہنیں بھائیوں کی صورتوں کو ترس گئیں۔ بچے باپ کے جیتے جی یتیم ہو گئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ آنے جانے کے راستے ہم پر بند ہو گئے۔ ہم نے ان طبعی تلملاہٹوں اور فطری بے چینیوں کو نیچی نظروں سے قبول کر لیا۔ تم اری طرف تو کیا دیکھتے ہم نے تو آسمان کی طرف نظر نہیں اُٹھائی اور کھُل کر آہ بھی نہ کی۔ یہ سب کہانیاں نہیں کسی ڈرامہ کی ٹریجڈی کے ٹکڑے نہیں۔ اے مجاہدین! اسلام حقیقت ہے اور اس کا بھارت کے مسلمان کا ہر دل گواہ ہے۔ یہ سب ہم نے برداشت کیا۔ جو نہیں برداشت ہو سکتا وہ یہ۔۔۔ کہ ہمارے غیر مسلم بھائی ہمارے دل و دماغ میں بھالے چبھوتے ہیں کہ یہ ہے تمہارا پاکستان۔ اسی کے لئے تم نے ہم سے لڑائی مول لی۔ تم تو کہتے تھے کہ اسلام بڑا روادار مذہب ہے اس میں انسانی خون اور آبرو کی بڑی عزت ہے۔ کیا یہی رواداری ہے کہ غیر مسلم تو کجا تم مسلم کے بھی تھوڑے سے اختلاف کو نہیں بخش سکتے۔ تمہارے بھائیوں نے اپنے ہی قوم اور وطن کے بھائیوں کو ذرا سے بل بوتے پر کیا ناچ نچایا۔ ان کے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے جو انہوں نے تمہاری

حکومت میں تمہاری اجازت لے کر کیا تم نے اُن کو رسوا کیا۔ ان کا جلسہ درہم برہم کیا۔ اس پر ہی بس نہیں ان کی دکانوں کو آگ لگائی۔ اُن کی زندگیاں خطرے میں ڈال دیں۔ یہ وہ مرزائی ہیں جن کا تمہارا دینی اختلاف ہے۔ جب ان کی زیست حرام کر سکتے ہو تو غیر مسلموں پر کیا آفت نہ ڈھاؤ گے؟ وہ تمہارا الزام اسلام پر لگاتے ہیں اور ان کو لگانا بھی چاہیئے کیونکہ نہ انہوں نے قرآن پڑھا ہے نہ اسلامی تعلیم کا مطالعہ کیا۔ ہاں ان کو تمہارا وہ دعویٰ آج بھی یاد ہے کہ ہم با اختیار ہوئے تو ہماری حکومت کی تشکیل اسلامی ہو گی اور ان کا اب یہ سمجھنا کون غلط بتا سکتا ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اور کرتے ہو اسلام نہیں ہے۔" لہ ٹہ سہ

مصری لیڈر السید مصطفےٰ مومن کا بیان

مصر کی وفد پارٹی کے ایک راہنما اور شعوب المسلمین کے مندوب السید مصطفےٰ مومن نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی خدمات صرف پاکستان کے وزیر خارجہ کی نہیں ہیں بلکہ آپ مشرقِ وسطیٰ اور بالخصوص مصر اور عرب دُنیا کے بھی وزیرِ خارجہ ہیں۔ وہ بہت بڑے مدبّر ہیں انہوں نے اقوامِ متّحدہ میں تونس، مراکش، ایران اور مصر کی حمایت کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ چوہدری صاحب

لہ بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء +

ٹہ مسلم پریس کے علاوہ بھارت کے مشہور غیر مسلم صحافی سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون اخبار "ریاست" دہلی (۲۶مئی ۱۹۵۲ء) میں لکھا:-

"چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کے حالات اور اُن کے کیریکٹر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اقرار کریں گے کہ جہاں تک مذہبی خیالات کا سوال ہے پاکستان کی وزارت تو کیا دُنیا کے تمام ممالک کی وزارتیں بھی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ اپنے خیالات کو چھوڑ دیں۔"

سہ حادثۂ کراچی سے متعلق اکثر و بیشتر تبصرے "احراری ناپاک سازش" (مولفہ ملک محمد اکبر علی صاحب واقفِ زندگی) سے ماخوذ ہیں۔ ناشر مکتبہ تحریک انارکلی لاہور۔ طبع اوّل +

یہ حملہ پوری اسلامی دُنیا پر حملہ ہوگا۔[۱] [۲]

[۱] روزنامہ "آفاق" (لاہور) ۲۵ رمئی ۱۹۵۲ء

[۲] چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے عہدِ وزارت کی خارجہ پالیسی کی نسبت چوہدری محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان کا بیان ہے کہ:۔

"عالمِ اسلام کی آزادی، استحکام، خوشحالی اور اتحاد کے لئے کوشاں رہنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک مستقل مقصد ہے۔ حکومتِ پاکستان کا ایک اوّلین اقدام یہ تھا کہ مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں میں ایک خیر سگالی وفد بھیجا گیا۔ پاکستان نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کو اپنا مسئلہ سمجھا اور اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں اس کے فصیح ترین ترجمان تھے۔ علاوہ ازیں انڈونیشیا، ملایا، سوڈان، لیبیا، تونس، مراکش، نائیجیریا اور الجزائر کی آزادی کی مکمل حمایت کی گئی۔ مغربی ایریان کے مسئلے پر پاکستان نے انڈونیشیا کا پورا ساتھ دیا۔ کئی مسلم ملکوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے گئے اور ثقافتی ارتباط کا انتظام کیا گیا ہے۔ مؤتمر عالمِ اسلامی کی تنظیم عمل میں لائی گئی۔ ۱۹۴۹ء میں کراچی میں بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ۱۸ مسلم ملکوں کے نمائندے شامل ہوئے تھے۔ کانفرنس نے اتفاق رائے سے اسلامی ایوان ہائے صنعت و تجارت کا بین الاقوامی وفاق قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔" (ظہورِ پاکستان صفحہ ۴۴۵)

اسی کتاب میں انھوں نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی خدماتِ کشمیر کا تذکرہ بایں الفاظ کیا ہے:۔

"سلامتی کونسل نے ۱۵ رجنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کی شکایت اور پاکستان کے جواب کی سماعت شروع کی۔ ظفر اللہ خاں نے مقدمہ کی ایسی اعلیٰ وکالت کی کہ سلامتی کونسل کو یقین آگیا کہ مسئلہ محض کشمیر سے نام نہاد حملہ آوروں کو نکال دینے کا نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان کا نمائندہ اسے باور کرانا چاہتا تھا بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کو منصفانہ اور پُرامن اساس پر استوار کیا جائے اور تنازعِ کشمیر کو ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے۔"

(ظہورِ پاکستان از چوہدری محمد علی صاحب مترجمہ بشیر احمد صاحب ارشد۔ ناشر مکتب کاروان کچہری روڈ لاہور طبع ثانی ۱۹۷۲ء مسعود پرنٹرز لاہور صفحہ ۳۶۶)

فصل دوم

◉ خُدا سے زندہ تعلّق کے لئے خصوصی دُعاؤں کی تحریک ◉ رسالہ پاکستان لاء ریویو (کراچی) میں حضرت مصلح موعودؓ کا مقالہ ◉ ایک فقہی مسئلہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی واضح راہنمائی ◉ عُروجِ احمدیّت کی پیشگوئی ◉ صبر و صلوٰۃ کی پُرزور تلقین۔

خُدا سے زندہ تعلق کیلئے دُعاؤں کی خاص تحریک

آسمانی جماعتوں اور سلسلوں کے لئے ابتلاؤں اور مخالفتوں کا زمانہ خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے کا موسم ہوتا ہے۔ یہی وہ سُنہری دَور ہوتا ہے جس میں خدا کے سچے بندوں کا اپنے مولیٰ سے تعلق پختہ اور مستحکم ہوتا ہے اور سلسلہ احمدیہ میں یہ نظارے ابتداء سے اَب تک مسلسل دکھائی دیتے ہیں ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

تحریکِ احمدیت کی اِس مخصوص روایت کو ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء کے مصائب و آلام میں قائم رکھنا ازبس ضروری تھا اسی حکمت کے پیشِ نظر حضرت مصلح موعودؓ نے اِس سال رمضان المبارک کے آخری جمعۃ المبارک میں خاص تحریک فرمائی کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سے اُن کا زندہ تعلق پیدا ہو جائے چنانچہ فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کی محبت، خدا تعالیٰ پر یقین اور وثوق پیدا کرنا اور اس سے ملنے کی کوشش کرنا ایک طبعی جذبہ ہے لیکن کتنے نوجوان ہیں جو ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ فرمایا تھا اُس وقت ہر انسان کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو ملے گا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی چیز نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے علماء پر امتیاز دیا ہے تو وہ یہی چیز ہے کہ آپ کی پیروی کرنے سے خدا ملتا ہے۔ مسائل دوسرے علماء بھی جانتے ہیں۔ اگر آپ کی وجہ سے کوئی فرق پیدا ہوا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ کی پیروی سے خدا تعالیٰ ملتا ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ملنے کا دروازہ کھلا ہے بند نہیں۔ لیکن اب کتنے نوجوان ہیں جو خدا تعالیٰ کو ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جتنا وقت دُور ہوتا جاتا ہے لوگوں سے یہ خواہش مٹتی جاتی ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ ہمت اور کوشش سے اس جذبہ کو اُبھارا جاتا۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنا بھی بیکار ہے۔

پس اِن دِنوں میں دعائیں کرو۔ نوجوان اپنے اندر یہ رُوح پیدا کریں کہ خدا تعالیٰ کا زندہ تعلق حاصل ہو جائے۔ پہلے اگر ایک شخص مرجاتا تھا جسے خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا تھا تو اس کی جگہ کئی اَور پیدا ہو جاتے تھے۔ بجائے اس کے کہ تم یہ کہو کہ اب ایسا کوئی شخص نہیں جس کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو یا جسے الہام ہوتا ہو۔ تم خود کوشش کرو کہ اگر ایک ایسا شخص مرجائے تو بیس اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ اور اگر ۲۰ آدمی مرجائیں تو ۲۰۰ اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ اگر ۲۰۰ مر جائیں تو ۲۰ ہزار اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ یہ چیز ہے جو تمہارے حوصلوں کو بڑھائے گی اور دُنیا کو مایوس کر دینے والی ہوگی۔ دُنیا مادی ہتھیاروں کی طرف دیکھتی ہے۔ اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دیکھنے والے ہوں خدا تعالیٰ پر یقین رکھنے والے ہوں اور اس کا ظہور اپنی ذات میں محسوس کرنے والے ہوں تو دوسرے لوگ خود بخود مایوس ہو جائیں گے۔ کیونکہ دوسرے لوگ قصّے سناتے ہیں اور یہ لوگ آپ بیتی سنائیں گے اور جگ بیتی آپ بیتی جیسی نہیں ہوتی۔ جب ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہوگا تو جگ بیتی بھاگ جائے گی اور آپ بیتی غالب آجائیگی

کیونکہ سُنی سُنائی بات دیکھی ہوئی بات پر غالب نہیں آسکتی "۔ؔ[1]

پاکستان میں قانون کا مستقبل

سندھ مسلم لاء کالج نے ایک سہ ماہی رسالہ پاکستان لاء ریویو کے نام سے کراچی سے جاری کیا جس کے اگست ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ حسب ذیل مقالہ سپرد اشاعت ہوا:۔

"مجھے یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی ہے کہ سندھ مسلم لاء کالج عنقریب ایک سہ ماہی رسالہ اِس مقصد کے لئے جاری کر رہا ہے کہ وہ اپنے قارئین کو قانون کے سائنٹیفک طور پر مطالعہ کرنے کی طرف عموماً اور پاکستان میں قوانین کو بہتر بنانے کے متعلق امور پر بحث کرنے کی طرف خصوصاً راہنمائی کر سکے تاکہ اِس طرح عام لوگوں اور ماہرین علمِ قانون کے نظریات اور خیالات میں یگانگت اور ہم آہنگی پیدا کی جاسکے اور تاکہ ماہرین علمِ قانون اپنے اہم فرائض سے بہتر طریق پر زیادہ سہولت کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکیں۔

اِس میں شک نہیں کہ علمِ قانون دوسرے علوم کی طرح بلکہ ان میں سے اکثر سے کچھ زیادہ ہی اِس بات کا محتاج ہے کہ اس کو انسانی عمل اور تجربہ کی روشنی میں منضبط اور مرتّب کیا جائے تاکہ یہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کی صحیح راہنمائی کر سکے لیکن بدقسمتی سے ایشیا کے باشندے کئی صدیوں سے غیروں کی ماتحتی میں رہنے کی وجہ سے اس ضروری علم سے بالکل بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ اب جبکہ کم ازکم ایشیا پر مکمل آزادی کا سُورج طلوع ہو چکا ہے اور اس کے باشندوں نے بھی دُنیا کی آزاد اقوام کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ لیا ہے یہ امر اَور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ وہ مغربی ممالک کے مقابلہ پر علمِ قانون کے مطالعہ کے لئے زیادہ توجّہ اور زیادہ وقت صرف کریں۔ دُنیا کی آزاد اقوام نے علمِ قانون کے لمبے مطالعہ اور تجربہ کے بعد آخرکار اپنے ممالک کے قوانین کے لئے ایک مخصوص راستہ اور پس منظر پیدا کر لیا ہے جو کامل طور پر ان کی شخصی اور اجتماعی ضروریات کو پُورا کرتا ہے۔ علاوہ اس کے ان میں وسیع اور گہرا علم رکھنے والے ماہرین قانون موجود ہیں جو اپنے لوگوں کے پُرانے اختیار کردہ راستہ کے مطابق نئے پیدا ہونے والے دشوار اور دقیق قانونی مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایشیائی لوگوں کے لئے بہرحال یہ مشکل ہے کہ ان میں جو لوگ

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۸ روفا ۱۳۳۱ ہش / ۸ رجولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

قانون کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کا علم بھی رکھتے ہیں وہ کوئی گزشتہ تجربہ اور قومی روایات نہیں رکھتے جن سے انہیں نئے قوانین بنانے میں مدد مل سکے۔ پس ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے لئے ایک نیا راستہ بنائیں اور پھر ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرکے ان پر قابو پائیں جو مبتدیوں کو پیش آتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے لوگوں کو اس راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئے گی کہ اس کے باشندوں میں ایک بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے اور پاکستان کی حکومت کسی فوجی یا ملکی فتح کے نتیجہ میں قائم نہیں ہوئی بلکہ وہ ایک معاہدہ کے ذریعہ سے معرضِ وجود میں آئی ہے اِس لئے اپنے قوانین بناتے ہوئے پاکستان کو باوجود اپنی وسیع مسلمان اکثریت کے اس معاہدہ کا لحاظ رکھنا پڑے گا ورنہ اسی کو اِس بات کا بجا طور پر ملزم گردانا جائے گا کہ اس نے ایک باہمی معاہدہ توڑ دیا۔ جوش اور ولولہ اگرچہ ایک قابلِ تعریف خصلت ہے لیکن اِس کا حد سے بڑھ جانا بھی غلط اقدام کا باعث بن جاتا ہے۔ ترکی میں مذہب کا سیاست سے بالکل الگ کیا جانا در اصل اسی قسم کے غلط مذہبی جوش کا ردِّ عمل تھا۔ اسلام سے محبّت اور اپنے ملک میں اس کے قیام کی خواہش یقیناً بہت اعلیٰ جذبات ہیں لیکن اگر ان ہی جذبات کو مناسب حدود سے تجاوز کرنے دیا جائے تو یہی ہمیں اسلام سے دُور لے جانے کا باعث بن جائیں گے۔

ہمارے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکّہ والوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جو تاریخ میں صُلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان کفر اختیار کر لے تو اسے مکّہ جانے کا پُورا اختیار ہوگا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی کافر اسلام لے آئے تو اسے مدینہ کی اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ اُسے اس کے وارثوں اور رشتہ داروں کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔ یہ شرط مسلمانوں کے لئے بظاہر نقصان دِہ اور ذلیل کُن معلوم ہوتی تھی اور انہوں نے اس ہتک کو محسوس بھی کیا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لیڈر بھی کچھ وقت کے لئے تذبذب میں پڑ گئے۔ ابھی اِس معاہدہ پر دستخط ہوئے ہی تھے کہ ایک نوجوان جس کا نام ابوجندل تھا بیڑیوں میں جکڑا ہوا بمشکل تمام اس مجلس میں آ پہنچا جہاں اس کے باپ سہیل نے ابھی ابھی مکّہ والوں کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کئے تھے۔ سہیل نے فوراً مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے مطابق ابوجندل کو

مکہ واپس کیا جائے مسلمانوں نے جب اِس معاہدہ کا عملی پہلو دیکھا تو اسے نہایت خطرناک اور ذلیل کُن خیال کیا اور ابوجندل کی حفاظت میں فوراً تلواریں کھینچ لیں لیکن رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا اور فرمایا:-

"خدا کے رسول اپنا عہد کبھی توڑا نہیں کرتے" ؎۱

اور مسلمانوں کی جذبات انگیز درخواستوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ابوجندل کو اس کے باپ کے حوالہ کر دیا۔ اِس لئے ایک پاکستانی مسلمان خواہ کتنا ہی مخلص اور دینی جوش رکھنے والا ہو کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اسلام کی محبّت اور خیر خواہی میں اتنا گداز ہے جتنا حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اِس معاملہ میں ہمارے لئے خود ایک اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ اگر ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی نظر میں ویسا ہی اچھا مسلمان ثابت ہونا چاہتا ہے جیسا کہ وہ خود گمان کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ لفظی اور معنوی طور پر ان تمام معاہدات اور وعدوں کو پُورا کرے جو پاکستان بننے کے وقت اقلیتوں اور دوسری قوموں سے کئے گئے تھے اگر وہ ان وعدوں کے ایفاء سے ذرا بھی پہلوتہی کرتا ہے تو وہ درحقیقت اسلام سے دُور جاتا ہے۔

پاکستان کے قوانین بناتے ہوئے ہمیں خاص خیال رکھنا ہو گا کہ:-

ا۔ تعلیمِ اسلام کی رُوح ہمیشہ ہمارے مدِّ نظر رہے۔

ب۔ ہمارے قوانین فطرتِ انسانی کے ساتھ کامل مطابقت رکھتے ہوں۔

ج۔ ہم ان وعدوں کو ہر لحاظ سے پُورا کریں جو اقلیتوں سے کئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق ہر بچّہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔
(بخاری کتاب القدر)

اب اگر حضور کا یہ ارشاد صحیح اور سچّا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچّا کون ہو سکتا ہے تو پھر اسلام کے قوانین بھی انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انسانی فطرت قوانینِ اسلام کے خلاف ہو سکتی ہے۔ پس ہمارا یہ ایک مقدّس فرض ہے کہ ہم مندرجہ بالا حدیث کو سامنے رکھیں اور اِس حقیقت پر یقین رکھیں کہ اسلام نے جو کچھ سکھایا ہے فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اگر اسلام کی تعلیم کا وہ حصّہ جسے ہم انسانی فطرت کے خلاف سمجھتے ہیں واقعی انسانی فطرت کے

؎۱ طبری جلد ۲ (حالات صلح حدیبیہ) از علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴ھ - ۳۱۰ھ)

خلاف ہے تو ظاہر ہے کہ ہم نے اس حصّۂ تعلیم کی رُوح کو اخذ نہیں کیا لیکن اگر ہم نے اسلامی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھا ہے تو فطرتِ انسانی کبھی بھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی اور یقیناً کہیں پر ہماری ہی غلطی ہو گی۔ اس صورت میں ہمیں چاہیئے کہ اس معاملہ پر زیادہ گہرے طور پر غور کریں اور مزید کوشش کرکے اصل حقیقت کو معلوم کریں۔ اگر ہم اِس نہایت ہی مضبوط اصل کو سامنے رکھیں گے تو ہم یقیناً بہت جلد صداقت کو پالیں گے اور اپنے ملک کے لئے بہترین قوانین بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے یہ صحیح ہے کہ ہم اپنے ملک کے ہر طبقہ یعنی مولویوں، مغربیّت زدہ تعلیمیافتہ لوگوں، غریبوں اور امیروں کو پُوری طرح مطمئن نہیں کرسکتے لیکن مندرجہ بالا دانشمندانہ اصول پر عمل کر کے ہم یقیناً انسانی فطرت کے تقاضوں کو پُورا کرسکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے میں دُعا کرتا ہوں کہ پاکستان کے قوانین بنانے والوں اور ان پر عمل کرانے والوں کو۔ انکے وکیلوں کو اور قوانین کی کتابیں لکھنے والوں کو اور ان کے شارحین کو اللہ تعالیٰ اسلام کے بنائے ہوئے طریق کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ مفید رسالہ جو کہ سندھ مسلم لاء کالج کی طرف سے جاری کیا جا رہا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک مفید آلہ ثابت ہو۔“ [1]

احترامِ مساجد سے متعلق ایک فقہی مسئلہ اور حضرت مصلح موعودؓ کا موقف

پنجاب میں احمدیوں کے خلاف فرقہ وارانہ تقاریر سے صوبہ بھر کا امن و امان درہم برہم ہونے لگا تو پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے ۱۱؍جون ۱۹۵۲ء کو فرقہ وارانہ نوعیّت کے تمام جلسوں پر پابندی لگادی اور تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو ہدایت دی کہ جمعہ کے ایسے اجتماعات پر بھی نگاہ رکھیں جن کو خطیب فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لئے استعمال کریں [2]

حکومتِ پنجاب نے اِس پابندی کی وضاحت میں حسبِ ذیل پریس نوٹ جاری کیا:۔

”حکومتِ پنجاب عوام کی اطلاع کے لئے ان واقعات کا پس منظر بتانا چاہتی ہے جس کے پیشِ نظر صوبہ کے مختلف اضلاع میں ایک خاص نوعیّت کے پبلک جلسوں کے انعقاد پر پابندی عائد کرنا

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۰؍تبوک ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۰؍ستمبر ۱۹۵۲ء صہ ۵۔

[2] سِول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۷؍جون ۱۹۵۲ء صہ ۱ کالم ۳۔

پڑی۔

کچھ عرصہ سے صوبہ میں مجلسِ احرار اور احمدیوں کے درمیان مناقشت نے پبلک جلسوں میں اشتعال انگیز تقاریر کی ناگوار صورت اختیار کر لی ہے۔ ان تقریروں میں اکثر مذہبی بحث ومناظرہ کی تمام جائز حدود کو نظر انداز کر دیا گیا اور ان تقریروں سے زیادہ تر پاکستانی شہریوں کے دو طبقات کے درمیان نفرت اور کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے اس طرح ماحول میں جو کشیدگی پیدا ہوئی اسکے باعث چند مقامات پر تشدد کے واقعات بھی پیش آئے جن سے جانی نقصان اور دوسرے نہایت افسوسناک نتائج برآمد ہوئے۔۔۔۔ امنِ عامہ برقرار رکھنے کے اوّلین فریضہ کا خیال کرتے ہوئے حکومت اس صورتِ حال کے جاری رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی خصوصاً اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ اگر تشدد کے لئے بالواسطہ اور بلاواسطہ اشتعال انگیزیوں کا مؤثر سدِ باب نہ کیا گیا تو حالات اور بھی ابتر ہو جائیں گے اور آبادی کے دو حصّوں میں کھلّم کھلا زبردست تصادم شروع ہو جائیگا۔

نفرت انگیزی کے اس ماحول میں بعض لوگوں کے ذہنوں کی افتاد کیا ہو گئی؟ اس کی مثال ایک پوسٹر سے ملتی ہے جس کی کاپیاں متعلقہ جماعتوں میں سے ایک جماعت کے دفتر سے دستیاب ہوئی ہیں اس پوسٹر میں اعلانیہ تلقین کی گئی ہے کہ دوسری جماعت کے مبلّغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی مساجد پر جبراً قبضہ کر لیا جائے۔ اس پوسٹر میں ایک طبقہ کے مزارعین سے بھی کہا گیا ہے کہ دوسرے طبقہ سے تعلّق رکھنے والے جاگیرداروں کو بٹائی بھی نہ دیں۔۔۔ اور ان کی جائداد کی ضبطی کو ایک جائز اقدام تصوّر کریں۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ حالات کو ابتر ہونے سے بچایا جاتا چنانچہ پبلک جلسوں پر پابندی عائد کرنا ضروری سمجھا گیا تاکہ دونوں میں سے کوئی جماعت باہمی مناقشت کو جاری نہ رکھ سکے۔

حکومت اس ضمن میں اس امر کی پوری وضاحت کر دینا چاہتی ہے کہ اس نے پوری پوری احتیاط کی ہے کہ یہ احکام کسی جگہ بھی عوام کی جائز مذہبی سرگرمیوں میں مداخلت یا ایسی مذہبی سرگرمیوں پر معمولی سی پابندی عائد کرنے کے بھی موجب نہ ہوں۔ حکومت صوبہ میں کسی جائز سیاسی یا سماجی سرگرمی کے رستہ میں بھی رکاوٹ حائل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی جلسوں پر پابندی کے احکام اسی سپرٹ میں عائد کئے گئے ہیں۔" [1]

---

[1] آفاق یکم جولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ یکم جولائی ۱۹۵۲ء

حکومت کے اِس اقدام پر علماء کے حلقوں میں سخت تنقید کی گئی حتّٰی کہ اسے "مداخلت فی الدین" کا مرتکب قرار دیتے ہوئے کہا گیا:۔

"خانۂ خدا پر کسی سلطنت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہوسکتا مساجد حکومت کے قوانین سے مستثنیٰ ہوا کرتی ہیں"۔ [1]

اس پر حکومتِ پنجاب نے اعلان کیا:۔

"یہ بالکل غلط ہے کہ سرکاری احکام کسی قسم کے مذہبی اجتماعات یا مذہبی عبادات یا مساجد میں کسی مذہبی سرگرمی میں مخل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص قانون کے خلاف کوئی حرکت کرتا ہے تو اس سے یقیناً مواخذہ کیا جائے گا قطع نظر اس سے کہ اس سے یہ حرکت مسجد میں سرزد ہوئی ہے یا مسجد سے باہر"۔ [2]

احرار حکومت کی اس کشمکش سے عوام میں یہ سوال خودبخود اُبھر آیا کہ کیا حکومتِ پنجاب نے ایسا حکم دے کر واقعی مداخلت فی الدین کا ارتکاب کیا ہے یا وہ اس کی شرعاً مجاز ہے۔

سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے اِس اہم فقہی مسئلہ پر راہنمائی کے لئے حسبِ ذیل مضمون سپردِ قلم فرمایا:۔

"آجکل یہ سوال بڑے زور شور سے پیدا ہے کہ آیا حکومت کسی ایسے معاملہ میں دخل دے سکتی ہے جس کا فیصلہ یا جس کا انعقاد کسی مسجد میں ہُوا ہو۔ اور آیا حکومت اگر ایسا کرے تو یہ تداخل فی الدین ہوگا یا نہیں؟ اِس سوال کے دو پہلو ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کیا مساجد میں منعقد ہونیوالے جلسوں یا مساجد میں کئے گئے فیصلوں یا مساجد کی پناہ میں آنے والے لوگوں کو اسلامی شریعت نے قانون سے بالا سمجھا ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا عقلاً یہ بات قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے؟ ان دونوں سوالوں کے جواب میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں کچھ ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حکومتِ وقت یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لئے ایک مسجد تیار کی تھی اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں

---

[1] "آزاد" لاہور ۳۰ رجون ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ بحوالہ الفضل ۶ رجولائی ۱۹۵۲ء

[2] "آفاق" لاہور ۳ رجولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۳ رجولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۸

آکر نماز پڑھنے اور دُعا کرنے کی دعوت دی تھی۔ درحقیقت ان لوگوں کی غرض یہ تھی کہ اس جگہ پر جمع ہو کر بعض سیاسی امور کا تصفیہ کریں جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے خلاف تھے غالباً ان لوگوں کا خیال بھی آجکل کے احرار کی طرح تھا کہ جو امر مسجد میں طے کیا جائے وہ قانون کی زد سے بالا ہوتا ہے اور جو کوئی اِس معاملہ میں دخل اندازی کرے وہ مداخلت فی الدّین کا موجب سمجھا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان لوگوں کا ذکر کیا اور ان کے اِس فعل کو ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ ع ۱۳)

اِن آیات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو کوئی مسجد بناتے ہیں یا کسی مسجد کو اختیار کر لیتے ہیں اِسلئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نقصان پہنچائیں اور نافرمانی کی تعلیم دیں اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وہ لوگ جو کہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر لڑ رہے ہیں ان کے لئے گھات میں بیٹھیں اور ان کے اُوپر حملہ کریں اور بڑی شدت سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم اپنے افعال سے صرف نیکی اور بھلائی چاہتے ہیں۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ ایسے لوگ جھوٹے ہیں۔ اے خدا کے رسول تُو ایسی مسجد میں مت کھڑا ہو۔ وہ مسجدیں جن کی بنیاد تقویٰ پر قائم کی گئی ہے ابتدائی دن سے وہ زیادہ حقدار ہیں کہ تُو ان میں کھڑا ہو۔ ان مسجدوں میں ایسے لوگ جاتے ہیں جو کہ نفس کی پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاکیزہ نفس لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ کیا وہ لوگ جو کہ مسجدوں کی

بُنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر رکھتے ہیں وہ اچھے ہیں یا وہ لوگ جو مسجد کی بنیاد ایک ایسی کھوکھلی زمین کے کنارے پر رکھتے ہیں جو کہ گرنے والی ہے اور جو ان لوگوں کو دوزخ کی آگ میں گرا کر پھینک دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم اور فساد کرنے والے لوگوں کو کبھی پسند نہیں فرماتا۔ جو لوگ اِس قسم کی مسجدوں کی بنیادیں رکھتے ہیں (یعنی جن میں ضرر اور فتنہ کی کارروائیاں ہوتی ہیں)، ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے دِلوں میں شک و شُبہات ہی پیدا کرتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

اِن آیات سے صاف ظاہر ہے کہ مسجد اپنی ذات میں کسی شخص کو نہیں بچا سکتی۔ اگر مسجد میں کوئی بُرا کام کیا جائے گا تو اس کو بُرا سمجھا جائے گا اور اگر مسجد میں کوئی اچھا کام کیا جائے گا تو اس کو اچھا سمجھا جائے گا۔ اگر مسجد اپنی ذات میں ہر ایک فعل کو بچا لیتی ہے اور مسجد میں کیا جانے والا فعل مذہبی کہلاتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ منافق لوگ جن کا مذکورہ بالا آیات میں ذکر ہے اور جو مسجد میں اسلامی سیاست کے خلاف منصوبے کرتے تھے وہ بھی مسجد میں مجالس کرنے کی وجہ سے دینی افعال کرتے تھے اور ہر قسم کی گرفت سے بالا تھے بلکہ حکومت اگر ان کو پکڑتی تو وہ مداخلت فی الدّین کی مرتکب ہو جاتی تھی اور اِس صورت میں نعوذ باللہ من ذالك رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آئے گا کہ آپؐ نے جو مذکورہ مسجد کو گروا دیا اور اس کی جگہ کھاد کا ڈھیر لگوا دیا یہ فعل نعوذ باللہ ناجائز کیا۔ پس تعجب ہے اُن لوگوں پر جو علمائے اسلام کہلاتے ہیں اور مسجد کے نام سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر فعل کی نوعیّت کو دیکھے بغیر صرف مسجد کے نام سے کوئی فعل مذہبی ہو جاتا ہے تو پھر یہ لوگ جنہوں نے قرآن کریم کی اس مذکورہ بالا مسجد میں انجمنیں اور جلسے کرنے شروع کئے تھے انہیں کیوں حق بجانب نہ سمجھا جائے مگر کیا کوئی مسلمان کہلانے والا ایسا خیال بھی کر سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درست فعل کرنے والے کو سزا دی۔ ماحرار اور ان کے ساتھی یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے جو فعل مسجد میں کیا وہ قانونی تھا۔ مسجد کے باہر بھی اگر وہ فعل ہم کرتے تو اس پر گرفت کرنی ناجائز تھی لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر فعل جو مسجد میں کیا جائے وہ مذہبی ہوتا ہے اور اگر ہر فعل جو مسجد میں کیا جاتا ہے وہ مذہبی نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دنیوی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خلافِ قانون ہو تو مسجد کے اندر کئے گئے ایسے فعل پر گرفت بھی جائز ہوگی جیسا کہ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا مسجد میں فتنہ کرنے والے لوگوں پر گرفت کی اور ان کی مسجد کو توڑ دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد کے اندر گرفتاریاں کرنی مداخلت فی الدّین ہے اور اسی سے متاثر ہو کر حکومتِ پنجاب کے ہوم سیکرٹری نے ایک اعلان بھی کیا ہے کہ ہم نے تو ہدایت دی ہوئی ہے کہ مسجد کے اندر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے لیکن احرار اور ان کے ساتھی علماء کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط اور خلافِ اسلام ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل ان کے اِس دعویٰ کے خلاف ہے۔ تمام کی تمام مساجد خانہ کعبہ اور مسجدِ نبویؐ کے نمونہ پر بنائی گئی ہیں یعنی تمام مساجد ان کے اظلال ہیں۔ چونکہ ہر شخص خانہ کعبہ میں نہیں جا سکتا اور ہر شخص مسجدِ نبویؐ میں نہیں جا سکتا اِس لئے اجازت دی گئی ہے کہ ان کی نقل میں ہر جگہ پر مسجدیں بنالی جائیں۔ پس کسی مسجد کو وہ فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی جو خانہ کعبہ کو یا مسجدِ نبویؐ کو حاصل ہے اور کسی مسجد کو وہ حفاظت حاصل نہیں ہو سکتی جو خانہ کعبہ یا مسجدِ نبویؐ کو حاصل ہے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے موقعہ پر گیارہ افراد کے نام لے کر فرمایا کہ کعبہ بھی ان لوگوں کو پناہ نہیں دے گا اگر یہ کعبہ میں بھی پائے جائیں تو وہاں بھی انکو قتل کر دیا جائے۔ بلکہ آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر تم ان لوگوں کو خانۂ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکا ہؤا پاؤ تو وہاں بھی ان کو نہ چھوڑو۔ (سیرت[1] الحلبیہ جلد۳ صفحہ ۹۲)

اب یہ علماء کہلانے والے لوگ مجھے بتائیں کہ کیا یہ مسجدیں جن میں وہ سازشیں کرتے ہیں اور حکومت کے احکام کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں یہ خانۂ کعبہ سے زیادہ معزز ہیں؟ اگر بعض مجرموں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں بھی قتل کر دینے یا پکڑ لینے کا حکم دیتے ہیں تو دوسری مسجدوں کی خانۂ کعبہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے کہ ان میں خلافِ آئین کام کرنے والے لوگوں کو قانون سے آزادی ملنی چاہیئے۔ قرآن کریم تو صاف فرماتا ہے کہ مساجد تقویٰ کے قیام کے لئے قائم کی گئی ہیں نہ کہ قانون شکنی کے لئے۔ اگر مسجدیں قانون شکنی کے لئے ہیں تو پھر شیطان کے لئے تو کوئی گھر بھی بند نہیں رہتا۔ جن گھروں کو خدا تعالےٰ نے امن کے لئے، تسکین کے لئے، رُوحانیت کے لئے، تقویٰ کے لئے، تعاون کے لئے، اتحاد کے لئے بنایا تھا ان گھروں کو مسلمانوں میں فتنہ ڈالنے کا ذریعہ بنانا، ان گھروں کو حکومت سے بغاوت کا ذریعہ بنانا، ان گھروں کو فتنہ و فساد کی بنیاد رکھنے کی جگہ بنانا تو ایک خطرناک ظلم ہے۔ ان افعال کے مرتکب کو

[1] مؤلفہ حضرت علامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی

مسجدوں میں پکڑنے والا مسجدوں کی بے حُرمتی نہیں کرتا وہ مسجدوں کی عزّت کو قائم کرتا ہے اور مسجدوں میں ایسے افعال کے مرتکب لوگ اوّل درجہ کے بُزدل ہیں کہ حکومت کے ڈر کے مارے مسجدوں کی پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسُولؐ کے نام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں اور تقویٰ کے مقامات کو فساد اور گناہ کی جگہیں بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس اس کے سوا کیا زور ہے کہ وہ عوام النّاس کو بھڑکا رہے ہیں لیکن عوام النّاس کے مِل جانے سے نہ قرآن بدل سکتا ہے نہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بدل سکتی ہے، نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بدل سکتا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ گو مسلمان عوام تعلیمِ اسلام سے بے بہرہ ہیں مگر محبّتِ اسلام ان کے دلوں میں باقی ہے اور وہ اس دھوکے میں نہ آئیں گے اور ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ شہید گنج کی مسجد کے سوال پر تو تم کو مسجد کی حُرمت کا خیال نہ آیا مگر اب مسجد کے نام سے اپنے آپ کو گرفتاری سے بچانے کی کوشش کرتے ہو آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ تعجّب کی بات ہے کہ ایک عالم کہلانے والے صاحب نے تاریخ اسلام میں سے ایک مثال مسجد کی حُرمت کی پیش کی ہے۔ انہوں نے ایک عباسی خلیفہ کا ذکر کیا ہے کہ اُس نے اپنی بیوی سے خفا ہو کر حکم دیا کہ شام سے پہلے پہلے وہ بغداد سے نکل جائے اگر وہ نہ گئی تو اسے سزا دی جائے گی لیکن بعد میں وہ اپنے حکم سے پچھتایا اور اس نے علماء سے پُوچھا کہ اب میں کیا کروں سب علماء نے بے بسی کا اظہار کیا لیکن امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اس کا علاج تو آسان ہے وہ مسجد میں چلی جائے اِس طرح وہ بچ جائے گی۔ میں اِن عالم سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہر چور اور ڈاکو اور قاتل اور زانی اگر مسجد میں چلا جائے تو اس کا پکڑا جانا ناجائز ہو جائے گا۔ کیا اگر کوئی شخص مسجد میں کھڑے ہو کر اسلام اور اس کے شعائر کو نعوذ باللہ گالیاں دینی شروع کر دے تو اس کی گرفتاری ناجائز ہو جائیگی اور چونکہ آپ لوگوں کے نزدیک جو جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے پھر وہ مسجد کی شرطوں سے باہر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص مسجد میں کھڑے ہو کر مسجد کی عمارت ہی کو گرانے لگ جائے تو اس کو کوئی سزا نہیں مِل سکتی کیونکہ وہ مسجد میں کھڑا ہے اور ایک دینی کام کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالك۔

امام ابو یوسفؒ نے اگر یہ واقعہ صحیح ہے (جو بظاہر صحیح نہیں) تو بادشاہ کو ایک حیلہ بتایا ہے کیونکہ جب بادشاہ اپنے کئے پر پچھتایا تو بادشاہ خود اس عورت کو بچانا چاہتا تھا اِس لئے مسجد میں جا کر وہ عورت قانون شکنی کی مرتکب نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ قانون بنانے والے کی مرضی کو پُورا کر رہی

تھی۔ پس ان دونوں باتوں کا جوڑ کیا ہے؟ اگر تو امام ابو یوسفؒ یہ کہتے کہ مسجد میں گھس کے جو چاہے جُرم کرے اس کی اجازت ہے تو بے شک ان کے فتویٰ کے یہ معنی لئے جا سکتے تھے مگر وہ تو بادشاہ کی تائید میں ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں اس کے خلاف فتویٰ پیش نہیں کرتے۔ مَیں ان فتویٰ دینے والے مُفتیوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر انہی مسجدوں میں اور ان کے جلسوں میں کھڑے ہو کر کوئی احمدی ان کے خلاف تقریر شروع کر دے تو کیا وہ اِس بات کے ذمّہ دار ہیں کہ مسجد میں کوئی فساد نہیں ہوگا اور کوئی اس آدمی کو مارے پیٹے گا نہیں اور کیا مسجد اس کو بھی پناہ دے گی جو احرار کے خلاف مسجد میں بولے یا صرف ان احرار کو پناہ دے گی جو حکومت کے خلاف مسجد میں بولیں؟

یہ علماء یہ بھی تو سوچیں کہ اگر مسجد ہر عمل کو پاک کر دیتی ہے تو جب پولیس مسجد کے اندر جا کر غیر آئینی کارروائی کرنے والے کو پکڑ لے تو اس کا یہ مسجد کے اندر کیا ہوُا فعل کیوں دینی قرار نہ دیا جائے۔ آخر یہ امتیاز کہاں سے نکالا گیا ہے کہ دوسرے لوگ مسجد میں کوئی بھی کام کریں تو وہ دینی ہو جاتا ہے لیکن اگر پولیس یا حکومت مسجد میں کوئی کام کرے تو وہ دینی نہیں ہوتا۔

آخر میں مَیں اِس امر کی طرف بھی توجّہ دلانی چاہتا ہوں کہ پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے ایک احراری اخبار نے لکھا ہے کہ قانون شکن لوگوں کو مسجد میں گرفتار کر کے پاکستان کی حکومت نے وہ ظالمانہ فعل کیا ہے کہ انگریزی حکومت نے بھی ایسا نہ کیا تھا۔ اوّل تو ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب نے اِس امر کی تردید کی ہے اور بیان دیا ہے کہ حکومت نے مسجد کے اندر گرفتار کرنے سے حکام کو روکا ہوُا ہے۔ لیکن فرض کرو یہ صحیح ہو تو کیا احرار اِس واقعہ کو بھول گئے ہیں جب انگریزی حکومت نے مساجد میں گھس کر خاکساروں پر حملہ کیا تھا اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے تھے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ ان کا فعل اچھا تھا کیونکہ سارے واقعات میرے سامنے نہیں لیکن مَیں یہ کہتا ہوں کہ اپنے پاس سے بات گھڑ کر اس کی بناء پر انگریزی حکومت کو پاکستان کی حکومت پر ترجیح دینا کیا محض فساد کی نیّت سے نہیں؟" [1]

عُروجِ احمدیّت کی نسبت ایک عظیم الشّان پیشگوئی

جماعتِ احمدیہ اپنے محبوب امام سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی قیادت میں

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۸ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ و ۷

خارق عادت رنگ میں ترقی کرتے ہوئے اس مقام تک جا پہنچی تھی کہ اس پر سورج غروب نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس کے باوجود تحریکِ احمدیت کی آخری منزل کو قریب سے قریب تر لانے اور عالمگیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے مزید ایک لمبی جدّ و جہد کی ضرورت تھی۔

اِس ضرورت کے پیشِ نظر حضورؓ نے ۲۷ احسان ۱۳۳۱ ہش / جون ۱۹۵۲ء کو بذریعہ خطبہ جمعہ ایک تو یہ اصولی راہنمائی فرمائی کہ جب قومیں اپنے زمانۂ جوانی میں داخل ہوتی ہیں تو اُن کا ہر تغیّر اُن کے لئے ایک نیک نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ دوسرے یہ پیشگوئی فرمائی کہ غلبۂ احمدیت میں جتنی دیر لگ رہی ہے اسی نسبت سے جماعتِ احمدیہ کی عظمت و شوکت کا زمانہ بھی لمبا ہو گا۔

حضور کے اِس انقلاب انگیز خطبہ کے بعض ضروری حصّے درج کئے جاتے ہیں:۔

"سلسلہ احمدیہ اور میری عمر ایک ہی ہے جس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا ہے اور بیعت لی ہے مَیں اسی سال پیدا ہوا تھا۔ گویا جتنی میری عمر ہے اتنی عمر سلسلہ کی ہے لیکن افراد کی عمروں اور قوم کی عمر میں فرق ہوتا ہے۔ ایک فرد اگر ۷۰ یا ۱۰۰ سال زندہ رہ سکتا ہے تو قومیں ۳۰۰، ۴۰۰ سال تک زندہ رہ سکتی ہیں۔ اگر تین سو سال بھی کسی قوم کی زندگی رکھ لی جائے تو اس کی جوانی کا زمانہ اس کے چوتھے حصہ کے قریب سے شروع ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان کی عمر ۷۲، ۷۴ سال فرض کر لی جائے تو اس کی عمر کے چوتھے حصہ سے جوانی شروع ہوتی ہے یعنی ۱۸-۱۹ سال سے انسان جوانی کی عمر میں داخل ہوتا ہے۔ اِس طرح اگر کسی قوم کی عمر ۳۰۰ سال قرار دے لی جائے تو اس کی جوانی ۷۵ سال کی عمر سے شروع ہو گی۔ تمہاری عمر تو ابھی ۶۳ سال کی ہے ... ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ابھی جوان بھی نہیں ہوئی۔ اس پر ابھی وہ زمانہ ہے کہ جب انسان کچھ بھی کھالے تو وہ اُسے ہضم ہو جاتا ہے ہزاروں مخالفتیں ہوں، مصائب ہوں، ابتلاء ہوں، یہ اس کی قوت کو بڑھانے کا موجب ہونے چاہئیں کمزوری کا موجب نہیں۔ اگر تم اس چیز کو سمجھ لو تو یقیناً تمہارے حالات اچھے ہو جائیں گے۔ جو لوگ جسمانی بناوٹ کے ماہر ہیں ان کا خیال ہے کہ انسانی جسم اس یقین کے ساتھ بڑھتا ہے کہ اس کی طاقت بڑھ رہی ہے۔ طاقت کا مشہور ماہر سینڈو گزرا ہے اس نے طاقت کے کئی کرتب دکھائے ہیں اور کئی بادشاہوں کے پاس جا کر اس نے اپنی طاقت کے مظاہرے کئے ہیں۔ اُس نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ مجھے ورزش کا کہاں سے خیال پیدا ہوا اور میرا جسم کیسے مضبوط ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے

ایسے رنگ میں کام کرنے کا موقعہ ملتا تھا کہ میرے بازو بنیان سے باہر رہتے تھے۔ مَیں نے ایک دن اپنے بازو دیکھ کر خیال کیا کہ میرے بازو مضبوط ہو رہے ہیں۔ اِس خیال کے آنے کے بعد مَیں نے ورزش شروع کر دی اور آہستہ آہستہ میرا جسم مضبوط ہوتا گیا۔ سینڈو کا یہ خیال تھا کہ ورزش لنگوٹا باندھ کر کرنی چاہیئے" تا ورزش کرنے والے کی نظر اس کے جسم کے مختلف حصوں پر پڑتی رہے اور اُسے یہ خیال رہے کہ اس کا جسم بڑھ رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مَیں نے لنگوٹا باندھ کر ورزش شروع کی۔ مَیں ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ میرے جسم کا فلاں حصّہ بڑھ رہا ہے اور مجھ پر یہ اثر ہوُا کہ صحت کی درستی خیال کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ جب تک انسان کا خیال اس کی مدد نہیں کرتا اس کا جسم مضبوط نہیں ہوتا۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ورزش کرنے والا اپنے جسم کو دیکھ رہا ہو۔ یہ نہایت کامیاب اصل ہے۔ ہزاروں نے اس کا تجربہ کیا اور اسے کامیاب پایا اور انہوں نے اپنے جسموں کو درست کیا۔ تمہیں بھی اُٹھتے بیٹھتے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ تم ہمّت محسوس کر رہے ہو اور تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تم تو ابھی جوان بھی نہیں ہوئے۔ تمہاری عمر ابھی ۶۳ سال کی ہے۔ اور اگر تمہاری عمر کم سے کم عمر بھی قرار دے لی جائے تو تم نے ۷۵ سال کے بعد جا کر جوان ہونا ہے اور پھر ۱۵۰۔۷۵ سال جوانی کے بھی گزرنے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم کی عمر کو لیا جائے تو اس کی جوانی کی عمر ۵۰۰ سال کی تھی، ۲۷ سال گزر جانے کے بعد اُنکی جوانی کا وقت شروع ہوُا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جو وعدے کئے ہیں ان کے مطابق ہماری جوانی پہلے شروع ہو گی۔ بہر حال ہماری اُن سے کچھ مشابہت تو ہونی چاہیئے ممکن ہے ہماری جوانی کا وقت ۱۰۰ یا سوا سو سال سے شروع ہو۔ اِس صورت میں جوانی کا زمانہ پونے دو سو سے اڑھائی سو سال تک کا ہوگا۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جن کی جوانی میں دیر لگتی ہے ان کی عمریں بھی لمبی ہوتی ہیں اور جن کی عمریں چھوٹی ہوتی ہیں ان کی جوانی بھی جلدی آتی ہے۔ جانوروں کو دیکھ لو جن جانوروں کی عمر چار پانچ سال کی ہوتی ہے ان کی جوانی مہینوں میں ہوتی ہے اور جو جانور ۲۷، ۲۸ سال تک زندہ رہتے ہیں ان کی جوانی سالوں میں آتی ہے۔ گھوڑے کو لے لو اس کی عمر بیس پچیس سال کی ہوتی ہے اور اس کی جوانی کی عمر کہیں چار سال سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن بکری اور بلّی چوتھے پانچویں ماہ جوان ہو جاتے ہیں۔ گویا جتنی کسی کی عمر چھوٹی ہو گی اُسی نسبت سے اس کی جوانی پہلے آئے گی اور جتنی کسی کی عمر لمبی ہو گی اسی نسبت سے اس کی جوانی بھی بعد میں

آئے گی۔ تمہاری زندگی کا لمبا ہونا مقدر ہے۔ اور یہ نیک فال ہے کہ ابھی تمہاری جوانی کا وقت نہیں آیا۔ اگر تم ۶۳ سال کی عمر میں ابھی نیم جوانی کی حالت میں ہو تو معلوم ہوا کہ تمہاری عمر لمبی ہے۔ عمر اور جوانی میں کچھ نسبت ہوتی ہے۔ لمبی عمر ہو تو جوانی دیر سے آتی ہے اور اگر جوانی دیر سے آئے تو معلوم ہوا کہ عمر لمبی ہو گی۔ بہرحال اِس زمانہ تک جماعتِ احمدیہ کا ترقی نہ کرنا حیرت کا موجب نہیں ۶۳ سال جماعت پر گزر چکے ہیں اگر ۶۳ سال میں جماعت غالب نہیں آئی تو یہ خوشی کی بات ہے عیسائیوں پر پونے تین سو سال میں جوانی آئی اور آج تک وہ پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک لمبے عرصہ تک انہیں مصائب جھیلنے پڑے۔ تکالیف برداشت کرنی پڑیں اور وہ غور و فکر کرتے رہے جس کی وجہ سے انہیں ہر کام کے متعلق غور کرنے اور فکر کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے بعد میں شاندار ترقی حاصل کی۔

پس ہماری جماعت پر جوانی کا وقت آنے میں جو دیر لگی ہے اس کی وجہ سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیئے جوانی دیر سے آنے کے یہ معنے ہیں کہ جماعت کی عمر بھی لمبی ہو گی اور احمدیت دیر تک قائم رہے گی۔ یہ چیزیں تمہاری گھبراہٹ کا موجب نہیں ہونی چاہئیں بلکہ تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ جماعت کو لمبی عمر دینا چاہتا ہے۔ تم سوچنے اور فکر کرنے کی عادت ڈالو۔ تمہاری طاقت، تمہارا ایمان، تمہاری قوتِ مقابلہ اور عقل سوچنے سے بڑھے گی۔" [1]

صبر و صلوٰۃ کی پُرزور تحریک

ابتلاؤں اور آزمائشوں کے ان پُرفتن ایّام میں جبکہ مخالف عناصر کا سارا زور غیر اسلامی بلکہ غیر اخلاقی حربوں[2] کے استعمال پر صرف

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ جون ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ مطبوعہ روزنامہ الفضل لاہور ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء

[2] احراری آرگن "آزاد" لکھتا ہے:-

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجلس احرار کے خطیبوں میں جذباتیت، جھگڑا بازی اور اشتعال انگیزی کا عنصر غالب ہے یہ ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ ہماری قوم کی ذہنیت اور مذاق کیا ہے؟... آپ ذرا حقیقت پسند سنجیدہ اور متین بن جائیں پھر آپ مسلمانوں میں مقبول ہو جائیں اور کوئی تعمیری اور اصلاحی کام کر لیں تو ہمارا ذمہ۔ یہی تو ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ ہم حقائق و واقعات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے آپ بڑے بڑے دیانتدار، بااخلاق اور سنجیدہ متین بہادروں کو کھو دیں تو اشتعال کا (باقی اگلے صفحہ پر)

ہو رہا تھا، حضرت مصلح موعودؓ اپنے مستقل طریق کے مطابق قدم قدم پر خدا کی جماعت کو صبر و صلوٰۃ کی تاکید فرما رہے تھے۔

چنانچہ حضور نے ۴ روفا ۱۳۳۱ ہش / جولائی ۱۹۵۲ء کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دعویٰ تو یہ کریں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن ان کو آزمائشوں اور ابتلاؤں کی بھٹی میں نہ ڈالا جائے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ[1] کیا یہ لوگ وہم بھی کر سکتے ہیں۔ کیا مسلمان اس قسم کے خیالات میں مبتلا ہیں کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ انہیں آزمائشوں اور ابتلاؤں کی بھٹی میں نہ ڈالا جائے گا۔ انہیں تکالیف اور مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ انہیں ٹھوکریں نہیں لگیں گی حالانکہ وہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اسے ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹی میں ضرور ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ کلیہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ابتدائے اسلام میں یہ نہ فرماتا کہ تم کس طرح یہ خیال کرتے ہو کہ تم دعویٰ تو یہ کرو کہ ہم ایمان لائے لیکن تمہیں ابتلاؤں اور آزمائشوں میں نہ ڈالا جائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ چوہا نکلے گا۔ الیکشن بازی میں تو دیندار اور بے دین سب کے سب اشتعال انگیزی ہی سے کام لیتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے کوئی کم کام لیتا ہے اور کوئی زیادہ ہمارے احراری بزرگ اس میں سب سے آگے ہیں۔" (اخبار "آزاد" ۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۷-۱۸)

جہاں تک کذب بیانی کا تعلق ہے جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ فتویٰ ہے:۔

"احیائے حق کے واسطے کذب درست ہے مگر تا امکان تعریض سے کام لیوے۔ اگر ناچار ہو تو کذب صریح بولے۔" (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۶۲ موٴلفہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ ناشران محمد سعید اینڈ سنز۔ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

اس دور میں جناب گنگوہی صاحب کے اس فتویٰ پر اُن کے معتقدین اور مریدان باصفا نے جس شدت، کثرت اور وسعت سے عمل کیا ہے اس کی نظیر گزشتہ زمانوں میں بہت کم ملتی ہے +

[1] العنکبوت : ۲

اسے ٹھوکریں نہ لگیں۔ وہ مخالفت کی آگ میں نہ پڑے۔

پس ہماری جماعت کو ہمیشہ یہ امر مدِنظر رکھنا چاہیئے کہ جب اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم ایک مامور من اللہ کی آواز پر لبیک کہنے والے ہیں تو اُنہیں ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالا جائیگا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔ اگر یہ سچ ہے کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ بات بھی سچ ہے کہ تمہیں ابتلاؤں میں ڈالا جائے گا"

حضور نے یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

" پس ہماری جماعت کو مشکلات کے مقابلہ میں دعا اور نماز کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ میرے تو وہم میں بھی یہ نہیں آیا کہ کوئی احمدی نماز چھوڑتا ہے۔ اگر کوئی ایسا احمدی ہے جو نماز کا پابند نہیں تو مَیں اسے کہوں گا کہ وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اِس وقت تم پر نماز گراں نہیں ہونی چاہیئے۔ مصیبت کے وقت میں نماز گراں نہیں ہوتی مصیبت کے وقت لوگ دعائیں مانگتے ہیں گریہ وزاریاں کرتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں جب زلزلہ آیا تو اس وقت ہمارے ماموں میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ لاہور میں پڑھتے تھے آپ ہسپتال میں ڈیوٹی پر تھے کہ زلزلہ آیا۔ آپ کے ساتھ ایک ہندو طالب علم بھی تھا جو دہریہ تھا اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہنسی اور مذاق کیا کرتا تھا۔ جب زلزلہ کا جھٹکا آیا تو وہ رام رام کرکے باہر بھاگ آیا۔ جب زلزلہ رُک گیا تو میر صاحب نے اُسے کہا تم رام پر مذاق اُڑایا کرتے تھے اَب تمہیں رام کیسے یاد آگیا؟ اس کے بعد خوف کی حالت جاتی رہی تھی۔ زلزلہ ہٹ گیا تھا۔ اُس نے کہا یونہی عادت پڑی ہوئی ہے اور مُنہ سے یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت خدا تعالیٰ یاد آجاتا۔ جس شخص کو مصیبت کے وقت بھی خدا تعالیٰ یاد نہیں آتا سمجھ لو کہ اُس کا دل بہت شقی ہے۔ وہ اَب ایسا لاعلاج ہو گیا ہے کہ خطرہ کی حالت بھی اسے علاج کی طرف توجہ نہیں دلاتی۔ پس اگر ایسے لوگ جماعت میں موجود ہیں جو نماز کے پابند نہیں تو مَیں انہیں کہتا ہوں کہ یہ وقت ایسا ہے کہ انہیں اپنی نمازوں کو پکّا کرنا چاہیئے اور جو نماز کے پابند ہیں مَیں انہیں کہتا ہوں آپ اپنی نمازیں سنواریں اور جو لوگ نماز سنوار کر پڑھنے کے عادی ہیں مَیں انہیں کہتا ہوں کہ بہتر وقت دعا کا تہجد کا وقت ہے نمازِ تہجد کی عادت ڈالیں۔ دعائیں کریں کہ خدا تعالیٰ ہماری مشکلات کو دُور فرمائے اور لوگوں کو صداقت قبول کرنے کی توفیق دے۔ مجھے اِس سے کوئی واسطہ نہیں کہ دشمن کیا کہتا ہے لیکن

یہ ڈر ضرور ہے کہ جب اِس قسم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے تو اکثر لوگ صداقت کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ پس ہماری سب سے مقدم دعا یہ ہونی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ہماری مشکلات کو دُور کر دے جو لوگوں کے صداقت قبول کرنے میں روک ہیں اور اُن کی توجہ اس طرف سے پھیر رہی ہیں۔ ابتلاء مانگنا منع ہے لیکن اس کے دُور ہونے کے لئے دعا مانگنا سُنّت ہے اِس لئے یہ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ وہ روکیں دُور کر دے جو لوگوں کو صداقت قبول کرنے سے ہٹا رہی ہیں اور ہماری فکرمندیوں کو دُور کر دے۔ ہاں وہ ہمیں ایسا بے فکر اور بے ایمان نہ بنائے کہ جس کی وجہ سے ہمارے ایمان میں خلل واقع ہو۔ درحقیقت ایمان کا کمال یہ ہے کہ انسان خوف اور امن دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے سامنے جُھکے۔ اگر کوئی شخص خوف اور امن دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے سامنے جُھکتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اسے امن دیتا ہے لیکن جو مومن خوف کی حالت میں خدا تعالیٰ کے سامنے جُھکتا ہے امن کی حالت میں نہیں خدا تعالیٰ اس کے لئے ٹھوکریں پیدا کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اسے مرتد کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لئے امن کی حالت پیدا کر دیتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے پس جو لوگ نماز کے پابند ہیں وہ نماز سنوار کر پڑھیں اور جو نماز سنوار کر پڑھنے کے عادی ہیں وہ تہجد کی عادت ڈالیں پھر نوافل پڑھنے کی عادت ڈالیں پھر نہ صرف نوافل پڑھیں بلکہ دوسروں کو بھی نوافل پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ خدا تعالیٰ نے لوگوں کو روزہ کی عادت ڈالنے کے لئے ایک ماہ کے روزے فرض کئے ہیں۔ روزے فرض ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان ایک ماہ جاگتا ہے اور پھر اپنے ساتھیوں کو بھی جگاتا ہے ڈھول پٹتے ہیں اور اِس طرح تمام لوگ اِس مہینہ میں تہجد کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اگر ایک ہمسایہ روزہ کے لئے نہ اُٹھتا تو دوسرا بھی نہ اُٹھتا لیکن چونکہ ایک آدمی روزہ کے لئے اُٹھتا ہے تو اس کی وجہ سے دوسرا بھی بیدار ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اِس طرح روزے فرض کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ سب لوگوں کو اِس عبادت کی عادت پڑ جائے۔ پس اِس قسم کی تدبیریں اور کوششیں جاری رکھنا بھی ضروری ہے۔ ربوہ کی جماعت کے افسران اور عہدیداران محلوں میں تہجد کی تحریک کریں اور جو لوگ تہجد پڑھنے کے لئے تیار ہوں اور یہ عہد کریں کہ وہ تہجد پڑھنے کے لئے تیار ہیں ان کے نام لکھ لیں اور جب وہ چند دنوں کے بعد اپنے نفوس پر قابو پالیں تو انہیں تحریک کی جائے کہ وہ باقیوں کو بھی جگائیں۔ جب سارے لوگ اُٹھنا شروع ہو جائیں۔ پیپے بجنے لگ جائیں تو کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا نماز

پڑھنے کو دل تو چاہتا ہے لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے بیدار نہیں ہوتے وہ بھی تہجد کے لئے اُٹھ بیٹھیں گے رمضان میں لوگ اُٹھ بیٹھتے ہیں اِس لئے کہ اردگرد شور ہوتا ہے۔ اکیلے آدمی کو اُٹھائیں تو وہ سو جاتا ہے لیکن رمضان میں وہ نہیں سوتا اِس لئے کہ اِردگرد آوازیں آتی ہیں۔ کوئی قرآن کریم پڑھتا ہے۔ کوئی دوسرے کو جگاتا ہے۔ کوئی دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ ہمارے ہاں ماچس نہیں ذرا ماچس دے دو۔ ہمارے ہاں مٹی کا تیل نہیں تھوڑا سا مٹی کا تیل دو۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے ہاں آگ نہیں آگ دو۔ کوئی کہتا ہے بَیں سحری کھانے کے لئے تیار ہوں روٹی تیار ہے؟ یہ آوازیں اس کا سونا دوبھر کر دیتی ہیں وہ کہتا ہے نیند تو آتی نہیں لیٹنا کیا ہے چلو چند نفل ہی پڑھ لو۔ رمضان بیشک برکت ہے لیکن رمضان میں جاگنے کا بڑا ذریعہ یہی ہوتا ہے کہ اردگرد سے آوازیں آتی ہیں اور وہ انسان کو جگا دیتی ہیں۔

ایک آدمی آٹھ بجے سوتا ہے اور اسے دو بجے بھی جاگ نہیں آتی لیکن ایک آدمی بارہ بجے سوتا ہے لیکن تین بجے اُٹھ بیٹھتا ہے اِس لئے کہ اِردگرد سے آوازیں آتی ہیں۔ ذکرِ الٰہی کرنے کی آوازیں آتی ہیں۔ قرآن کریم پڑھنے کی آوازیں آتی ہیں۔ کوئی کسی کو جگا رہا ہوتا ہے اور کوئی کھانا پکا رہا ہوتا ہے اور اس کی آواز اُسے آتی ہے۔ اِس لئے صرف تین گھنٹے سونے والا بھی اُٹھ بیٹھتا ہے یہ ایک تدبیر ہے جس سے جاگنے کی عادت ہو جاتی ہے پس مقامی عہدیداروں کو چاہیئے کہ وہ اس کا محلّوں میں انتظام کریں اور پھر اِسے باہر بھی پھیلایا جائے تا آہستہ آہستہ لوگ تہجّد کی نماز کے عادی ہو جائیں پھر اگر کوئی تہجّد کا مسئلہ پوچھے تو اسے کہو کہ اگر تہجّد رہ جائے تو اشراق کی نماز پڑھو جو دو رکعت ہوتی ہے۔ وہ بھی رہ جائے تو ضُحیٰ پڑھو جو تہجد کی طرح دو سے آٹھ رکعت تک ہوتی ہے اِس طرح تہجّد اور نوافل کی عادت پڑ جائے گی۔ صلوٰۃ کے دو معنے ہیں نماز اور دعا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ[1] تم مدد مانگو صبر، نماز اور دعا سے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے اس میں شُبہ ہی کیا ہے کہ کوئی شخص اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اگر خدا تعالیٰ ہے تو سیدھی بات ہے کہ اس سے زیادہ طاقتور اَور کوئی نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقتور اَور کوئی نہیں تو یقیناً وہی شخص جیتے گا جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہے۔ بے شک کسی کے ساتھ دُنیا کی سب طاقتیں ہوں، جلسے ہوں، جلوس ہوں، نعرے ہوں، قتل و غارت ہو، قید خانے ہوں، پھانسیاں

---

[1] البقرۃ ع ۱۹

ہوں، لعنت وملامت ہو لیکن جیتنے گا وہی جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہے۔ دلوں کی حالت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ[1] خدا تعالیٰ ہی دِلوں کے بھید جانتا ہے وہی دلوں کو بدل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کے کیا خیالات ہیں اور ان کا ردّ عمل کیا ہے؛ وہ دلوں کو جانتا ہے۔ وہ اعمال کو جانتا ہے اور ان کے ردِّ عمل کو جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ جو میری طرف آتا ہے اسے دِلوں کی طرف ایک سرنگ مِل جاتی ہے۔ آخر دلوں کو بدلنے کا کونسا ذریعہ ہے سوائے اس کے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کریں۔ خدا تعالیٰ نے اس کا ذریعہ صبر وصلوٰۃ مقرر کر دیا ہے۔ صبر کے یہ معنے ہیں کہ انسان کو خدا تعالیٰ سے کامل محبّت ہو۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ مقدّم ہے اور باقی ہر چیز مؤخر ہے اِس لئے وہ اس کے لئے ہر مشکل اور تکلیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ گویا صبر میں جبری طور پر خدا تعالیٰ کی محبّت کا اظہار ہوتا ہے اور صلوٰۃ میں عشقیہ طور پر خدا تعالیٰ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ صبر جبری محبّت ہے اور نماز طوعی محبت۔ ہم کچھ کام جبری طور پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑنا یہ چیز جبری ہے۔ مشکلات اور مصائب تم خود پیدا نہیں کرتے۔ دشمن مشکلات اور مصائب لاتا ہے اور تم انہیں برداشت کرتے ہو اور خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑتے لیکن نماز طوعی ہے نماز تمہیں کوئی اَور نہیں پڑھاتا نماز تم خود پڑھتے ہو۔ پس تم صبر میں جبری طور پر خدا تعالیٰ کی محبّت کا ثبوت دیتے ہو اور نماز میں طوعی طور پر اس کا اظہار کرتے ہو اور یہ دونوں چیزیں مِل جاتی ہیں تو محبّت کامل ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا فیضان جاری ہو جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس سے صبر وصلوٰۃ کے ساتھ مدد مانگو۔ خدا تعالےٰ کا دلوں پر قبضہ ہے وہ انہیں بدل دے گا۔ میں جب تم سے کہتا تھا کہ جماعت پر مصائب اور ابتلاؤں کا زمانہ آنے والا ہے اِس لئے تم بیدار ہو جاؤ اُس وقت تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تھے تم ہنسی اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کہاں کی باتیں کرتے ہیں ہمیں تو یہ بات نظر نہیں آتی۔ اور جب کہ فتنہ آ گیا ہے میں تمہیں دوسری خبر دیتا ہوں کہ جس طرح بگولا آتا ہے اور چلا جاتا ہے یہ فتنہ مِٹ جائے گا۔ یہ سب کارروائیاں ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے آئیں گے اور وہ ان مشکلات اور ابتلاؤں کو جھاڑو دے کر صاف کر دیں گے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِس

---

[1] سورہ انفال آیت ۲۵ ؎

کے لئے ضروری ہے کہ تم صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ میری مدد مانگو میں تمہیں مدد دوں گا لیکن تم دو باتیں کرو اوّل مصائب اور ابتلاؤں پر گھبراؤ نہیں انہیں برداشت کرو، دوسرے نمازوں اور دعاؤں پر زور دو تا مجھے پتہ لگ جائے کہ تمہاری محبّت کامل ہو گئی ہے۔ اور جب تمہاری محبّت کامل ہو جائیگی تو میں بھی ایسا بے وفا نہیں ہوں کہ میں اپنی محبّت کا اظہار نہ کروں" [۱]

فصلِ سوم

◉ "مسلمان فرقہ احمدیہ" کی تکفیر کا نیا دور ◉ مطالبہ "غیر مسلم اقلیت" پر مختلف مسلمان حلقوں کی طرف سے تشویش و اضطراب ◉ احمدی علمِ کلام کی برتری کا اعتراف اور ایک دلچسپ تجویز۔

ماہِ جولائی ۱۹۵۲ء کے شروع میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندہ خصوصی مقیم مصر نے یہ انکشاف کیا کہ مصر میں بھارت اور افغانستان مل کر اس قسم کی سازشیں کر رہے ہیں کہ پاکستان کو عرب ممالک سے بالکل الگ کر دیا جائے۔ پاکستان اور عرب ملکوں میں کشیدگی پیدا کرنیکی ایک عرصہ سے یہاں بھارتی اور افغان ایجنٹ منصوبے بنا رہے ہیں تا کہ عرب ممالک میں پاکستان کو بدنام کر کے عرب ملکوں کو بھارتی حلقۂ اقتدار میں شامل کر دیا جائے [۲]

جماعتِ احمدیہ کی تکفیر کا نیا دور

اِس انکشاف کے چند روز بعد احرار کی کوشش سے ۱۳۔ جولائی ۱۹۵۲ء کو برکت علی محمڈن ہال لاہور میں ایک

[۱] الفضل یکم ظہور ۱۳۳۱ہش / یکم اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴ ؎

[۲] جنگ (کراچی) ۵۔ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ ؎

"آل مسلم پارٹیز کنونشن" منعقد ہوا جس میں مختلف مکاتیبِ فکر کے سیاسی اور مذہبی راہنما اور دیگر مندوب کم و بیش سات سو کی تعداد میں جمع ہوئے اور احراری مطالبات کے حق میں زور شور سے پراپیگنڈا کرنے کا فیصلہ کیا[1] جس کے بعد حکومتِ پاکستان اور جماعتِ احمدیہ کے خلاف جارحانہ سرگرمیاں تیز کر دی گئیں اور "مسلمان فرقہ احمدیہ" یا احمدی مذہب کے مسلمانوں[2] کے خلاف تکفیر کا نیا دور شروع ہوا۔

جماعتِ احمدیہ اپنے قیام کے روزِ اوّل ہی سے رُوحِ کافرگری کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تو براہینِ احمدیہ جیسی عظیم الشان تصنیف اور علمی شاہکار کی پاداش میں ۱۸۸۴ء ہی سے فتویٰ کفر لگ چکا تھا اور اس میں مختلف فرقوں کے علماء حتیٰ کہ حرمین شریفین کے حنفی مسلک کے مفتیان بھی شامل ہو گئے تھے جیسا کہ نومبر ۱۸۸۸ء کے مطبوعہ رسالہ "نصرت الابرار" سے ثابت ہے[3]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بار فرمایا تھا:

"عجیب بات یہ ہے کہ جتنے اہل اللہ گزرے ان میں کوئی بھی تکفیر سے نہیں بچا۔ کیسے کیسے مقدس اور صاحب برکات تھے۔ ۔ ۔ یہ تو کفر بھی مبارک ہے جو ہمیشہ اولیاء اور خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں کے حصّہ میں ہی آتا رہا ہے۔"[4]

---

[1] کنونشن کی مفصل کارروائی مجلسِ احرار کے آرگن "آزاد" ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱-۶ میں شائع شدہ ہے۔

[2] یہی دونوں نام حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے "اشتہار واجب الاظہار" (۴ نومبر ۱۹۰۰ء) میں اپنے قلم سے تجویز فرمائے تھے چنانچہ فرمایا "وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے اور جائز ہے کہ اس کو احمدی مذہب کے مسلمان کے نام سے پکاریں یہی نام ہے جس کے لئے ہم ادب سے اپنی معزز گورنمنٹ میں درخواست کرتے ہیں کہ اسی نام سے اپنے کاغذات اور مخاطبات میں اس فرقہ کو موسوم کرے یعنی مسلمان فرقہ احمدیہ۔" (اشتہار مشمولہ "تریاق القلوب")

[3] یہ رسالہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سابق صدر مجلسِ احرار اسلام کے بزرگوں کی تصنیف ہے جس میں آل انڈیا کانگریس میں شرکت کو مباح اور سر سید کی تحریک علیگڑھ سے وابستگی کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ یہ رسالہ مطبع صحافی ایچی سن گنج لاہور میں چھپا تھا

[4] الحکم ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

تکفیر کے قدیم وجدید دور میں ایک فرق

اِس اعتبار سے ۱۹۵۲ء کا فتنۂ تکفیر احمدیوں کے لئے کوئی انوکھی چیز نہ تھی نہ ہوسکتی تھی البتہ یہ فرق ضرور تھا کہ تقسیمِ ملک سے قبل جو فتاوٰی کفر صادر کئے گئے اُن سے انگریزی حکومت یا ہندوؤں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ تقویت پہنچتی تھی مگر تکفیر کے اِس نئے دَور میں اس کا مقصد ایک اسلامی مملکت کو نقصان پہنچانا تھا۔

ملک محمد جعفر خاں کا بیان

چنانچہ ملک محمد جعفر خاں (وزیرِ مملکت پاکستان برائے اقلیتی امور وسیاحت) فرماتے ہیں :۔

"پنجاب میں ختمِ نبوّت کی ایجی ٹیشن میں سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ احمدیوں کو سیاسی لحاظ سے ایک اقلیت کا درجہ دے دیا جائے۔ اِس مطالبے کی تہ میں کوئی قابلِ ستائش مُلکی یا قومی مفاد نہ تھا"

"یہ بات تو انسانی فہم ہی سے بالا ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دینے سے ختمِ نبوت کا کیا تعلق ہے بہرحال تحریک جو کچھ بھی چلی اور خُوب چلی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مملکت کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا" [۱-۲]

محض لفظی نزاع

ملک صاحب موصوف نے کُھلے لفظوں میں اِس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ مسئلۂ ختمِ نبوّت میں احمدی اور غیر احمدی علماء میں محض لفظی نزاع ہے اِس لئے مخالفِ احمدیت علماء احمدیوں کو خارج از اسلام اور غیر مسلم اقلیت قرار دئے جانے کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :۔

---

[۱] احرار کی دو رُخی پالیسی ملاحظہ ہو کہ یہ اصحاب اُن دنوں جہاں پاکستان میں احمدیوں کے اکابر بزرگوں بلکہ بانیٔ سلسلہ پر کیچڑ اُچھالنا "تحفّظ ختمِ نبوّت" کا لازمی تقاضا سمجھتے تھے وہاں انہوں نے جامع مسجد دہلی میں یہ قرارداد پاس کی کہ "ہندوستان کے تمام مذہبی گروہوں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنا سیکھیں اور سکھائیں تاکہ ہمارا ملک دُنیا میں اخلاقی بلندی کے ساتھ ترقی کرسکے"۔ ("آزاد" لاہور ۲۸ رمئی ۱۹۵۱ء صہ ۶ کالم ۳) ٭

[۲] "احمدیہ تحریک" مولفہ ملک محمد جعفر خاں صاحب صہ ۲۴۲۔ ناشر سندھ ساگر اکادمی لاہور چوک مینار بیرون لوہاری دروازہ لاہور۔ جنوری ۱۹۵۸ء ٭

"ہمیں اِس امر نے ہمیشہ حیران کیا ہے کہ جس ختمِ نبوت کے عقیدہ سے انکار کی بناء پر علماء جماعتِ احمدیہ کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اس کی روشنی میں یہ علماء اپنی پوزیشن پر کیوں غور نہیں کرتے؟ اگر ختمِ نبوت سے یہ مراد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ہمارے نزدیک یہی مراد ہے تو جماعتِ احمدیہ اور غیر احمدی علماء جو نزولِ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں دونوں ہی ختمِ نبوت کے منکر ہیں۔ مسیح ابنِ مریمؑ کے نبی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر انکو رسولِ کریمؐ کے بعد آنا ہے تو نبی کریم خاتم النّبیین نہیں ہو سکتے۔ احمدیوں کے نزدیک مسیح ابنِ مریمؑ کو نہیں آنا بلکہ ان کے مثیل کو آنا تھا جو مرزا صاحب کی ذات میں آ گیا۔ ساتھ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ مثیل بھی نبی ہے بلکہ اپنی شان میں مسیح ناصری سے بڑھ کر ہے۔ اِس طرح بنیادی لحاظ سے ان دو فریقوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ایک فریق ایک نبی کے آنے کا منتظر ہے اور دوسرے کا خیال ہے کہ نبی آ چکا ہے۔" [1]

"تحفظِ ختمِ نبوت" کا ادّعا اور اس کی حقیقت

ان لوگوں کو "ختمِ نبوت" اور اس کے تحفظ سے کہاں تک تعلق تھا؟ اس کا اندازہ "امیرِ شریعت"[2] احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی لگ سکتا ہے جو انھوں نے ۶ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ملتان کے ایک معزز اجتماع میں دیا:۔

"مَیں ممتاز صاحب دولتانہ کو اِس لئے اپنا لیڈر جانتا ہوں کہ ایک تو وہ صوبہ مسلم لیگ کے صدر ہیں اور دوسرے وہ صوبہ پنجاب کی حکومت کے وزیرِ اعلیٰ ہیں۔ اگر دولتانہ صاحب کہہ دیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لے آؤ تو مَیں اس پر ایمان لے آؤں گا اور مرزا بشیر الدین محمود احمد کو خلیفۃ المسیح مان لوں گا۔" [3]

---

[1] "احمدیہ تحریک" صفحہ ۱۲۹، صفحہ ۱۳۰۔

[2] لکھا ہے "شاہ جی نے فرمایا۔۔۔ یار لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیرِ شریعت بنا رکھا ہے۔" (فرمودات امیرِ شریعت" صفحہ ۴۲ مرتبہ حکیم مختار احمد صاحب الحسینی۔ ناشر مکتبہ تعمیرِ حیات دفتر جمعیۃ علماءِ اسلام چوک رنگ محل لاہور)

[3] اشتہار سید زین العابدین گیلانی سابق صدر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء۔ پاکستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس چوک شہیداں ملتان شہر۔

یہ وہی "امیرِ شریعت" تھے جنہوں نے قبل ازیں "ختمِ نبوّت کانفرنس کراچی" میں یہ فرمایا تھا کہ :-

" اگر خواجہ غریب نواز اجمیریؒ، سیّد عبدالقادر جیلانیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ابن تیمیہؒ، غزالیؒ، حسن بصریؒ، نبوّت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انہیں نبی مان لیتے علیؓ دعویٰ کرتا کہ جسے تلوارِ حق نے دی اور بیٹی نبی نے دی عثمان غنی دعویٰ کرتا، فاروقِ اعظم دعویٰ کرتا، ابوبکر صدیقؓ دعویٰ کرتا تو کیا بخاری اسے نبی مان لیتا " ؎

حکومتِ پاکستان کے خلاف اشتعال انگیزی

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے انعقاد کے بعد عوام کو کس طرح کھلم کھلا تشدّد اور بغاوت پر اُکسایا جانے لگا اِس کا صرف ایک نمونہ کافی ہے۔ احرار کے "مجاہدِ ملّت" مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے اگست ۱۹۵۲ء میں ملتان کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :-

" اگر حکومت نے کراچی کی طرح سنگینوں کے سائے میں مرزائیت کی جبری تبلیغ کروانی ہے تو پھر ہماری تمہاری جنگ ہے۔ اگر اظہارِ استبداد کے معنی بغاوت ہے۔ اگر مظلوم کی فریاد کے معنی بغاوت ہے۔ اگر بیزاریٔ بیداد کے معنی بغاوت ہے۔ اگر ایک فطرتِ آزاد کے معنی بغاوت ہے تو پھر میں ایک باغی ہوں میرا مذہب بغاوت ہے "

" محمدؐ ملک کے لئے نہیں ملک محمدؐ کے لئے ہے اور ایسے کروڑوں خطّۂ ارضی محمدؐ کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں ؎ اپنی وزارتوں کے تحفّظ کے لئے سیفٹی اور سیکیورٹی ایکٹ بنانے والو! اس دن کے متعلق بھی سوچ لو۔۔۔ جب حوضِ کوثر پر محمدؐ کوثر کا پیالہ ہاتھ میں لئے سوال کریں گے تمہاری وزارتوں میں میری نبوّت کیوں کر رُسوا ہوئی تو سوچ لو اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا ؟" ؎

؎ " آزاد " لاہور ۱۸ رمئی ۱۹۵۱ء ۔

؎ اِسی سے ملتے جلتے الفاظ رئیس الاحرار مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے بھی استعمال فرمائے تھے فرق یہ تھا کہ انھوں نے "محمد" کی بجائے "جواہر لال نہرو" کا نام لیا اور فرمایا " دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں " (چمنستان ص ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خان ۔ ناشر مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور مطبوعہ ۱۹۴۲ء)

؎ ہفت روزہ "حکومت" کراچی "عقیدۂ ختمِ نبوّت کا علمبردار" ۱۴ راگست ۱۹۵۲ء ص ۱ کالم ۳ ، ۴ ۔

محبِّ وطن حلقوں میں تشویش و اضطراب اور سیاسی ردِّ عمل

یہ شعلہ نوائی جلد ہی رنگ لائی اور عوام میں اپنے مسلمان حکمرانوں کے خلاف آتشِ انتقام سُلگنے لگی۔ امن غارت ہونے لگا اور انتشار اور بدامنی اور بے اطمینانی کا مُہیب طوفان اُمڈتا دکھائی دینے لگا تو تمام محبِّ وطن مسلمان حلقوں میں تشویش و اضطراب کی زبردست لہر پیدا ہو گئی حتّٰی کہ وہ طبقہ بھی جو اَب تک خاموش کھڑا اِس معاملہ کو ایک دینی مسئلہ سمجھے بیٹھا تھا، احتجاج کرنے لگا۔

ملتان

ان دنوں اِس تحریک کا اصل مرکز ملتان تھا جس کے بیس صحافیوں نے "تحریکِ ختمِ نبوّت کا موجودہ دَور" کے عنوان سے حسبِ ذیل اشتہار شائع کیا:۔

"تحریکِ ختمِ نبوّت کی ابتداء جن مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر کی گئی اس نے بلا امتیاز فرقہ ہر ایک مسلمان کا دل و دماغ اپنی طرف متوجّہ کر لیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ یہ مقدّس تحریک جس موجودہ دَور سے گذر رہی ہے اور اس سے پاکستانی عوام، پاکستان کی سالمیّت، سکون اور امن پر جو ہولناک حملے ہو رہے ہیں اُس نے ہر ایک ذی شعور مسلمان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ بانیانِ تحریک کون ہیں اور اس تحریک سے ان کا اصل مقصد کیا ہے؟

ہم صحافیانِ ملتان نے دیگر صُوبہ جات مملکتِ خدا داد پاکستان کے مسلمانوں کے خیالات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ ہم نے حکومت کے اعلانات، بیانات اور انسدادی تدابیر پر بھی غور کیا ہے۔ ہم نے اُن خیالات پر بھی دھیان دیا ہے جو دیگر ممالک کی صحافت نے اِس تحریک کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ ہم نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ سمجھدار طبقہ اِس تحریک کی موجودہ انتشار انگیز ضرر رساں شکل کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ مسلم عوام کا ایمان تازہ، ارادے مستقل اور قدم مضبوط ہیں اور وہ ہر ایسی تحریک سے دیوانہ وار منسلک ہو جاتے ہیں جو قوم، ملک اور مذہب کے نام پر چلائی جائے۔ لیکن اِس وقت دیکھنا یہ ہے کہ ان کی یہ قربانیاں ملک و ملّت کے لئے مفید بھی ہیں یا نہیں؟ اگر تحریک کے علمبردار پاکستان دشمنی، قوم کی تباہی اور دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے درپے ہوں تو فدایانِ ناموسِ رسولؐ کا اوّلین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک و قوم کے دشمنوں کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے وقت میں قومی مفاد کے تحفّظ کی ذمّہ داری جہاں گورنمنٹ پر عائد ہوتی

ہے وہاں ملکی صحافت اور عوام پر بھی اُسی طرح اس ذمہ داری کا بوجھ پڑتا ہے۔

ہم صحافیانِ ملتان پُورے غور وخوض کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تحریک کو موجودہ انتہائی خطرناک اور غیر آئینی رنگ دینے میں یقیناً دشمنانِ پاکستان کا ہاتھ ہے اور وہ اس مقدس نعرہ کی آڑ لے کر ملک کی خوشحالی و امن وسکون کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہم صحافیانِ ملتان اپنا قومی فرض سمجھتے ہیں کہ اسلامیانِ پاکستان اور بالخصوص اہالیانِ ملتان کو تحریک کے اصل پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے اُن پر یہ واضح کر دیں کہ تحریک کی موجودہ شکل کو تحریک ختمِ نبوّت کا نام دینا ہی اس مقدس ترین نام کی توہین ہے لہٰذا وہ اسے تحریک ختمِ نبوّت کا نام نہ دیں بلکہ اسے دشمنانِ پاکستان کے ایجنٹوں کی تحریک سمجھیں۔

(شیخ) مظفر الدین ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار سدھار" ٭ (چوہدری) محمد ظفر مخزون ایڈیٹر روزنامہ "کاروان" ٭ (صاحبزادہ ڈاکٹر) عبدالستار حامد ایڈیٹر ہفت روزہ "کلیم" ٭ (شیخ) عاشق حسین حسینی ایڈیٹر "روشن چراغ" ٭ (مولانا) منظور احمد اختر ایڈیٹر "الجیلان" ٭ (مسٹر) رسول بخش ارشد ملتانی ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے حق" ٭ (مسٹر) امان اللہ غازی ایڈیٹر "جدت" ٭ (قاری) وحید الزمان رزمی ایڈیٹر ہفت روزہ "بیوپاری" ٭ (مولانا الحاج) محبوب احمد اویسی ایڈیٹر ہفت روزہ "محسن" ٭ (مولانا) خدا بخش اویسی ایڈیٹر ہفت روزہ "مقبول" ٭ (مسٹر) اختر رسول ایڈیٹر ہفت روزہ "طوفان" ٭ (شیخ) غلام علی ظفر حیدری ایڈیٹر "الکائنات" ٭ (شیخ) علاؤ الدین اختر ایڈیٹر "زمیندار سدھار" ٭ (خان) محمد اکرم خان ایڈیٹر روزنامہ "شمس" ٭ (شیخ) مسعود دین ایڈیٹر سہ روزہ "نوائے عامہ" ٭ (خواجہ) عبدالکریم قاصف ایڈیٹر ہفت روزہ "ملتان کرانیکل" ٭ (چوہدری) نظر حسین نظر ایڈیٹر ہفت روزہ "زلزلہ" ٭ (ڈاکٹر) احتشام الحق ایڈیٹر "ہومیو پیتھی" ٭ بیگم شمیم حسینی مدیرہ "شمیم" ٭ (ڈاکٹر حکیم) فاروق احمد اویسی جرنلسٹ۔

(خادم کاتب) (یونین پریس ملتان شہر)" [1]

لاہور لاہور جہاں "آل مسلم پارٹیز کنونشن" منعقد ہوئی اور جہاں سے "آزاد" اور "زمیندار" وغیرہ اخبارات شورش کو ہوا دینے میں سرگرم تھے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ، امروز اور نوائے وقت جیسے وقیع اخبارات نے ڈٹ کر اس امن شکن تحریک کے خلاف آواز بلند کی۔ چنانچہ

---

[1] اصل اشتہار خلافت لائبریری میں محفوظ ہے ٭

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء کے اشاعت میں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا :۔

"ہم مسلمانوں کے پڑھے لکھے افراد سے یہ پوچھتے ہیں کہ آخر وہ اِس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو کیوں محسوس نہیں کرتے ؟ اور اپنے اَن پڑھ اور سادہ لوح بھائیوں کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ اگر مسلمانوں میں یہ باہمی مناقشت اِسی طرح جاری رہی تو مسلمانوں کا یہ نیا ملک پاکستان خدانخواستہ بالکل تباہ ہو جائے گا۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ سپین میں مسلمانوں کی تباہی کا باعث ان کے باہمی جھگڑے ہی تھے ؟ اور یہ ان جھگڑوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج سپین میں ایک مسلمان بھی نہیں ملتا حالانکہ مسلمانوں نے صدیوں اس ملک پر حکومت کی ہے۔ خلافتِ بغداد کی بربادی بھی مسلمانوں کے ان باہمی مناقشات کے باعث ہوئی اور آپ کے اپنے زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ محض اِس وجہ سے پارہ پارہ ہوئی کہ مسلمان مسلمان کا دشمن تھا۔ سپین، بغداد اور ترکانِ عثمانی کی سلطنتیں اپنے اپنے زمانہ میں دُنیا کی طاقتور ترین سلطنتوں میں شمار ہوتی تھیں اور ہمعصر یورپ ان کے دبدبہ اور ہیبت سے کانپتا تھا مگر آج ان عظیم الشّان سلطنتوں کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ مسلمانوں نے آپس میں لڑ جھگڑ کر اپنے ہاتھوں سے ان سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔

وطنِ عزیز پاکستان سے محبّت اور عقیدت بجا مگر ان سلطنتوں کے مقابلہ پر پاکستان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اِس بچّہ نے تو ابھی گھٹنوں پر چلنا بھی نہیں سیکھا۔ اور ہم خود اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹنے کے درپے ہیں۔ کیا وطن سے محبّت اور عقیدت کا یہ تقاضا نہیں کہ پڑھے لکھے لوگ مسلمان عوام کو اس مہیب خطرہ سے آگاہ کریں۔ ابھی پاکستان میں قومیّت یا ملّیت کا شعور ریکسر ناپید ہے ضرورت اِس امر کی تھی کہ حکومت، اخبارات، سیاسی کارکن اور پڑھے لکھے لوگ عوام میں ملّیت اور قومیّت کا شعور پیدا کرتے اور ہر شخص میں یہ احساس پیدا کیا جاتا کہ وہ مسلمان اور پاکستانی ہے مگر ہماری قوم کن جھگڑوں میں اُلجھ گئی ہے ؟ اور ان جھگڑوں کا کیا انجام ہوگا ؟ جن خود غرضوں کے مُنہ کو لہو لگ چکا ہے۔ کیا وہ اسی پر اکتفاء کریں گے ؟ جن کی دکان مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کی وجہ سے چلتی ہے۔ کیا وہ شیعہ سنّی کو ایک دوسرے سے لڑانے کے بعد یہ دکان بند کر دیں گے ؟ ہرگز نہیں آج شیعہ سنّی جھگڑا ہے کل یہی لوگ سُنّیوں کو وہابیوں سے لڑائیں گے۔ پھر اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن

میں جنگ ہو گی۔ اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو کچھ عرصہ بعد پاکستان میں شیعہ، سنی، وہابی، چکڑالوی، بریلوی، دیوبندی تو بہت مل جائیں گے مگر سیدھے سادے مسلمان اور پاکستانی چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکیں گے۔

شکر ہے کہ اربابِ اقتدار میں سے دو اصحاب کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ اِس مسئلہ پر لب کشائی کریں۔ میاں ممتاز دولتانہ نے پسرور میں کہا ہے کہ :-

"فرقہ وارانہ نفرت پھیلانا پاکستان کے وجود کے لئے تباہ کُن ثابت ہو گا۔ جب بھارت میں مسلمانوں کا قتلِ عام جاری تھا اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا جا رہا تھا تو کسی نے مسلمانوں کے بہتّر فرقوں میں کوئی تمیز روا نہ رکھی تھی۔ اس کے برعکس سبھی نشانۂ ستم بنے محض اِس لئے کہ وہ مسلمان تھے۔"

خان عبدالقیوم وزیرِ اعلیٰ سرحد نے مانسہرہ میں یہ کہا ہے کہ :-

"ماضی میں مسلمانوں کی سلطنتیں اِسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ دوسروں نے ان مسلمان سلطنتوں میں انتشار کا بیج بو دیا۔ مسلمانانِ پاکستان کو ان تاریخی واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اندرونی انتشار پیدا کر کے اپنی آزادی خطرے میں نہ ڈالنی چاہیئے نئی اور پرانی سامراجی طاقتیں پاکستان کے وجود سے سخت ناخوش ہیں۔ وہ ہر ممکن ذریعہ سے اسے ختم کرنا چاہتی ہیں۔ بنگال میں زبان کا جھگڑا اِسی قسم کا ایک بارود تھا۔ اب پنجاب میں اور دوسری جگہ حد درجہ بھک سے اُڑ جانے والے بارود کی جھگڑے کھڑے کر دئے گئے ہیں۔"

خدا کا شکر ہے کہ اربابِ اقتدار اِس خطرے سے آگاہ ہیں جو ملک و ملّت کو درپیش ہے۔ پھر وہ اس کا استیصال کیوں نہیں کرتے؟ اِس معاملہ میں دو رُخی یا نیم دلانہ پالیسی مُلک و ملّت کے لئے تباہ کُن ثابت ہو سکتی ہے۔ اربابِ اقتدار کا فرض ہے کہ حکومت کی مشینری کو اِس خطرہ کے استیصال کے لئے استعمال کریں۔ تبلیغ اور تشہیر کے بے شمار ذرائع حکومت کے پاس ہیں یہ ذرائع اِس کام آنے چاہئیں کہ مسلمان عوام کو یہ بتایا جائے کہ ماضی میں دُنیا کے ہر خطّہ میں مسلمانوں کے باہمی جھگڑے ہی ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔ اب پاکستان کو بھی (جیسا کہ قیوم صاحب اور دولتانہ صاحب

دونوں نے فرمایا ہے) یہی خطرہ درپیش ہے مسلمان عوام کو ملک و ملّت کے ان دشمنوں سے خبردار رہنا چاہیئے جو مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر اِس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔

تبلیغ و تشہیر کے ذرائع کے علاوہ قانون کی قوّت بھی حکومت کو حاصل ہے۔ آخر وہ قوّت جائز اور نیک مقصد کے لئے کیوں استعمال نہیں کی جاتی؟ دولتانہ صاحب نے بعض سرگرمیوں کے متعلق صاف لفظوں میں یہ کہا ہے کہ وہ پاکستان کے وجود کے لئے تباہ کُن ہیں۔ اور قیّوم صاحب نے صرف یہی نہیں یہ بھی اشارہ کر دیا ہے کہ بعض نئی اور پُرانی سامراجی طاقتیں پاکستان کے وجود پر سخت ناخوش ہیں اور ہر ممکن ذریعہ سے اسے ختم کرنا چاہتی ہیں اور یہ خطرناک سرگرمیاں اسی ناپاک مہم کے ہتھیار ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو اربابِ اقتدار کے اختیارات ملک و ملّت کے ان بدترین دشمنوں کے خلاف حرکت میں کیوں نہیں آتے جو ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جو خود اربابِ اقتدار کے قول کے مطابق ملک کے لئے تباہ کُن ہیں؟

حیرت ہے کہ جائز سیاسی اختلاف کا اظہار کرنے پر تو زبان کٹتی ہو مگر ان عناصر کو جو ملک کو برباد کر دینے والی سرگرمیوں میں مصروف ہوں کُھلی چُھٹّی ہو۔ اِس کی وجہ دو رُخی ہے یا نیم دلی اور کمزوری؟

خدارا اب بھی آنکھیں کھولئے ورنہ جب پانی سر سے گذر گیا تو پھر جاگنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا ملک اپنی زندگی کے ابتدائی چند سالوں بعد ہی تباہی کے موڑ پر پہنچ گیا ہے اور اس کے ذمّہ دار ہمیں لوگ ہیں۔ یہ آگ ہم نے لگائی ہے اب اگر نیک نیّتی کے ساتھ ملک کو بربادی سے بچانا مقصود ہے تو ہم سب کا ——— صرف حکومت کا نہیں ——— حکومت، لیڈروں، اخبارات، علمائے کرام، پڑھے لکھے افراد سب کا فرض ہے کہ وہ اِس آگ کو بُجھانے کی کوشش کریں ورنہ یاد رکھئے شیعہ، سُنّی، وہابی کسی کا گھر محفوظ نہیں ع

جو ڈوبی یہ ناؤ تو ڈوبوگے سارے"

روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے ایجی ٹیشن سے متاثر ہو کر حسبِ ذیل اداریہ لکھا۔

عین اس وقت جبکہ مسئلۂ کشمیر کے متعلق بات چیت انتہائی نازک مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے ظفر اللہ کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن اس یقینی کیفیت کا پتہ دیتی ہے کہ جبکہ کشمیر جل رہا ہے علماء نبسربا

بجا رہے ہیں۔ دو ہفتہ کے اندر اندر جینیوا میں کشمیر کے متعلق آخری بات چیت جس پر پاکستان کی موت وحیات کا دارومدار ہے شروع ہو جائے گی لیکن اسلام کے ان مقدس پاسبانوں نے "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا کر اس شخص کی فوری برطرفی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے جو پاکستان کی زندگی اور موت کی لڑائی لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔ اگر احرار شور و غوغا کریں تو یہ بات بڑی حد تک سمجھ میں آنے والی ہو سکتی ہے کہ وہ عین اس موقعہ پر جبکہ مسئلۂ کشمیر اپنے آخری مراحل میں پہنچ چکا ہے اور دوٹوک فیصلہ کا وقت آ چکا ہے اِس مسئلہ سے لوگوں کی توجہ کو ہٹا کر اپنے آقاؤں کا نمک حلال کر رہے ہیں لیکن جب بعض علماء بھی دشمن کا کردار ادا کرنے لگیں تو ان کی سمجھ کی کمی پر ماتم کناں ہونے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟

بات چیت کے اِس خطرناک مرحلہ پر ملک کو صرف ایک امر کا تہیّہ کر لینا چاہیئے تھا یعنی ہر قیمت پر کشمیریوں سے انصاف کرانا لیکن جبکہ کشمیر کا معاملہ تیزی سے بگڑتا جا رہا ہے عوام کی طرف سے جو چند روز قبل گلے پھاڑ پھاڑ کر اِس جنّتِ ارضی کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا اعلان کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق ایک آواز بھی نہیں اُٹھتی۔ کیا اَب بھی مُلّا کے نشّہ آور نعرے "اسلام خطرے میں ہے" کا شکریہ ادا نہ کیا جائے؟

قوم کو اس زبردست فریب پر جو مذہب کے نام پر اسلام اور پاکستان دونوں سے کھیلا گیا ہے ہوش میں آ جانا چاہیئے۔ اب یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ جہاں تک ظفراللہ کے خلاف ایجی ٹیشن کے پیچھے اندرونی طاقتوں کا سوال ہے سب کچھ ذاتی اغراض اور خواہشات کو بروئے کار لانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کی یکجہتی اور سلامتی کے لئے ذاتی اغراض کو پسِ پشت ڈال دیں۔ ہمیں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ اگر مذہب کا لبادہ اوڑھ کر قائدِ اعظم کا ایک رفیقِ کار بھی محض ذاتی مقاصد کے لئے پاکستان کی یکجہتی قائم رکھنے کے اصول کو پسِ پشت ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے تو پھر پاکستان کا خدا ہی حافظ ہے۔

ایک سے زائد بار ہم واضح طور پر یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم قادیانیوں کی ختمِ نبوّت کی تاویل کو قبول نہیں کرتے تاہم ایک سرکاری ملازم کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لئے اس کے مذہبی خیالات کو بیچ میں لانے کی ہم پُرزور مذمّت کرتے ہیں۔ مملکت کے کسی وزیر یا افسر کو پرکھنے کی واحد کسوٹی

یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا اس کے ذریعہ ملک کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوا ہے یا نہیں اور اس کا وجود ملک کے لئے سود مند ہے یا کہ نہیں؟ اِس میزان پر جب ہم چوہدری ظفر اللہ خاں کو جانچتے ہیں تو ملک میں اس کے متعلق دو مختلف رائیں نہیں ہو سکتیں کہ بحیثیت وزیر خارجہ کے چوہدری صاحب نے ایک عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے اور اپنی ٹھوس خدمت کی وجہ سے ان کا شمار معمارانِ پاکستان کی صفِ اوّلین میں ہونے کے قابل ہے۔ ہم قوم کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ جب فضیلت مآب غلام محمد کو گورنر جنرل کا عہدہ تفویض کیا گیا اور آپ کی جگہ ممالکِ اسلامی کی اقتصادی کانفرنس کی صدارت کا مسئلہ پیش ہوا تو ہر مسلم ملک نے بلا استثناء اس اعزاز کے لئے چوہدری ظفر اللہ خاں کا نام ہی تجویز کیا۔ اکیلا یہی امر اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وزیر خارجہ کے خلاف پراپیگنڈا کی جو عمارت کھڑی کی جا رہی ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ شاید لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ ظفر اللہ خاں نے کبھی کسی عہدے کے لئے درخواست نہیں کی۔ اور دو موقعوں پر جب پاکستان کی نیابت کا سوال اُٹھا قائدِ اعظم کی نظر آپ پر ہی پڑی۔ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کی پیروی کرنے کے موقعہ پر اور بعد ازاں پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کرنے کے وقت۔ دونوں مواقع پر متحدہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے مسلم لیڈر کی معرفت آپ سے ان اہم ذمہ داریوں کو اُٹھانے کی درخواست کی گئی۔ یہ لیڈر جن کا نام ہم بعض مخصوص وجوہات کی وجہ سے ظاہر نہیں کر سکتے ابھی تک بھارت میں مقیم ہیں۔ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کا کیس پیش کرنے کے معاملہ میں بھی آپ کو ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ ہی گورداسپور کو پاکستان کے ہاتھ سے کھو دینے کے ذمہ دار ہیں۔ ایک معمولی آدمی بھی اگر ذرا سی سمجھ بُوجھ سے کام لے تو سمجھ سکتا ہے کہ اگر اِس الزام میں رائی برابر بھی صداقت ہوتی تو قائدِ اعظم آپ کو وزارتِ خارجہ جیسے اہم عہدہ کے لئے کسی صورت میں بھی نہ چُن سکتے تھے۔ یہ ایک کھُلا راز ہے کہ ظفر اللہ خاں نے اِس عہدہ کو قبول کرنے میں بڑی ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ قائدِ اعظم کی پیشکش کے جواب میں آپ نے کہا کہ اگر آپ کو میری قابلیت اور دیانت و امانت پر پُورا اعتماد ہے تو میں وزارت کے علاوہ کسی اور صُورت میں پاکستان کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ اِس پر قائدِ اعظم نے یہ تاریخی جواب دیا " آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مجھ سے ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ عہدوں کے بھُوکے نہیں ہیں "۔

قائدِ اعظم کا یہ جواب چوہدری صاحب کی قابلیت اور راستبازی کا ایک روشن ثبوت ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چوہدری صاحب کے مذہبی معتقدات کے باوجود قائدِ اعظم آپ کے ہاتھوں پاکستان کے مفادات کو پوری طرح محفوظ سمجھتے تھے۔ اس پاکستان میں جس کا تصوّر قائدِ اعظم کے ذہن میں تھا عوام کے خادموں کو ان کی قابلیت اور دیانت و امانت کے پیمانہ سے ناپنا چاہیئے نہ کہ ان کے مذہبی معتقدات کی بناء پر۔ قائدِ اعظم کے تصوّر میں ایسے پاکستان کا نقشہ تھا جس میں نہ مسلمان ہوگا، نہ ہندو و نہ عیسائی مذہبی اعتقاد کی بناء پر نہیں بلکہ پاکستان کے شہری ہونے کی بناء پر۔ [1]

الحاج خواجہ ناظم الدین کو جن کے کندھوں پر قائدِ اعظم کا بوجھ آپڑا ہے قائدِ اعظم کے مقدس ترکہ "پاکستان" کی جسے علماء ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں پوری حفاظت کرنی چاہیئے۔ حالات کی موجودہ رفتار سے پاکستان کی نوزائیدہ مملکت میں ابتری پیدا ہونے کا سخت خطرہ ہے۔ علماء جو پاکستان کو اپنے خود ساختہ مذہبی اصولوں کی بناء پر اپنی جائداد سمجھتے ہیں موجودہ ایجی ٹیشن کو ملک میں اپنی قیادت قائم کرنے کا ایک ذریعہ بنا رہے ہیں۔ ان کا اصل مقصد طاقت حاصل کرنا ہے لیکن انتخابات کے سیدھے راستہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد اب وہ مذہبی عصبیّت کے چور دروازہ سے داخل ہو کر اپنی اغراض حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ مملکتِ نوزائیدہ پاکستان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہوگا۔

ہمیں یقین ہے کہ مرکزی کابینہ اِس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہے کہ وہ خلاء جو ظفر اللہ خاں کو ان کے عہدے سے ہٹانے سے پیدا ہوگا اس کا پُر کرنا ناممکن ہوگا۔ چند روز قبل ان کے استعفےٰ

---

[1] قائدِ اعظم کا اہلِ امریکہ کے نام نشری پیغام (فروری ۱۹۴۸ء):۔

"پاکستان ایک ایسی مذہبی مملکت نہیں ہوگا جس میں مذہبی پیشوا مامور من اللہ کے طور پر حکومت کریں گے۔ ہمارے ہاں بہت سے غیر مسلم ہیں ــــ ہندو عیسائی اور پارسی ــــ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ وہ بھی تمام دوسرے شہریوں کی طرح یکساں حقوق اور مراعات سے بہرہ ور ہوں گے اور پاکستان کے معاملات میں کما حقہٗ کردار ادا کریں گے۔" (ظہورِ پاکستان" مصنفہ چوہدری محمد علی صفحہ ۲۵۱ ناشر مکتبہ کارواں کچہری روڈ۔ لاہور۔ طبع دوم ۱۹۷۲ء)

کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو روشن خیال عوام کو سخت دھکا پہنچا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ پاکستان کے موجودہ کشتی بان خواجہ ناظم الدین جنہوں نے دلیر قیادت کی ایک مثال قائم کر دی ہے اور قوم کی زندگی میں جن طوفانوں سے انہیں سابقہ پڑا ان کا انہوں نے دلیری سے مقابلہ کیا حالات کی نزاکت کو پُوری طرح محسوس کریں گے اور ملک کی ایسی دلیرانہ قیادت کریں گے جس کا حالات تقاضا کر رہے ہیں۔ وزیرِ خارجہ کو جبکہ وہ اس آخری نازک مرحلہ پر پاکستان کی نیابت کرنے جنیوا تشریف لیجا رہے ہیں ملک کے واحد ترجمان کی حیثیت سے قوم کا پورا اعتماد حاصل ہونا چاہیئے۔ دشمن کے جاسوسوں نے ایسے آدمی کے عزّت و وقار اور اقتدار کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں جو ملک کی جنگ لڑنے باہر جا رہا ہے کشمیر کے معاملہ پر بھرپور ضرب لگائی ہے۔ اب یہ پاکستانی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اِس نقصان کی تلافی ایک ایسے جرأت مندانہ بیان سے کرے جس میں وزیرِ خارجہ کی قابلیت، دیانت و امانت اور نمائندہ حیثیت پر پُورا اعتماد ظاہر کیا گیا ہو۔ لہ (ترجمہ)

اِسی طرح سالار نیشنل گارڈ مسلم لیگ نے "امروز" کے ایک حقیقت افروز مضمون کی بناء پر حسبِ ذیل اشتہار دیا:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

پاکستان کے دوست نما دشمنوں کو انتباہ

کراچی میں احرار نے یہ پوسٹر لگایا کہ "ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دو" اس کی بابت سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں ہٹایا جائے؟

کیا اِس لئے کہ

چوہدری صاحب کو ہمارے محبوب رہنما بانئ پاکستان حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دُوربین نگاہ نے وزارتِ خارجہ کے لئے منتخب کیا اور حضرت قائدِ ملت لیاقت علی خاں نے ان کے کام کی تعریف کی۔ حضرت قائدِ پاکستان الحاج خواجہ ناظم الدین وزیرِ اعظم و صدر مسلم لیگ اور آپ کے رفقاء کار قائدین نے بار بار ان پر اعتماد کا اظہار فرمایا۔ تمام اسلامی ممالک کے مدبّرین نے ان کی اسلامی خدمات کی تعریف کی اور آج بھی اسلام اور مسلمانوں کے ہمدرد نمائندوں نے اُنہیں اپنا مشیر و معاون بنا رکھا ہے۔

لہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور ۱۲ راگست ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۰ راگست ۱۹۵۲ء صفحہ

یا اِس لئے کہ ؟

اِس فتنہ کو کھڑا کرنے والے اور ہوا دینے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے شروع سے ہی ہمارے ان محبوب رہنماؤں پر اعتماد نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے محبوب وطن پاکستان کی تعمیر میں حصہ لیا بلکہ شدید مخالفت اور پاکستان کو پلیدستان اور بیوقوفوں کی جنت بنایا اور آج بھی ان کی موجودہ روش سے یہی ظاہر ہے کہ وہ فرقہ وارانہ کشمکش پھیلا کر ہمارے زرّیں اصول

اتحاد ــــــ تنظیم ــــــ یقینِ محکم

کو برباد کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوں۔ وہ اپنی روش سے حضرت قائدِاعظم اور قائدِ ملت کی ارواح کو اذیت پہنچا رہے ہیں۔ ہم ان کو اپنے محبوب رہبرِ ملت جناب الحاج خواجہ ناظم الدین وزیرِاعظم پاکستان و صدر مسلم لیگ کا ارشاد پیش کر کے تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ انتشار پسندی اور فرقہ پرستی سے باز آجائیں۔ اپنے بے اعتمادی کے مرض کا علاج کریں اور قوم کا شیرازہ منتشر کر کے غرقابی کی طرف نہ دھکیلیں ورنہ یہ یاد رکھیں کہ قوم اِن باتوں کو ہرگز برداشت نہ کرے گی ۔۔۔۔ ہوشیار باش۔

رہبرِ ملت وزیرِ اعظم کا ارشاد

ملک کے اندر ۔۔۔۔ ایسے عناصر موجود ہیں ۔۔۔۔ جو ہماری آزادی پر ۔۔۔۔ بالواسطہ حملہ کر رہے ہیں ۔۔۔۔ تاکہ ملک کے لیڈروں اور حکومت کے ارکان کے متعلق عوام کے دلوں میں بے اعتمادی پیدا ہو جائے۔ یہ ۔۔۔۔ صوبہ پرستی، فرقہ پرستی اور اسی قسم کے دوسرے امور چھیڑ کر پاکستانیوں کے درمیان نفاق و نفرت پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ تمام مسلم لیگی حضرات ۔۔۔۔ اور ہر وفادار پاکستانی کا فرض ہے کہ ان شرانگیز سرگرمیوں کی مخالفت کرے۔ انہیں رسوا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ اُٹھا رکھے۔ یہ وہی ہیں جو تقسیم سے پیشتر پاکستان کے عقیدے ہی کے خلاف تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض آج پاکستان اور اسلام کی حمایت کا دعوٰی کر رہے ہیں لیکن ہم ان پر ہرگز اعتبار نہیں کر سکتے۔" (امروز ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

(المشتہر:۔ سالار نیشنل گارڈ مسلم لیگ لاہور)

(ناظر پریس کراچی)

گوجرانوالہ گوجرانوالہ بھی احراری تحریک کا ایک مضبوط مرکز بنا ہوا تھا۔ اِس شہر کے اخبار "لاحول" نے اپنی ماہ ستمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں احراری ایجی ٹیشن کو ملک و ملّت کے مفاد کے لئے سخت مضرّت رساں قرار دیتے ہوئے لکھا :-

"گذشتہ تین ماہ حکومتِ عالیہ پاکستان کی آزمائش کے دن تھے۔ احرار جو کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو پاکستان تو کیا اس کی "پ" بھی میسّر نہ آئے گی ختم نبوت کی آڑ میں ملک میں شور و شر پھیلانے اور کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور حکومت یہ جانتی تھی کہ ان کے تار دہلی سے مولوی حبیب الرحمٰن ہلا رہے ہیں جو پنڈت نہرو کے معتمد خاص بنے ہوئے ہیں[۱]۔ اور حکومت یہ بھی جانتی تھی کہ احرار جو کام کرتے ہیں قوم یا اسلام کی خاطر نہیں کرتے بلکہ اپنے ذاتی وقار اور بگڑی ہوئی شُہرت کو بنانے کے لئے کرتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ شہید گنج جو خالص قومی اور اسلامی مسئلہ تھا اور مسلمانوں کی موت و حیات کا سوال تھا اس کو احراری لیڈروں نے اِس لئے ادھورا چھوڑ دیا اور عین موقعہ پر اس سے الگ ہو گئے کہ اگر یہ کامیاب ہو گیا تو نام فدائے ملّت حضرت مولانا ظفر علی خاں کا ہو گا جو اُس وقت اِس تحریک کے قائد تھے۔ چنانچہ ایک چوٹی کے احراری لیڈر کے ایک خط کا عکس بھی اخبار زمیندار میں شائع ہوا تھا جس میں خود ساختہ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو اِس تحریک سے علیحدہ رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور صاف لکھا تھا کہ کام تو احرار کریں گے لیکن نام مولانا ظفر علی خاں کا ہو جائے گا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

یہ اس پارٹی کے لیڈروں کا کردار ہے کہ مسجد شہید گنج ایسے اہم مسئلہ کو جس پر لاہور کے مسلمانوں نے اپنی جانیں نچھاور کر دی تھیں اور دلّی دروازہ کے باہر ان کے خون کی ندیاں بہہ گئی تھیں محض اِس لئے ادھورا چھوڑ دیا کہ کام تو احرار کریں گے نام دوسروں کا ہو جائیگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اِس کے بعد اِس پارٹی نے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کے لئے جتنے بھی ہتھکنڈے اختیار کئے وہ ناکام رہے۔ شہید گنج کے مسئلہ پر قوم کے ساتھ غدّاری کرنے والوں کو مسلمان کبھی بھی معاف نہیں کر سکتے چاہے وہ فرشتہ بن کر بھی آجائیں چنانچہ جب بھی احرار کوئی نئی تحریک

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب "رئیس الاحرار" از عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی۔

شروع کرتے تھے تو اخبار زمیندار لکھا کرتا تھا کہ

ع نیا جال لائے پُرانے شکاری

ع روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

ع نمازی اپنے جُوتوں سے رہیں ہوشیار

لیکن جوئندہ یابندہ آخر وہ ایک ایسا مسئلہ تلاش کر ہی لائے جس سے وہ اپنا کھویا ہؤا وقار بھی حاصل کرلیں اور دہلی کے مخالف پاکستانی آقاؤں کو بھی خوش کرلیں اور یہ دونوں مقاصد اس پارٹی نے قریب قریب حاصل کرلئے ہیں۔ وقار تو خیر چند روزہ ہی ہے کیونکہ جونہی ان کا ساتھ دینے والوں پر یہ بھید کھُل گیا کہ احرار کا دوسرا مقصد حاصل ہوچکا ہے اور وہ ملک میں بدامنی اور انتشار اور عوام اور حکومت میں بدظنّی، غلط فہمی اور ایک حد تک نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہوچکے ہیں، جو ان کے دہلوی آقاؤں کے مدِّنظر تھا، تو وہ ان سے الگ ہوجائیں گے۔

ملک چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرا ہؤا ہے۔ بھارت نے پاکستان کو گلے سے پکڑ رکھا ہے اور کشمیر ہضم کرنے کے لئے سرحدوں پر ساری فوج جمع کئے بیٹھا ہے اور احرار حکومت کے خلاف عوام میں نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور عوام سمجھنے لگے ہیں کہ حکومت دیدہ و دانستہ ایک جماعت کا ساتھ دے رہی ہے اس کی پُشت پناہی کررہی ہے اور اسے کشتنی و گردن زدنی قرار دینے میں ہٹ لیت ولعل کررہی ہے۔ جو مسئلہ ختم نبوت میں ان کے ہم خیال نہیں اور اپنی تبلیغ کے وسیع وسائل اختیار کررہی ہے جس سے مسلمان اور خود ساختہ امیر شریعت کے ساتھی قطعاً غافل ہیں۔ ان کے پاس دلائل کا ذخیرہ ختم ہوچکا ہے اور اب وہ مجبور ہوکر دھینگا مُشتی پر اُتر آئے ہیں اور حکومت پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اس جماعت کا حُقّہ پانی بند کردے۔ ان پر کاروبار اور ملازمت کے دروازے بند کردے اور پھر ان کو دیس نکالا دے۔ لاحول ولا قوۃ۔

ایک مٹھّی بھر جماعت سے سات کروڑ پاکستانی مسلمانوں کو خائف کرنے اور اس جماعت کی ناکہ بندی کرنے میں احرار پوری طاقت خرچ کررہے ہیں حالانکہ صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ اگر یہ جماعت باطل پر ہے تو کسمپرسی سے اپنی موت آپ مرجائے گی اسے اتنی اہمیّت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر وہ راستی پر ہے تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اس کی ترقّی، غلبہ اور قیام سلطنت کے منصوبہ کو نہیں روک

سکتی۔

معلوم نہیں احرار کو پاکستان کی وفاداری کا باربار اظہار کرنے کا مروڑ کب سے اُٹھا ہے؟ بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کی رُوح پر لاکھ لاکھ رحمتیں نازل فرمائے) ان کے متعلق احرار جو کچھ کہا کرتے تھے فحاشی کی ڈکشنری بھی اس سے شرمسار ہو جاتی تھی۔ اور ابھی چند ہی روز قبل کی بات ہے سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے ایک تقریر کے دَوران کہا تھا "مَیں قائدِ اعظم ہوں جاؤ جو کچھ میرا کر سکتے ہو کر لو۔" اس پر بھی مسلمان ان کی پاکستان ہمدردی کے قائل ہو جائیں تو یہ ان کی بدقسمتی ہے۔ جب بھی ملک پر کوئی مصیبت آئے گی احرار کے ہاتھوں آئے گی۔ نوٹ کر لیں۔

مسئلہ ختمِ نبوّت کی نوعیّت اور اہمیّت سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں لیکن اس کی باگ ڈور ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں دے دینا جو اپنے وقار کے لئے سرگرمِ عمل ہو قرینِ دانش وعقلمندی نہیں مسلمانوں کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیئے اور حکومت اِس سلسلہ میں جو کچھ کر رہی ہے یا آئندہ کرے گی وہ مسلمانانِ پاکستان و مملکتِ پاکستان کے شایانِ شان ہو گا اور دُنیا بھر میں اہمیّت اور فوقیّت حاصل کرنے والا پاکستان قرینِ انصاف و دانش طرزِ عمل اختیار کرے گا۔ حکومت کسی بھی جماعت کو اس کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتی۔ احرار کو تبلیغ کا جواب تبلیغ سے دینا چاہیئے اور حکومت کو مجبور و پریشان کرنے یا عوام کو اس کے خلاف اُکسانے کا طرزِ عمل ترک کر دینا چاہیئے۔

مسلمان عوام نہایت صائب رائے اور دانشمند ہیں اور وہ ہر معاملہ میں حکومت کا ساتھ دیں گے اور پاکستان کی شہرت و سالمیّت کو کبھی مجروح نہ ہونے دیں گے اور ہر معاملہ میں ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کریں گے اور وقتی جوش میں کوئی ایسا اقدام نہ کریں گے جو بعد میں انہیں کفِ افسوس ملنے پر مجبور کر دے۔ وما علینا اِلّا البلاغ " [1]

صوبہ سرحد صوبہ سرحد مغربی پاکستان کا واحد صوبہ تھا جہاں عبد القیّوم خاں صاحب کی مُسلم لیگی وزارت کے ہاتھوں صورتِ حال مکمّل طور پر قابو میں تھی۔ اِس صوبہ کے اخبار "تنظیم" نے اِس نام نہاد تحریک کو ختمِ پاکستان کی سازش قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] اخبار "لاحول" (گوجرانوالہ) ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۲ء مطابق ۲۵ تبوک ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳۔

خدا کی شان آج وہی لوگ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ارکانِ حکومت پر اِس امر کا زور دے رہے ہیں کہ پاکستان کے مختلف العقائد مسلمانوں کو جن میں ایک جماعتِ احمدیہ بھی ہے اقلیّت قرار دیا جائے کیونکہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو اور پاکستان کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور اس مطالبہ کی تائید میں ان دونوں جماعتوں (مولانا مودودی کی جماعتِ اسلامی اور امیرِ شریعت پیر عطاء اللہ شاہ صاحب کی جماعتِ احرار) نے مسلم رائے عامہ کو بھی متأثر کر رکھا ہے جو سرے سے پاکستان کے قیام کے ہی نہ صرف مخالف تھے بلکہ بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم اور ان کے دوسرے ساتھی مسلم لیگی زعماء بھی ان کے نزدیک صحیح مسلمان ہی نہ تھے۔ مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں قائدِ اعظم سمیت مسلم لیگی لیڈروں کو جو بڑی سے بڑی فحش کلامی ہو سکتی ہے سے یاد کیا۔

جماعتِ احمدیہ نے مطالبۂ پاکستان کی تائید میں ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کی اور قیامِ پاکستان کے بعد اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے اپنے مرکز اور لاکھوں روپیہ کی جائداد کو چھوڑ کر اپنے کلمہ گو بھائیوں کے زیرِ سایہ آگئے ہیں مہر و محبت سے انہیں اپنے سینوں سے ملانے کے بجائے یہ کہاں کا انصاف اور اسلام ہے کہ اقتدار کے خواہشمند چند سیاسی لیڈروں کی خاطر ایک کلمہ گو فرقہ سے متعلق ہزاروں انسانوں کی زندگی دوبھر کر دی جائے حکومت کو پریشان کرنے اور مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنے کی خاطر ایک ایسا مطالبہ پیش کر دیا گیا ہے جسے اگر آج تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کل دوسرے مسلم فرقوں کو بھی اقلیّت قرار دینے کی راہ صاف ہو جاتی ہے۔ نیز حکومت اور مسلمانوں کے پاس اِس امر کی کیا گارنٹی ہو سکتی ہے کہ جب اسلام کا دائرہ احرار کے نزدیک اِس قدر تنگ ہے کہ کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پانچوں ارکانِ اسلام کی سختی سے پابندی کرنے والے ایک گروہ کو سرے سے ہی کافر اور غیر مسلم قرار دیا جا رہا ہے خدانخواستہ اگر ان کے ہاتھ اقتدار آجائے تو پاکستان کے دوسرے مسلمانوں سے جو کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اسلامی اور منصفانہ سلوک روا رکھیں گے۔ دوسری صورت میں جب تک ان کے ہاتھ اقتدار نہیں آجاتا پھر بھی یہ لوگ اسی طرح پاکستان میں رہنے والے دوسرے فرقوں کو بھی اقلیّت قرار دلوانے کے لئے پاکستان میں کسی نہ کسی وقت قومی جنگ کی ہولی گرم کر کے ہی دم لیں گے۔ جب یہ لوگ سرے سے ہی مسلم حکومت کے قیام کے مخالف تھے اور ہیں تو انہیں اس سے کیا غرض (اگر اقتدار ان کے ہاتھ نہیں آسکتا) تو مسلمانوں کی اس کمزوری سے خواہ ہندو

فائدہ اُٹھائیں یا روس لیکن یہ لوگ موجودہ حکومت کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہندو سے ان کا تعاون ہو سکتا ہے۔ انگریزی ڈپلومیسی کی یہ تائید کر سکتے ہیں اور ان کے اشتراکِ عمل سے بقول احرار، مرزا غلام احمد اگر انگریزوں کا خود ساختہ پودا تھا اور انگریزوں نے اس پودا کی کاشت اس لئے کی کہ مرزا غلام احمد جہاد کا مخالف تھا اور اس نے حکومتِ وقت (یعنی انگریزوں) کے خلاف مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کے جذبہ کو مفقود کرنے کی کوشش کی لیکن ان مذہبی رہنماؤں (جماعتِ احرار و اسلامی) والوں کو تو جہاد کی حقیقت و اہمیّت معلوم تھی کہ ایک غیر ملکی مُشرک حکمران قوم کے خلاف جہاد روا بلکہ ایک اہم اسلامی فریضہ ہے۔ آپ بتائیے آپ لوگوں نے کس حد تک انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے کام کیا۔ . کیا پاکستان میں شرعی آئین کے نفاذ کے یہ دعویدار (جماعتِ اسلامی اور احرار) ایک اسلامی سلطنت کے قیام کی مخالفت میں غدّاری کی جو سزا شرعی آئین پیش کرتا ہے اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے تو قیامِ پاکستان کے پہلے روز سے ہی پاکستان میں خود ہی شرعی آئین کے نفاذ کا اجراء ہو جاتا۔ غدّاری سے بڑھ کر اسلامی آئین میں کوئی جُرم نہیں۔ جب یہ لوگ خود اِس سے بچ نکلے ہیں تو یہ پاکستانی عوام کے کونسے اتنے خیر خواہ ہیں جو ہندوؤں سے ان کی فروختگی کا سَودا (متحدہ ہندوستان کی صورت میں) کرنا چاہتے تھے۔ شرعی آئین کے قیام کے لئے زمین و آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ کیا شرعی آئین کے دعویدار یہ وہ لوگ نہیں جب سکّھوں کے قبضہ سے مسجد شہید گنج کو چھڑانے کے لئے ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے شہید گنج کے حصول کے لئے قربانیاں پیش کیں۔ ۔۔۔ اس وقت بھی شہید گنج ایجی ٹیشن میں احرار بزرگوں نے فوج کی گولی سے ہلاک ہونے والے مسلمانوں کی شہادت کو حرام موت اور کُتّے کی موت مرنے کا فتویٰ دیا تھا اور بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے ساتھ شہید گنج ایجی ٹیشن میں شریک ہوتے اُلٹا ان کی انگریزوں اور سکّھوں سے ساز باز تھی۔ ہم حیران ہیں کہ جس جماعت نے ہر موقعہ پر مُسلم رائے عامہ کے خلاف مُشرکوں اور مرتدوں کا ساتھ دیا ہو وہ آج کس طرح پاکستان کو ضُعف پہنچانے اور اپنے اقتدار کے لئے ایک کلمہ گو فرقہ کو اقلیّت اور اقلیّت بھی غیر مسلم قرار دلوانے کے لئے ایک بار پھر مذہبی رُوپ میں پاکستان کے سادہ لوح اور مذہب کے نام پر اپنا سب کچھ لُٹا دینے والے غیّور مسلمانوں کو اپنے ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے اور قوم ان کے سابقہ کارناموں کو جانتے بُوجھتے ہوئے پھر ان کا آلۂ کار بنتے

کے لئے تیار ہوگئی ہے۔ یا ہمی خانہ جنگی کے ذریعہ بیرونی اقتدار کے ہاتھوں غلامی کے ایک ایسے گڑھے میں ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے جہاں سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ایک طویل عرصہ کی غلامی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کو قائدِ اعظم کے اخلاص و استقلال کے ذریعہ ایک آزاد ملک دیا تھا اور آج اس ملک کو دوبارہ غیر ملکی استبدادیت کے پنجہ میں دینے کی کوششیں شروع ہیں۔

چونکہ ہماری موجودہ حکومت ایک دفعہ خود مذہب کے نام پر پاکستان کے حصول میں قوم کو استعمال کر چکی ہے اور اس لئے اب وہ مسلم رائے عامہ کے جوش و خروش کا اپنے آپ میں مقابلہ کی تاب نہ پاتے ہوئے باوجود نتیجہ سے باخبر ہونے کے یہ کھیل دیکھ رہی ہے اور بے بس ہے یا نادانستہ طور پر پہلے اس تحریک کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اور اب پانی سر سے چڑھ چکا ہے اور ہمارے یہ مولوی جو پاکستان کے اور جو مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں پاکستان کے دشمنوں سے قیامِ پاکستان سے پہلے جو سودا کر چکے ہیں نصف قوم ہلاک اور تباہ و برباد کرانے کے باوجود بھی اپنے اس سودا پر پوری ایمان داری سے قائم ہیں خواہ ملک اور ساری قوم اس سودا کی نذر ہو جائے۔ احمدی تو خوش قسمت ہیں کہ ہمارے احرار بزرگ خود انہیں سرکاری طور پر اقلیت قرار دلوا رہے ہیں۔ اب جبکہ انکو پاکستان کے کسی صوبہ میں آئین ساز اداروں یا لوکل باڈیوں کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے کوئی ایک نشست بھی مخصوص نہیں اور نہ ہی احرار نظریات کے رُو سے ان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہیں عیسائی مشنریوں کی طرح قانوناً انہیں بھی اپنے عقائد کی اشاعت یا تبلیغ کی اجازت مل گئی۔ احمدیوں کو اس رعایت کے لئے احرار کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہیں پاکستان سے باہر نکالنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ نیز اگر احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ہیں تو احرار کی طرف سے "غیر مسلم اقلیت" کا لیبل اُلٹا ان کے لئے مفید ثابت ہوگا جب آپ عملاً قولاً اور فعلاً مسلمان ہوں گے تو "غیر مسلم اقلیت" کا ٹائیٹل آپ کے لئے مزید تقویت کا باعث ہوگا کیونکہ پاکستان کے مقتدر علماء کی تمام توجہ۔۔۔ سیاسیات اور اقتدار کی طرف لگی ہوئی ہے اور ان کی سیاسیات کی راہ میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی اثر انداز ہوا اس کی بھی یہی سزا ہوگی جو آپ کے لئے تجویز کی گئی ہے۔

جہاں تک ہماری ناقص رائے کا تعلق ہے ملک افتراق و انتشار سے اسی صورت میں بچ سکتا

ہے کہ موجودہ حکمران احرار اور جماعتِ اسلامی کے بزرگوں کے حق میں دستبردار ہو جائیں ورنہ افتراق وتشتّت کے بیج کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے نہایت مؤثر اور مدلّل پراپیگنڈا کی ضرورت ہے جو پاکستان کے سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں اور دلوں میں اس حقیقت کو جگہ دے سکے کہ ماضی میں مسلمانوں کی کئی شاندار حکومتیں فتویٰ ساز علماء کے ہاتھوں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں اور اگر یہاں پاکستان میں بھی جو کئی مسلم فرقوں کا ملک ہے فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دی گئی تو پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کا بھی وہی حشر ہو گا جو ماضی میں کئی شاندار اسلامی سلطنتوں کا ہو چکا ہے کابل اور امان اللہ کی مثال سامنے ہے۔

آخر میں ہم اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ نہ احرار سے ہماری فی سبیل اللہ دشمنی ہے اور نہ ہی ہم احمدی ہیں البتہ احرار اور احمدی جنگ کے نتیجہ میں پاکستان کو نقصان پہنچنا کسی حالت میں برداشت نہیں کر سکتے۔" ؎۱

کراچی کراچی پریس نے بھی ان ملک دشمن سرگرمیوں پر تنقید کی چنانچہ ہفت روزہ "مسلم آواز" نے لکھا:-

"یوں تو یہ حقیقت مدّتوں قبل بے نقاب ہو چکی بلکہ اسلامی دُنیا کے علاوہ یورپ کے تمام ممالک کے سیاستدان تسلیم کر چکے کہ پاکستان کی وزارتِ خارجہ نے تمام امور میں ... آج تک جو اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں ان کے ہر پہلو کے نقش ونگار کو دیکھ کر بڑے بڑے مدبّرین وقت انگشت بدنداں ہیں۔

امورِ خارجہ میں سیادت تدبّر کے اعتبار سے ایک طرف آپ سارے ایشیا کے لئے سرمایۂ ناز وصد افتخار ہیں تو دوسری طرف اکنافِ عالم میں سیاسی دانش کے آئینہ دار بھی۔ وہ اوصاف اور قابلیت کے وہ جوہر ہیں جن کی قدر قائدِ اعظم اور قائدِ ملّت کرتے تھے لیکن افسوس بھارتی ایجنٹ اور بعض احراری علماء جو کل تک کانگرس کی ہمنوائی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قائدِ اعظم اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والوں کو کُفر کا فتویٰ دیتے تھے آج ایک طرف پاکستان کا لیبل لگا کر ملک اور ملت میں انتشار پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں تو دوسری طرف مذہب کی آڑ لے کر عوام کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

؎۱ بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء صد۲

کہیں تو عوام کو قادیانی اور غیر قادیانی کا غلط فلسفہ سمجھا کر اپنے ہمخیال بنانے کی کوشش کرتے اور کہیں خلیفہ جماعتِ احمدیہ کے خلاف عدالت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں تاکہ عوام کے دلوں میں فرقہ احمدیہ کے خلاف بدظنّی قائم رہے اور وقتِ ضرورت یہ حضرات جہلاء کو جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دیں۔ ان حضرات کی غلط روش کی ایک زندہ مثال میرے پاس موجود ہے جو عنقریب ایک خاص ایڈیشن میں بمعہ نام عوام کے سامنے پیش کر دیں گے۔

بولٹن مارکیٹ کے پاس نیومیمن مسجد زیرِ تعمیر تھی۔ چند علماء حضرات میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ حکیم صاحب آپ کے اخبار کے لئے دس ہزار روپیہ دلوانے کے لئے ہم ذمہ دار ہیں اگر آپ اِس فتویٰ کو اپنے اخبار میں شائع کر دیں۔

مَیں نے شائع کرنے کا وعدہ کر لیا اور فتویٰ ان حضرات سے لے لیا جس میں لکھا تھا کہ اِس میمن مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس فتویٰ پر تیرہ مقتدر علماء حضرات کے دستخط بمعہ مُہر ثبت ہیں۔ مَیں نے دوسرے ایڈیشن میں مختصر واقعات لکھتے ہوئے آخر میں لکھا تھا کہ اصل فتویٰ میرے پاس موجود ہے۔ ہر شخص میرے دفتر میں آکر دیکھ سکتا ہے۔

فتویٰ مَیں نے اِس وجہ سے شائع نہیں کیا کہ مجھ کو یقین تھا کہ یہ علماء حضرات قوم میں ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور بعد میں چندے بازی سے جیبیں گرم کریں گے۔ آج یہی علماء حضرات جنہوں نے فتویٰ دیا تھا اسی نیومیمن مسجد میں خود نماز پڑھتے ہیں اور لمبے لمبے وعظ کرتے ہیں۔ یہ حالت ہے ان حضرات کی۔"[1]

ہفتہ وار "سٹار" کراچی ۲۳ر اگست ۱۹۵۲ء نے اپنے اداریہ میں لکھا:-

اب جبکہ احراری، احمدی تنازعہ سے پیدا شدہ شور و غوغا کچھ مدّہم ہو گیا ہے تو آیئے ہم ایک لمحہ کے لئے بیٹھ کر غور کریں کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو مرکزی وزارت سے علیحدہ کرنے کے جو مطالبات کئے جا رہے ہیں اُن کے سیاسی نتائج کیا ہو سکتے ہیں ؟؟

حکومتِ پاکستان نے حسبِ معمول نرم طریقے سے پوزیشن کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے

---

[1] بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۸ر نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے بھی جنیوا جاتے ہوئے ایک بیان دیا ہے مگر افسوس ہے کہ ابھی تک کسی نے اِس سانپ کے سوراخ کو بند کرنے کی پُوری کوشش نہیں کی اور نہ دلیری سے اس شورش کے خطرات کو واشگاف کیا ہے۔ ہمارا یہ ارادہ نہیں ہے کہ ہم مسئلہ کے مذہبی پہلو پر بحث کریں کیونکہ سب مسلمان ختمِ نبوت پر متفق ہیں۔ ہمارے نزدیک جو خطرہ بڑا اہم ہے وہ یہ ہے کہ ایسی شورش پاکستان کو بطور ایک ایسی جدید قسم کی جمہوری ریاست کے سخت نقصان پہنچا سکتی ہے جو مُشترک قومی ثقافت وکردار، مُشترک تاریخ، مُشترک رسم ورواج، مُشترک مقاصد اور مطمحِ نظر مُشترک معیار اور آرزوؤں سے باہم پیوست ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تمام تنازعہ ایسی جذباتی فضا میں ہوُا ہے کہ کوئی آدمی عقل کی بات سُننے کو تیار نہیں لیکن ہم عصرِ جدید کے تقاضوں اور پاکستان کو پیش آمدہ حالات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ ہمارا رُوئے سُخن ان لوگوں کی طرف ہے جو اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں مگر ان میں آنکھیں کھول کر دیکھنے کی صلاحیت ابھی کچھ باقی ہے۔ ہم اُمّید کرتے ہیں کہ ہمارے فہمیدہ ناظرین ہمارے خیالات کو تسلیم کرنے سے پہلے حالات پر گہری اور دانشمندانہ نظر ڈالیں گے۔ کیا یہ مجرمانہ دیوانگی نہیں ہے کہ ہم اپنا وقت، قوّت، جوش اور تعمیری فوائد ایسے معاملات پر ضائع کریں جو قوم کے وسیع مفادات کے مقابلہ میں نہایت حقیر اور بے وقعت ہیں۔

پاکستان ایسے ملک میں جہاں ابھی ہمیں اپنا دستور مکمّل کرنا ہے جہاں ابھی ہمیں زندگی اور موت کے سوالات حل کرنے ہیں۔۔۔۔ جہاں مہاجرین ابھی تک تباہ حال پڑے ہیں جہاں فاقہ کش عورتیں بد اخلاقی پر مجبور ہیں۔ جہاں گداگر اور معذور سینکڑوں کی تعداد میں آوارہ گردی کر رہے ہیں۔ جہاں پر بیماریاں، بھُوک اور جہالت مستولی ہیں کیا ہم ایسے تنازعات میں اُلجھ سکتے ہیں جو ہمارے قومی اتّحاد کی جڑیں کھوکھلی کر سکتے ہیں۔ اور یہ تنازعہ بھی کیا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھُولنا چاہیئے کہ قادیانیّت کے یہ مخالف مولوی جو اِس وقت پیش پیش ہیں اس فریق کے نمائندہ ہیں جس کے ارکان نے ماضی میں قائدِ اعظم اور علّامہ اقبال تک کو بھی نہیں چھوڑا بلکہ مولانا ظفر علی خاں کو بھی نہیں چھوڑا جو اِس تحریک کے سالہا سال تک قائد رہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اِن مولویوں نے جس طریقے سے کُفر کے فتوے صادر کئے ہیں اس نے ان کے موقف کے نیچے سے زمین نکال دی ہے۔ یہ فتوے اِس طرح بے سوچے سمجھے دیئے گئے ہیں کہ وہ عام مسلمانوں کیلئے

کوئی اپیل نہیں رکھتے اور نہ ان کے کوئی معنے ہیں۔

دوئم :۔ اگر آج ہم قادیانیوں کو اقلیت قرار دیدیں تو کل ان پیشہ ور مُلّاؤں کو یہ مطالبہ کرنے سے کون روک سکتا ہے کہ شیعوں، وہابیوں اور آغاخانیوں کو بھی غیر مسلم قرار دیا جائے۔ اخراج کا طریق اگر جاری رہا تو اس کے انجام کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اس خیال سے بھی کانپ اُٹھتے ہیں۔ کیا آپ بھی؟

سوئم :۔ تاریخ کا سبق یہ ہے کہ اگر کسی مذہبی فرقہ یا معاشی گروہ یا سیاسی پارٹی کو زبردستی دبا دیا جائے تو وہ مرتا نہیں ہے بلکہ زیر زمین ہو کر زیادہ خطرناک بن جاتا ہے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ قادیانی پاکستان کے لئے مفید نہیں تو ہمیں اس بات کا بھی پہلے سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ انہیں مسلمانوں سے نکالنے کے بعد کیا ان کا سوال اور زیادہ پیچیدہ نہ بن جائے گا؟

چہارم :۔ اگر ہم تعصب سے اس طرح اقلیتیں پیدا کرتے جائیں تو کیا ہم دُنیا کی نظروں میں بیوقوف اور مذہبی دیوانے نہ سمجھے جائیں گے۔ حالانکہ جمہوری رُجحانات تو یہ ہیں کہ مختلف ثقافتی وحدتوں کو ملک میں یکجا کر دیا جائے اور ذات پات اور رنگ کے اختلافات مٹا دئے جائیں تاکہ ایک قوم کہلانے کے لئے لوگوں میں مشترکہ شہریت کا شعور پیدا ہو۔

آؤ ہم سوچیں کیا ہم پاکستان کا یہ نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں مذہب کو محض نمائشی رنگ دے دیا گیا ہے۔ جہاں مذہبی دیوانگی کا دَور دَورہ ہے اور جہاں قانون محض تعصب ہے۔

پنجم :۔ اگر ہم احراری مولویوں اور ان کے پٹھوؤں کے کہنے پر قادیانیوں کو اقلیت قرار دیدیں اور انہیں کلیدی آسامیوں سے محروم کر دیں۔ پھر اگر بھارت بھی ہمارے نقشِ قدم پر چل کر بھارت کے مسلمانوں کو ایسی اقلیت قرار دیدے جس کے ارکان ملک میں کسی کلیدی عُہدے پر نہیں لگائے جا سکتے تو ہم اس کو کس طرح محسوس کریں گے؟؟ اگر ہم میں ذرا بھی دُور اندیشی کا مادّہ ہے اور ہم ایسی حرکت کے نتائج کا اندازہ کر سکتے ہیں تو ہمیں اپنے ملک میں حقائق کو بنظرِ غور دیکھنا شروع کر دینا چاہیئے۔

ششم :۔ ہمیں یاد ہو گا کہ کشمیر پر ہمارے دعوٰی کی بُنیاد اس دلیل پر تھی کہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور اگر ریڈکلف اس علاقہ کو بدنیّتی سے پاکستان سے علیحدہ نہ کر دیتا تو

ریاستِ کشمیر خود بخود پاکستان کا ایک حصہ بن جاتی۔ اگر ہم قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیں تو کیا ہماری یہ دلیل بے اثر نہیں ہو جائے گی؟

آخری سوال یہ ہے کہ چونکہ اس شورش کا مرکزی نشانہ چوہدری ظفر اللہ خاں ہیں، کیا ہم نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش کی ہے کہ اگر ہم پاکستان کے وزیرِ خارجہ کو فی الفور وزارت سے علیحدہ کر دیں تو مشرقِ وسطیٰ اور مغرب کے اسلامی ممالک میں اس کا کیا ردِّ عمل ہو گا؟ سوال یہ نہیں ہو گا کہ وہ قادیانی ہیں یا نہیں بلکہ اِس بات کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کا غیر ممالک میں بطور ایک پاکستانی ترجمان کے کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ چونکہ اس کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں اِس لئے اگر ہم احراری مطالبہ کو مان لیں تو اس کے بین الاقوامی نتائج کے متعلق ہم کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے۔

ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آؤ ہم غور کریں اور پھر غور کریں کہ اگر ہم نے پاگل بننے کا عزم بالجزم کر لیا ہے تو ہمارے پاگل پن میں بھی کچھ نہ کچھ نظم تو ہونا چاہیئے۔ [1] (ترجمہ)

مشرقی پاکستان

مشرقی پاکستان پریس کی نظر میں احراری تحریک کے عزائم و مقاصد کس درجہ مکروہ اور ملک و ملّت کے لئے تباہ کُن تھے؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مندرجات سے بآسانی لگ سکتا ہے:۔

۱۔ روزنامہ "ستیہ جوگ" ڈھاکہ نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء میں احراری تحریک کو خالص سیاسی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا:۔

کراچی ۱۹ جولائی۔ مغربی پاکستان کے سیاسی اور سماجی میدان میں ایک اشتعال پیدا ہو کر انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔ ادھر قادیانیوں کے خلاف تحریک زوروں پر ہے اور ملتان میں فساد ہوا ہے ادھر (پاکستان کی) راجدھانی کراچی میں مزدوروں اور ملازمین نے ہڑتال کر رکھی ہے۔ قادیانی فرقہ کے خلاف تحریک اور اس کے نتیجہ میں جو فسادات رونما ہوئے ہیں اس کی خبر اس سے پہلے اخباروں میں چھپ چکی ہے۔ اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قادیانیوں کے خلاف جو تحریک چلائی جا رہی ہے اس کا پسِ منظر سیاسی ہے۔ اِن دنوں یہ تحریک کچھ مدھم پڑ گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی بلکہ خفیہ خفیہ اس کا پرچار جاری ہے۔ پاکستان کے سب سے پُرانے روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ

[1] ہفتہ وار "ستارہ" مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۲۴ اگست ۱۹۵۲ء صٓ

لاہور کی ایک خبر سے ظاہر ہے کہ احراری پارٹی کے لوگ مسجدوں میں گھوم گھام کر خلاف فرقہ قادیانیہ تحریک کے لئے عام لوگوں کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن بہت سے مقامات میں ان کی یہ کوشش ناکام ہوئی ہے۔

لاہور کے قانون پیشہ لوگوں کا خیال ہے کہ احرار کی یہ تحریک اہلِ پاکستان کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی ایک خطرناک کوشش ہے۔ اسلامی دُنیا کے لیڈر کی حیثیت سے ملکِ پاکستان کو دُنیا میں جو مقام اور عزّت حاصل ہے احراریوں کی یہ تحریک صرف اس مقام کو گنوانے اور عزّت کو بٹہ لگانے کی خاطر جاری ہے وہ لوگ (یعنی لاہور کے قانون پیشہ) یہ اُمّید رکھتے ہیں کہ رائے عامہ کا تعاون حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ تحریک آہستہ آہستہ اپنی طبعی موت مر جائے گی تاہم پاکستان میں اِس قسم کے خود غرض لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اِس قسم کی فساد انگیز تحریکات اور ذلیل اور ناجائز پروپیگنڈے کے سہارے سے اپنے ناجائز مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اِس قسم کے لوگ اِس طرح کے فسادوں کے لئے لوگوں کو اُکساتے رہتے ہیں۔ حکومت اگر سختی سے اِن فسادات کی روک تھام کا انتظام کرے تو حکومت اور عوام دونوں کی خیر اسی میں ہے۔[1] (ترجمہ)

بنگال کے ہفت روزہ "شیئی نیک" اپنی اشاعت مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء میں لکھتا ہے:۔

اِن دنوں مغربی پاکستان میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک کا بہت چرچا ہے افواہ ہے کہ مرکزی مجلس کے وزراء کے بعض ایسے ارکان نے جو اپنا اقتدار بڑھانا چاہتے ہیں غالباً اِس تحریک کی بُنیاد رکھی ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں جو مرکزی مجلسِ وزراء کے ممبر ہیں آئندہ انکے وزیرِ اعظم ہو جانے کا امکان ہے اِسی ڈر سے ان کو مجلسِ وزراء سے خارج کرانے کے لئے غالباً احمدیت کے خلاف تحریک پیدا کی گئی ہے۔ یہ امر اِس بات سے ظاہر ہے کہ ہر جگہ احمدیّت کی مخالفت کے ساتھ ساتھ چوہدری ظفر اللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے۔ اِن دنوں مختلف مقامات پر اِس بات پر فسادات بھی ہوئے ہیں اور ملتان میں اِسی شورش کی وجہ سے پولیس لوگوں پر گولیاں چلانے پر بھی مجبور ہوئی۔ ۱۲ جولائی کو شہر بغداد الجدید (ریاست بہاولپور) سہروردی صاحب

---

[1] روزنامہ "ستیہ جوگ" ڈھاکہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۳۱ اگست ۱۹۵۲ء مطابق ۳۱ ظہور ۱۳۳۱ ہش صہ ۲۔

کی صدارت میں عوامی لیگ نے ایک جلسہ کیا اور اس میں احمدیوں کو اقلیت قرار دیتے ہوئے ظفراللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قدر شور و غوغا کے ساتھ احمدیوں کی مخالفت کی اس وقت کیا ضرورت تھی؟ خیال کیا جاتا ہے کہ چند خود غرض لوگ اپنی مطلب برآری کے لئے یہ تحریک چلا کر عوام کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پاکستان ابھی اندرونی اور بیرونی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ مسئلۂ کشمیر ابھی حل ہونے میں نہیں آتا۔ افغانستان والے روز بروز دشمنی میں بڑھ رہے ہیں ان حالات میں خواہ مخواہ آپس میں اُلجھنے سے کیا حاصل ہوگا؟

حصولِ پاکستان کی جنگ شیعہ، سنّی، احمدی سبھی نے مل کر لڑی تھی۔ خود قائدِ اعظم شیعہ تھے مگر ان کی قیادت پر کوئی اعتراض نہ اُٹھا ظفراللہ خاں احمدی ہیں لیکن قائدِ اعظم کے وقت سے لے کر چار سال تک ان پر کوئی اعتراض نہیں اُٹھایا گیا۔ ایک صحیح العقل آدمی کے لئے اس بات کا سمجھنا ناممکن نہیں ہے کہ جو گندرناتھ جو غیر مسلم تھے ان کی وزارت پر غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اعتراض نہیں اُٹھایا گیا تو سر ظفراللہ خاں کو غیر مسلم قرار دے کر وزارت سے برطرف کرنے کی تحریک کیوں کی جا رہی ہے؟

اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ وزراء میں ظفراللہ خاں بہترین قابلیت کے مالک ہیں۔ بعض دیگر وزراء کی نسبت بہت سی باتیں سُنی جاتی ہیں لیکن ظفراللہ خاں کے خلاف آج تک کوئی شکایت سُننے میں نہیں آئی۔ اہم عہدوں پر ناقابل لوگوں کے ہجوم سے پاکستان کے تباہی کی طرف جانے کا خطرہ ہے۔ اندریں حالات ظفراللہ جیسے قابل ترین شخص کو وزارت سے برطرف کرنے کا مطالبہ قوم کے لئے مُہلک ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کی اہم ترین بھلائی کی خاطر اس قسم کی دیوانگی اور آپس کی تُو تُو مَیں مَیں کو بند کر دینا چاہیئے۔[1] (ترجمہ)

---

[1] ہفت روزہ اخبار "شیئی نیک" بنگال بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۳۰۔ اگست ۱۹۵۲ء مطابق ۳۰ ظہور ۱۳۳۱ہش صفحہ ۲

روزنامہ "ملت" (ڈھاکہ) نے ۹ر اگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے استعفٰی کی خبر پر حسبِ ذیل ریمارکس دیئے:۔

کراچی میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے استعفیٰ کی خبر غیر سرکاری طور پر جاری ہے۔ گذشتہ ۶ر اگست کو یہ خبر اُڑی کہ وزیرِ خارجہ نے استعفیٰ دے دیا ہے لیکن وزیرِ اعظم نے دوسرے وزراء سے مشورہ کرکے ان سے استعفیٰ واپس لینے کو کہا ہے۔

وزیرِ خارجہ کے استعفیٰ کی ابھی تک صرف افواہ ہی ہے لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا استعفیٰ دے دینا قرینِ قیاس بھی ہے اور اس سے جو نقصان ہوگا اس کے خیال سے پاکستان کے تمام بہی خواہوں کا پریشان ہونا ایک طبعی امر ہے۔ بین الاقوامی سیاست کے میدان میں پاکستان نے جو مقام حاصل کیا ہے وہ صرف چوہدری ظفر اللہ خاں کی جانفشانی اور مساعئ جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے۔ ایک قابل سیاستدان کی حیثیت سے انہوں نے تمام حکومتوں کی نگاہِ تحسین و استعجاب کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ مصر، ٹیونیشیا، ایران اور فلسطین کی جنگِ آزادی میں ان کی گرانقدر امداد کی اہمیت سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اقوامِ متحدہ کی تنظیم جو باوجود طرفداری کے ارادے اور نیّت کے ہندوستان کی جنبہ داری نہیں کر سکی تو اس کا موجب وہ براہینِ قاطعہ کے پہاڑ ہیں جو انہوں نے اپنے حُسنِ خطابت سے ان کی راہ میں رکھ دیئے ہیں۔

ابھی تک مسئلہ کشمیر حل ہونے میں نہیں آیا اور اِن دِنوں یہ سوال ایک نازک مرحلے میں ہے اور انہی دنوں میں ہر سہ فریق خصوصت کی مجلس (جنیوا میں) شروع ہونے والی ہے ایسے وقت میں چوہدری صاحب کے استعفیٰ کا امکان غایت درجہ تکلیف دہ ہے۔ اگر واقعی انہوں نے استعفیٰ دے دیا... اور وہ استعفیٰ منظور بھی کر لیا گیا تو مملکتِ پاکستان کو ایسا نقصان پہنچے گا کہ پھر تلافی نہ ہو سکے گی... پاکستان کے سامنے جبکہ کشمیر کا مسئلہ ابھی لاینحل ہے ایسے وقت میں ظفر اللہ خاں جیسے آدمی کو کھو دینا بڑی غلطی ہے۔ آخر پاکستان کے اعلیٰ عُہدوں پر بعض یورپین اور دوسرے غیر مسلم بھی تو کام کر رہے ہیں اسی طرح اگر ظفر اللہ خاں سے بھی کام لیا جائے تو اس میں پاکستان کا کیا نقصان ہے؟ ہمارے مسلمان بھائیوں کی اِس تحریک نے تو فقط یہی ثابت کیا ہے کہ مخالف رائے کو برداشت کرنے کی تربیت ابھی ہمیں حاصل نہیں ہوئی [1] (ترجمہ)

---

[1] روزنامہ "ملت" ڈھاکہ ۹ر اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۲ء

بنگالی اخبار "انصاف" نے اپنے ۱۵ راگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں ایک اداریہ لکھا جس کا آخری حصّہ درج ذیل ہے:۔

چوہدری ظفراللہ خاں کی مغرب زدہ خارجی پالیسی کو جو لوگ ناپسند کرتے ہیں وہ بھی ان کے خلاف افواہیں پھیلانے والے اخبارات اور ملک کی متعصب پارٹی کے غیر رواداری رویّے اور ناجائز پراپیگنڈے کو دیکھ کر دلی صدمہ محسوس کرتے ہیں۔ پاکستان کی سیاست میں یہ لوگ فرقہ پرستی کا زہر داخل کر رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں پاکستان کے لئے ایک ترقی یافتہ ملک بننا ناممکن ہو جائے گا۔ آیا فرقہ قادیانیہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اِس سوال کو اُٹھا کر جو اِن لوگوں نے وزیرِ خارجہ کے خلاف جنگ شروع کی ہے اس سے طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ پاکستان کے دشمن ہیں۔ اِس قسم کی تفرقہ اندازی کو جتنی جلدی روکا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔[1] (ترجمہ)

مطالبۂ اقلیّت کا مذہبی ردِّ عمل

پاکستانی پریس کی طرف سے احراری تحریک کے سیاسی پہلوؤں پر جو ردِّ عمل ہُوا اُس کا ذکر آ چکا ہے اَب یہ بتانا باقی ہے کہ جہاں تک اِس مطالبہ کے "مذہبی" پہلو کا تعلّق تھا اُس زمانہ کے بعض سنجیدہ، باوقار اور مذہبی اقدار کے علمبردار رسائل و اخبارات نے اسے فتنۂ تکفیر سے تعبیر کیا اور اس کی پُرزور مذمّت کی جس کے ثبوت میں حیدر آباد سندھ کے اخبار "ناظم"، پشاور کے اخبار "تنظیم" اور کوئٹہ کے رسالہ "کوہسار" کے ادارتی نوٹ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اخبار "ناظم" حیدر آباد (سندھ) نے ۲۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں اِس فتنہ کو قلبِ پاکستان میں چھُرا گھونپنے کی ناپاک سازش قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

"کُفر سازی:۔ ہمارے علماءِ کرام کو کُفر سازی کا پُورا ملکہ ہے۔ تبلیغِ دین کی بجائے کُفر گری آج کل ان کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی بجائے خود مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ دیوبندی علماء کی تحریرات ملاحظہ کیجئے۔ بریلوی علماء کو کُفر کی سند دیتے نظر آئیں گے اور بریلوی علماء کے دربار سے دیوبندیوں کو کُفر کا سرٹفکیٹ ملے گا وغیرہ وغیرہ۔ سُنّی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، وہابی، بدعتی خدا معلوم کتنے فرقے اِن علماء کی بدولت پیدا ہو گئے اور کتنے اَور پیدا ہوں گے۔ کمال یہ

---

[1] بحوالہ الفضل ۷ر اخاء ۱۳۳۱ ہش / ۷ر اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

ہے کہ جن کے خلاف خود کُفر کے فتاویٰ موجود ہوں وہ کس طرح دوسروں پر کُفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اِن ہی فرقہ بندیوں کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں پر اَدبار کی گھٹائیں رہیں۔ اور یہی فرقہ بندی اور عقائدی جنگ آج پاکستان کے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو ختم کرنے اور اُنھیں باہم متصادم کرنے کے لئے شروع کی جارہی ہے جس کو فتنۂ عظیم کہنا بیجا نہ ہوگا یہاں تک عقائدی اختلافات کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ بڑے بڑے مصلحانِ دین اور برگزیدہ ہستیوں کی اَن تھک کوششوں کے باوجود یہ اختلاف قائم رہے پھر بھلا یہ ہمارے موٹرنشین اور نرم گدّوں پر استراحت کرنے والے علماء جو اپنے نفس کی فرمانبرداری کا کسی حد تک عہد کر چکے ہیں اور جن کا خود دامن ملوّث ہے کس طرح اُن سے کوئی توقّع کی جا سکتی ہے؟

ہوشیار باش:۔ آج پاکستان میں جس تحریک کا آغاز کیا جارہا ہے۔ جا بجا جلسے کرکے کمیٹیاں بنائی جارہی ہیں اور فنڈ اکٹھے کئے جارہے ہیں کیا اس تحریک کا مقصد خدمتِ اسلام ہے؟ کیا اس تحریک سے مسلمانوں میں ختمِ نبوّت کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے پاکستانی مسلمانوں کی تنظیم پر ضرب نہیں لگتی؟ کیا اس تحریک سے استحکامِ پاکستان پر چوٹ نہیں پڑتی؟ آخر یہ اتنی مدّت کے بعد باسی کڑھی میں کیوں اُبال ہے؟ کیا اس میں سیاسی اغراض پوشیدہ نہیں ہیں؟ کیا اِس طرح دشمنانِ پاکستان کے عزائم کو تقویت نہیں پہنچتی؟ اور کیا یہ پاکستان اور پاکستانیوں سے غدّاری نہیں ہے؟

مسلمان بالکل سادہ واقع ہوُا ہے۔ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ آج جو معصومیّت کا چولہ پہن کر ان کے سامنے آیا کل وہ کون تھا؟ اور قوم کے لئے کس طرح کا عذاب بنا ہوُا تھا؟ یہی ہمارے احراری علماء کرام اور احراری بھائی قیامِ پاکستان کی مخالفت میں ہندو دوستوں کی آغوش میں بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی پھبتیاں اُڑانے میں کونسی کسر چھوڑ رہے تھے۔ مسلم لیگیوں اور مسلم لیگ پر دُشنام طرازی سے کس وقت چوکتے تھے؟ کیا انہوں نے قائدِ اعظم پر کُفر کے فتوے نہیں جاری کئے؟ کونسا بُرا لفظ تھا جو ان مولوی حضرات نے قائدِ اعظم کی شان میں استعمال نہیں کیا؟

پاکستان بن جانے پر طوعاً وکرہاً ہمارے ان احراری بھائیوں نے پاکستان بننا قبول کیا۔ کیونکہ بھارت کی زمین ان کے لئے تنگ تھی۔ ہندوؤں نے کہہ دیا کہ جب تم اپنے بھائیوں کے ہی نہ ہوئے تو

ہمیں کیا توقع رکھنی چاہیئے۔ ہماری جمعیۃ العلماء پاکستان کے محترم صدر جو آج احراری بھائیوں کے دوش بدوش پاکستان میں عقائدی جنگ کے علمبردار بنے ہوئے ہیں برائے خدا اتنا تو بتا دیں کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے قادیانیوں کے خلاف کتنے احتجاجات کئے؟ کیا انہوں نے مسلم لیگ کے ذریعہ سے قادیانی اُمّیدواروں کو اسمبلیوں میں کامیاب نہیں کیا؟ کیا مسلم لیگی حکومتِ پاکستان نے جب چوہدری ظفراللہ خاں کو وزیرِ خارجہ مقرّر کیا تو کوئی احتجاج کیا گیا؟ جب دستورِ پاکستان کے لئے بُنیادی حقوق کی کمیٹی میں چوہدری ظفراللہ خاں کو لیا گیا تو کوئی احتجاج کیا گیا؟ اور جب آپ نے اس کمیٹی سے علیحدگی کی خواہش ظاہر کی تو انہیں مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ اس کمیٹی سے الگ نہ ہوں؟ اگر یہ سب حقائق ہیں تو پھر اس وقت راگنی کا مقصد کیا ہے؟

پاکستان سے غدّاری نہیں کی جا سکتی:۔ ہر پاکستانی جانتا ہے کہ استحکامِ پاکستان کے لئے تمام پاکستانیوں کا بلالحاظ مذہب وملّت متحد ومنظّم رہنا ضروری ہے۔ اِس وقت کی ذرا سی لغزش نہ صرف پاکستانیوں بلکہ پاکستان کے ساتھ غدّاری ہے۔ ایسی حالت میں فرقہ پرستی اور عقائدی جنگ کے حامی خواہ ان کی نیّت صاف ہی کیوں نہ ہو سیاسی نوعیّت سے پاکستان دوستی کا ہرگز ثبوت نہیں دے رہے بلکہ پاکستان کے قلب میں چُھرا گھونپنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی عوام اِس تحریک سے عدمِ دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔"[1]

۲۔ ماہنامہ "کوہسار" کوئٹہ (ماہِ اگست ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"پاکستان سے ہندوؤں اور سکھوں کے انخلاء کے بعد خیال ایسا تھا کہ اِس ملک میں اب فرقہ وارانہ قضیّوں کے لئے کسی قسم کی گنجائش کا امکان نہیں ہوگا مگر یار لوگ بھلا کب چین سے بیٹھنے والے تھے؟ فرقہ وارانہ ہنگامہ آرائی کے لئے آخر کار انہوں نے موقعہ تلاش کر ہی لیا۔ احمدیّت اور غیر احمدیّت کا مسئلہ آجکل پاکستان کے بعض حصّوں میں خطرناک حد تک نزاعی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اِس ضمن میں ہمارے احراری دوست اور احمدیوں کا ایک طبقہ بہت پیش پیش نظر آتے ہیں۔

جہاں تک احمدیوں کے عقائد کا تعلق ہے کوئی مسلمان انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اِس سلسلہ میں علمائے اسلام کے فتاوٰی اور بیانات واضح ہیں مگر

---

[1] "ناظم" حیدرآباد سندھ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ "الفضل" ۴ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳

ان اختلافات کی بناء پر کسی انسان کو گردن زدنی قرار دینا نہ اسلام کی رُو سے جائز ہے نہ انسانیت کی رُو سے احسن، اور نہ اختلافات کو ہوا دینے سے کسی فائدہ کی توقع ہو سکتی ہے۔ البتہ برخلاف اس کے ملّی اور مُلکی نقصان کے امکانات زیادہ ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد خود احمدیوں کا وطن اور اصلی مرکز ان سے اِس بناء پر چھِن گیا کہ انہیں بھی مسلمان سمجھا گیا تھا۔ اِس لئے اس سرزمین میں رہنے اور بسنے کے لئے ان کے حقوق بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ پاکستان سے پہلے احمدیوں کے خلاف تکفیر بازی کا فتویٰ دینے والے سات کروڑ کی اکثریت کے باوجود حکومتِ وقت سے یہ مطالبہ منوانے سے قاصر رہے کہ احمدی مسلمانوں سے علیحدہ ایک مختصر سی جماعت ہیں۔ آج پاکستان میں وہ ایک پناہ گزین جماعت کی حیثیت سے مقیم ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جواز پیدا کرنا ہمارے نزدیک بین الانسانی اخلاق کے لحاظ سے بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہمارا اِس سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ احمدیوں کو اپنے عقائد کی برسرِ عام اشاعت اور تبلیغ کے لئے کھُلی چھُٹی دے دی جائے۔ احمدی ہوں یا غیر احمدی کسی کو کسی کے جذبات کی بے احترامی کی اِس سرزمین پر اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ امن اور رحمت کی سرزمین ہے جسے ہم نے لاکھوں جانی، مالی اور آبروئی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ اِس سرزمین پر اِس قسم کی ہنگامہ آرائیوں کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ دشمنانِ وطن اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھا کر ملک کی توجہ تعمیری کاموں سے ہٹا کر ہماری تباہی کا باعث بنیں اور بس۔ احمدیوں کے عقائد کی تردید اور مخالفت بوجہ احسن بھی ہو سکتی ہے وہ اِس طرح کہ علمائے اسلام متفقہ طور پر اُن صحیح عقائد سے مسلمانوں کو رُوشناس کرنے کی کوشش کریں جنہیں اچھی طرح سمجھ کر کوئی مسلمان احمدیوں کے پھندے میں نہیں پھنس سکے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس موعظہ حسنہ سے بعض احمدی حضرات بھی آپ کے ہم خیال ہو جائیں۔ کسی کے عقیدہ کو طاقت اور قانون سے توڑنا کامیابی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔" [1]

مطالبۂ غیر مُسلم اقلیت اور برِّصغیر کی ممتاز مُسلم شخصیتیں

ان دنوں "مطالبۂ غیر مسلم اقلیت" کی برِّصغیر پاک و

---

[1] ماہنامہ "کوہسار" کوئٹہ ماہِ اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ "الفضل" ۲۳۔ اگست ۱۹۵۲ء مطابق ۲۳۔ ظہور ۱۳۳۱ہش۔

ہند کی جن شخصیتوں نے زبردست مذمت کی ان کے نام یہ ہیں :-

۱- دیوبندی عالم مولانا منوّر الدین صاحب - ۲- اہلِ حدیث عالم مولانا محی الدین صاحب قصوری ۳- ممتاز صحافی مولانا عبدالمجید سالک - ۴- صدقِ جدید لکھنؤ کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی ۵- مصوّرِ فطرت خواجہ حسن نظامی مدیر منادی دہلی - ۶- بھارتی مسلمانوں کے رسالہ "مولوی" کے مدیر مولوی عبدالمجید خاں صاحب -

۱- مولانا منوّر الدین صاحب (معتقد مولانا حسین علی آف واں بھچراں ضلع میانوالی) نے اپنے رسالہ "مکتوب بنام علماء" میں لکھا :-

"حضرات مَیں یقیناً کہتا ہوں جس ڈھب سے تم لوگ مرزائیوں پر فتح پانا چاہتے ہو اس میں تم ہرگز کامیاب نہ ہوسکو گے کیونکہ اعداء پر فتح پانے کی جو شرائط قرآن مجید نے بیان کی ہیں قرآن کو اٹھا کر پڑھو خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[1] ادھر تمہارے لیڈروں کو ایمان کی خبر نہیں۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[2] ادھر تمہاری تحریک میں اکثریت مشرکوں کی ہے۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وَمن يتولّ الله ورسوله والّذين أمنوا فان حزب الله هم الغالبون[3] ادھر آپ کی تولّی والّذين اشركوا سے ہے خدا تعالیٰ کی ذات کو حاضر ناظر جانتے ہوئے آپ فرمائیں کیا یہ تحریک ساری کی ساری مجموعۂ علماءِ سُوء نہیں ؟ کیا آپ لوگ قلباً وصدراً ظفر علی خاں اور اختر علی جیسے ابناء الوقت کو دینی پیشوا مانتے ہیں ؟ کیا تمہاری تحریک میں کوئی کامل اہل اللہ وارث علومِ نبوی ہے ؟ کیا تم میں کوئی حکیم الامّت تھانوی جیسا ہے ؟ کیا تم میں کوئی اسمٰعیل شہیدؒ جیسا امام موجود ہے ؟ کیا تم میں کوئی جنیدِ وقت حضرت مولانا حسین علی مرحوم جیسا کوئی موحّد موجود ہے - ہاں لے دے کر آپ کے پاس ایک امیرِ شریعت موجود ہے جس کی شریعت کی حقیقت سے آپ لوگوں کے سینے تو واقف ہیں لیکن کیا کہوں اُن زبانوں کو جن پر آج مُہریں لگ گئی ہیں - اِدھر خدا کے چند بندے جو خدا کی توحید سناتے تھے انہوں نے قسم اُٹھالی کہ ہم کلمۂ توحید ہرگز کسی کو نہ سنائیں گے - گویا ان کے نزدیک ربّانی حکم سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا[4] آج سے منسوخ ہوگیا ؟ جس کا یہ مطلب تھا کہ اے مومنو ! صبح شام خدا کی توحید بیان کرو اور اس کو

---

[1] سورۂ غافر : ۵۲ ٭ [2] آل عمران : ۱۴۰ ٭ [3] الانبیاء : ۴۵ ٭ [4] الاحزاب : ۴۳ ٭

شریکوں سے پاک کہو۔ سوچئے! بھلا جس کشتئ تحریک کے ایسے ناخدا ہوں کیا وہ ساحل تک پہنچ سکتی ہے؟"...

"حضرات بنز اصلاحاً کہتا ہوں کہ آپ کی تحریک کسی خدائی تحریک کے نقش قدم پر نہیں ہے کیونکہ آسمانی کتابیں گواہ ہیں کہ خدائی تحریکوں نے ابتداءً ہمیشہ دلائل سے کام لیا نہ کہ زور اور لاٹھیوں سے۔ ہاں باطل تحریکیں جب دلائل سے عاجز آجاتی ہیں تو کبھی اکثریت کے بل پر اقلیتوں کو ملک بدر کرنے کو تازیانہ دکھاتی ہیں جس طرح قوم لوط نے کہا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ[1] ۔ اور کبھی واویلا کرتی ہیں کہ فلاں اقلیت ملک میں ارتداد پھیلانا چاہتی ہے اور ملک میں انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے جس طرح فرعون نے کہا انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد[2] اور کبھی حکام کے پاس جا کر سچی اقلیتوں پر جھوٹے الزام لگاتی ہیں جن کی وجہ سے ہزاروں خدا کے پیارے بندوں کو بیجا آلام و مصائب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ذرا امام اعظمؒ۔ امام احمد حنبلؒ۔ امام ابن تیمیہ۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم کے حالات ملاحظہ فرمائے جائیں"...

"اور باطل تحریکیں کبھی اکثریت کے نشہ میں آکر سچی اقلیتوں کو کچلنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں اور مملکت کے کونہ کونہ میں اپنے داعی بھیجتی ہیں جو عوام میں یہ پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ فلاں اقلیت نے ہم کو تنگ کر رکھا ہے آؤ ہم سب اکٹھے ہو کر اس کا استیصال کر دیں جس طرح فرعون نے کیا فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۚ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ لَشِرۡذِمَةٌ قَلِيۡلُوۡنَ ۙ وَاِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ۙ وَاِنَّا لَجَمِيۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ؕ[3]

اِس مقام پر مَیں حکومتِ پاکستان کے باقتدار طبقہ کی روشن ضمیری پر بھی داد دیتا ہوں جنہوں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ اگر بمطالبۂ احرار آج مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا گیا تو کل دیوبندیوں کو اقلیت قرار دینا پڑے گا اور پرسوں اہلحدیثوں کو علیٰ ہذا القیاس۔ اور اِس طرح سے ملتِ پاکستانیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور اِس نوزائیدہ مملکت کا وجود ہی سرے سے ختم ہو جائے گا۔ اور مَیں گورنر جنرل پاکستان کے ان الفاظ کی بہت قدر کرتا ہوں جو انہوں نے کراچی میں ایک کانفرنس میں کہے کہ

[1] الشعراء : ۱۶۸ ❖ [2] غافر : ۲۷ ❖ [3] الشعراء : ۵۴ ❖

گذشتہ ہزار سال میں شخصی حکومتوں اور مُلّاؤں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے"۔۔

"حضرات خدا اور انبیاء اور بعثتِ انبیاء اور آخرت کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ تبلیغ توحید کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ کیا مُشرکین سے الگ ہو کر ہم مرزائیوں کا رَدّ نہیں کر سکتے۔ کیا علماءِ سُوء کے تعاون (کے[1]) بغیر دین کا کام نہیں ہو سکتا؟ کیا ختمِ نبوّت کا مسئلہ ختمِ توحید کے بغیر حل نہ ہو سکتا تھا۔ مرزائیوں نے ایک فئتہ قلیلہ ہوتے ہوئے اتنی مخالفت کے باوجود اپنی تبلیغ کو نہ چھوڑا۔ اہلِ شرک و بدعت کے پیشواؤں نے یہ اعلان نہ کیا کہ آئندہ ہم عقائدِ شرکیہ کی تبلیغ نہ کریں گے مگر ہمارے مُوَحّد علماء نے سوچا کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا ہے کہ مسئلہ توحید کو بند کر دیا جائے کیونکہ تحریک کو نقصان پہنچتا ہے"۔

"مَیں پُوچھتا ہوں اگر تحریک کے بااثر لوگ مُشرک ہیں تو آپ لوگوں کو ان کی اطاعت کرنی ہو گی اور ان کی خوشامد کے لئے کتمانِ حق کرنا ہو گا جیسا کہ گجرات میں کیا گیا ہے تو پھر و ان اطعتموھم انکم لمشرکون کے مصداق کون ہوں گے؟ کیا مرزائیّت کا دَور ہمارے حضرت صاحب کی زندگی میں نہ تھا۔ کیا ان کی کوئی تحریر و تقریر ملتی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ جب تک مرزائیوں کو اقلیّت قرار نہ دیا گیا مَیں گولڑے والوں یا سیّال والوں کے ساتھ مِل کر دینی کام کروں گا؟

خدارا سوچیئے! اگر کل ابوالحسنات، قمر دین سیالوی، پیر گولڑوی جن کے گھٹنوں پر تمہارے امیرِ شریعت نے لاہور میں سجدہ کیا یا شیعہ مجتہدین جیسے بزرگوں کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آ گئی اور قانون ان کے ہاتھ میں آ گیا تو جیسے آج مرزائیوں کو اقلیّت قرار دے رہے ہیں کل ہمیں اقلیّت قرار دیں گے۔

اگر یہ لوگ برسرِ اقتدار آ گئے تو محمد بن عبد الوہاب، اسمٰعیل شہید، محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تو ان کے ہاتھ نہ لگیں گے ہم ہی ہیں جو ان کی گولی کا اوّلین نشانہ بنیں گے۔

لہٰذا آخری التجا کرتا ہوں کہ ہم کو ان لوگوں سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیئے اور مرزائیوں سے بڑھ کر ان لوگوں کے عقائدِ شرکیہ کو دلائل سے رَدّ کرنا چاہیئے۔ اگر مرزائی اِس وجہ سے کافر بن سکتے ہیں کہ انھوں نے ایک انسان میں وہ صفات اور کمالات ثابت کئے جو تقریباً ایک لاکھ چوبیس

---

[1] سہواً رہ گیا ہے؟

ہزار انسانوں میں پہلے پائے جاتے ہیں تو یہ لوگ جو ہزاروں انسانوں میں خدائی صفات ثابت کرتے ہیں یقیناً مشرک اور اضلّ ہیں۔

خدا کے لئے اپنے دلوں کو ٹٹولو اور ان سے پوچھو ان دونوں فتنوں میں کونسا بڑا فتنہ ہے۔"[1]

۲۔ مولانا محی الدین صاحب قصوری ممتاز اہلحدیث عالم نے لکھا:۔

"اب ذرا علمائے کرام کی حالت ملاحظہ فرمائیے: ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ تمام ارکانِ اسلامی کا پابند ہے لیکن کسی ایک عقیدے یا عمل میں اس کا آپ سے اختلاف ہے بس وہ مرتد ہے۔ واجب القتل ہے۔ کوئی اگر ان سے کہہ دے کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص گمراہ ہے۔ اسکے بعض عقائد اسلام کے ٹھیٹھ عقائد کے خلاف ہیں۔ وہ فاسق ہے لیکن خدارا آپ کس دلیل سے اسے مرتد کہتے ہیں۔ تو آپ خود "فھو منھم" کی بناء پر کافر، مرتد اور واجب القتل اور جہنمی ہیں۔ وزراء کے خلاف کچھ لکھنے والا تو صرف یہاں چند مہینوں یا زیادہ سے زیادہ چند برسوں کے لئے محبوس کر دیا جاتا ہے مگر ہمارے خدائی فوجدار، خدائی جنّت و دوزخ کے مالک ایسے آدمی کو اگلی دنیا میں بھی نہیں چھوڑتے۔

ہم نے صرف ان دو مثالوں پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر زیادہ اطناب سے کام لیں تو صرف اس ایک موضوع پر پوری تصنیف تیار ہو جائے۔ بریلویوں کی طرف سے تمام اہلِ سنّت والجماعت (اہلحدیث، دیوبندی، احناف وغیرہ) اور تمام شیعہ حضرات کی تکفیر، شیعہ صاحبان کی طرف سے تمام اہل سنّت والجماعت اور بریلویوں کی بلکہ اہل سنّت کے آئمہ ہدیٰ خلفائے راشدین المحدثین کی تکفیر (نعوذ باللہ من ھٰذہ الاباطیل الکاذبہ: ان یقولون الا کذبا) اور پھر سب کی طرف سے (یعنی سنّیوں اور شیعہ کے کُل فرقوں کی طرف سے) مرزائیوں کی تکفیر کیا یہ اسی جہالت اور کبر و نخوت کا کرشمہ نہیں جو لوگوں کے دلوں میں نہ تو قرآن پاک کی وعید: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[2] اور اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ[3] کا خوف پیدا ہونے دیتا ہے اور نہ ھَلْ لَا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ[4] کی تنبیہہ کی طرف انہیں

---

[1] مکتوب بنام علماء صفحہ ۳ تا صفحہ ۱۲ از مولانا منور الدین صاحب چک منگلا (سرگودہا) مطبوعہ خالد پریس سرگودہا ۱۹۵۲ء [2] النساء: ۹۵ [3] الانعام: ۱۶۰ [4] مسلم کتاب الایمان۔ ابوداؤد ابواب الجہاد۔ ابن ماجہ کتاب الفتن۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۳۹ جلد ۵ صفحہ ۲۰۷

متوجّہ ہونے دیتا ہے۔ کیا یہ قرآن پاک کی اسی تہدید کا بالکل عملی نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں پیش کرتا جو بنی اسرائیل کو ہوئی تھی؛ قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ[1] مجھے ذاتی طور سے علم ہے کہ لاہور کے دو نہایت جیّد دیوبندی علماء نے جن کی میرے دل میں عزّت ہے برسرِ مجلس ایک جماعت کو مرتد کہہ کر اسکے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا۔ لایکادون یفقہون حدیثا"۔[2]

۱۳۔ مولانا عبدالمجید خاں سالک نے تجویز پیش کی کہ اب وقت آگیا ہے کہ حکومت تکفیرِ مسلمان کو قانوناً جُرم قرار دے۔ اُن کے الفاظ یہ تھے :-

" اسلام کے بعد ایمان کا درجہ ہے اور قرآنِ مجید کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ اللہ اس کے فرشتوں، پیغمبروں، اس کی کتابوں، حشر و نشر اور سزا و جزا کا اقرار کیا جائے۔ حدیث میں اسلام کے ارکان پانچ بیان کئے ہیں شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔

"صفتِ ایمان مفصّل" اور ارکانِ اسلام پر عمل کا درجہ تو بعد میں آتا ہے اوّلین چیز توحید و رسالت کا اقرار ہے اور جو شخص یہ اقرار کرتا ہے اُسے دُنیا کی کوئی طاقت کافر قرار نہیں دے سکتی۔ بخاری میں حدیث ہے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا۔ اسلام کیا ہے؟ ارشاد ہوا اسلام یہ ہے کہ "تم اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز کو قائم کرو۔ رمضان میں روزہ رکھو اور زکوٰۃ دو"۔ پھر جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرنے کے بعد حضورؐ کے ان احکام پر بھی عمل کرتا ہے اس کو کون کافر قرار دے سکتا ہے؟

قرآنِ حکیم کا حکم

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ جو شخص تم کو سلام کہے اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک اسی شخص کو کبھی کافر قرار نہیں دیا جا سکتا جو مسلمانوں کو "السلام علیکم" کہتا ہے۔ اس پر بعض شائقینِ تکفیر کہا کرتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی یا ہندو ہم کو سلام کہے تو کیا ہم اس کو بھی مسلمان مان لیں؟ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ تمہارے اعتراض کا جواب ہم نہیں دے سکتے کیونکہ آیت صاف ہے اور اللہ کا حکم ہے اگر تم

---

[1] البقرہ: ۱۱۴ ؛ [2] اخبار ہفت روزہ "الاعتصام" گوجرانوالہ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۹

اللہ کے بندے ہو تو تمہیں اللہ کا حکم ماننا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ "لَسْتَ مُؤْمِنًا" کے الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ کسی مومن کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے جس حالت میں وہ تم کو مومنانہ سلام کہتا ہے۔ غیر مسلم کا تو اس سے تعلق ہی نہیں مقصود یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کہلاتا ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ ظاہر اخوت کا ثبوت (یعنی سلام و کلام) بھی دیتا ہے اُس کو کافر کہنا از رُوئے قرآن ممنوع ہے۔

حدیثِ رسولؐ کا حکم

عن ابن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلّى صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذالك المسلم الذى لهٗ ذمّة الله وذمّة رسول الله فلا تخفروا الله فى ذمّته۔ (بخاری کتاب الصلٰوۃ)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جو شخص ہماری طرح نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف مُنہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے تو یہ شخص مسلم ہے جس کے لئے اللہ کا عہد ہے اور رسول اللہ کا عہد ہے پس اللہ کے عہد کو نہ توڑو حضورؐ نے فرمایا جس نے لا الٰہ اِلّا اللہ کہنے والوں کی تکفیر کی وہ خود کفر سے زیادہ قریب ہے۔

ایسی حدیثیں متعدد ہیں جن میں حضورؐ کے قول و عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص توحید کا اقرار کر لیتا تھا حضورؐ اُسے مسلمان سمجھتے تھے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرتا تھا کہ فلاں شخص شاید دل سے مسلمان نہ ہؤا ہو تو حضورؐ فرماتے کہ مجھے یہ حکم نہیں ملا کہ مَیں لوگوں کے دلوں کو پھاڑ کر دیکھوں۔ اسلام کے لئے اقرار کافی ہے۔ [1]

آئمۂ اسلام اور تکفیر

ہمارے آئمۂ کبار نے اہلِ قبلہ کی تکفیر کو ہمیشہ ناواجب ٹھہرایا ہے۔ امام طحاویؒ نے کیا خوب بات کہی ہے کہ جس اقرار کے بعد کوئی مسلمان ہوتا ہے جب تک اُس اقرار سے برگشتہ نہ ہو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔[2] (ردّ المحتار سوم صفحہ ۳۱۱)

---

[1] صحیح مسلم (کتاب الایمان)

[2] عربی متن ہے "لا يخرج الرجل من الايمان اِلّا بجحود ما ادخلهٗ فيه" (ایضاً "معین الحکام" ص ۲۰۹)۔

ساری دُنیا جانتی ہے کہ ایک کافر جس وقت کلمہ پڑھ کر توحید و رسالت کا اقرار کرلیتا ہے تو مسلمان ہوجاتا ہے اور تمام مسلم اور غیر مسلم اس کو مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔ اَب جب تک وہ اِس اقرار کو واپس نہ لے یعنی توحید و رسالت سے منکر نہ ہوجائے اس کو کافر اور غیر مسلم کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ حاکم نے اپنی کتاب منتقیٰ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بیان کیا ہے کہ وہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر نہیں کہتے اور ابوبکر رازی نے امام کرخی سے بھی یہی روایات کی ہیں۔ (شرح مواقف)

شرح عقائدِ نسفی صفحہ ۱۲۱ میں لکھا ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے قواعد میں سے ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔

ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے وصال کے بعد مسلمانوں میں کئی امور پر اختلاف ہُوا۔ وہ ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئے لیکن اسلام ان سب کو یکجا کرکے اپنے دائرہ میں جمع کرتا ہے۔ ("مقالات الاسلامیین" ابوالحسن اشعریؒ صفحہ ۲۰۱)

مولانا احمدؒ بن المصطفیٰ لکھتے ہیں کہ حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور اشعریوں کے معتمد علیہ اور مستند اماموں کی رائے یہی ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ (مفتاح دار السعادۃ حصّہ اوّل صفحہ ۴۶)

فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں سے صاف ظاہر ہے کہ اہل السنّت کو تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے مثلاً ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

کِسی مسلمان کی تکفیر نہ کی جائے جب تک اس کے کلام کے کوئی اچھے معنے نہ لئے جاسکیں۔ (درّ مختار)

اگر کسی مسئلے میں ننانوے وجوہ کُفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا، تو قاضی و مفتی کا فرض ہے کہ اس احتمال کو اختیار کرے جو نفی کفر کا ہے۔ (شرح فقہ اکبر مُلّا علی قاری صفحہ ۱۴۶)

جب کسی مسئلے میں کئی وجوہ کُفر کے ہوں اور ایک وجہ عدمِ تکفیر کی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ وہ حُسنِ ظن کی راہ سے اسی وجہ کو اختیار کرے جو تکفیر کی مانع ہے۔ (سلّ الحسام الہندی سید محمد عابدین صفحہ ۴۵)

ہم کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔ اگرچہ وہ بہت سی باتوں میں باطل پر ہی ہو کیونکہ اقرار توحیدِ الٰہی و تصدیق رسالت محمدیہ اور توجہ الی القبلہ کے بعد کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ لا الٰہ الّا اللہ کہتے ہیں انہیں کافر نہ کہو۔ (علم الکتاب میر دردؒ صفحہ ۸۵)

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "منصبِ امامت" میں جہاں بعض سلاطین کو ان کے اعمالِ بد پر زجر و توبیخ کی ہے وہاں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ لوگ چونکہ ظاہری شعائرِ اسلامی مثلاً ختنہ، عیدین پر اظہارِ شکریہ، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ وغیرہ کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔

"پس یہ دعویٰ اسلام جو ظاہر اطوار پر ان کی زبانوں سے صادر ہوتا ہے انہیں کفرِ صریح سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ آخرت کے مؤاخذہ کے لئے خفیہ کفر کافی ہے لیکن ظاہری اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے ساتھ دنیوی احکام میں مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے اور معاملات کی حد تک انہیں بھی مسلمانوں میں ہی شمار کیا جائے۔"

ابو الحسن اشعریؒ نے اپنی کتاب "مقالات الاسلامیّین و اختلاف المصلّین" میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا ذکر کیا ہے مثلاً شیعہ، خوارج، مرجیۂ، معتزلہ وغیرہ پھر ان فرقوں کے اندرونی گروہوں پر بھی بحث کی ہے۔ مثلاً شیعہ کے تین گروہ ہیں غالیہ، رافضہ، زیدیہ، ان میں سے غالیہ کے پندرہ چھوٹے گروہ ہیں۔ اشعریؒ کے نزدیک یہ بھی مسلمان ہیں یہاں تک کہ وہ غالیہ کو خارج از اسلام قرار نہیں دیتے حالانکہ وہ اپنے ایک سردار کو نبی کا رُتبہ دیتے ہیں مثلاً بیانیہ فرقہ کے لوگ ایک شخص بیان کو اور عبداللہ بن معاویہ کے پیرو اس کو اپنا خداوند اور پیغمبر مانتے ہیں لیکن چونکہ یہ سب لوگ حضرت رسول کریمؐ کی نبوت اور قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا تسلیم کرتے ہیں اسلئے وہ خارج از اسلام قرار نہیں دئے جاتے[1]

مسلمانوں کو کافر نہ بناؤ

غرض جہاں تک دیکھا جائے کتاب اللہ، حدیثِ رسول اللہ، تصانیف اہل السنّت والجماعت میں تکفیر اہلِ قبلہ کو قطعی طور پر ناجائز قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ دینِ اسلام دُنیا میں توحید و رسالت کا اقرار کرانے کے لئے آیا تھا اس لئے نہیں آیا کہ اچھے خاصے توحید و رسالت کے اقراری انسانوں کو جو مسلمان ہیں مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مسلمان ہی رہنا چاہتے ہیں زبردستی اسلام کے دائرہ سے نکال کر باہر کرے۔ یہ تکفیر کا مشغلہ پاکستان میں مسلمانوں کی وحدت کے لئے سخت مُہلک ہے۔ اگر اس کو رائے عامہ نے اپنی قوّت سے فوراً دبا نہ دیا تو دینِ مقدّس اور ملّتِ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

---

[1] ایضاً "کتاب الفرق بین الفرق" ص۹-۱۱ (الامام حضرت ابو منصور عبدالقاہر بن طاہرؒ متوفی ۴۲۹ھ) ناشر مطبعۃ المعارف بمصر ۱۹۴۸ء

کُفر کی دُو قسمیں

ممکن ہے تکفیر کے بعض شوقین بزرگانِ اسلام کی بعض تحریروں سے ایسے اقوال نقل کریں جن میں بعض مسائل پر "کُفر" کی مُہر لگائی گئی ہے اِس لئے میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کُفر کی دُو قسمیں ہیں جیسا کہ علامہ ابنِ اثیرؒ اپنی کتاب "نہایہ" میں لکھتے ہیں:۔

کُفر کی دُو قسمیں ہیں۔ ایک کُفر تو وہ ہے جس میں خود دین کا انکار ہو (یعنی توحید و رسالت کا) اور دوسرا کفر یہ ہے جس میں کسی فرع کا انکار ہو۔ احکامِ اسلامی فروع کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے کسی کے انکار سے کوئی شخص دین سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کے دُو گروہ آپس میں قتال بھی شروع کر دیں جو صریحاً دین و ملّت کے مقاصد کے خلاف ہے تو خود قرآن بھی ان کو کافر نہیں کہتا بلکہ ان کو "طائفتان من المؤمنین" قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اگر مومنین کے دُو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو یعنی وہ آپس میں لڑنے کے بعد بھی "مومن" ہی رہتے ہیں کافر نہیں ہو جاتے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ لکھتے ہیں کہ علامہ ازہریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آیا فلاں شخص فلاں قسم کی رائے ظاہر کرنے کی وجہ سے کافر ہو گیا جواب ملا کہ ایسی رائے کُفر ہے۔ پوچھا گیا کیا وہ مسلمان رہا؟ آپ نے جواب دیا بعض اوقات مسلمان بھی کُفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] حضرت علامہ امام حسین بن محمد راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۶ھ / ۱۱۰۸ء) فرماتے ہیں:۔

"الاسلام فی الشرع علیٰ ضربین احدھما دون الایمان وھو اعتراف باللسان وبه یحقن الدماء حصل معه الاعتقاد اَوْ لَمْ یحصل وایّاہ قصد بقوله قالتِ الاعرابُ اٰمنّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا ولٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا والثّانی فوق الایمان وھو ان یکون مع الاعتراف واعتقاداً بالقلب ووفاء بالفعل واستسلام لله جمیع ما قضیٰ وقدّر" (مفردات امام راغب ص۲۴۰)

یعنی اسلام دینِ محمدی کی رُو سے دُو طرح کا ہوتا ہے ایک اسلام ایمان سے نیچے ہوتا ہے اور وہ زبان سے اعتراف کرنا اور کلمہ پڑھنا ہے جان کی حفاظت اتنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِس سے ظاہر ہے کہ مسلمان کوئی کافرانہ عمل بھی کرے تو اس کو فاسق، عاصی، گمراہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن کافر نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح اگر کسی کافر سے کوئی مومنانہ عمل سرزد ہوجائے تو اس عمل کو تو مومنانہ کہہ سکتے ہیں لیکن وہ کافر محض اس عمل سے مومن و مسلم تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مسلم اور کافر کے درمیان خطِ فاصل توحید و رسالت کا اقرار ہے۔

ہر مسلمان کہلانے والا مسلمان ہے

لہٰذا ہر شخص جو توحید و رسالت کا اقراری ہے وہ مسلمان ہے۔ باقی رہے اس کے اعمال تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اگر شریعت ظاہری ان اعمال کو جرم سمجھے گی تو اُسے سزا دے گی اور اگر وہ اعمال شریعت کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُسے عذاب دیگا ہمارا کام صرف اتنا ہی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے ہر قائل کو مسلمان سمجھیں اور مسلمانوں کی تکفیر کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیں بلکہ اب وقت آگیا ہے کہ اسلامی حکومت تکفیرِ مسلمین کو قانوناً جرم قرار دے تاکہ معاشرۂ اسلامی اِس لعنت سے ہمیشہ کے لئے پاک ہوجائے"[1]

۴۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدقِ جدید" کو ہمیشہ یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ انہوں نے جماعتِ احمدیہ کی تکفیر کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی ہے اور ان ایام میں تو آپ نے مسلسل پُرزور شذرات سپردِ قلم فرمائے۔ مثلاً ایک صاحب نے لائل پور سے مولانا عبدالماجد خاں صاحب دریابادی کو بطور شکوہ لکھا کہ وہ "متفقہ مطالبۂ تکفیر" کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ آپ نے اس کا جواب حسبِ ذیل الفاظ میں دیا:۔

"یہ مطالبہ اگر مکتوب نگار صاحب اپنے دِل میں سوچیں تو انہیں خود کچھ عجیب سا نظر آئیگا کہ مدیرِ "صدق" کے نزدیک تکفیرِ قادیانیہ کا فتویٰ غیر مدلّل ہو، غیر تشفی بخش ہو پھر بھی اسے بولنے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سے ہی ہوجاتی ہے اس کے ساتھ اعتقاد کی صحت کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی آیت قالت الاعراب الخ میں اسی طرح کے اسلام کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا اسلام وہ ہوتا ہے جو ایمان سے اُوپر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنے کے علاوہ دل میں بھی اُس کا اعتقاد ہو اور عملاً بھی وفاداری کا اظہار کرے اور خدا تعالیٰ کی تمام قضا و قدر کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے۔

[1] اخبار "آفاق" لاہور ۴-۵ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۔

حق نہ تھا۔ اسے خاموشی ہی اختیار کر لینا تھی۔ گویا اظہارِ حق کا حق صرف اکثریت کو حاصل ہے۔ اور جو فرد اپنے کو اس درجہ میں حق پر سمجھتا ہے لیکن چونکہ اقلیت میں ہے اِس لئے اسے اکثریت پر جرح کا بھی حق نہیں اور اس پر لازم ہے کہ اگر وہ بے چون وچرا سرِ اطاعت خم نہیں کرتا تو کم از کم خاموش ہی رہے خواہ اس میں اپنے ضمیر و دیانت کا گلا ہی گھونٹ دینا پڑے۔

اکثریت کی یہ نازک مزاجی مکتوب نگار خود غور کریں کہ کس حد تک معقول ہے۔

ع کان اُن کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

مکتوب میں کوئی نئی اور مستقل دلیل تکفیرِ قادیانیہ پر پیش کرنے کی بجائے اکتفا صرف اِس پر کیا گیا ہے کہ یہ چونکہ دُنیائے اسلام کا فتویٰ ہے متفقہ فیصلہ ہے فلاں فلاں بزرگوں کا اِس پر اجماع ہو چکا ہے اِس لئے یہ بہر صورت واجب التسلیم ہے لیکن گزارش یہی ہے کہ اتفاقِ رائے کا یہ منظر "بے نظیر" آخر کیسے قرار دے لیا گیا ہے؟ یہ اتفاق و اجماع کب اور کس فرقہ کی تکفیر سے متعلق ایسے ہی بزرگوں کا نہیں ہو چکا ہے؟ کون فرقہ ایسا ہے۔ کس کی تکفیر کا اعلان بالجہر انہیں دلائل کے ماتحت اسی جوش و قوّت کے ساتھ بار بار نہیں کیا جا چکا ہے؟ کیا فرقہ شیعہ؟ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی مدّظلّہ ماشاء اللہ ابھی ہمارے درمیان بہ خیریّت و عافیت موجود ہیں اور وہ یقیناً اہلِ سُنّت کے ایک بڑے اور ممتاز عالمِ دین ہیں ذرا انہیں سے دریافت فرمایا جائے ان کے قلم کا مرتّب کیا ہوا "علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ (بلفظہٖ یاد رہے) درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ" ابھی یاد میں تازہ ہے جس میں یہ تصریح موجود ہے کہ شیعوں کی تکفیر میں کسی کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تصریح در تصریح یہ کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام، ان سے مناکحت ناجائز، ان کا جنازہ پڑھنا ناجائز، انہیں اپنے جنازوں میں شریک کرنا ناجائز، ان کا چندہ اپنی مسجدوں میں لینا ناجائز۔ غرض یہ کہ ان سے کوئی سا بھی معاملہ مسلمانوں کا سا کرنا جائز نہیں۔ گویا سیّد کلبِ حسین اور لالہ بھگوان دین ایک سطح پر۔

اِس فتویٰ کفر و ارتدادِ شیعہ پر آپ دستخط سُنیں گے کہ کن کن بزرگوں کے ہیں۔ کہنا چاہیئے کہ سلسلے دیوبند کے، مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا حسین احمد، مولانا محمد شفیع، مولانا اعزاز علی، مولانا اصغر حسین، مولانا عقیل احمد، مولانا محمد انور (عجب نہیں کہ یہ وہی مشہور فاضل عصر مولانا انور شاہ کاشمیری ہی ہوں) مولانا محمد طیّب، مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری، مولانا محمد چراغ (گوجرانوالہ)، مولانا

محمد منظور نعمانی وغیرہم۔ پھر اس نہلہ پر دہلہ جناب ناظم صاحب تعلیمات دیوبند کے قلم سے کہ "اور صرف مرتد اور کافر خارج از اسلام ہی نہیں ہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی اس درجہ میں ہیں کہ دوسرے فریق کم ہی نکلیں گے" اور اسی متفقہ فتویٰ میں تائیدی حوالہ حضرت بحر العلوم فرنگی محلی کا بھی درج ہے۔ اور خود موجودہ امیرِ شریعت پنجاب آج سے چند سال قبل اپنی لکھنؤ (احاطہ شیخ شوکت علی) کی تقریروں میں فرقہ شیعہ کے باب میں جو کچھ فرما چکے ہیں اسے کوئی کیسے بھلا دے؟

پھر انہیں حضرات کا فیصلہ ایسے ہی دلائل کی بناء پر اسماعیلیوں اور آغا خاں اور سارے آغا خانیوں کے کفر اور اسلام سے متعلق کیا ہے؟

اور خود بانیٔ پاکستان قائد اعظم کے عقائد مذہبی سے متعلق انہیں مقدمات و مبادی کو تسلیم کرنے کے بعد فتویٰ کیا مرتب ہوتا ہے؟

سرسید کا زمانہ گزرے ابھی ایک ہی پُشت ہوئی ہے مکتوب نگار کے علم یا حافظہ میں یقیناً یہ حقیقت محفوظ نہیں رہی کہ "جمہور علماء" کے حلقہ میں ان کا استقبال کس روش و انداز سے ہوا تھا؟ وہ "پیر نیچر" شاید مرزائے قادیان اور اُس کے پیرو "نیچری" شاید قادیانیوں سے کچھ بڑھ چڑھ کر ہی تھے اور ان کے اسلام کا دعویٰ کرنا "خرقِ اجماع" کا مرتکب ہونا تھا۔ آپ اسے مبالغہ سمجھ رہے ہیں؟ مولوی امداد العلی مرحوم کا رسالہ "امداد الآفاق بہ رجم اہل النفاق" کسی لائبریری کے پُرانے ذخیروں میں دبا دبایا ہُوا ضرور پڑا مل جائے گا۔ ذرا اسے ملاحظہ فرما لیا جائے یا اس زمانہ کے دوسرے اخبارات اور رسالوں کی فائلوں کو لکھنؤ، دہلی، سہارنپور، رام پور، ہندوستان کے ہر ہر شہر کے فقہاء کرام کا متفقہ فتویٰ اس شخص کے کفر و ارتداد اور اس کے کالج اس کی کانفرنس سب کی ملعونیت پر ناطق ملے گا۔ دہلوی فتویٰ آپ سُن ہی لیں گے؟

"ایسے مکانِ ناپاک کا نام مدرسہ رکھنا اور محل تعلیم و تحصیل سمجھنا آدمیت سے نکلنا ہے۔ اور زمرۂ حیوانات میں داخل ہونا ہے۔۔ صرف کرنا مال کا ایسے محل میں موجب کندہ ہونا جہنم، اور ایسے بے محل میں ساعی ہونا ہیمہ اور حطب بننا لازم" [1]

اور لکھنوی فرنگی محلی فتویٰ:۔

---

[1] حیاتِ جاوید حصہ دوم ص۲۳ (مؤلفہ مولانا الطاف حسین حالی) طبع اوّل۔

"وجودِ شیطان اور اجنّہ کا منصوص قطعی ہیں اور منکر اس کا شیطان ہے بلکہ اس سے بھی زائد کیونکہ خود شیطان کو بھی اپنے وجود سے انکار نہیں ۔۔۔ وہ شخص مخرّبِ دین ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام میں تخریبِ دینِ محمدی کی فکر میں ہے۔" [۱]

اور مفتیانِ حرم شریف حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ چاروں مفتی صاحبان کے متفقہ فیصلہ کی تاب آپ آج لا سکیں گے ؟

"یہ شخص ضالّ و مُضلّ ہے بلکہ ابلیسِ لعین کا خلیفہ ہے ۔۔۔ اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ہے خدا اس کو سمجھے۔ واجب ہے اُولوا الامر پر اس سے انتقام لینا ۔۔۔ اگر باز آوے تو بہتر ہے ورنہ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے۔" [۲]

مدینہ منوّرہ کے مفتی احناف کا قلم کیوں پیچھے رہنے لگا تھا ؟

"یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کُفر کی کسی جانب مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا یا اباحی ہے کیونکہ منخنقہ کا کھانا مُباح بتاتا ہے اور اہلِ مذہب (حنفیہ) کے بیانات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی ۔۔۔ ورنہ اس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لئے اور ولاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں۔" [۳]

اور شیعہ نیچریہ اسماعیلیہ کے علاوہ عام اہلِ اہوا و بدعت و خوارج اور "وہابیہ تجدید" اور تازہ ترین "مودودیہ" سے متعلق جو جو موتی قلم پرو چکا ہے اگر ان سب کے اقتباسات نمونہ کے طور پر ہی نقل ہونے لگیں تو مقالہ رسالہ نہیں پوری ضخیم کتاب بن جائے۔ مغالطہ سب میں مُشترک ہے بس یہی ہے کہ نصوص کی تاویل و تعبیر کو ہر جگہ انکار و تکذیب کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے اور تاویل و تعبیر میں ٹھوکر کھانے والوں کو جوشِ دینی سے مغلوب ہو کر مُنکرین و مکذّبین کے حکم میں رکھ دیا گیا ہے۔

اس بے علم و بے عمل کے دِل میں اپنے اکابر کی بحمد اللہ پُوری عزّت و رفعت عظمت و عقیدت موجود ہے لیکن انقیاد کامل کا رشتہ صرف ذاتِ رسُولِ معصوم کے ساتھ محدود و مخصوص ہے اور جو حضرات آج اپنے علماء و شیوخ کے ہر فیصلہ کو ناطق اور ان کے ہر قول کو

---

[۱] حیاتِ جاوید حصّہ دوم ص۲۳۲ ؛ [۲] حیاتِ جاوید حصّہ دوم از مولانا الطاف حسین حالی ص۲۲۵

[۳] حیاتِ جاوید حصّہ دوم ص۲۳۵ ؛

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ خوش عقیدگی کے غلو میں مبتلا ہیں اور نادانستہ وغیر شعوری طور پر سہی عملاً خود ختمِ نبوّت کے منکر ہو رہے ہیں کہ غیر معصوم کو معصوم کے درجہ پر رکھے ہوئے ہیں ۔۔۔۔

آج سے ۳۰۔۳۱ سال پیشتر جب تحریکِ خلافت ہندوستان میں زور شور سے اُٹھی ہر شہر ہر قریہ میں مجلسِ خلافت بننے لگی اور بوڑھے سے لے کر بچے تک پورے جوش و خروش سے اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے تو ایک بڑا اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہی پیش ہوا تھا کہ آخر مسلمان سمجھا کس کو جائے گا؟ اور کن کن فرقوں کو اُمت سے الگ رکھا جائے گا؟ اُس وقت پورے غور و خوض کے بعد بڑے بڑے علماء و مفکرینِ اُمت کے مشورہ سے یہی فارمولا طے ہوا تھا کہ جو بھی اپنے کو مسلمان کہے اور توحید و رسالت کا قائل ہو پس اُسے مسلمان سمجھا جائے گا اور اُس کے دوسرے عقائد سے قطع نظر کر لی جائیگی۔ اِن غلط و باطل عقائد پر جرح یقیناً بجائے خود جاری رہے گی لیکن کسی کلمہ گو کو بھی اسلام کی عام وسیع برادری سے خارج نہ کیا جائے گا۔ مجلسِ خلافت کے زمانہ میں بھی غالباً سرکار کی طرف سے سوال اُٹھا تھا کہ مسلمان کسے سمجھا جائے؟ اس کا جواب اس مردِ ظریف و لطیف نے یہ دیا تھا کہ جو رائے شماری کے رجسٹر میں مسلمان لکھائے ۔۔۔۔ وحدتِ کلمہ کی یہ ضرورت جب اُس وقت تھی تو موجودہ حالتِ ضعف و انتشار میں اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

جن حضرات نے دین کے تحفظ کی خاطر اخلاص نیت سے کفر کے فتوے دئے ہیں یقیناً وہ عنداللہ ماجور ہوں گے لیکن دوسرے شائد معذور ہیں جنہوں نے اپنی فہم و بصیرت کے موافق اس قطع و برید و عمل اخراج کو اُمت کے حق میں زہر سمجھا ہے (اور اُن ہی میں مولٰنا محمد علی اور شوکت علی اور خود قائدِ اعظم سے لے کر آپ کے صوبہ کے مہر صاحب اور سالک صاحب شامل ہیں) اُنہیں بھی اخلاصِ اسلامی اور دردِ دلی سے معترضانہ سمجھ لیا جائے۔" [1]

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے ایک اَور خط کے جواب میں لکھا:۔

---

[1] "صدقِ جدید" ۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ اخبار الفضل یکم اخاء ۱۳۳۱ ہش مطابق یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵، ۶

"ختمِ نبوّت اور ہم

...ایک طرف ایک ایسا شخص ہے جو ختمِ نبوت کا قولاً منکر ہے (؟) اب دوسری طرف ایک شخص ہے جو قولاً تو منکر نہیں ہے لیکن عملاً اس کی تکذیب کرتا ہے آپ اس کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ حقیقت میں دونوں ہی ختمِ نبوت کا انکار کر رہے ہیں زبانی اقرار کی وجہ سے فقہی طور پر ہم اس کو کافر نہ کہیں یہ اور بات ہے لیکن آیا میزانِ عمل میں بھی کوئی قدر و قیمت وزن رکھے گا یا نہیں؟ قابلِ غور ہے۔

پھر ذرا سوچئے تو سہی کہ آج دنیا بھر کے مسلمانوں میں کتنے فیصدی ایسے ہیں کہ ختمِ نبوت کے عملاً معتقد ہیں؟ جاہلوں اور اُمّیوں ہی میں نہیں عالموں اور صوفیوں میں بھی قادیانیوں کو کافر کہنے والوں اور ظفر اللہ خاں کو وزارت سے برطرف کرنے والوں کو بھی ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے کہ کہیں خدانخواستہ ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

والا معاملہ تو نہیں ہے؟ کیا ہم نے اپنی سیاست و معیشت، اخلاق و معاشرت، حکومت و عدالت سے اِس عقیدہ کو عملاً خیر باد نہیں کہہ دیا ہے؟ کیا ہمارے مدرسے، خانقاہ بھی اب اس کی رُوح سے خالی نہیں ہوگئے ہیں۔ پھر ایک فریق ایک جُرم کی وجہ سے کافر اور گردن زدنی اور دوسرا قریباً اسی جُرم کا مجرم لیکن نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے۔ (اَلْاِنْصَاف)" [1]

۵۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اخبار "منادی" بابت ماہِ جون ۱۹۵۲ء میں لکھا۔

"مَیں نے مئی کے منادی میں قادیانی جماعت کراچی کی نسبت لکھا تھا کہ اس جماعت کے جلسے کے خلاف جو ہنگامہ ہوُا وہ مصلحتِ وقت کے خلاف تھا۔ مَیں نے قرآنِ مجید کی آیت بھی لکھی تھی کہ خدا نے فرمایا ہے کہ ہر شخص سے اس کے عمل کا حساب لیا جائے گا دوسروں کے اعمال کی پُوچھ گچھ نہیں ہوگی اور یہ بھی لکھا تھا کہ مَیں قادیانی جماعت کے عقائد کے ہمیشہ خلاف رہا ہوں اور اب بھی خلاف ہوں مگر موجودہ وقت ایسا نازک ہے کہ مسلمانوں کو شیعہ، سُنّی، مقلّد، غیر مقلّد کے اختلافات ترک کر دینے چاہییں۔

چوہدری ظفر اللہ خاں نے باوجود قادیانی ہونے کے پاکستان بننے کے بعد سے آج تک یورپ

---

[1] "صدقِ جدید" لکھنؤ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۵۲ء صٛ ۸

اور امریکہ اور اسلامی دُنیا میں جو خدمات پاکستان کی انجام دی ہیں وہ بے مثل ہیں۔ اگر پاکستان کی تخت گاہ کراچی میں مسلمان ان کی مخالفت کریں گے تو امریکہ اور یورپ اور اسلامی ملکوں کے دلوں سے پاکستان کا وقار جاتا رہے گا۔

مجھے یقین تھا کہ کراچی میں مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی جیسے معاملہ فہم اور تاریخ کے ماہر موجود ہیں وہ عوام کی غلط فہمیاں دُور کر دیں گے اور یہ فتنہ زیادہ نہ بڑھے گا مگر یہ میرا خیال غلط ثابت ہؤا اور اخباروں نے ایک ایسی خبر شائع کی کہ میرا دِل پاش پاش ہو گیا یعنی اخباروں نے شائع کیا کہ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی وغیرہ علماء نے جمع ہو کر ایک نیا جلسہ کیا جس میں سر ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے الگ کر دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی کو جب کراچی میں نظر بند کیا گیا تھا تو مَیں نے کراچی جا کر حاجی خواجہ شہاب الدین صاحب وزیرِ داخلہ پاکستان سے کہا تھا کہ آپ نے ایسے عالم کو نظر بند کیا ہے جس نے ساری عمر مسلم لیگ کی خدمات انجام دی ہیں اور خواجہ شہاب الدین صاحب نے اس کو تسلیم کر کے نظر بندی کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ان کو رہا کر دیا تھا۔

اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی نسبت تو بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں اور پاکستان کے سب چھوٹے بڑے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آج بھارت اور پاکستان میں ان سے زیادہ گذشتہ تاریخ کے نیک و بد حالات کے نتائج پر کسی دوسرے مؤرخ کی نظر نہیں جاتی۔ پھر مَیں کیونکر یقین کر لوں کہ جو کچھ اخباروں میں چھپا ہے وہ درست ہے؟ اخباروں میں بہت سی غلط باتیں بھی شائع ہو جاتی ہیں۔ مَیں پچاس برس سے اخبار نویسی کرتا ہوں اور آج کل باوجود بینائی خراب ہو جانے کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سب روزانہ اخبار پڑھتا ہوں اور بھارت اور پاکستان کے عوام کے رُجحانِ طبع اور خیالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اِس لئے جب مَیں نے مذکورہ خبر پڑھی تو بے اختیار میری زبان سے نکلا خبر غلط ہے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا سید سلیمان ندوی کبھی ایسی بے عقلی کا کام نہیں کر سکتے لیکن اَب تک کسی نے اِس خبر کی تردید نہیں کی۔ پاکستان کے اخباروں کو بھی پڑھا ریڈیو بھی سُنے مگر اس خبر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔

اگر سچ مچ علماء مذکور نے ایسا جلسہ کیا تھا تو مجھے خدا کے سامنے سجدے میں گر کر اور رو رو کر

دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ علماء مذکور کو اِس غلط طرزِ عمل سے بچائے اور یا مُجھ کو اِس دُنیا سے جلدی اُٹھالے تاکہ مَیں اپنی مسلمان قوم کی تباہی اور پاکستان کی تباہی نہ دیکھوں جو ایسے غلط کاموں سے ہونی ضروری ہے"۔ ؎۱

۶۔ مولوی عبدالحمید خاں صاحب مدیر رسالہ "مولوی" (دہلی) (ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۲ء) نے حسبِ ذیل اداریہ سپردِ اشاعت کیا۔

" اَب ذرا ان کو بھی دیکھئے۔ یہ بھی اسی بدنصیب بھارت کے مسلمانوں کے خوش نصیب بھائی ہیں جن پر خدا کا "فضل" ہُوا۔ آزادی ملی، مختار ہوئے، اپنے آپ حاکم بنے، اپنی قسمتوں کے مالک ہوئے۔ جہاں بھارت کے مسلمان آسمانی بَلاؤں، اپنے وطنی بھائیوں کی بے انصافیوں سے پامال ونڈھال وہاں ان ہی کے صدقہ میں پاکستان والے چونچال ؎۲ نہال نہال اور خوش حال ہوئے۔ ہم نے فاقوں پر بھی بھُوک سے واویلا نہ کی کہ اسلام صبر کی تلقین کرتا ہے۔ ہم نے اپنی بے عزّتی پر بھی بَین نہ کیا کیونکہ قرآن کا فرمان تھا کہ "نہیں آتی تم پر کوئی مصیبت مگر تمہارے ہی ہاتھوں"۔ اَب بَین کا موقعہ تھا نہ شکوہ کا وقت۔ غم ہے تو یہ اور صرف یہ کہ مسلمان کہیں پیٹ کے لئے دین نہ بیچ دیں اور کمیونزم کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں کہ اس سے بھُوک تو مٹے گی۔ تن پوشی تو ہوگی مگر بہت بڑی قیمت دے کر" ایمان و اسلام"۔

ہم سر جوڑ کر بیٹھنے کے سَو سَو جتن کرتے ہیں۔ لڑنا بھُول گئے۔ ایک دوسرے کے آنسو پونچھتے ہیں کہ اللہ کو راضی کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے بلکہ شاید یہی ایک طریقہ ہے۔ جب سیلاب آتا ہے تو شیر اور بھیڑ دونوں برابر کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ تو مصائب کا مآل ہے۔

ان کا حال جن کو اللہ نے بندوں سے بے خوفی دی یہ ہے کہ ان کو اللہ کا بھی خوف نہ رہا اور وہ سب کچھ کیا جو اللہ کے پسندیدہ دینِ اسلام کے یکسر خلاف تھا منہیات قبول کرنے کے ساتھ وہ آپس میں بھی شدومد سے دست و گریبان ہونے لگے۔ اگر آنکھیں غافل نہ ہوتیں تو اللہ کی ایک ہلکی سی تنبیہہ کافی تھی کہ اللہ نے ان کا رزق کم کر دیا۔ جو مُلک دوسرے ممالک کو غلّہ فراہم کرتا تھا آج

؎۱ بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۱ر جولائی ۱۹۵۲ء مطابق ۱۱ر وفا ۱۳۳۱ ہش ص۲۔

؎۲ ہوشیار۔ چالاک۔ سمجھدار۔ توانا (فرہنگِ آصفیہ)۔

اسے دوسروں سے مانگنا پڑا۔

سُنّی سُنّی سے لڑتا ہے۔ شیعہ سُنّی سے لڑتا ہے اب مرزائیوں اور سُنّیوں کا مقابلہ ہے اور مقابلہ بھی ایسا سخت کہ اب مرزائی مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیت اور کافروں سے بھی بدتر۔

یہ کاغذی مولوی فتویٰ دینے کے اہل نہ اس نے فتویٰ بازی کو اپنے صفحات میں جگہ دی۔ اس کو یہ دکھ ہے کہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے والے پاکستانی غیر مسلموں کو کیا منہ دکھائیں گے؟ غیر مسلم کہتے ہیں کہ "وہ کبھی مسلم حکومت میں بے خوف اور با عزت نہیں رہ سکتے ہیں۔ ہوگا اسلام صلح کل اور اسلام قرآن میں ہو تو ہو مسلمانوں میں کم از کم نہیں ہے۔ تمہاری کتنی ہی چھوٹی بڑی حکومتوں میں ایک پاکستان ہی کا تو دعویٰ تھا کہ وہ اسلامی حکومت ہے اور اس کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی اور تم نا سمجھ بھارت کے مسلمانوں نے اس اسلامی حکومت کے لئے اپنی زندگی خراب کر لی۔ اچھا احمدی ہم ہی جیسے غیر مسلم سہی تو کیا اسلام کہتا ہے کہ اپنے غیر مسلم محکوموں کے جان لیوا بن جاؤ۔ ان کی عزتیں خاک میں ملاؤ۔ ان سے نوکریاں واپس لے لو۔ پرمشتانہ[1] کرے اگر ان کو پورا بنگال، آسام اور پورا پنجاب مل جاتا تو ہمارا کیا بناتے۔ بتلائیے ہمارے پاس کیا جواب ہے؟ ہم شرم سے نیچی گردنیں کر لیتے ہیں وہ تو یہی کہتے ہیں کہ ہم احراریوں کو لیگیوں سے بدرجہا بہتر سمجھتے تھے لیکن یہ بھی حکومت ملتے ہی ننگے ہوئے اور ہندو مسلم بھائی بھائی کہتے نہ تھکنے والے آج مسلم مسلم قصائی قصائی بن رہے ہیں"

ایک تو ہم پر فاقوں کی بھرمار دوسرے بے عزت اور بے کار اس پر ان طعنوں کی بوچھاڑ ہمارا ہی دل گردہ ہے کہ یہ سب سہہ رہے ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ کبھی کبھی تو ہمارے دل میں وسوسہ اُٹھنے لگتا ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائی جو مسلمانوں کے عمل سے اسلام کو بُرا سمجھتے ہیں کہیں یہ سچ تو نہیں ہے۔

شیعہ، سُنّیوں، وہابی اور بدعتیوں میں پہلے... ہی یہ انتشار کیا کم تھا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ ایک دوسرے کے ہاں شادی نہ کرتے تھے اور یہی بیوپار قادیانیوں سے بھی تھا۔ یہ افتراق نجی تھا منظرِ عام پر نہ آتا تھا کہ ایسی ہلڑ بازی ہوتی تھی کہ غیر مسلموں کو طعنہ زنی اور نشتر چبھونے کا موقعہ ملتا۔ آج پاکستانیوں نے اس کو بھی اُجاگر کر کے اور ہمارا جینا دوبھر کر دیا۔

---

[1] (نقل مطابق اصل) پرمیسا ہوگا جس کے معنی عذر خواہی اظہار ماتم پرسی کرنے کے ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ)

مذہبی موشگافیاں فتوے سازوں کو مبارک۔ اِس کاغذی مولوی کو اس میں دخل نہیں۔ مَیں یہاں اپنے غیر مسلم بھائیوں سے موقعہ بہ موقعہ اسلام کی رواداریوں اور خوبیوں کا بقدر استطاعت ذکر کرتا رہتا تھا اور چاہتا تھا وہ مسلمانوں کو چاہے بُرا کہیں لیکن اسلام کی خوبیوں کے قائل ہو جائیں۔ ان میں سے ایک بھائی میرے چڑانے کو کہیں سے الفضل کا خاتم النبیین نمبر[1] اُٹھا لائے اور مجھ سے فرمایا۔ مولوی جی! ذرا اِس کا پہلا پیج پڑھنا۔ یہ آپ کے دکھانے کو لایا ہوں۔ دیکھئے اِس میں لکھا ہے:۔

"ہم سچے مسلمان ہیں" جماعتِ احمدیہ کسی نئے مذہب کی پابند نہیں بلکہ اسلام اس کا مذہب ہے اور اس سے ایک قدم اِدھر اُدھر ہونا وہ حرام اور موجبِ شقاوت خیال کرتی ہے اِس کا نیا نام اس کے نئے مذہب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی صرف یہ غرض ہے کہ یہ جماعت ان دوسرے لوگوں سے جو اسی طرح اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں ممتاز حیثیت سے دُنیا میں پیش ہو سکے۔ ... غرض ہم لوگ سچے دِل سے مسلمان ہیں اور ہر ایک ایسی بات کو جس کا ماننا ایک سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے مانتے ہیں اور ہر وہ بات جس کا ردّ کرنا ایک سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے اسے رَدّ کرتے ہیں اور وہ شخص جو باوجود تمام صداقتوں کی تصدیق کرنے کے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ماننے کے ہم پر کُفر کا الزام لگاتا ہے اور کسی نئے مذہب کا ماننے والا قرار دیتا ہے وہ ہم پر ظلم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور میں جواب دِہ ہے۔ انسان اپنے مُنہ کی بات سے پکڑا جاتا ہے نہ کہ اپنے دِل کے خیال پر۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کسی کے دل میں کیا ہے؟ جو شخص کسی دوسرے پر الزام لگاتا ہے کہ جو کچھ یہ مُنہ سے کہتا ہے وہ اس کے دل میں نہیں ہے وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دِلوں کا حال جاننے والا صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی کے دِل میں کیا ہے۔" (دعوۃ الامیر[2] صفحہ ۱، ۲)

پھر فرمانے لگے کہ مولوی جی! مَن وسنو۔ اگر یہی بات پُوری کی پُوری مَیں کہوں تو کیا آپ مجھے مسلمان نہیں کہیں گے اور مجھے اپنا دینی بھائی نہیں جانیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر مجھ پر اتیاچار ہو اور یہ کہا جائے کہ تم مسلمان نہیں ہو تو کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟ اور مَیں نے سُنا ہے کہ غیر مسلم کو مسلمان

---

[1] پرچہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء ٭ [2] تالیف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ (۱۹۲۴ء)

کرتے وقت یہی تو اس سے کہلواتے ہیں۔ مَیں دَم بخود رہ گیا۔ کہا شرما جی اِس میں ایک بات یہ ہے کہ وہ ہمارے رسُول کو خاتم الانبیاء نہیں مانتے۔ انہوں نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا بھلا اِس فقرے میں یہ بات نہیں آتی "اسلام اس کا مذہب ہے اور اس سے ایک قدم اِدھر اُدھر ہونا حرام اور مُوجبِ شقاوت خیال کرتی ہے"۔ کیا خاتم الانبیاء کی تصدیق کے لئے یہ کافی نہیں ہے اور جناب اِس فقرے میں کیا خاتم الانبیاء کی تصدیق نہیں ہے "ہم لوگ سچے دِل سے مسلمان ہیں اور ہر ایک ایسی بات کو جو ایک سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے مانتے ہیں اور ہر وہ بات جس کا رَدّ کرنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے اسے رَدّ کرتے ہیں"۔ اب مَیں بالکل خاموش تھا۔ کہنے لگے کہ اگر مَیں مسلمان ہونا چاہوں تو اتنی بات کہہ دینی مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔ پھر قہقہہ لگایا اور کہا دیکھئے اب کیا فرمائیں گے آپ جناب مولوی صاحب!! احمدیوں کے امام کے بیانات پر جو اِسی پرچہ کے صفحہ ۸۷ پر درج ہیں۔ انہوں نے ۲۷ جگہ اقرار کیا ہے کہ آپ کے رسول خاتم الانبیاء ہیں۔ اور سُرخی دیکھئے "مجھ کو خدا کی عزّت و جلال کی قسم کہ مَیں ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور خاتم الانبیاء ہیں"۔

ایک غیر مسلم کو سمجھانے کے لئے میرے پاس کیا تھا؟ پسینہ آگیا کہ اب یہ میرے مسلمان ہونے اور اسلام کے گُن گانے پر ہمیشہ قہقہے ہی لگائیں گے پھر مَیں کیونکر اسلام کی رواداری پر بحث کرسکوں گا۔ شرما جی کو تاریخِ اسلام پڑھنے کی کیا ضرورت ان کے تو آنکھوں کے سامنے مملکتِ اسلامی پاکستان کی جیتی جاگتی تاریخ موجود ہے۔

ہمارے سُورما بھائیو اگر اس کی تہہ میں کوئی سیاسی جوڑ توڑ تھا تو ویسے ہی داؤ پیچ کرتے، ہماری گردنیں تو یہاں کے غیر مسلموں کے سامنے خَم نہ ہوتیں اور ہم ان کی زبان سے اسلام رُسوا ہوتا نہ دیکھتے۔

یہ ہیں ہمارے ابتلاء اور یہ ہیں ہماری مُشکلات جن سے ہم اور مایوس و ہراساں ہو جاتے ہیں اور اے پاکستانی بھائیو آپ کی اِن باتوں کا کوئی ڈیفنس نہیں کرسکتے۔

ہم نے آپ کے لئے اپنی ساری آسُودگیاں نذرِ تباہی کیں۔ ہر مُشکل پر صابر و ضابط رہے۔ آپ سے کوئی مدد نہیں چاہی۔ آپ سے کسی ہمدردی کی توقّع نہیں رکھی۔ جو بچے، بیویاں، مائیں، بہنیں

ہم سے جُدا ہو کر آپ کے زیرِ نگیں آئیں ہم نے تو ان کے مصائب پر بھی آپ کو متوجہ نہیں کیا اور بس

مرا بخیر تو امید نیست، بد مرساں " [1]

احرار کا مطالبۂ اقلیت اور شیعانِ پاکستان

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ پر پاکستان میں اہلِ تشیع کے مشہور آرگن دُرِ نجف (۲۴ر اگست ۱۹۵۲ء) میں ایک شیعہ دوست کا حسبِ ذیل مکتوب شائع ہوا:۔

" مَیں اتفاق بین المسلمین کا ہمیشہ حامی رہا ہوں اور رہوں لیکن صرف معاملات معاشرت اور حدود سیاست تک۔ ہمارا مذہبی اتحاد نہ کسی فرقہ سے ممکن ہے نہ آج تک ہو سکا۔ جب ہمارے اصولِ دین ہی کسی سے متحد نہیں تو دینی اتحاد کے کوئی معنی نہیں۔ اِس لئے گذارش ہے حدودِ پاکستان میں جو خلفشار سوادِ اعظم اور جماعتِ قادیانیہ کے درمیان اس وقت نظر آ رہا ہے اور اہلِ سُنّت زعمِ اکثریت میں قادیانیوں پر حملے کر رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ ان کی پُرانی روایات ہیں جن کا دُہرانا اگر فرض نہیں تو سیرتِ شیخین کے لحاظ سے سُنّت ضرور ہوگا۔ سوادِ اعظم نے جب جہاں کسی کو کمزور دیکھا بڑھ گئے۔ دبا لیا تو شیر ورنہ میدان چھوڑ بھاگے۔

قادیانی جماعت کوئی اجنبی جماعت نہیں۔ سوادِ اعظم کی ایک شاخ، عقائد و اعمال میں ہم خیال، توحید۔ رسالت۔ امامت۔ قیامت میں سارے معتقدات قریب قریب یکساں، عبادات ملتے جلتے ہیں فرقۂ حقّہ امامیہ کو نہ ان سے واسطہ نہ ان سے مطلب۔ پھر قادیانیوں کے ویسا ورہبی یہی ہیں جتنا مال اُٹھایا اسی منڈی سے۔ خدا کا شکر ہے ہماری جماعت پر نہ کسی فرقۂ باطلہ کا اثر اَب تک ہو سکا نہ آئندہ بتصدق ائمۂ اطہار علیہم السّلام اندیشہ ہے۔

اِن حالات میں علماءِ شیعہ کا ختمِ نبوّت کے نام پر ان برادرانِ یوسفؑ سے تعاونِ عمل کیسا؟ کیا اطمینان ہو گیا؟ یہ لوگ ہمارے دوست بن گئے۔ ان کے دِلوں سے فرقۂ شیعہ کی عداوتِ دیرینہ نکل گئی؟ حکومتِ بنی امیہّ و بنی عباس کے روایات دُہرائے نہیں جا سکتے؟ قادیانیوں پر کُفر کے فتوے شائع کرنے والے ہم کو مسلمان سمجھنے لگے؟ انھوں نے اپنے سابقہ فتووں سے توبہ کر لی؟ ان کی غلطی

---

[1] رسالہ "مولوی" دہلی ذوالحج ۱۳۷۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۹ر ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

کا اعتراف کر چکے؟ عزاداریٔ سید الشہداء علیہ السّلام کو بدعت کہنا چھوڑ دیا؟ اگر یہ سب کچھ نہیں ہُوا تو آپ حضرات کا ان سے کسی معاملہ میں تعاون کیا معنی رکھتا ہے؟

تعجّب ہے جو لوگ رسولِ خداؐ پر طرح طرح کے الزامات، قسم قسم کے اتہامات لگاتے رہے پیغمبرِ اسلامؐ کو (معاذ اللہ) خاطی، گنہگار وغیرہ وغیرہ قرار دے کر نبوتؐ رسالتؐ تو درکنار آپ کی شرافت و نجابت سے بھی انکار کرتے رہے خدا جانے آج اثبات ختمِ نبوت پر کس مُنہ سے تیار ہوئے ہیں؟ اور اس سے زیادہ تعجّب خیز و حیرت انگیز علمائے شیعہ کا ان سے تعاون ہے۔ اگر ایک خاطی غیر معصوم جس کی حیثیت بڑے بھائی سے زیادہ نہ ہو اس کی ختمِ نبوّت تو درکنار اصل نبوّت ہی ثابت نہ ہو تو کیا تعجّب؟ بالخصوص جبکہ اس جماعت کے سرپرست مولوی عنایت اللہ شاہ بخاری، مولوی محمد علی صاحب جالندھری، مولوی لعل حسین اختر جیسے حضرات ہوں تو ہمارا تعاون حیرت بالائے حیرت ہے[1]۔ یہ

---

[1] ۳ر جولائی ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ کوٹ سمابہ تحصیل و ضلع رحیم یار خاں میں ایک مناظرہ ہُوا جس میں شیعہ عالم جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجرہ نے حضرت امام علی القاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت پڑھی۔

"فلا يناقض قوله تعالىٰ خاتم النّبيّين اذا لمعنىٰ انه لا يأتي نبي بعده ينسخ ملته ولم يكن من امته" (موضوعات کبیر صفحہ ۵۸، ۵۹) یعنی حضور کے بعد کسی نبی کا آنا خدا کے قول خاتم النّبیّین کے مخالف نہیں ہے۔ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ حضور کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملّت کو منسوخ کر دے اور آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے یہ حوالہ پیش کرنے کے بعد کہا "یا معشر العلماء باللہ خبروا۔ او احرار و تنظیم کے عالمو! تاج و تختِ ختمِ نبوّت کے جھوٹے محافظو! خدا لگتی کہو کہ مُلّا علی قاری اور مرزا قادیانی کے ترجمہ میں کیا فرق رہا۔ اگر مرزا قادیانی کافر ہے تو مُلّا علی قاری کیا ہیں؟ یہ ہے تمہاری ختمِ نبوّت جس کے لئے عوام کو لُوٹتے پھرتے ہو"

("معیار الصحابہ" مرتبہ جناب خادم بخاری صاحب۔ ناشر شیعہ دار التبلیغ گوجرہ ضلع لائلپور)

ہر سہ حضرات تقریباً تین سال ہوئے جلیانی متصل بھریا روڈ (سندھ) آئے تو اپنی تقریر میں کہا خلفائے راشدین تو بڑی چیز ہیں اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی کوئی شخص گستاخی کا کلمہ کہے تو کافر خارج از اسلام۔ اس پر سید امام علی شاہ صاحب رئیس بھریا سٹی سے بحث ہوئی۔ دوران بحث میں فدک کا ذکر آگیا تو انہی مولوی صاحبان نے برجستہ کہا "حضرت ابوبکرؓ حق پر تھے بی بی فاطمہ زہرا کی سخت غلطی تھی جو ناجائز دعویٰ لے کر ان کے پاس گئیں"۔ اِن خیالات اور ایسے دریدہ دہن لوگوں سے علماءِ شیعہ کا اتحاد کسی جگہ ممکن ہے؟ مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے جامع مسجد خیرپور میرس میں اہلبیت رسول علیہم السّلام کی شان میں جس قدر سبّ وشتم کر کے شیعوں کی دلآزاری کی اہلِ خیرپور ہی خوب واقف ہیں۔ بالخصوص معصومۂ عالم کی ذات پر جو نامترا الزامات لگائے بس خدا کی پناہ۔ آج تک اہالیانِ خیرپور بے چین ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی تعاون درست ہے؟ حضرات علماء کرام کو سمجھتے رہنا چاہئے کہ قادیانیوں سے ان کی ناچاقی ان کا گھریلو معاملہ ہے کسی سیاسی مصلحت سے ناراض ہو گئے تو اپنی کمزوری محسوس کر کے آپ حضرات کو اپنا ساتھی بنانے کی کوشش کی۔ آؤ بھگت کر کے ریاکاری کا مکمل مظاہرہ کر رہے ہیں جانتے ہیں کہ قادیانی علماء کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے ان کا منہ توڑ جواب اگر دے سکتے ہیں تو علمائے شیعہ اِس لئے آپ کو ہر تدبیر سے ہمنوا بنا کر وقتی کام نکالنا چاہتے ہیں اور وقت نکل جانے پر حسبِ دستورِ قدیم آنکھیں پھیر جائیں گی۔ غنیمت ہے اِس وقت سوادِ اعظم اور ہمارے درمیان یہ قادیانی موجود ہیں اگر کبھی ان کو اس گروہ سے فرصت ملی تو دوسرا قدم ہمارے سروں پر رکھنے کی کوشش کریں گے۔ وہی ہتھیار جو آج قادیانیوں کی گردن پر چلا رہے ہیں کل کو براہِ راست دوبارہ تیز کر کے ہماری گردنوں پر چلائیں گے جس طرح انکارِ خاتمیت کی وجہ سے قادیانیوں پر کُفر کے فتوے لگائے جا رہے ہیں کل کو انکارِ خلافتِ ثلاثہ کی وجہ سے ہم پر صادر ہو کر مطالبہ پیش کریں گے چونکہ روافض خلفائے راشدین سے حُسنِ عقیدت نہیں رکھتے ان کی خلافت و امامت کے منکر ہیں اِس لئے کافر ہیں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اِس لئے بصد ادب التجاء ہے کہ آپ اپنی اور اپنی پوری قوم کی حفاظت کی تدابیر پر غور کریں تاکہ برادرانِ یوسفؑ جب قادیانیوں سے فرصت پا کر ہماری طرف رُخ کریں تو ہم بھی پوری طرح سے تیار ہوں۔

آپ حضرات کے لئے یہ فرصت کا وقت اور اپنے تحفّظ کے ذرائع پر غور کرنے کا قدرتی موقع ہے اور یہ کام موجودہ تعاون سے زیادہ اہم اور قابلِ توجّہ ہے۔ یہ لوگ جائیں ان کے بھائی قادیانی جائیں نہ ہم کو ان سے مطلب جنہوں نے سرہندی کو دوسری ہزار صدی کا مجدّد مانا اور نہ ان سے واسطہ جنہوں نے مرزا غلام احمد کو چودھویں صدی کا مجدّد مان لیا اور نہ ان سے تعلق جنہوں نے خاتم المرسلینؐ کی نبوّت کو جبریلِ امین کی طرفداری کا نتیجہ قرار دیا ورنہ حضرت ابوبکرؓ نبی ہوتے۔ نہ ایسے لوگوں سے غرض جو مرزا غلام احمد کو نبی جانتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ سوادِ اعظم نے توہین رسولِ خدا میں کونسی کسر باقی رکھی جو قادیانی پوری کریں گے۔ فقط "۔ [1]

احمدی علم کلام کی برتری کا بالواسطہ اعتراف اور دلچسپ تجویز

بزرگانِ اُمّتِ محمدیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحریرات سے چونکہ ختمِ نبوّت کے اُن معنوں کی تائید ہوتی تھی جو احمدی علم کلام نے پیش کئے ہیں اِس لئے اُن دنوں بعض غیر احمدی اصحاب نے یہ دلچسپ تجویز پیش کی کہ ہمارے علماء کرام کو چاہیئے کہ ہمارے ان بزرگوں کا لٹریچر ہی غائب کر دیا جائے۔ یہ تجویز ایک ٹریکٹ کی شکل میں شائع کی گئی جس کا متن یہ تھا:۔

"یہ عمل کا وقت ہے خاموشی کا نہیں"

برادران!! احرارِ اسلام۔ مولوی عبدالحامد صاحب بدایونی، سید سلیمان صاحب ندوی اور مولوی احتشام الحق صاحب دیوبندی نے مسلمانوں کی ترقّی کے لئے ایک کشادہ راستہ کھول دیا ہے یعنی یہ کہ جو لوگ بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اہلِ سُنّت والجماعت کے عقائد سے یا بالفاظِ دیگر اس وقت کے علماء سے اختلاف رکھتے ہیں انہیں اسلام سے باہر کیا جائے تا آئندہ اختلافات کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسریا۔ اِس عمدہ نسخہ کے ذریعہ سے اُمید ہے کہ آئندہ مصلحت دیکھتے ہوئے مناسب وقت پر بعض اَور فرقوں کو بھی اسلام (سے) باہر کرنے اور اختلاف کا نام ونشان مٹا دینے کی صورت نکلتی رہے گی۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے بہت سے ممالک میں جہاں تک ہماری دسترس نہیں یہ کانٹا موجود رہے گا اور اسلام کے وہ معنی نہیں سمجھے جائیں گے جو یہاں کے علماء سمجھتے ہیں بلکہ وہی پُرانے معنے جو امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں سمجھے

---

[1] "دُرِّ نجف" سیالکوٹ ۲۴؍ اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۲۶؍ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

جائیں گے لیکن اپنے ملک کو پاک کرنا یہاں کے علماء کا کام ہے۔ باہر والے جانیں ان کا کام جانے۔

موجودہ موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم سمجھتے ہیں کہ علماء کو پُوری طرح گھر کی صفائی کر دینی چاہیئے مثلاً مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ ختمِ نبوّت کے متعلق ہمارا وہی عقیدہ ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا تھا جو دیوبند کے بانی تھے اور مولانا احتشام الحق صاحب اور مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے رُوحانی باپ تھے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کتاب تحذیر النّاس میں ایسے فقرات موجود ہیں جن کو پڑھ کر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرزائی لکھ رہا ہے۔ جب تک یہ کتاب موجود ہے مرزائیوں کو دوسرے مسلمانوں پر غلبہ رہے گا اور موجودہ جدّ وجہد ناکام رہے گی۔ اِس لئے ہمارے نزدیک وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے احرارِ اسلام اور مولانا احتشام الحق صاحب کو اِس بات پر راضی ہو جانا چاہیئے کہ نانوتوی صاحب کی یہ کتاب اور دوسری کتابیں جن میں اِس قسم کا ذکر ہے پاکستان میں ممنوع الاشاعت قرار دی جائیں۔ بے شک مولانا بخاری اور مولانا احتشام الحق کے لئے یہ گھونٹ پینا تلخ ہوگا لیکن اِس بڑے کام کے پُورا کرنے کے لئے جو انہوں نے شروع کیا ہے یہ تلخ گھونٹ پینا کوئی ایسا بڑا کارنامہ بھی نہیں۔ مرزائیوں کو کافر قرار دیا گیا ہے تو ان علماء سے بھی کُھلی برأت کا اظہار کیا جائے جنہوں نے مرزائی عقائد کی تائید کی ہے اور دانستہ ان کی اشاعت میں ممد ثابت ہوئے ہیں۔ یہ پتھر تو سخت ہے مگر چاٹنا ہی پڑے گا ورنہ وہ مغرب زدہ مسلمان جو ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی مرض میں مُبتلا ہو گئے ہیں وہ کمزور ایمان والے اپنی عقل کے برتے پر شور مچائیں گے کہ جب دیوبندی علماء بھی کہتے چلے آئے ہیں جو یہ مرزائی کہتے ہیں تو ان پر یہ فتویٰ کیوں نہیں لگایا جاتا۔ دِلوں میں ان لوگوں کی بے شک عزّت کی جائے مگر ظاہر میں برأت ضرور ظاہر کی جائے ورنہ یہ مہم ناکام رہے گی۔

ہاں ایک اَور مُشکل ہے اور وہ یہ کہ خالص حنفی طبقہ کے علماء نے بھی کچھ اسی قسم کی حرکات کی ہیں۔ مُلّا علی قاری جن کو عقائد کے بیان میں امام ابوحنیفہ صاحب سے کچھ ہی کم مرتبہ دیا جاتا ہے اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے جو احنافِ ہند کے لئے گویا شیخ المشائخ کا رُتبہ رکھتے ہیں اسی قسم کے الفاظ اپنی کتابوں میں لکھ دئے ہیں جو مرزائی کہتے ہیں اور مرزائی ان کتب کو دکھا دکھا کر کہتے ہیں کہ یہ لوگ اِن عقیدوں کے باوجود بزرگ اور امام اور ہم کافر اور مُرتد؟ آخر یہ فرق کیوں؟ اور یہ مغرب زدہ مسلمان اِس دلیل کو سُن کر متاثر ہو جاتے ہیں حالانکہ عقلِ انسان کو علماء کی تائید کے لئے ملی ہے نہ کہ

ان کی مخالفت کے لئے مگر بہر حال اس مغربیّت کی مرض کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِس لئے اگر کسی نہ کسی رنگ میں ملّا علی قاریؒ اور مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی کی کُتب کو بھی ضبط کر لیا جائے تو یہ ایک بڑی دینی خدمت ہو گی اور اس سے احرارِ اسلام جیسے مجاہدین کو بڑی تقویت پہنچے گی۔

مگر ایک اور بات بڑی مشکل ہے اس کا علاج ذرا جان جوکھوں کا کام ہے مگر احرارِ اسلام ارادہ کرلیں تو وہ بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں اور وہ یہ کہ ہمارے ملک میں پیروں فقیروں کا بہت زور ہے اور یہ لوگ محی الدین صاحب ابنِ عربی، معین الدین صاحب چشتیؒ اور خواجہ میر درد صاحبؒ کے ذرا ضرورت سے زیادہ معتقد ہوتے ہیں اور ان بزرگوں نے بھی اپنی کتب میں ویسی ہی باتیں لکھی ہوئی ہیں جیسے مرزائی کہتے ہیں حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ نے تو اپنے آپ کو مسیح تک کہہ دیا ہے اور اپنے اُوپر جبرائیل کے اُترنے اور ان پر وحی نازل کرنے تک کا دعویٰ کر دیا ہے۔ اِن حوالوں سے مرزائیوں کو بہت تقویّت ملتی ہے اور ان حوالوں کو سُن کر صوفیوں کے شاگرد اور معتقد چلّا اُٹھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو کافر کہیں یا مرزائیوں کو مسلمان اور پھر گھبرا کر کہہ اُٹھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو تو کافر کہنا مشکل ہے اِن مرزائیوں کو ہی مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔ اب اس شرّ کا ازالہ یہی ہے کہ کم سے کم مرزائی فتنہ کے استیصال تک اِن بزرگوں کی کتب کو پاکستان میں ضبط کر لیا جائے اور داخلہ ممنوع قرار دیا جائے تاکہ مرزائی ان سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اور تمام مساجد میں علماء یہ خطبہ پڑھیں کہ بعض ضروری مصالح کی وجہ سے اِن کتب کا پڑھنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ کم سے کم عقل کی مرض میں مبتلا ان کو ہرگز نہ دیکھیں۔ اِس وقت مسلمانوں کی تو وہی حالت ہے کہ

ع اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

چند سال ہوئے ایک شخص نے شیخ شلتوت پروفیسر جامعہ ازہر و صدر مجلس افتاء سے پُوچھا کہ قرآن کی رُو سے مسیح زندہ ہیں یا فوت ہو گئے؟ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ قرآن کی رُو سے مُردہ ہیں۔ ان کی توجّہ جب اس طرف پھرائی گئی کہ مولانا علماءِ ہند تو متوفیک کے معنی موت کے نہیں کرتے تو انہوں نے اِس اشارہ کو بھی نہ سمجھا اور صاف لکھ دیا کہ غیر عرب جو عربی نہیں جانتے (یہ ہتک کی ہمارے علماء کی) جو چاہیں معنے کریں ہم عرب لوگ جن کی مادری زبان عربی ہے متوفیک کے معنے وفات دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ اس پر بھی جب فتوٰی پُوچھنے والے نے کہا کہ اِس فتوٰے سے

مرزائیت کو تقویت پہنچتی ہے تو انھوں نے یہ جواب لکھ کر بھجوا دیا کہ مجھے اِس سے کیا کہ اِس فتویٰ سے مرزائیت کو تقویت پہنچتی ہے مَیں نے تو وہ فتویٰ دیا ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اگر موجودہ دَور کے علماء بھی مصلحتِ وقت کو نہیں سمجھ سکتے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں تو ان علماء سے اِس دُنیا میں کیا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے؟

یہ وقت کام کا ہے ہمیں سب پُرانے بزرگوں کا ایسا لٹریچر غائب کر دینا چاہیئے جس سے مرزائی فائدہ اُٹھا سکیں۔ آخر ان بزرگوں سے ہم نے اب کیا فائدہ اُٹھانا ہے؟ انھوں نے جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکے اور فوت ہو گئے کام تو اَب احرارِ اسلام آئیں گے۔ کوئی الیکشن لڑنا پڑا یا باہمی مناقشتوں میں استمداد کی ضرورت ہوئی تو آخر یہی کام آویں گے پس انہی کی تائید ہمیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو موجودہ علماء کے فتووں سے مرزائیوں کا کچھ نہ بگڑے گا مسلمان فطرتاً بہادر اور شریف الطبع واقع ہؤا ہے وہ ان فتووں سے متأثر ہو کر اور زیادہ تحقیق کرنے لگ جائے گا اور مرزائیوں کے قتل اور ان کے بائیکاٹ کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شریف اور بہادر مسلمان مظلوم کی حمایت کے جذبہ سے متأثر ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔

پس اس وقت کے آنے سے پہلے سب ایسا لٹریچر غائب کر دینا چاہیئے۔ نہ وہ لٹریچر ہو گا نہ مرزائی اُسے مسلمانوں کو دکھا سکیں گے۔

خاکسار

کامریڈ محمد حسین پریذیڈنٹ انجمن نوجوانانِ اسلام

پاکستان پنجاب لاہور

فصل چہارم

● سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اخبار "لنڈن ڈیلی میل" کے نمائندہ کو اہم انٹرویو ● پنجاب مسلم لیگ کا اجلاس لاہور ● "اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات" ● وزیرِ اعلیٰ پنجاب کا احمدیوں سے متعلّق موقف اور حضرت مصلح موعودؓ کا بیان۔

حضرت مصلح موعودؓ کا نمائندۂ "ڈیلی میل" کو ایک اہم انٹرویو

احرار نے احمدیوں کے خلاف تحریک تو جماعتِ احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے اُٹھائی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اسے جماعتِ احمدیہ کی تبلیغ اور اس کی عالمی شُہرت میں اضافہ کا موجب بنا دیا چنانچہ جب مطالبۂ اقلیّت کا زور بڑھا اور احرار بعض مسلم لیگی عہدیداروں اور ممبروں کو بھی متأثر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بیرونی پریس نے بھی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ اسی کی ایک کڑی اخبار "لنڈن ڈیلی میل" کے نمائندہ خصوصی (میاں محمد شفیع صاحب) کا اہم انٹرویو ہے جو انہوں نے ربوہ میں جولائی ۱۹۵۲ء کے تیسرے عشرہ میں حضرت مصلح موعودؓ سے لیا۔ اصل انٹرویو انگریزی میں چھپا جو ضمیمہ میں درج کیا گیا ہے جس کا اُردو ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد نے لنڈن ڈیلی میل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اتوار کو فرمایا:[1]

مجھے یقین ہے کہ احمدیوں کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن میں ہندوستان کا مخفی ہاتھ کام کر رہا ہے۔

---

[1] یہ انٹرویو "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور میں بھی شائع ہوا۔

آپ نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ان کے پاس اس کا حتمی ثبوت موجود ہے جسے متعلقہ حکام کو مناسب وقت پر پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اگر پاکستان کی ہائی کمان نے ان کی جماعت کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر دیا تو انہیں اپنی جماعت کو یہ حکم جاری کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو احمدی نہ کہیں بلکہ مسلم کہیں۔

ڈیلی میل کے میاں محمد شفیع کو خصوصی بیان دیتے ہوئے جماعتِ احمدیہ کی قادیانی شاخ کے تریسٹھ سالہ سربراہ نے اس الزام کی سختی کے ساتھ تردید کی کہ طاقت کے زور پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے انہوں نے کسی قسم کا کوئی منصوبہ بنایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ احمدیت کوئی سیاسی نظریہ نہیں ہے ہماری جماعت تو مذہبی جماعت ہے۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں کی موجودہ کشمکش کے پیشِ نظر صرف ایک دیوانہ ہی احمدیوں کے لئے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا سوچ سکتا ہے۔

آپ نے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر بفرضِ محال یہ مان ہی لیا جائے کہ یہ چھوٹی سی اقلیت طاقت سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتی ہے تو اگلے ہی دن غیر احمدیوں کی شدید مخالفت کے پیشِ نظر اسے چھوڑنے کے لئے تیار بھی رہنا چاہیئے۔

سوال:۔ کیا یہ فرض کرنا صحیح ہوگا کہ حکومت کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں حکومت کے احمدی ملازم آپ کی اطاعت کو حکومت کے احکام پر ترجیح دیں گے؟

جواب:۔ حکومتِ وقت کے ساتھ وفاداری ہمارے مذہب کا جزو ہے۔ اگر کسی وقت بھی میرے ساتھ ایسے تصادم کا وقت آجائے جس سے احمدیوں کی حکومتِ وقت کے ساتھ اطاعت پر آزمائش آجائے تو اسی لمحہ بحیثیت خلیفہ اپنا موجودہ مقام چھوڑنے کے لئے مجھے تیار رہنا چاہیئے۔

اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہم کسی ایسی ملکی حکومت کے خلاف کبھی کوئی غیر قانونی اقدام نہیں کریں گے جو قانون کے ذریعہ قائم کی گئی ہو۔

احمدیوں کے خلاف اِس ملک گیر تحریک کے خلاف کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے مرزا صاحب نے فرمایا: "مجھے یہ پسند نہیں اور اس لئے پسند نہیں کہ ہمیں اِس سے کوئی نقصان ہوگا بلکہ اِسلئے کہ اس سے اسلام بدنام ہو جائے گا۔

اِس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

ہماری جماعت بین الاقوامی طور پر ترقی پذیر جماعت ہے اور تبلیغی کاموں کی وجہ سے ہم اسلام اور مسلمانوں کے لئے کئی شاندار کام سرانجام دیتے ہیں۔ اگر ہمیں مسلمانوں سے علیحدہ ایک اقلیت قرار دے دیا جائے تو ممالکِ بیرون میں ہمارے کاموں میں روک پیدا ہوگی اور اسے مجموعی طور پر ایک مسلم قوم کی کوشش نہیں سمجھا جائے گا بلکہ یہ ایک علیحدہ مذہبی فرقہ کا کام سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی احمدیوں اور دیگر مسلمانوں کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خلیج بھی پیدا ہو جائے گی

اِس پر نہایت ذہین لیڈر نے یہ سوال کیا کہ پھر مجوّزہ احمدی اقلیت کے لئے کونسی حدود مقرر کی جائیں گی ؟

ہیئتِ حاکمہ نے اگر جماعت کو اقلیت قرار دیا تو مَیں یہ حکم جاری کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا کہ ہم اپنے ساتھ احمدی کا نام ترک کر دیں اور صرف مسلم کہلائیں۔

آپ نے فرمایا کہ ہماری مذہبی کتب میں لفظ احمدی ہمارے لئے قطعی (یا لازمی) نہیں۔ یہ نام بانیٔ سلسلہ نے اپنے معتقدین کو مردم شماری کے لئے اپنی زندگی میں صرف امتیاز کے لئے استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔

فرض کریں کہ حکومت آپ کی انجمن کو سیاسی جماعت قرار دے کر غیر قانونی قرار دے دیتی ہے اس وقت آپ کا رویّہ کیا ہوگا ؟ تو آپ نے فرمایا کہ مَیں انجمن کا نام تبدیل کر دوں گا لیکن حکومت کے ساتھ تصادم نہیں ہونے دوں گا۔

اِسلامی مملکت پاکستان میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں بھی آپ مکمّل مذہبی آزادی کی حمایت کریں گے ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ایک اسلامی ریاست میں مکمّل مذہبی آزادی ہوتی ہے۔ اسلام غیر مسلموں سے بھی امّید کرتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی اصولوں پر عمل کریں گے۔

آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ موجودہ احمدیہ ایجی ٹیشن میں ہندوستان کا مخفی ہاتھ کام کر رہا ہے۔ ہمارے پاس اس کا حتمی ثبوت ہے جسے وقت آنے پر متعلّقہ حکام کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہم تیار رہوں گے۔

سوال:۔ کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ ساری دُنیا کے علماءِ اسلام کا ایک کنونشن بُلایا جائے جو احمدیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کے بارہ میں غور کرے۔

جواب:۔ ہاں بشرطیکہ ہمیں مجوّزہ کنونشن میں نمائندگی دی جائے۔

سوال:۔ فرض کریں کہ اکثریت آپ کو عقائد کی بناء پر غیر مسلم قرار دیتی ہے تو کیا پھر بھی آپ اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر اصرار کریں گے؟

جواب:۔ ہاں۔ ہم پھر بھی عالمی اسلامی برادری کے ساتھ منسلک رہیں گے[1]

وضاحت مندرجہ بالا انٹرویو کی اشاعت کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ کو ایک وضاحتی مکتوب لکھا جو جولائی ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں شائع ہوا اس مکتوب کا اُردو ترجمہ حسبِ ذیل ہے:۔

جنابِ عالی! آپ کی بروز منگل ۲۲ ماہِ حال کی اشاعت میں میرے ایک انٹرویو کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ میاں محمد شفیع صاحب جنہوں نے انٹرویو لیا ہے ایک آزمودہ کار اور دیانتدار شخص ہیں انہوں نے میرے جوابات کو نہایت احتیاط کے ساتھ ریکارڈ کیا ہے اور معمولی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے وہی چیز شائع کی ہے جو مَیں نے بیان کی لیکن ایک امر کے بارہ میں کچھ غلط فہمی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ میاں محمد شفیع صاحب نے یہ اثر لیا ہے کہ ہمارے پاس اِس امر کا حتمی ثبوت موجود ہے کہ احرار کو ہندوستان سے مدد مل رہی ہے لیکن میرا مطلب یہ تھا کہ مجھے بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ اُن کے پاس کچھ ثبوت موجود ہے کہ احرار کو سرحد پار سے کچھ مدد مل رہی ہے لیکن میرے پاس اس کی تصدیق کے لئے کوئی طاقت نہیں ہے۔ مَیں نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے بعض لوگوں نے بتایا تھا کہ اُن کے پاس کچھ ایسی اہم باتیں موجود ہیں کہ بعض احراری کارکنان بعض ہندوستانی پارٹیوں سے امداد حاصل کر رہے ہیں ہم ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور مَیں نے مزید کہا تھا کہ جب یقینی معلومات حاصل ہو جائیں گی تو ہم مناسب وقت پر یہ معلومات متعلّقہ حکام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مَیں بدقسمتی سے یہاں

---

[1] ترجمہ از "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور مورخہ ۲۲۔ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳ کالم ۱

یہ بات واضح نہ کر سکا اور دونوں باتیں آپس میں غلط ملط ہو گئیں۔ [۱]

پنجاب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس لاہور

۲۶-۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں پنجاب مسلم لیگ کونسل کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہؤا جس میں کونسل کے بعض ممبروں کی ان قراردادوں کو زیر بحث لایا گیا جن میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ [۲]

اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات

اس موقعہ پر پنجاب پراونشل مسلم لیگ کونسل کے ممبر جناب اصغر بھٹی صاحب بی۔ اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سرگودہا کی طرف سے بعنوان" اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات" ایک حقیقت افروز رسالہ شائع ہؤا جس میں مطالبۂ اقلیت کی حقیقت واضح کی گئی تھی۔ اس رسالہ کے دو اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :۔

۱۔ " مَیں تو ایک سیدھا سادھا مسلمان ہوں قرآن پاک نے اسلامی زندگی کی بنیاد چار باتوں پر رکھی ہے۔

ایمان[۱] ۔ عمل صالح[۲] ۔ تواصی بالحق[۳] ۔ تواصی بالصبر[۴]

مَیں نہ قادیانی مرزائی ہوں اور نہ لاہوری۔ نہ میرا شیعہ فرقہ سے تعلق ہے اور نہ ہی کسی اور فرقہ سے مَیں محض مسلمان ہوں جس کا مسلک یہ ہونا چاہیئے کہ وہ حق کے اعلان میں کسی سے نہ ڈرے۔ نہ تو دنیا کا کوئی لالچ اس پر غالب آئے اور نہ کوئی خوف۔ مسلمان اگر طمع بھی رکھے تو صرف خدا سے اور ڈرے بھی تو صرف خدا سے۔

پاکستان نوزائیدہ بچہ ہے جس کو معرض وجود میں آئے ابھی صرف پانچ سال ہوئے ہیں۔ معمارِ ملّت حضرت قائد اعظمؒ نے ہمیں اپنے اندر" اتحاد، یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبّت فاتح عالم" کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ فرقہ پرستی کا جُبّہ اُتار کر اسلام کے نام پر متحد رہیں تاکہ ہم عالمِ اسلام اور خود اپنے لئے ایک طاقت بن سکیں لیکن ہو یہ رہا ہے کہ وہی سیاسی پارٹی جو

---

[۱] ترجمہ" سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳ (متن اور وضاحتی مکتوب شاملِ ضمیمہ ہے)

[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء

قیامِ پاکستان کے خلاف تھی اور جس نے حضرت قائدِ اعظمؒ کو کافر قرار دیا تھا ایک نئے لیبل کے تحت ہماری ملی وحدت اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں پاکستانی بنگال میں "بنگالی اردو" جھگڑا کھڑا کر دیا گیا جس کو اگر حکمتِ عملی سے نہ دبا دیا جاتا تو عین ممکن تھا کہ ہم ایک اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو جاتے جس سے نکلنا اگرچہ ناممکن نہ تھا لیکن محال ضرور تھا۔ یہ سیاسی بساط کے پٹے ہوئے مہرے یعنی اراکینِ مجلسِ احرار بمصداق "نیا دام لائے پرانے شکاری" نے ہمارے دیس پنجاب میں مرزائی اور غیر مرزائی کا نیا فتنہ کھڑا کر دیا اور یہی نہیں بلکہ سادہ عوام کو گمراہ کر کے حکومتِ وقت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ "قادیانیوں کو پاکستان کی ایک اقلیت قرار دیا جائے۔"

سادہ لوح عوام احراریوں کی گذشتہ سیاسی زندگی سے کماحقہٗ آگاہ ہونے کے باوجود جذبات کے سمندر میں بہے جا رہے ہیں اور اس طرح نادانستہ نظامِ ملت کو پارہ پارہ کرنے میں ان کے ممدّو معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ اِن حالات میں ضروری ہو گیا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کیا جائے اور عامۃ المسلمین کو آنے والے خطرہ سے قبل از وقت آگاہ کر دیا جائے ؎

کھول کر آنکھ میرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ

امتیازِ حق و باطل کی طاقتیں خواہ کس قدر ماند پڑ گئی ہوں تاہم حقیقت ایک ایسی چیز ہے کہ اخلاص کے ساتھ مؤثر انداز میں جب بھی اس کو پیش کیا جائے گا تو سخت سے سخت طبائع بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں گی۔ اِن حالات کے پیشِ نظر میں آپ سے مؤدبانہ گذارش کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل کوائف کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور پھر جائزہ لیں کہ "احرار" اپنے اس مطالبہ میں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ کیا ان کا کھڑا کیا ہوا فتنہ کہیں پاکستان کو نیست و نابود کرنے کا ایک دوسرا حیلہ تو نہیں ہے!

۱۔ مرزائیوں کو اقلیت بنا کر ہم کیا فائدہ اٹھا لیں گے؟ کیا ہم سیاسی حقوق سے ان کو محروم کر دینگے؟ کیا ہم ان کو تبلیغ سے روک دیں گے؟ کیا عیسائی تبلیغ نہیں کر رہے؟ کیا آریہ سماج تبلیغ نہیں کر رہے؟ کیا بہائی ہمارے ملک میں بیٹھے ہوئے تبلیغ نہیں کر رہے؟ کراچی کے تقریباً تمام ہوٹل ان کے قبضہ میں ہیں۔

وہ قرآنِ کریم کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور بہاء اللہ کو خدا تعالیٰ کا مظہر قرار دیتے ہیں مگر وہ تبلیغ کر رہے ہیں اور پاکستان ان کو نہیں روکتا۔ پارٹیشن کے بعد بھی کئی لوگ عیسائی ہوئے ہیں ان کو گورنمنٹ نہیں روکتی اور نہ روک سکتی ہے۔ خود ہم بھی تو ہر ملک میں اسلام کے لئے تبلیغ کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

۲۔ اگر مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے تو ہمارا ان کو اقلیت قرار دینے سے بنتا ہی کیا ہے یا پھر ہمیں یہ قانون بنانا پڑے گا کہ کوئی شخص مولویوں کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا اور پھر اگر یہی جھگڑا جاری رہا تو اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ آئندہ سُنّیوں اور شیعوں اور حنفیوں اور دیوبندیوں کے خلاف ایسے ہی الزام نہیں لگائے جائیں گے اور ایسی ہی شورشیں نہیں کی جائیں گی اور پاکستان میں فتنہ کی خلیج وسیع سے وسیع تر نہیں کی جائے گی؟

۳۔ پھر ایک یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر اصرار کرتے رہے اور مسلمانوں کے دین پر چلتے رہے تو آپ کو گورنر جنرل سے ایک ایسا آرڈی ننس نافذ کرانا پڑے گا کہ جس کی رُو سے کوئی مرزائی اپنا نام مسلمانوں کا سا نہ رکھے، نہ ہی کلمہ پڑھے اگر پڑھے تو اس کی زبان گدّی سے نکال لی جائے۔ قرآن کو ہاتھ لگائے تو ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اور اگر مسلمانوں کے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھے بلکہ مسلمانوں کی طرح نماز بھی پڑھے تو اس کو سخت سزا دی جائے۔ یا اور کوئی اسلامی کام کرے تو اس کو از رُوئے قانون ماخوذ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مہذّب حکومت ایسا قانون نافذ نہیں کر سکتی۔ اور جب یہ حقیقت ہے تو پھر خدارا سوچیں کہ ہم کہاں اور کس طرف جا رہے ہیں۔ آخر دُنیا ہمیں کیا کہے گی؟

۴۔ اس کے علاوہ ہمیں ایک قربانی اَور دینی پڑے گی اور وہ ہے کشمیر کا ہندوستان سے الحاق۔ ضلع گورداسپور کی قبل تقسیم مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب کچھ اِس قسم کا تھا کہ مسلمان نصف سے زیادہ تھے اور غیر مسلم جن میں ہندو، سکھ اور عیسائی وغیرہ سب شامل تھے مِل مِلا کر مسلمانوں کے برابر نہ تھے۔ اِس لحاظ سے یہ ضلع بحیثیتِ مجموعی مسلم اکثریت کا ضلع تھا۔ اِس ضلع میں مرزائی کثرت سے آباد تھے ان کی آبادی کو الگ کر کے شمار کیا جاتا تو پھر مسلمان نصف سے کم رہ جاتے تھے اسی صورت میں یہ ضلع غیر مسلم اکثریت کا ضلع ہو کر رہ جاتا تھا۔ چونکہ کانگرس کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی اور اس راہ میں گورداسپور کا ضلع بُری طرح حائل تھا کیونکہ

ہندوستان کو کشمیر جانے کے لئے بہرحال گورداسپور سے ہو کر جانا پڑتا تھا اِس لئے کانگرس نے پُورا زور لگایا کہ ضلع گورداسپور بھی ہندوستان میں شامل ہو جائے چنانچہ اُس نے گورداسپور کو غیر مسلم اکثریت کا ضلع ثابت کرنے کے لئے پُوری کوشش کی۔ اس وقت احرار مسلم لیگ کے سخت مخالف بلکہ پاکستان کے نظریے ہی کے قائل نہ تھے اور بڑے سرگرم کانگرسی تھے اِس لئے کانگرس نے ان سے خوب فائدہ اُٹھایا اور ان کے پوسٹر اور لٹریچر وغیرہ کمیشن کے سامنے پیش کئے جن میں ثابت کیا گیا تھا کہ مرزائی مسلمانوں سے الگ فرقہ ہیں یعنی خود مسلمان مرزائیوں کو اپنا حصّہ نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ثابت ہونے سے مسلم لیگ کو ایک عظیم نقصان کا ڈر تھا چنانچہ اس وقت کے دُوربین قائدِ اعظمؒ اور مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اس سازش کو بروقت بھانپ لیا اور اس کے جواب کے طور پر خود قادیانیوں کی طرف سے ایک میمورنڈم ٹربیونل کے سامنے پیش کیا اس میں قادیانیوں نے خود اِس بات کو پیش کیا کہ وہ مسلمانوں کا ایک حصّہ ہیں اور کوئی الگ فرقہ نہیں ہیں یعنی" احرار نے ثابت کرنا چاہا کہ قادیانی الگ فرقہ ہیں اور مسلم لیگ نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کا حصّہ ہیں"۔ گو بعد میں ضلع گورداسپور پاکستان کو نہ مل سکا لیکن پاکستان کی یہ دلیل کہ ضلع گورداسپور مسلم اکثریت کا ضلع ہے قائم رہی اور یہ دلیل ایک ایسی مضبوط بُنیاد تھی جس پر آئندہ مسئلۂ کشمیر، نہروں اور بجلی وغیرہ کے مسائل میں پاکستان نے دلائل کی ایک عظیم الشّان عمارت کھڑی کر دی جس کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر ہندوستان کی تمام دلیلیں ٹوٹتی پھوٹتی ہیں۔ آج بھی یہ دلیل قائم ہے اور پاکستان کے ہاتھ میں ایک زبردست ہتھیار ہے جس پر مسئلۂ کشمیر کا دارومدار ہے۔

۵۔ ہندوستان میں اِس وقت پانچ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ انتہائی کسمپرسی اور قابلِ رحم حالت میں ان کی زندگی کے دن گزر رہے ہیں۔ پاکستان میں اقلیتوں سے جس قسم کا سلوک ہوتا ہے اس کی طرف ان کی ملتجیانہ نگاہیں لگی رہتی ہیں۔ پاکستانیوں کی ذراسی لغزش ان کے لئے قیامت کا نمونہ بن سکتی ہے۔ اگر مرزائیوں کو محض اقلیت قرار دینے کی بات ہوتی تو کچھ نہ تھا لیکن آج کل خُونی مولوی تو برملا اعلان پر اعلان کر رہے ہیں کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دے کر اِس مُلک سے ہی نکال دیا جائے اور شاید ان کا پیٹ تو اس طرح بھی نہ بھرے گا خواہ ایسا کرنے سے پانچ کروڑ جانیں خطرہ میں پڑ جائیں۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر مرزائیوں کو آپ نے اقلیت قرار دے دیا تو آخر ان سے

وہی سلوک ہوگا جو ہندوؤں سے۔ اور ہند و پاکستان میں دو کروڑ ہیں۔ یہ دو کروڑ ہندو کیا پانچ کروڑ مسلمانوں کو زندہ رہنے دے گا؟ کیا یہ دو کروڑ ہندو مسلمانوں کا اپنے میں سے علیحدہ کئے ہوئے فرقہ پر ہوتا ہوا ظلم دیکھ کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھے گا؟ کیا وہ اس خدشہ پر ہی آفت نہ لے آئے گا۔ خدارا ذرا تو سوچئے کہ آیا آپ چند لاکھ مرزائیوں پر ظلم کرکے پاکستان کے وجود کو خطرے میں تو نہیں ڈال رہے؟

~ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را "

۲۔ " کیا یہ حقیقت نہیں کہ مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ خدا ایک ہے اور رسولِ اکرمؐ خدا کے آخری نبی ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں وہی نماز جس کی حقیقت ہم لوگوں نے کھو دی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (جس کا ہم میں اخلاص باقی نہیں رہا) حج کرتے ہیں، ہاں وہی حج جس کے کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے اور ان کے عقیدہ میں صرف لفظ "نبی" کا اختلاف ہے۔ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں، ایسا نبی کہ جس کی نبوت رسولِ اکرمؐ کی غلامی کی رہین منت ہے۔ ہمیں ان کے اس عقیدہ سے ایک بنیادی اختلاف ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کا لفظ سوائے رسولِ خداؐ کے اور کسی پر استعمال نہیں ہو سکتا۔ وہی نبیٔ آخر الزماں ہیں ان کے بعد نبوت کے دروازے ہمیشہ کے لئے مسدود ہو گئے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا محض عقیدہ کے اس اختلاف پر ہم ان کو خارج از اسلام قرار دے سکتے ہیں؟ مسلمانوں کے اس وقت بہتر فرقے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو قرآن کے دس پاروں کو نہیں مانتے۔ بعض ایسے ہیں جو اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے چند ایک کو کالعدم قرار دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مسلمان ہیں اور ہماری حکومت میں اور سوسائٹی میں ایک امتیازی درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں اور ہمیں بجا طور پر اُن سے کوئی پرخاش نہیں۔ اگر ایک آدمی اپنے آپ کو مسلمان کہے تو از رُوے قرآنِ پاک ہم اس کو خارج از اسلام نہیں کر سکتے ہمارے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں جس کے تحت ہم ان کو کافر بنا سکیں۔ مذہب کا تعلق دِل سے ہے اور دِل کے بھید سوائے حق تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام سے ماوریٰ دعوئ نبوت کیا ہوتا، قرآن سے انکار کیا ہوتا، کسی آیتِ قرآنی

کو کالعدم قرار دیا ہوتا یا اس میں تبدیلی پیدا کی ہوتی، کوئی نئی شریعت لائے ہوتے، حضور سرورِ کائنات کی اطاعت سے آزاد ہو کر کسی نئی نبوت کا اعلان کیا ہوتا تو ہم حق بجانب تھے کہ ان کو غیر مسلم اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے حالانکہ قرآن کا فیصلہ یہ ہے :۔

"جو لوگ پیغمبرِ اسلام پر ایمان لا چکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں کوئی ہو اور کسی گروہ بندی میں ہو لیکن کوئی بھی جو خدا پر اور اس کے آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان اور عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہو گا نہ کسی طرح کی غمگینی "

میرا خطاب حضراتِ احرار سے ہے کہ خدارا پاکستان میں نیا فتنہ نہ پھیلائیے۔ فساد کو اللہ کریم نے قرآنِ حکیم میں قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے اور فتنہ و فساد سے ارضِ الٰہی کو پاک کرنے کے لئے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دے دی ہے۔ آپ نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی اور اس وقت کی تھی جبکہ ہمیں آپ کی امداد کی اشد ضرورت تھی لیکن آپ جان بوجھ کر دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلے، مسلمانوں کی من حیث القوم مخالفت کی۔ حضرت قائدِ اعظم کو کافر قرار دیا اور ان کو طرح طرح کی گالیاں دیں ہم نے یہ سب کچھ سنا اور سہا کیونکہ اس وقت ہمارا دشمن قوی تھا اور ہم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہم اپنوں کا مقابلہ کرتے لیکن آپ کو اپنے عزائم میں شکست ہوئی اور خدا کے فضل و کرم سے پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ اب ہمیں ایک عظیم سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کرنا ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اسلام کے نام پر متحد ہیں۔ آپ شیرازۂ ملت کو پارہ پارہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگائیے۔ مسلم لیگ اسلامی وحدت کی علمبردار ہے اس کو اللہ کریم نے اتنی طاقت بخشی ہے کہ آپ کے ان خطرناک ہتھکنڈوں کو یکسر ناکام بنا دے۔

ہاں اگر آپ صدقِ دل سے مرزائیوں کو مسلمانوں کے لئے ایک فتنۂ عظیم سمجھتے ہیں تو آپ تبلیغ فرمائیں وعظ کریں، اعلیٰ اخلاق پیش کریں تاکہ نئی پود مرزائیوں کے جنگل میں نہ پھنسے اور پرانے مرزائی اپنے عقیدہ کو خیرباد کہہ کر آپ کی صفوں میں آ ملیں۔ آپ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کر دیں تاکہ ہندو عیسائی اور دوسری خارج از اسلام جماعتیں اسلام کی لذتوں سے سرشار ہو کر مسلمان ہو جائیں۔

ایک تبلیغی مذہب کے پیرو صرف محبت اور اُسوۂ حسنہ پیش کرکے مخالفین کے دل موہ سکتے ہیں۔ نفرت اور حقارت کا آلہ استعمال کرکے کوئی مبلّغ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکا حضرات! صوفیائے کرام کا طریقۂ تبلیغ استعمال کریں کہ کس طرح غیر مسلموں سے بے پناہ محبت کرلے اور ان کو اپنے ہمہ گیر اخلاقِ حسنہ سے گرویدہ بنا کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے تھے اُسوۂ رسولؐ کو مشعلِ راہ بنائیں۔ کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر فرمائیں کہ کیا آپ کا یہ مطالبہ کہ مرزائیوں کو جو ببانگِ دہل اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں قانون کے ذریعہ کافر قرار دیا جائے حق بجانب اور نیک نیتی پر مبنی ہے؟ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ "[1]

وزیرِ اعلیٰ پنجاب کا احمدیوں سے متعلق موقف

مطالبۂ اقلیت پر پنجاب مُسلم لیگ کونسل نے ۸ کے مقابلہ میں ۲۷۲ ممبران کی بھاری اکثریت سے یہ فیصلہ کیا کہ گروہوں اور جماعتوں کو اقلیت قرار دینے کے جُملہ مسائل مرکزی قیادت کی بالغ نظری اور مدبرانہ فراست پر چھوڑ دئے جائیں۔ اِس موقعہ پر پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے اپنی تقریر میں اِس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آپ نے تمام عواقب سے آگاہ کرنے کے بعد متنبہ کیا کہ اگر سوچے سمجھے بغیر جلد بازی میں کوئی فیصلہ کیا گیا تو (اِس انوکھے اقدام پر کہ جس کی تاریخِ عالم میں اور کوئی مثال موجود نہیں ہے) نہ صرف یہ کہ دُنیا پاکستان کا مضحکہ اُڑائے گی بلکہ آئینی اور قانونی لحاظ سے ایسی اُلجھنیں پیدا ہوں گی جنہیں کسی صورت میں حل نہیں کیا جاسکے گا۔ ان کی تقریر کے بعض ضروری اقتباسات درج ذیل ہیں۔ انہوں نے کہا:-

"... جہاں تک اقلیت قرار دینے کا سوال ہے اِس کے متعلق اکثر کونسلر صاحبان نے سیاسی شعور کے لحاظ سے کچھ اچھی سمجھ بُوجھ کا ثبوت نہیں دیا۔ عقائد کی بحث سے قطع نظر اِس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اقلیت قرار دینے کا سوال ایک آئینی اور سیاسی سوال ہے جو بعض دوسرے مسائل کے ساتھ بُری طرح اُلجھا ہُوا ہے۔ آپ لوگوں نے ان جملہ مسائل اور ان بے شمار پیچیدگیوں پر قطعاً غور نہیں کیا ہے۔ اور جب تک آپ تدبر اور فراست کے ساتھ ٹھنڈے دِل سے ان پیچیدگیوں کا حل تلاش نہ کرلیں آپ فیصلہ دینا تو کُجا مشورہ دینے کے بھی اہل نہیں ہیں

[1] "اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات" مطبع پاکستان پرنٹنگ ورکس ایبٹ روڈ۔ لاہور؛

اگر پورے غور و خوض کے بعد آپ ان مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئے تو آپ بے شک مشورہ دے سکتے ہیں تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود میں ابھی تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا ہوں یہ امر میرے لئے محال ہے کہ میں چار دن کے جلسے جلوسوں سے متاثر ہو کر دو ٹوک فیصلہ دے دوں۔ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ہمیں تمام پہلوؤں پر غور کرنا ہوگا اور اس کی وجہ سے جو الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہونی لازمی ہیں ان کو بھی حل کرنا ہوگا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں ان میں سے بعض پیچیدگیوں کا یہاں ذکر کر دوں۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا سوچئے۔ اقلیت سے مراد کیا ہوتی ہے؟ یہی ناکہ ایک ملک میں کچھ ایسے لوگ بستے ہیں جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ عام قانون کے تحت ان کے حقوق محفوظ نہیں رہ سکتے تو وہ اپنے لئے اکثریت سے علیحدہ تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اقوامِ عالم کی تاریخ میں آج تک کوئی اس کی دوسری مثال نہیں ہے کہ اقلیت قرار دئے جانے کا مطالبہ اکثریت والے گروہ کی طرف سے تحفظِ حقوق کے علاوہ کسی اور شکل میں پیش کیا گیا ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں نے خود کبھی نہیں کہا کہ مسلمانوں کو ہم سے علیحدہ کر دو۔ مطالبہ کیا تو ہم نے کیا کہ ہمیں ہندوؤں سے علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ ہندو یہی چاہتے تھے کہ وہ ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ رکھیں اور ہم علیحدہ تحفظات حاصل نہ کر سکیں۔ آج ہم کس مصلحت کی بناء پر تاریخِ عالم اور تمام دستوری روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ مسلم اکثریت میں سے ایک حصہ کو اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اس انوکھے اقدام کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس انتہائی مدلّل جواز ہو ایسا جواز جس سے ہم ہی قائل نہ ہوں بلکہ باقی دنیا کو بھی قائل کر سکیں۔ آج کل کی دنیا میں پاکستان الگ تھلگ زندہ نہیں رہ سکتا اس کی زندگی دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات پر مبنی ہے ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کہیں اس اقدام سے ہماری بین الاقوامی ساکھ پر تو اثر نہیں پڑتا۔ ہمارے خلاف پہلے ہی یہ جھوٹا پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ ہم اقلیت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر سکتے نئی اقلیتیں بنانے سے اس غلط پراپیگنڈے کو مزید تقویت پہنچے گی اور پھر دنیا والے کیا کہیں گے کہ عجیب لوگ ہیں پاکستان بننے سے پہلے کہتے تھے کہ ہمیں اکثریت سے بچاؤ اور اب کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ایک معمولی سی اقلیت سے بچاؤ۔

پہلے اکثریت کا خوف سوار تھا اور اب اقلیت کا فکر دامنگیر ہے۔

اِس ضمن میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے مزید فرمایا۔ اِس مسئلہ کا ایک اَور پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم نے اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر بھی دیا تو اس فیصلہ کو نافذ کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔ احمدی کی آپ کیا تعریف مقرر کریں گے۔ کسی ملک کا طور طریق اور آئین اُٹھا کر دیکھ لو اِس ضمن میں ایک ہی تعریف ملے گی اور وہ یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو جس مذہب کی طرف منسوب کرتا ہے وہ اسی مذہب کا پیرو شمار ہوگا۔ جو اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہے وہ عیسائی شمار ہوگا اور جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان کہلائے گا۔ اگر احمدی بھی جیسا کہ انہوں نے اعلان کیا ہے اپنے آپ کو صرف مسلمان ظاہر کرنا شروع کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔ اِس کا ایک حل یہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ علماء کا بورڈ بنا دیا جائے اور ہر شخص کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ وہ ووٹنگ رجسٹر میں درج ہونے سے پہلے امتحان میں سے گزرے اگر علماء اُسے مسلمان قرار دیں تو وہ مسلمان شمار ہو ورنہ نہیں۔ بظاہر تو یہ تجویز درست معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کل کلاں کو ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ بعض اغراض کے ماتحت مسلمانوں ہی کو غیر مسلم قرار دیا جانے لگا تو اس کا کیا علاج ہوگا؟ اِس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک وقت میں ایک دو نہیں اکٹھی چالیس فیصدی آبادی کو غیر مسلم قرار دے دیا جائے تو ان بے چاروں کا کیا حال ہوگا؟

اِس مسئلہ کے ایک اَور پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر پنجاب مسلم لیگ نے فرمایا:-

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) احمدیوں نے قیامِ پاکستان سے قبل مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا اگر یہ صحیح ہے اور اِس بنیاد پر ان کو اقلیت قرار دینا جائز ہے تو پھر ہمیں سوچنا ہوگا کہ کس کس کو اقلیت قرار دیا جائے مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان کی مخالفت تو اَور بڑے بڑے لوگوں نے بھی کی تھی اور پھر اس کی زد میں اَور بہت سے لوگ بھی آئیں گے۔ میں کہنا تو نہیں چاہتا لیکن مثال کے طور پر کہنا پڑتا ہے کہ کیا اِس بناء پر آپ احراریوں کو بھی اقلیت قرار دینے کے لئے تیار ہیں؟ (پُرزور تالیاں) بہرحال ایسی صورت میں ہمیں یہی فیصلہ کرنا ہوگا کہ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا ہم میں اتنی وسعتِ قلبی موجود ہے کہ ہم مخالفوں کو بھی اپنے میں جگہ دینے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ وہ کامل وفاداری کا یقین دلائیں۔ ہاں ہمارے اندر رہ کر اگر کوئی سازش کرے گا اور ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آئے گا تو پھر ہم

ان کا قلع قمع کئے بغیر نہیں رہیں گے۔

دورانِ تقریر میں آپ نے مزید فرمایا:۔

" پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم احمدیوں کو اِس لئے اقلیت قرار دلانا چاہتے ہیں کہ انہیں اسمبلیوں وغیرہ میں نمائندگی مل سکے۔ اِس میں شک نہیں کہ اَب احمدیوں کا کوئی نمائندہ نہیں ہے اور ان کے حقوق متعیّن ہو جانے پر انہیں نمائندگی مِل جائے گی اور وہ فائدے میں رہیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ اِس بات میں وزن تو اُس وقت ہو کہ جب یہ مطالبہ خود احمدیوں کی طرف سے کیا جائے۔

اِس مسئلہ کی مذکورہ بالا پیچیدگیاں بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا ایک خطرہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ احمدی لوگ سروسز میں بہت گھُسے ہوئے ہیں حالانکہ ان کی وفاداری مُشتبہ ہے تو پھر واقعی یہ بہت گہرا مسئلہ ہے لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا انہیں اقلیّت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان کے کم سے کم حقوق کا تعین کرنا ہوگا۔ کم ازکم سے مُراد یہ ہے کہ ان کی تعداد سروسز میں مقررہ حد سے کم نہیں ہونی چاہیئے زیادہ ہو کوئی حرج نہیں کیونکہ حد مقرر کرنے کا مقصد حقوق کا تحفظ ہوتا ہے ان کا اتلاف نہیں۔ ایسی صُورت میں موجود ملازمین کو ہم ہٹا نہیں سکیں گے اور آئندہ مقررہ کوٹے کے مطابق نئے آدمی لازمی طور پر ملازم ہوتے رہیں گے" ردِّ مرزائیت" نہیں" فروغِ مرزائیت" کا خود اپنے ہاتھ سے راستہ صاف کریں گے۔ اِن آئینی اور قانونی مشکلات کی وجہ سے مَیں کہتا ہوں کہ ہمارے جذبات خواہ کتنے بھی مشتعل کیوں نہ ہوں ہمیں اپنی مرکزی قیادت کو جو ہم سے زیادہ بالغ نظر اور صاحبِ فراست ہے کامل غور و خوض اور تحمّل بُردباری سے فیصلہ کرنے کا موقعہ دینا چاہیئے"۔

دورانِ تقریر میں شہری حقوق کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے آنریبل میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے فرمایا:۔

" احمدیوں کے متعلق خواہ تمہارا کچھ ہی اعتقاد کیوں نہ ہو مگر جب تک انہیں شہریت کے حقوق حاصل ہیں تمہارا فرض ہے کہ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی پُوری پُوری حفاظت کرو لیکن آپ لوگوں سے مجھے توقع نہیں کہ آپ اس فرض کو کما حقہٗ ادا کر سکیں گے بچاہیئے یہ کہ اِس کونسل کا ایک ایک رُکن شہید ہو جائے قبل اس کے کہ کسی احمدی کے خُون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے۔ اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو آپ لوگ حکومت کے نااہل ہیں۔

ہم میں سے کوئی مارا جائے یا نہ مارا جائے اس کی اتنی اہمیت نہیں لیکن پاکستان میں ایک ہندو، ایک سکھ یا ایک عیسائی کا مارا جانا بہت بُری بات ہے۔ اگر ان میں سے ناحق کوئی مارا جاتا ہے تو حیف ہے ہم پر اور ہمارے صاحبِ اقتدار ہونے پر۔ امن کیسے قائم رہے؟"

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا:۔

"لیکن موجودہ حالات میں امن کیسے قائم رہے گا؟ ہمارے مولوی صاحبان آسمانی مقصد کی خاطر یا کسی نجی غرض کے تحت غم و غصہ پھیلاتے ہیں اور امن بحال کرنے کے لئے جب پولیس مداخلت کرتی ہے یا دفعہ ۱۴۴ لگائی جاتی ہے تو اس پر بُرا منایا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں مجلس احرار کے بعض برگزیدہ کارکن تشریف لائے اور انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ ان کا مطالبہ آئینی مطالبہ ہے امن برقرار رکھنے میں وہ حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے بلکہ انہوں نے کہا امن کا تحفظ ہمارا سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی فرض بھی ہے۔ اس ضمن میں میں احراریوں اور مسلم لیگیوں سے ایک بات کہوں گا اور وہ یہ ہے کہ امن و امان قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے شہری حقوق کی حفاظت کی جائے لیکن وزیر آباد کے شہر میں جو کچھ ہوا ہے وہ اس لحاظ سے بہت قابلِ اعتراض ہے۔ وہاں بعض نوجوان طلباء نے جلوس نکالا کہ ایک احمدی استاد کو برطرف کیا جائے۔ اسی شام میونسپل کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد ہوا اور مہر آئینی پابندی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس احمدی استاد کو برطرف کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ میں احرار سے کہتا ہوں کہ اگر تحفظِ امن کا وعدہ سچا ہے تو لاہور چھوڑ کر وزیر آباد جائیے اور لوگوں کو بتائیے کہ یہ مسئلہ محض عقیدے کا ہے ہم انسانیت کا خون نہ ہونے دیں گے اور اس بات کو گوارا نہ کریں گے کہ لوگوں کے شہری حقوق تلف ہوں۔

مسئلۂ زیرِ بحث کے تمام پہلوؤں پر بخوبی روشنی ڈالنے کے بعد آپ نے فرمایا "جب تک غور و خوض کے ساتھ تمام پہلوؤں پر غور نہ کیا جائے ہم صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے اور اگر آپ نازک مسائل پر صبر و تحمل سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو مجھے ایسی جماعت کی صدارت قبول نہیں جو مسائل کی نزاکت کا احساس نہ کرتے ہوئے فیصلے کرنے میں تدبّر سے کام نہ لے۔ اگر آپ نے جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ کر دیا جو پاکستان کے مجموعی مفاد کے خلاف ہوا تو یہ پنجاب مسلم لیگ پر ایک دھبہ ہو گا۔" [1]

---

[1] ٹریکٹ بعنوان "میاں ممتاز محمد خان دولتانہ صدر پنجاب مسلم لیگ" مطبوعہ ایس ڈبلیو پریس رام نگر لاہور، ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء

قائدِ اعظم کا مسلک

مندرجہ بالا بیان قائدِ اعظم کی اس مستقل پالیسی اور عملی مسلک کے عین مطابق تھا کہ تمام کلمہ گو بلا تفریقِ فرقہ سب مسلمان ہیں اور پاکستان کی آئینی و قانونی جنگ میں مسلم لیگ کی کامیابی کا سارا راز اسی نکتہ میں مضمر تھا جیسا کہ قائدِ اعظم نے ۲۳ مئی ۱۹۴۴ء کو کشمیر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

"مجھ سے ایک پریشان کُن سوال پُوچھا گیا کہ مسلمانوں میں سے مسلم لیگ کا ممبر کون بن سکتا ہے؟ یہ سوال خاص طور پر قادیانیوں کے سلسلے میں پُوچھا گیا۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کا تعلق ہے اس میں درج ہے کہ ہر مسلمان بلا تمیز عقیدہ و فرقہ مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ مسلم لیگ کے عقیدہ، پالیسی اور پروگرام کو تسلیم کرے، رُکنیت کے فارم پر دستخط کرے اور دو آنے چندہ ادا کرے۔ مَیں جموں و کشمیر کے مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ فرقہ دارانہ سوالات نہ اُٹھائیں بلکہ ایک ہی پلیٹ فارم پر ایک ہی جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اسی میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ اِس سے نہ صرف مسلمان مؤثر طریقے سے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشرتی ترقی کر سکتے ہیں بلکہ دیگر اقوام بھی اور بحیثیت مجموعی ریاست کشمیر بھی۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا بیان

امام جماعتِ احمدیہ حضرت مصلح موعودؓ نے وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے اپنے موقف کی حمایت میں استقامت دکھانے پر حسبِ ذیل بیان جاری فرمایا :-

"پنجاب مسلم لیگ کونسل کے اتوار کے اجلاس کی رپورٹ مَیں نے مطالعہ کی ہے جو الفاظ احراری احمدی تنازعہ کے متعلق قرارداد میں کہے گئے ہیں مجھے اُن سے اختلاف ہو سکتا ہے[2] لیکن اس قرارداد کے متعلق جو بحث کونسل میں ہوئی ہے اس سے ایک بات نہایت نمایاں طور پر واضح ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ پنجاب کی سیاسی دُنیا میں وزیرِ اعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے وجود میں ایک ایسا انسان موجود ہے جو اپنے معتقدات کی خاطر اپنے دوستوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی مخالفت کے علی الرغم استقامت دکھانے کی پُوری صلاحیت رکھتا ہے یہ نہایت صحتمند آثار ہیں۔ اگر پاکستان

---

[1] ہفت روزہ "اصلاح" (سرینگر کشمیر) ۱۳ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ۔ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء" کے صفحہ ۹۶-۹۷ پر اِس قرارداد کا مکمل متن درج ہے۔

کے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے ان جیسے دِل گُردہ کے انسان اور بھی نکل آئیں تو پنجاب محفوظ ہو جائیگا اور پاکستان کے متعلق کہا جاسکے گا کہ وہ بفضلہ تعالیٰ ہر خطرہ سے باہر ہے میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانانِ پاکستان کا حامی و ناصر ہو تا کہ وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو جو خداوند تعالیٰ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وطنِ عزیز کی طرف سے اُن پر عائد ہوتی ہیں پُوری دلیری اور دیانتداری سے بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی برکات سے نوازے۔" [1]

فصلِ پنجم

● جماعتِ احمدیہ کے وفد کی جناب وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات ● اِبتلاؤں میں لقاءِ الٰہی کی بشارت ● بحیثیت مسلم بہترین شانِ انفرادیت دکھانے کی تلقین ● مسئلۂ اقلیت سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم خطبہ

جماعتِ احمدیہ کے وفد کی جناب وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات

اِس سال کے اہم واقعات میں سے جماعتِ احمدیہ کے وفد کی عزّت مآب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیرِ اعظم پاکستان سے ملاقات ہے جو کراچی میں ۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوئی۔ وفد میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مندرجہ ذیل ممتاز اور بزرگ علماء و مبلغین شامل تھے:۔

---

[1] انگریزی سے ترجمہ (الفضل ۲۹ر وفا ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۹ر جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱)

مبلغین احمدیت کا مرکزی وفد کراچی اسٹیشن پر

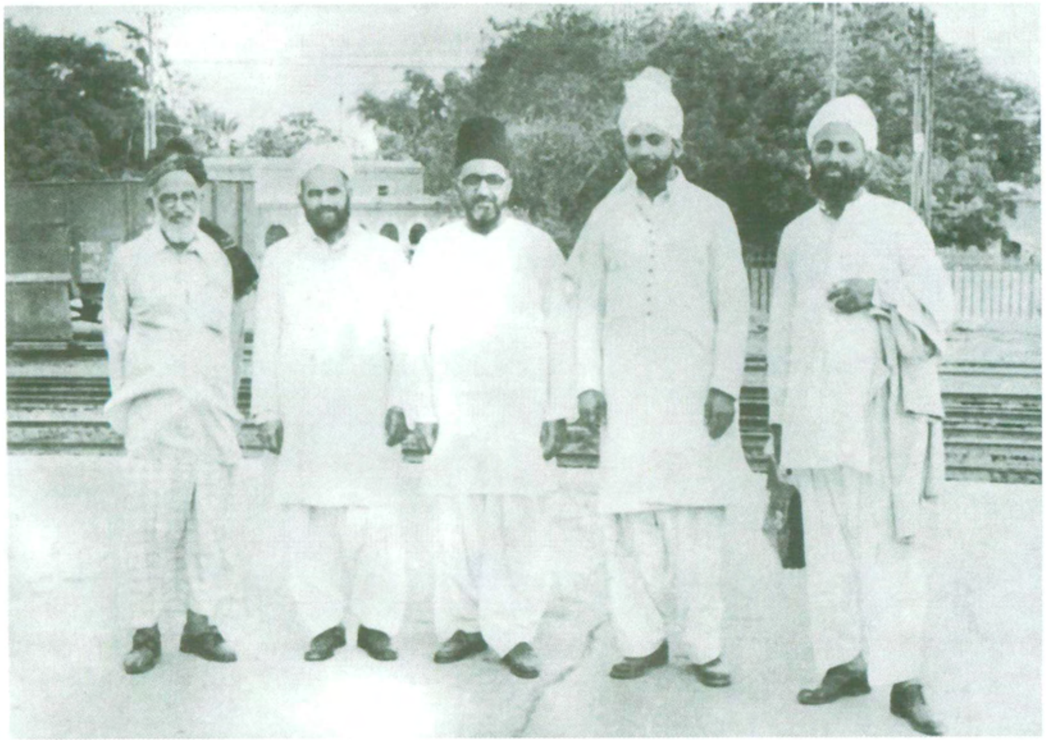

دائیں سے بائیں: مولانا ابوالعطاء صاحب، جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم،
جناب شیخ بشیر احمد صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ، جناب مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ۔

۱ ۔ مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ سابق مبلغ انگلستان و ناظر امور عامہ ربوہ[1]

۲ ۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مجاہد بلادِ عربیہ و انگلستان[2]

۳ ۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مبلّغ بلادِ عربیہ۔

۴ ۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ گجراتی[3]

۵ ۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور[4]

وفد کی تبلیغی رُوداد مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"سیّدنا حضرت امام جماعتِ احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک وفد تجویز فرمایا جو کراچی جاکر وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملاقات کرے اور حقیقتِ حال سے انہیں مطلع کرے۔ اس وفد میں (۱) جناب مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ ایم۔اے ناظر امور عامہ ربوہ (۲) جناب مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ (۳) جناب شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور (۴) جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ ایڈووکیٹ گجرات اور (۵) خاکسار ابوالعطاء جالندھری شامل تھے۔

ہم سب محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی ٹمپل روڈ لاہور پر جمع ہوئے۔ پہلے دن کراچی کے لئے ریل میں سیٹیں ریزرو نہ ہوسکیں ہمیں ایک رات لاہور میں قیام کرنا پڑا۔ شام کے وقت صوفی عبدالرحیم صاحب نے محترم شیخ بشیر احمد صاحب کو فون کیا کہ آج جناب مودودی صاحب سے ملاقات ہوسکتی ہے اگر چاہیں تو آجائیں۔ جناب شیخ صاحب موصوف، جناب مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مرحوم اور خاکسار بذریعہ کار جناب مودودی صاحب کے مکان پر پہنچ گئے وہ گویا ملاقات کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اچھا ہوا کہ آپ لوگ آگئے مَیں چاہتا ہی تھا کہ جماعتِ احمدیہ کے کوئی نمائندے مِل جائیں تو مَیں آپ کے امام کو ایک پیغام بھجواؤں ہم نے کہا کہ فرمائیے کیا پیغام ہے؟

---

[1] ولادت ۱۹ جون ۱۸۹۴ء وفات ۷ فتح ۱۳۳۴ ہش مطابق ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء

[2] ولادت ۱۹۰۱ء وفات ۱۴ اخاء ۱۳۴۵ ہش مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۶ء

[3] ولادت ۱۹۰۶ء وفات ۳۱ فتح ۱۳۳۶ ہش مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء

[4] وفات یکم شہادت ۱۳۵۲ ہش مطابق یکم اپریل ۱۹۷۳ء

جناب مودودی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ جا کر اپنے امام سے کہیں کہ اس وقت جماعتِ احمدیہ کے خلاف سخت شورش برپا ہے اور شدید خونریزی کا خطرہ ہے اِس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ خاموشی سے اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرلیں یا پھر وہ عقائد اختیار کرلیں جو ہمیں گوارا ہوں ورنہ سخت خطرہ ہے۔

مَیں مودودی صاحب سے پٹھانکوٹ کے دارالاسلام میں اچھی طرح گفت گو کرچکا تھا اور غالباً اس مجلس میں مَیں ان کے قریب اور سامنے تھا مَیں نے جواباً عرض کیا کہ جناب آپ نے ہمیں کیا پیغام دیا ہے؟ یہ پیغام ہم اپنے امام ایدہ اللہ بنصرہٖ کو کس طرح دے سکتے ہیں؟ اس پیغام کو تو سُن کر ہم خود شرمندہ ہیں کہ آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں۔ الٰہی جماعتوں کی مخالفتیں ہوتی آئی ہیں اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے اِس ملک میں بھی جماعتِ احمدیہ کی مخالفت ہورہی ہے یہ وہی مخالفت ہے۔ مودودی صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہا کہ آپ میری بات مان لیں اور یہ پیغام اپنے امام کو پہنچا دیں اِس مرتبہ کی مخالفت عام مخالفت نہیں یہ بہت گہری ہے اور اس کے نتائج بڑے سخت ہیں۔ خاکسار نے مودودی صاحب سے پھر زور سے کہا کہ پیغام دینے کا تو سوال ہی نہیں ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ مخالفت بھی بعینہٖ ویسی ہی ہے جیسی جملہ نبیوں کے وقت میں ہوتی رہی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ تجربہ ہوچکا ہے کہ مخالفتوں کے باوجود الٰہی جماعت ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی رہی ہے آج بھی یہی نظّارہ دہرایا جائے گا۔

پھر مَیں نے کہا کہ جناب معاملہ دُو حال سے خالی نہیں یا تو حضرت بانیٔ سِلسلہ احمدیہ علیہ السّلام اپنے دعوٰیٔ ماموریّت میں سچے ہیں یا معاذ اللہ جھوٹے اور مُفتری ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں اور ہمیں کامل یقین ہے کہ وہ سچے ہیں تو اِس مخالفت سے کچھ احمدیوں کے گھر جلائے جا سکتے ہیں، ان کی فصلیں اُجاڑی جا سکتی ہیں، ان کی دُکانیں لُوٹی جا سکتی ہیں، ان میں سے بعض کو شہید بھی کیا جا سکتا ہے مگر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ تحریک کو مٹایا جا سکے یا اس کی قائم کردہ جماعت کو نابُود کر دیا جائے اور اگر خدانخواستہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مُفتری اور جُھوٹے تھے جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو پھر آپ کو ان کی جماعت سے کیا ہمدردی ہے؟ اگر ایسی جماعت نے کل ہلاک ہونا ہے تو اسے آج ہلاک کر دینا اچھا ہے اِس لئے آپ کے پیغام دینے کا عقلاً بھی کوئی سوال نہیں

ہے۔

اِس مرحلہ پر گفتگو دیگر مذہبی و سیاسی مسائل کے متعلق جاری ہو گئی اور خاکسار کے علاوہ محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب اور محترم مولانا شمس مرحوم بھی گفتگو فرماتے رہے۔ اِس گفتگو میں مسلمان کی تعریف اور جماعت کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جواز بھی زیرِ بحث آیا۔ دوسرے روز ہم کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ جولائی ۱۹۵۲ء کے آخری ایّام تھے یا اگست ۱۹۵۲ء کے شروع کے دن تھے ہمارا قیام ایک ہوٹل میں تھا۔ امیرِ وفد جناب مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے ہر رُکن کے ذمہ الگ الگ مضمون مقرر کر دیا اور ہم سب نے باقاعدہ حوالے نوٹ کر لئے۔ اصل کتابیں ساتھ رکھ لیں مقررہ تاریخ پر ہم سب وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم کے بالائی کمرہ میں حاضر ہوئے۔ بڑے میز کے ایک طرف خواجہ صاحب موصوف کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر، میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی، فضل الرحمٰن صاحب بنگالی اور خواجہ صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری تشریف فرما تھے اور میز کے دوسری طرف علی الترتیب خاکسار ابوالعطاء، محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحوم، محترم شیخ بشیر احمد صاحب اور محترم مولانا عبدالرحیم صاحب درد مرحوم بیٹھے تھے۔ ہمارے امیرِ وفد نے خواجہ صاحب اور دیگر وزیروں سے ہمارا تعارف کرایا اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے ہماری طرف سے ابوالعطاء بات کریں گے۔

خاکسار نے آغازِ گفتگو یوں کیا کہ ہم احمدی بھی پاکستان کے آزاد شہری ہیں اور ہمیں بھی اِس ملک میں تمام باشندوں کی طرح مساوی حقوق حاصل ہیں۔ آپ اِس ملک کے ذمہ دار وزراء ہیں آپ کے پاس ہمارے مخالف علماء نے آکر ہمارے خلاف بہت سی باتیں کہی ہیں ہم اِس بارے میں وضاحت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ امّید ہے کہ آپ ہماری باتوں کو بھی توجہ سے سماعت فرمائیں گے۔

مَیں نے جناب وزیرِ اعظم صاحب کو توجہ دلاتے ہوئے عرض کیا کہ علماء کے جو وفود آپ کو ملے ہیں انہوں نے آپ سے کہا ہو گا کہ احمدی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین نہیں مانتے۔ محترم خواجہ صاحب مرحوم نے اثبات میں جواب دیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں صرف اِس حصہ کے متعلق وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

مَیں نے عرض کیا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانتے ہیں انہوں نے ہمیں فرمایا ہے کہ۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اَب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۳)

مَیں نے مؤثر انداز میں یہ عبارت پڑھتے ہوئے اصل کتاب جناب وزیرِاعظم کے سامنے رکھ دی اور پھر عرض کیا کہ جب ہمیں بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے قرآنِ مجید پر ایسے مضبوط ایمان کی تلقین فرمائی ہے اور قرآنِ مجید کی صریح نص ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں تو اَب یہ امکان کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیین ہونے کا انکار کریں؟ ایسا الزام سراسر غلط اور باطل ہے۔ مَیں نے عرض کیا۔ محترم وزراء کرام!! اگر علماء کرام یہ کہتے کہ خاتَم النّبیین کے معنوں اور تفسیر میں ہمارا احمدیوں سے اختلاف ہے تو بات قدرے معقول ہوتی مگر انہوں نے تو آپ کو بھی اور سارے ملک کے باشندوں کو بھی یہ کہا ہے کہ احمدی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتَم النّبیین نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ زعم ہرگز درست نہیں۔ پھر مَیں نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی کتب سے مندرجہ ذیل دس حوالہ جات مجلس میں بلند آواز سے سُنائے اور ہر حوالہ پر اصل کتاب میز پر کھول کر سامنے رکھ دی جاتی تھی۔ وہ حوالہ جات یہ ہیں:۔

۱۔ "مَیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختمِ نبوّت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

(اشتہار تقریر واجب الاعلان صفحہ ۵ مطبوعہ ۱۸۹۱ء مشمولہ تبلیغِ رسالت جلد دوم صفحہ ۴۴۔ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

[1] احزاب: ۴۱

۲۔ "مجھے اللہ جلّ شانہٗ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر میرا عقیدہ ہے اور وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔"

(کرامات الصادقین صٓ مطبوعہ ۱۸۹۴ء، ۱۳۱۱ھ)

۳۔ "ہم اِس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔"

(ایّام الصّلح صفحہ ۸۶-۸۷ مجریہ ۱۸۹۹ء)

۴۔ "عقیدے کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

۵۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوّت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوّت صرف اُسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتّباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہوگا اور اِس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپ کا وارث ہوگا۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی، چکڑالوی صفحہ ۶-۷ مطبوعہ ۱۹۰۲ء عٹ)

۶۔ "مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراء عظیم ہے ہم جس قوّتِ یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے۔"

(اخبار الحکم ۱۷۔ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۶ کالم ۴)

۷۔ "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔"

(تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۳)

۸۔ "وإنّ نبيّنا خاتم الانبياء لا نبيّ بعدهٗ الّا الّذي ينوّر بنورهٖ ويكون ظهوره ظلّ ظهورهٖ" (الاستفتاء صفحہ ۲۲ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

۹۔ "اللہ جلّ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النّبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ رُوحانی نبی تراش ہے اور یہ قوّتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

۱۰۔ "خدا اُس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اُس کے رسول حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

اِن دس حوالہ جات کے پڑھنے سے اِس مجلس میں عجیب موقعہ پیدا ہو گیا تھا، الحمدللہ مَیں نے کہا کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ خود بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کلمات آپ کے سامنے ہیں۔ کتابیں موجود ہیں تو پھر کسی مولوی صاحب کا یہ کہنا کیا وزن رکھتا ہے کہ احمدی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں مانتے؟

مَیں نے واضح کیا کہ آنحضرتؐ کو خاتم النّبیین تو احمدی بھی مانتے ہیں اور غیر احمدی بھی۔ اِس تفسیر میں بھی دونوں فریق متفق ہیں کہ خاتم النّبیین کی رُو سے نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا۔ اِس مرحلہ پر خاکسار نے سلفِ صالحین کے دس اقتباسات عربی و اُردو میں پیش کئے اور اصل کتابیں میز پر رکھ دیں۔ ان اقتباسات کا خلاصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انقطاع صرف تشریعی نبوت کا ہے۔ پھر مَیں نے واضح کیا کہ ہمارے معنوں کی رُو سے فیوضِ محمدیہ جاری ہیں اور آنحضرتؐ کی پیروی سے خیرِ اُمّت کے افراد کو وہ تمام انعام مِل سکتے ہیں جو پہلی اُمّتوں کو ملے تھے اِن معنوں کی رُو سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور برتری نمایاں ہوتی ہے۔

پچیس تیس منٹ کے اِس بیان کے آخر میں مَیں نے کہا کہ درحقیقت تو خاتمیّتِ محمدیہ کے بارے میں ہمارے اور دوسرے علماء میں اختلاف کا کوئی سوال نہیں، وہ بھی ایک مسیح موعود کے اُمّت میں آنے کے

قائل ہیں اور ہم بھی۔ اور دونوں فریق حضرت خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے مسیح موعود کو آنحضرتؐ کا تابع نبی مانتے ہیں جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ خاتم النّبیّین کے بعد اُمّتی اور تابع نبی آسکتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو صرف شخصیّت میں ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کا مسیح موعود کون ہے؟ آیا حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں جنہیں قرآن مجید نے صرف رَسُولًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ[1] قرار دیا ہے یا اُمّتِ محمدیہ کا ایک فرد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمّتی ہے۔ پس جماعتِ احمدیہ پر یہ الزام سراسر خلافِ واقعہ ہے کہ ہم معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں مانتے۔ ہم حضور علیہ السّلام کو پورے یقین سے اور حقیقی رنگ میں خاتم النّبیّین مانتے ہیں میری تقریر کے دَوران دو ایک موقعہ پر مکرم سردار عبد الرّب صاحب نشترؔ نے سوال کئے تھے جن کے خاکسار نے جواب دے دیئے مگر جناب خواجہ ناظم الدین صاحب کی خواہش تھی کہ تقریر کا تسلسل قائم رہے اور سوال بعد میں ہوں۔

جب مَیں آخری حصّۂ بیان پر پہنچا تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ پوائنٹ تو واضح ہو چکا ہے اب دوسرے صاحب بیان شروع کریں۔ اس پر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مرحوم نے مخالفین کی اشتعال انگیزی پر مدلّل تقریر فرمائی اور اخبارات کے حوالے پیش فرمائے۔ یاد رہے کہ شروع ہی سے مخالف علماء برآمدہ میں ہمارے بیانات سُن رہے تھے وہ بعض کتابیں وزراء کرام کو بھجوانے لگے جس پر مجلس کا رنگ کچھ بدل گیا تیسرے نمبر پر جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادمؔ مرحوم نے جب مختلف فرقوں کے علماء کے باہمی فتووں کے انبار پیش فرمائے تو خواجہ صاحب موصوف حیران رہ گئے کہ علماء نے بات کہاں تک پہنچا دی ہے۔ اسی دَوران مکرم فضل الرحمٰن صاحب بنگالی بول پڑے کہ ہم آپ لوگوں کو اب تک برداشت کرتے رہے ہیں آئندہ یہ صورت نہ ہوگی۔ اسکے جواب میں محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے نہایت غیورانہ جواب دیا کہ آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا خاک سلوک یا رعایت کی ہے اور آپ آئندہ کیا کریں گے۔ گفتگو میں قدرے تلخی پیدا ہو گئی گفتگو کا یہ حصّہ زیادہ تر انگریزی میں ہوا۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب دردؔ نے بھی اس میں مؤثر حصّہ لیا اور جماعت کی خدماتِ پاکستان کا بھی تذکرہ فرمایا نیز بتلایا کہ ہم

---

[1] آلِ عمران: ۵۰

تو اپنے اصول کے مطابق حکومت سے تعاون کرتے ہیں یہ ہماری مذہبی تعلیم ہے ہمیں کوئی لالچ یا طمع نہیں ہے۔ اس مرحلہ پر وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم کی علیمی اور بُرد باری نے پھر ماحول کو تحقیقی اور علمی بنا دیا اور قریباً تین گھنٹے کی یہ مجلس آخر نہایت اچھی فضا میں ختم ہوئی۔

خواجہ صاحب کے آخری بیان سے مترشح ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک جماعتِ احمدیہ کو منکرِ ختمِ نبوت ٹھہرانا یا انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینا بے معنی بات ہے البتہ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ اعلان کر دوں گا کہ سرکاری ملازم تبلیغ نہ کیا کریں اور یہ اعلان سب فرقوں پر یکساں حاوی ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے چند روز بعد یومِ پاکستان کے موقعہ پر اپنی تقریر میں یہ اعلان کر دیا تھا۔[1]

سردار عبدالرب صاحب نشتر سے انفرادی ملاقات

مولانا ابو العطاء صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

" وزیرِ اعظم کے بالائی کمرہ کی سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے میں نے سردار عبدالرب مرحوم سے کہا کہ آپ ایک علم دوست بزرگ ہیں اگر کبھی موقعہ ملے تو آپ سے مفصل گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ ضرور تشریف لائیں۔ جب ربوہ واپس پہنچنے پر حضرت امام جماعتِ احمدیہ سے اس امر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان دنوں جامعہ احمدیہ میں تعطیلات ہیں (میں اُن دنوں جامعہ احمدیہ کا پرنسپل تھا) چند دن کے لئے کراچی ہو آئیں چنانچہ میں جلد ہی کراچی گیا اور محترم سردار صاحب کو ملاقات کے لئے وقت معیّن کرنے کے لئے چِٹھی لکھی۔ غالباً ۱۷؍ اگست ۱۹۵۲ء کی تاریخ تھی کہ میں اور محترم مولوی عبدالمالک خاں صاحب مربّی کراچی[2] سردار صاحب کے ہاں پہنچے۔ وہ ملاقات کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ خیر و عافیت کی ابتدائی گفتگو کے بعد سردار صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے کس طرح آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں حسبِ وعدہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لئے آیا ہوں کہنے لگے کہ آپ نے وزیرِ اعظم کا پندرہ اگست والا اعلان نہیں سُنا کہ سرکاری آدمی تبلیغ نہ کریں؟ میں نے کہا کہ میں تو سرکاری آدمی نہیں ہوں میں تبلیغ کرنے آیا ہوں۔ مُسکرا کر فرمانے لگے کہ آپ مجھے کیا تبلیغ کریں گے میں تو آپ کی جماعت کے عقائد کا کٹر مخالف ہوں۔ میں نے کہا کہ ایسے آدمی کو ہی تبلیغ کرنے کا لُطف ہوتا ہے کیونکہ ایسا آدمی جب احمدی ہوگا تو وہ پختہ احمدی ہوگا۔

[1] "الفرقان" ربوہ ماہ نومبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۰ [2] حال ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان

سردار صاحب کہنے لگے کہ مَیں تو پہلے ہی نمازیں پڑھتا ہوں، قرآنِ مجید پڑھتا ہوں، آپ مجھے کس امر کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں؟ مَیں نے عرض کیا کہ آج کی اس مختصر ملاقات میں مَیں صرف ایک بات کی تبلیغ کرنے آیا ہوں اور وہ یہ کہ آپ قرآنِ مجید تدبّر سے تلاوت فرمایا کریں۔ سردار صاحب کہنے لگے کہ قرآنِ مجید سوچ کر ہی پڑھتا ہوں، نمازیں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔ مَیں نے عرض کیا کہ میری بات ابھی واضح ہو جائے گی آپ فرمائیں کہ جب آپ سُورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1] کی دُعا کرتے ہیں تو مُنعَم علیہم سے آپ کی مراد کون لوگ ہوتے ہیں؟ سردار صاحب نے جھٹ سُورہ نساء کی آیت وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيقًا [2] پڑھ کر فرمایا کہ اِس وقت میرے ذہن میں انعام پانے والے یہ لوگ مراد ہوتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ جناب! اِس آیت میں انعام پانے والے لوگوں کے چار گروہ مذکور ہیں (۱) نبی (۲) صدّیق (۳) شہید (۴) صالح۔ اب آپ فرمائیں کہ کیا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا کے نتیجہ میں اُمّت میں یہ سارے گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت میں بن سکتے ہیں؟ سردار صاحب نے ذرا توقّف کے بعد سوچ کر فرمایا کہ نبی تو آنحضرتؐ کی اطاعت میں نہیں بن سکتے۔ مَیں نے کہا کہ بس قرآنِ مجید کو تدبّر سے پڑھنے کی تبلیغ کا یہی مقصد ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ قرآنِ مجید تو اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والوں کے لئے چاروں انعامات کے دروازے کُھلے قرار دیتا ہے مگر آپ سب سے پہلے ذکر شدہ اور سب سے بڑے انعام کے دروازہ کو مسدود قرار دیتے ہیں۔ سردار صاحب ذرا حیران ہو کر کہنے لگے کہ کیا آپ حیاتؑ و وفاتِ مسیحؑ کی بات کرنا چاہتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ ہرگز نہیں میرا تو آج کا پیغام بس قرآنِ مجید کو تدبّر سے پڑھنے کی تلقین تک محدود ہے۔ ذرا سوچ کر سردار صاحب کہنے لگے کہ اب مجدّد اور عالم تو ہو سکتے ہیں مگر نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ آفتاب کی موجودگی میں ٹمٹماتے چراغوں کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں نے کہا کہ یہ اعتراض تو آپ کے عقیدہ پر پڑتا ہے۔ آپ آفتاب کی موجودگی میں علماء اور مجدّدین کی ضرورت کو جو ٹمٹماتے چراغ ہیں مانتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ تو قانونِ نیچر کے عین مطابق ہے یعنی آفتاب کے ساتھ ہم ماہتاب

---

[1] الفاتحہ [2] النساء: ۷۰

کے قائل ہیں۔ ماہتاب اُمّتی نبی مسیح موعود ہے۔ باقی یہاں تقابل نہیں ہے بلکہ آفتاب کی فیض رسانی اور ماہتاب کے فیض کے قبول کرنے کا مسئلہ ہے۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں تو لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ آیا ہے۔ مَیں نے کہا کہ اِس پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ طے ہو جائے کہ ہم نے ہی ایک حدیث ماننی ہے یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب حدیثیں ماننی ہیں۔ فرمانے لگے کہ نہیں سب حدیثیں ماننی ضروری ہیں۔ مَیں نے کہا کہ پھر حدیث میں مجدّدین کے آنے کا بھی ذکر ہے۔ امام مہدی کے آنے کا بھی ذکر ہے۔ مسیح موعود کے مبعوث ہونے کا بھی بیان ہے۔ اور پھر حدیث صحیح مسلم میں مسیح موعود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبیؐ اللہ کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ احادیث پر مجموعی غور کیا جائے تو وہ قرآنِ مجید کے عین مطابق ہیں۔ حدیث میں صاحب شریعت یا مستقل نبی کے آنے کی نفی ہے اور آیت میں تابع اور مطیع نبی کے آنے کی خبر ہے۔ پس قرآنِ مجید اور حدیث میں واضح تطبیق موجود ہے۔

سردار صاحب فرمانے لگے کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ پیدائشی احمدی ہیں یا بعد میں آپ نے احمدیت کو قبول کیا ہے؟ مَیں نے کہا کہ سردار صاحب! اگر کسی شخص کو مَیں اسلام کی دعوت دوں اور اسکے پاس کوئی عذر نہ رہے تو وہ مجھے کہے کہ آپ پیدائشی مسلمان ہیں یا بعد میں مسلمان ہوئے تھے تو کیا اسکا یہ طریق معقول ہے؟ فرمانے لگے کہ مَیں صرف علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں وہ طریق اختیار نہ کرونگا مَیں نے کہا کہ مَیں پیدائشی احمدی ہوں میرے والد صاحب مرحومؓ نے اوائل زمانہ میں احمدیت کو قبول کیا اور پیدائش کے وقت سے ہی انہوں نے مجھے خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا مَیں نے اپنی زندگی میں دہریوں، آریوں، یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جملہ فرقوں کے ماہر علماء سے گفتگو اور مناظرے کئے ہیں اور مَیں عَلٰی وَجْہِ الْبَصِیْرَت اِس بات پر قائم ہوں کہ اسلام کے وہ عقائد جو احمدیت پیش کرتی ہے وہی حق اور سب پر غالب آنے والے ہیں۔ اس پر سردار صاحب کہنے لگے کہ مَیں حیران ہو رہا تھا کہ ایسا عالم ہم میں سے نکل کر احمدیوں میں کس طرح شامل ہو گیا ہے؟ مَیں نے کہا کہ بات تو وہی ہوئی جس کا مَیں نے اشارہ کیا تھا۔ اس مرحلہ پر انہیں مجلس وزراء کے اجلاس کے لئے بُلا یا گیا۔ ہم نے انہیں چند کتب اور ایک مفصّل تحریری بیان پیش کیا جس کا مطالعہ کرنے کا انہوں نے بخوشی وعدہ فرمایا۔ اِس طرح یہ گفتگو ختم ہوئی۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ

لہ مسلم (باب ذکر الدجال)

ربّ العٰلمین" [1]

ابتلاؤں میں لقاءِ الٰہی کی بشارت

یکم ظہور ۱۳۳۱ ہش مطابق یکم اگست ۱۹۵۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جماعتِ احمدیہ کو خوشخبری دی کہ اگرچہ ہم ابتلاء سے دوچار ہیں مگر خدا کے قُرب کو پانے کے یہی ایام ہیں حضور نے فرمایا:۔

"اِن ایام میں جو فتنہ پاکستان کے مختلف حصّوں خصوصاً پنجاب کے مختلف مقامات میں پیدا ہو رہا ہے اگرچہ حکومت کے بعض اعلانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رپورٹوں کے مطابق اس میں کمی آرہی ہے لیکن جو ہماری اطلاعات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کمی نہیں آرہی بلکہ وہ اپنی جگہ بدل رہا ہے۔ بعض جگہوں سے ہٹتا ہے اور پھر آگے بعض دوسری جگہوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک فتنہ کا سوال ہے میرے نزدیک کوئی اوّل درجہ کا ناواقف اور جاہل احمدی ہی ہوگا جو یہ کہے کہ یہ فتنہ ایسی چیز ہے جس کی مجھے امّید نہیں تھی۔ تم دریا میں کُودتے ہو اور بعد میں شکایت کرتے ہو کہ تمہارا جسم گیلا ہو گیا ہے یا تمہارے کپڑے گیلے ہو گئے ہیں۔ تم آگ میں ہاتھ ڈالتے ہو اور کہتے ہو میری اُنگلی جل گئی ہے یا تم دُھوپ میں بیٹھتے ہو اور کہتے ہو مجھے گرمی لگتی ہے یا تم برف پیتے ہو اور کہتے ہو مجھے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے تو یہ کوئی عقل کی دلیل نہیں۔ تم برف پیتے ہو تو یہ سمجھ کر پیتے ہو کہ تمہیں ٹھنڈک لگے گی۔ تم دُھوپ میں بیٹھتے ہو تو یہ سمجھ کر بیٹھتے ہو کہ تمہیں گرمی لگے گی۔ تم آگ میں ہاتھ ڈالتے ہو تو یہ سمجھ کر ہاتھ ڈالتے ہو کہ تمہارا جسم جل جائے گا یا تم دریا میں کُودتے ہو تو تم یہ جانتے ہوئے کُودتے ہو کہ ہمارا جسم گیلا ہوگا۔

پس جب تم ایک صداقت کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور تم نے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کرنے کی آواز کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بلند ہوئی ہے سُنا یا مان لیا تو تمہیں لازماً اس بات کے لئے بھی تیار رہنا پڑے گا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں، شورشیں برپا کریں اور تمہارے خلاف منصوبہ بازی کی جائے۔ پس کون احمدی ہے جس کے حواس درست ہوں اور وہ یہ کہہ سکے او ہو یہ کیسا فساد ہے مجھے تو اس کی امّید نہیں تھی۔ حالانکہ جب وہ احمدی ہُوا تھا تو یہ سمجھ کر ہُوا تھا کہ لوگ اس کے خلاف فساد کریں گے، شورش کریں گے اور منصوبہ بازی کریں گے۔ اس کا کام یہ ہے

---

[1] ماہنامہ "الفرقان" دسمبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۳۱

کہ ان فسادوں، شورشوں اور منصوبہ بازیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائے۔ دیکھو رمضان کے مہینہ میں اپنی مرضی اور ارادے سے ایک پروگرام کے ماتحت انسان تکلیف اُٹھاتا ہے۔ وہ رات کو اُٹھتا ہے۔ بے شک وہ یہ تدبیر کر لیتا ہے کہ اگر گرمی ہو تو وہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے۔ پھر اگر گرمی کا موسم ہو تو وہ چھت سے باہر تہجد کی نماز پڑھ لے اور اگر سردی ہو تو چھت کے نیچے تہجد کی نماز پڑھ لے۔ یا گرم لباس پہن لے۔ پھر اگر وہ بیمار ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے صحت اچھی نہیں ہے تو زیادہ عمدہ غذا کھا لے یا اگر معدہ خراب ہے تو نرم غذا کھا لے۔ پیاس کے دن ہوں تو دو تین گلاس پانی کے اکٹھے پی لے یا چائے کی ایک پیالی پی لے تا تکلیف دُور ہو۔ دن کو گرمی کی تکلیف ہو تو وہ سائے اور ٹھنڈک میں رہے تا گرمی کی شدّت کم ہو۔ مگر باوجود اس کے کہ رمضان میں تمہارے پاس ایسے ذرائع موجود ہوتے ہیں جن سے تم گرمی کی شدّت کو کم کر سکتے ہو پھر بھی تمہاری تکلیف کو دیکھ کر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں مَیں دعائیں سُننے کے لئے آسمان سے نیچے اُتر آتا ہوں اور کہتا ہے مجھ سے مانگو مَیں تمہیں دوں گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ روزہ میں جس کی تکلیف کم کی جا سکتی ہے، جس کے ضرر سے بچنے کے لئے تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں مومن کے لئے اتنی رعایت کرتا ہے کہ وہ کہتا ہے چونکہ تم تکلیف اُٹھاتے ہو اس لئے مَیں تمہارے قریب ہو جاتا ہوں۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان[1] مَیں اس پکارنے والے (یعنی روزہ دار) کی آواز کو سُنتا ہوں اور مَیں اس کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ پھر ان تکالیف اور مصائب میں جو تمہارے اختیار میں نہیں جن کو کم کرنے کے لئے تم کوئی تدبیر نہیں کر سکتے ان میں وہ تمہارے کس قدر قریب ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر روزہ میں خدا تعالیٰ تمہارے لئے بے چین ہو جاتا ہے کہ جس میں ہر قسم کی سہولت بہم پہنچانا تمہارے اختیار میں ہوتا ہے تو دوسرے آلام اور مصائب میں وہ کتنا قریب ہو جاتا ہو گا۔ مومن کو اِبتلاؤں میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے قریب آگیا ہے۔"[2]

حضور نے اِس خطبہ کے بعد ۲۶ تبوک ۱۳۳۱ ہش / ۲۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو اسی موضوع پر ایک اَور خطبہ دیا جس میں خصوصاً نوجوانانِ احمدیت کو نصیحت فرمائی کہ:۔

"اگر تم احمدیت، اسلام اور مذہب سے کوئی فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو وہ فائدہ تم اس وقت

---

[1] البقرہ: ۱۸۷ [2] الفضل ۸ ظہور ۱۳۳۱ ہش / ۸۔ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۳

تک نہیں اُٹھا سکتے جب تک کہ تمہیں خدا تعالیٰ نہ ملے۔ باقی چیزیں اس کی تابع ہیں ... مذہب اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ تعلق باللہ پیدا نہ ہو۔ مذہب خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا نام ہے۔ آپ لوگ نمازیں پڑھیں، ذکرِ الٰہی کی عادت ڈالیں، غور و فکر کی عادت پیدا کریں، ہر ایک بات کو سوچیں اور اس سے نتیجہ نکالیں۔ آجکل لاکھوں میں کوئی ایک ہوگا جسے سوچنے کی عادت ہو سب لوگ نقل کے عادی ہوتے ہیں بات سُن لی اور نقل کر دی یہ نہیں کہ خود سوچ بچار کر کے کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے وہ خود اِس بات پر غور نہیں کرتے کہ سچ کی کیا تعریف ہے، قومیں کیسے بنتی ہیں، کن ذرائع سے بھلائیاں بُرائیاں نظر آتی ہیں اور بُرائیاں بھلائیاں نظر آتی ہیں جب انسان بجائے غور و فکر کے محض جذبات سے کام لیتا ہے وہ ٹھوکر کھاتا ہے تم اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو، تم اگر بامراد ہونا چاہتے ہو، تم اگر خوشی کی موت مرنا چاہتے ہو تو تم اپنی زندگی کو مفید بناؤ جیسا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہتر عبادت یہی ہے کہ تم یہ محسوس کرو کہ تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے تو تمہیں یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھتا ہے۔ تم بھی اپنے اندر یہی رنگ پیدا کرو تا جب موت آئے تو اگر تم خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھتے تو تمہیں یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے اِس کے بغیر حقیقی راحت حاصل نہیں ہو سکتی باقی چیزیں سب ڈھکوسلے ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ اگر کسی مذہب پر عمل کرنے کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نہیں ملتا تو وہ مذہب محض نام کا مذہب ہے اس کے اندر کوئی حقیقت نہیں۔" [1]

شانِ انفرادیّت کا نمونہ دکھانے کی تلقین

۱۵ ظہور ۱۳۳۱ ہش / ۱۵ اگست ۱۹۵۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ صحابہؓ کی شانِ اجتماعیّت و انفرادیّت کے موضوع پر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور جماعتِ احمدیہ کو پیش آمدہ حالات کے مطابق بحیثیت مسلمان بہترین رنگ میں شانِ انفرادیّت کا نمونہ قائم کرنے کی تلقین کی چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

"قومیں امن کی حالت میں اور شرارت کی ابتداء میں اجتماعی طاقت سے فائدہ اُٹھاتی ہیں لیکن اگر شرارت لمبی ہو جاتی ہے تو پھر انفرادیّت کام کرتی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء صـ۳

میں بھی جب شرارت بڑھ گئی تو آپؐ نے اجتماعیّت کو بکھیر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ حبشہ چلے جاؤ اور بعض کو آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا۔ پھر انہوں نے اپنی اپنی جگہ اکیلے کام کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ وہی انفرادیّت اجتماعیّت کی شکل اختیار کر گئی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خلافت کا دَور شروع ہوُا صحابہؓ پر کچھ ابتلاء آئے۔ صحابہؓ کو بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیّت اور انفرادیّت دونوں چیزیں سکھائی تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ ایسے خاندان سے نہیں تھے جو حکمران خاندان ہو۔ بے شک آپ ایک شریف خاندان کے ایک فرد تھے لیکن وہ خاندان ایسا نہیں تھا کہ دوسرے خاندان اس کی ماتحتی برداشت کر لیں۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہؓ تھا۔ ابو قحافہؓ فتح مکّہ کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ بھی رسمی طور پر۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپؐ کی وفات کی خبر مکّہ میں بھی پہنچی۔ ابو قحافہؓ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے کہ جس میں پیغامبر نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُنائی۔ عرب لوگ پراگندہ تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر انہیں ایک نظام کے ماتحت کر دیا۔ جس طرح اس شخص کی زندگی ان کے لئے نرالی تھی اسی طرح اس کی وفات بھی ان کے لئے نرالی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اب کیا ہوگا؟ اس شخص نے کہا ہوگا کیا۔ ایک شخص خلیفہ بن گیا ہے اور اس نے نظام کو دوبارہ قائم کر دیا ہے۔ انکا خیال تھا کہ عربوں کی تلواریں میانوں سے نکل آئی ہوں گی اور قتل و غارت شروع ہو گئی ہوگی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کس شخص کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے؟ تو پیغامبر نے کہا ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے۔ ابو قحافہؓ کو اس بات پر یقین نہ آیا انہوں نے خیال کیا میرا بیٹا خلیفہ نہیں ہو سکتا کوئی اَور ابوبکرؓ ہوگا جس کی اطاعت سب عرب قبائل نے قبول کر لی ہے چنانچہ انہوں نے دوبارہ دریافت کیا کون ابوبکرؓ؟ اس شخص نے کہا وہی ابوبکر جو آپؐ کا پُرانا ساتھی اور دوست تھا۔ ابو قحافہؓ نے پھر دریافت کیا کس کا بیٹا؟ تو اس شخص نے کہا تیرا بیٹا۔ ابو قحافہ کے لئے یہ عجیب بات تھی۔ عرب قبائل آزاد تھے، غیور تھے اور اپنے سے چھوٹے آدمی کی اطاعت نہیں کرتے تھے لیکن سب عربوں نے حضرت ابوبکرؓ کو مان لیا اور خونریزی کے بغیر مان لیا۔ یہ بات ابوقحافہ کے لئے نہایت عجیب تھی اس لئے انہوں نے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا بنو ہاشم نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی ہے؟ اس شخص نے کہا ہاں۔ ابوقحافہ نے پھر کہا۔ کیا بنو عبد المطلب نے ابوبکرؓ کی بیعت قبول کر لی ہے؟ اس شخص نے کہا۔ ہاں۔ ابوقحافہ نے جب یہ سُنا کہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ کی وجہ سے عربوں میں اجتماعیّت اِس حد تک آگئی ہے کہ ایک شخص جو حاکم قوم میں سے نہیں سب قبائل اس کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے ہیں اور انہوں نے بلا چون و چرا اس کی بیعت کر لی ہے تو بے ساختہ اس کے مُنہ سے نکلا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ آج میرا دل مان گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی خدا تعالیٰ کے رسول تھے۔ اگر سارے قبائل میرے بیٹے کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو یہ کام ایک رسول کے سوا کوئی اَور نہیں کر سکتا۔ گویا عربوں نے اجتماعیّت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ پھر جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر عرب میں پھیلی تو نئے مسلمان مرتد ہو گئے اور وہ مدینہ پر چاروں طرف سے حملہ کر کے آ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو اپنی زندگی میں شام کی طرف جانے کا حکم دیا تھا جس کی روانگی آپؐ کی وفات کی وجہ سے رُک گئی تھی حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو شام کی طرف روانہ کر دیا صحابہؓ نے اِس بات کو بُرا منایا اور کہا مدینہ اِس وقت ننگا ہو گیا ہے اور یہ بُوڑھا شام کی طرف لشکر بھیج رہا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ ابوبکرؓ کو سمجھاؤ شاید اس بُوڑھے نے حالات کی نزاکت کو نہیں سمجھا چنانچہ حضرت عمرؓ آپ کے پاس گئے اور کہا کیا آپ نے لشکر کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا اور صحابہ کا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس لشکر کو روک لیں کیونکہ چاروں طرف سے اِس قسم کی خبریں آ رہی ہیں کہ دشمن مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ نئے مسلمان کثرت سے مرتد ہو گئے ہیں اور بہت تھوڑی جگہیں ایسی رہ گئی ہیں جہاں پُرانے مسلمان ہیں۔ اِس حالت میں لشکر کا باہر بھیجنا اچھا نہیں۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی جان خطرہ میں تھی اسی طرح حضرت عمرؓ کی جان خطرہ میں تھی، اسی طرح حضرت عثمانؓ کی جان خطرہ میں تھی، اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی جانیں خطرہ میں تھیں، اسی طرح ان کے بیوی بچوں کی جانیں خطرہ میں تھیں، اسی طرح جو لشکر روانہ ہو رہا تھا ان کے بیوی بچوں کی جانیں خطرہ میں تھیں۔ اس وقت ہر ایک شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اُسے اپنے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر لڑنا چاہیئے اور اپنے بیوی بچوں کی جانیں بچانی چاہئیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ابوقحافہ کے بیٹے کی کیا طاقت ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر کو روک سکے۔ پھر جب ایسی خبریں آنی شروع ہوئیں کہ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار

کر دیا ہے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہمارا روپیہ مدینہ کیوں جائے، نجد کا روپیہ نجد میں خرچ ہونا چاہیئے، بحرین کا روپیہ بحرین میں خرچ ہونا چاہیئے مدینہ اپنے اخراجات کا خود انتظام کرے ہم روپیہ علاقہ سے باہر نہیں لے جانے دیں گے تو صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا حضرت عمرؓ نے کہا وقت نازک ہے آپ لوگوں کو کچھ وقت تک ڈھیل دے دیں آہستہ آہستہ ان میں اسلام آ جائے گا تو وہ زکوٰۃ دے دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمرؓ تم وہ بات کہتے ہو جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اُونٹ باندھنے کی رسّی بھی بطور زکوٰۃ دیا کرتے تھے تو مَیں ان سے وہ رسّی بھی لیکر چھوڑوں گا۔ اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دے گا تو اس سے مَیں اس وقت تک لڑوں گا یہاں تک کہ مَیں مارا جاؤں یا وہ مارے جائیں عمرؓ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اگر دشمن مدینہ کی تمام عورتوں کو مار دے اور کتّے ان کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تب بھی مَیں ڈروں گا نہیں۔ اب دیکھو مدینہ خطرہ میں گھِرا ہوا ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کا گھر، مال اور اس کی عزّت خطرہ میں ہوتی ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے مُنہ سے یہ فقرات نکلتے ہیں تو ہر مسلمان اٰمنّا وصدّقنا کہہ کر اطاعت پر تیار ہو جاتا ہے۔ یہ اجتماعی رُوح کا کمال تھا۔ پھر اسلام پر وہ زمانہ آیا جب خلافت کے پرخچے اُڑ گئے۔ اب مسلمانوں کے لئے انفرادیت دکھانے کا وقت آیا اور اس میں بھی انہوں نے کمال کر دکھایا۔ کوئی ایران چلا گیا، کوئی افغانستان چلا گیا، کوئی افریقہ کے صحراؤں کی طرف چلا گیا اور کوئی چین چلا گیا۔ آجکل جو کروڑوں کروڑ مسلمان ان ممالک میں موجود ہیں وہ انہی لوگوں کی اعلیٰ درجہ کی انفرادیّت کا نمونہ ہیں۔ پس صحابہؓ کو جہاں انفرادیت میں کام کرنا سکھایا گیا تھا وہاں اجتماعیت میں بھی انہوں نے کام کیا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایک سردار کے ماتحت کس طرح کام کیا جاتا ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ فرداً فرداً کام کس طرح کرنا چاہیئے چنانچہ اب بھی بمبئی میں ایسے صحابہؓ کی قبریں موجود ہیں جو اس وقت ہندوستان آئے اور یہاں تبلیغِ اسلام کی۔ خدا کی قدرت ہے کہ سندھ میں جہاں ہم نے زمین خریدی ہے خصوصاً جہاں پر میری زمین ہے وہاں ایک جگہ دلیہ صابو کہلاتی ہے اس جگہ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہاں کسی صحابیؓ کی قبر ہے۔ جب صحابہؓ نے دیکھا کہ خلافت کے ماتحت جو نظام چلا تھا وہ درہم برہم ہو گیا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ اب وقت کیوں ضائع کیا جائے وہ دُنیا میں پھیل گئے اور مختلف ممالک میں جا کر انہوں نے اشاعتِ اسلام

کی۔ پس ہماری جماعت کو یہ دونوں طاقتیں یعنی اجتماعیّت اور انفرادیّت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں بسا اوقات اجتماعیّت کمزور پڑ جاتی ہے تو اس وقت انفرادیّت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہر جگہ فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے اور مرکز سے تمہارے تعلّقات منقطع ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہر احمدی اپنی ذات میں مرکزِ احمدیّت ہونا چاہیئے اور اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ احمدیّت کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہے۔ اُسے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ربوہ آکر وہ مشورہ کرے بلکہ اس وقت اُسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ خود خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اس وقت اس کا گھر ربوہ ہونا چاہیئے۔ اس وقت اس کا گھر قادیان ہونا چاہیئے۔ اور جس طرح خلافت کا نظام ٹوٹ جانے کے بعد صحابہؓ نے ایک ایک گھر کو مدینہ بنا لیا اور جب تفرقہ ہؤا تو ہر مسلمان نے یہ عزم کر لیا کہ وہ اسلام کا جھنڈا نیچے نہ ہونے دے گا اسی طرح تم نے اجتماعیّت کی حالت میں نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ تم تھوڑے تھے تم نے اپنے پیٹ کاٹے اور معمولی آمدنوں میں سے ایک حصہ اشاعتِ اسلام کے لئے دیا۔ تم نے چندے دئے اور جماعت نے مبلّغ تیار کئے۔ پھر جماعت نے ان مبلّغوں کو دیانت کے ساتھ بیرونی ممالک بھیجا۔ جماعت نے تمہارے روپیہ کو اعلیٰ طور پر استعمال کیا یہاں تک کہ دُنیا میں احمدی جماعت کی دُھوم مچ گئی اور دُشمنوں نے بھی اقرار کیا کہ پچھلے تیرہ سو سال میں مسلمانوں نے وہ کام نہیں کیا جو اِس چھوٹی سی جماعت نے ایک قلیل عرصہ میں کر دیا ہے پس تم نے اجتماعیّت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے اَب تم نے انفرادیّت کا بھی نمونہ دکھانا ہے۔ بہت سے احمدی گھبرا کر میرے پاس آتے ہیں تو مَیں انہیں یہی کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک خلیفہ کا قائمقام ہے۔ تم میں سے ہر ایک دین کا مرکز ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ احمدیّت اور اسلام کا احیاء اور بقاء اس کے ذمّہ ہے۔ تم میں سے ہر ایک کا گھر احمدیّت کا مرکز ہے جس سے احمدیّت کا نُور دُنیا میں پھیلے گا۔ تم نے اجتماعیّت کا بہت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے۔ اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم انفرادیّت کا نمونہ بھی دکھاؤ اگر مخالفت بڑھ جائے تو تم نے مرکز سے مشورہ کئے بغیر اپنا مدعا اپنے سامنے رکھ کر اسلام کو پھیلانا ہے احمدیّت کی اشاعت کرنا ہے۔ تمہیں یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ اگر تمہارے چاروں طرف دُشمن کا ٹھاٹھیں مارتا ہؤا سمندر بھی ہؤا تو تمہاری گردن نیچے نہیں ہو گی۔ تم چُپ نہیں ہو گے بلکہ اسلام اور احمدیّت کے پیغام کو مرتے دَم تک لوگوں تک پہنچاتے چلے جاؤ گے"۔ [1]

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵؍ اگست ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ مطبوعہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۶؍ اگست ۱۹۵۲ء ص ۶،۵

مسئلۂ اقلیّت سے متعلّق اہم خطبۂ جمعہ

اُن دنوں پاکستان کے مختلف حلقوں میں خاص طور پر یہ افواہیں پھیلائی جارہی تھیں کہ پاکستان کی مرکزی حکومت احراری ایجی ٹیشن سے متاثر ہوکر احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے گی۔

اِس خدشہ کی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ نے نمائندہ "لنڈن ڈیلی میل" کو بیان دینے کے علاوہ ۱۸۔ ظہور ۱۳۳۱ ہش/ ۱۸۔ اگست ۱۹۵۲ء کو مفصّل و مبسوط خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں حضور نے مسئلۂ اقلیت کے مختلف امکانی گوشوں پر بصیرت افروز روشنی ڈالی اور بحیثیت خلیفۃ المسیح اپنے ردِّ عمل کا اظہار کیا۔

یہ خطبہ اِس موضوع پر ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضور نے فرمایا:-

"مَیں نے کہا تھا کہ اگر حکومت احمدی نام کو خلافِ قانون قرار دیدے تو ہم احمدی مسلمان کی بجائے محض مسلمان کہلانا شروع کر دیں گے کیونکہ ہمارا اصل نام مسلمان ہے احمدی تو اس کے ساتھ صرف امتیاز کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ[1] اُس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پس جب ہمارا اصل نام مسلمان ہی ہے تو اگر کوئی حکومت احمدی نام پر پابندی لگائے گی تو ہم صرف مسلمان کہلانے لگ جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے اور بعض اخبارات نے بھی لکھا ہے کہ آجکل کی حکومتیں ایسی نہیں جو محض نام پر پابندی عائد کرنے پر اکتفاء کریں۔ آجکل نظم و نسق اس قسم کا ہے کہ جب لوگ سوال کرتے ہیں تو اس سے کوئی چیز باہر نہیں نکل سکتی۔ یہ درست ہے کہ انسان اگر کرنے پر آئے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ جہاں ہم اِس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی حکومت ایسا حکم دے جو افراد کے مذہب سے تعلّق رکھتا ہو اور وہ ہماری اصولی چیزوں سے ٹکراتا نہ ہو تو ہم جماعت کو یہ تعلیم دیں گے کہ وہ حکومت کی اطاعت کرے وہاں شریعت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر تمہارے ایمان کا امتحان ہو اور تمہارے سروں پر آرے رکھ کر تمہیں چیر دیا جائے تو تم آخر تک چِر جاؤ لیکن ایمان کو ضائع نہ ہونے دو۔ پس جہاں یہ ٹھیک ہے کہ کوئی حکومت ایسی بھی ہوسکتی ہے جو اِس قسم کے عقل کے خلاف احکام دیدے اور وہ افراد کے مذہب میں مداخلت کرے

---

[1] الحج: ۷۹

وہاں یہ بھی ٹھیک ہے کہ دُنیا میں ایسے مست بھی ہوسکتے ہیں جو مذہب کے لئے جائز قربانیاں کرتے چلے جائیں اور ایمان پر قائم رہیں جس شخص کو ہم نے مانا ہے اس کا شعر ہے

در کوئے تو اگر سرِ عشّاق را زنند
اوّل کسیکہ لافِ تعشّق زند منم

یعنی اگر تیرے کُوچہ میں عشّاق کے سروں کو کاٹنے کا حکم دے دیا جائے تو سب سے پہلے جو عشق کا شور مچائے وہ میں ہوں گا پس یہ ٹھیک ہے کہ بعض حکومتیں ایسا ظلم بھی کرسکتی ہیں جیسا کہ رُوس میں ہورہا ہے کہ وہاں مذہب کو بالکل بیکار کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بھی ایسے ممالک ہوسکتے ہیں لیکن میرے خیال میں رُوس سے زیادہ ان میں مذہب پر پابندی نہیں ہوسکتی۔ آجکل کی ظاہری روش اور جمہوری خیالات کے نتیجہ میں کوئی حکومت رُوس کا سا طریق اختیار نہیں کرسکتی اور کوئی قوم ایسی نہیں جو مذہب میں اِس حد تک دخل دے پس عقلی بات تو یہی ہے کہ کوئی حکومت افراد کے مذہب میں دخل نہیں دے سکتی لیکن کوئی حکومت اگر عقل سے باہر جاکر ایسے قوانین بنا دے جو مذہب میں روک پیدا کر دیں۔ اور الفاظ کی تبدیلی سے کام نہ بنے تو ہم بھی کہیں گے کہ تم ہمیں گولی مار دو لیکن ہم اپنے اصول کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم مرتے جائیں گے لیکن صداقت کا انکار نہیں کریں گے۔ موت سے زیادہ حقیر چیز اور ہے ہی کیا؟ ساری چیزوں پر کچھ نہ کچھ خرچ ہوتا ہے۔ دستخطوں کے لئے سیاہی لینے جائیں تو اس پر بھی دھیلہ خرچ آجاتا ہے لیکن موت پر کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا موت آخر آنی ہے اور جو چیز ضرور آنی ہے اس پر خرچ کیا آئے گا پس یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں آجکل کی متمدّن دُنیا میں کسی حکومت کے قوانین مذہب کے بارہ میں اِس حد تک نہیں جایا کرتے کہ وہ ظالمانہ صُورت اختیار کرجائیں۔ بعض جگہوں پر حکومتیں ایک حد تک سختی کرتی ہیں۔ مثلاً ساؤتھ افریقہ کی حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ کالے گوروں سے الگ رہیں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ کالے ملک میں نہ رہیں۔ اس نے یہ کہا ہے کہ گورے اور کالے ریلوں میں اکٹھے سفر نہ کریں لیکن اس نے یہ نہیں کہا کہ کالے سفر ہی نہ کریں۔ اس نے یہ کہا ہے کہ گوروں کے ہسپتال میں کالے نہ جائیں لیکن اس نے یہ نہیں کہا کہ کالوں کا علاج ہی نہ ہو۔ اس نے یہ کہا ہے کہ گورے اور کالے آپس میں شادی نہ کریں لیکن وہ نہیں کہتی کہ کالے شادی ہی نہ کریں

پس بعض ممالک میں بے شک سختیاں ہوتی ہیں مگر ایک حد تک لیکن دُنیا چونکہ متمدن ہو چکی ہے اِس لئے اب کوئی ایسی حکومت نہیں ہو سکتی جو کوئی ایسا قانون بنائے جو عقل کے خلاف ہو۔ لیکن فرض کرو کہ اگر کوئی ایسی حکومت ہو جو عقل سے باہر جا کر ایسے قانون بنا سکتی ہو تو عاشق بھی عقل سے باہر جا کر اپنی جانوں کو شہادت کے لئے پیش کر سکتے ہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرت ہو ہماری جماعت امن پسند جماعت ہے لیکن جن ملکوں میں احمدیوں کے لئے امن نہیں رہا وہاں ہم نے اپنے آپ کو بچایا نہیں۔ کابل میں دیکھ لو احمدی پتھر کھاتے گئے مگر مرتد نہیں ہوئے۔ پس حکومت کی فرمانبرداری اَور چیز ہے اور عقائد اَور چیز ہیں۔ متمدن دُنیا افراد کے مذاہب میں دخل نہیں دیتی۔ متمدن دُنیا حُریتِ ضمیر میں دخل نہیں دیتی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مکّہ میں تھے جہاں تک آئین کا سوال تھا آپؐ مکّہ کی حکومت کے قانون کے پابند تھے اور حکومت کی اطاعت کرتے تھے لیکن آپؐ نے تبلیغ کو ترک نہیں کر دیا تھا۔ مسیح کو آپؐ نے ترک نہیں کر دیا تھا کسی کے کہنے پر آپؐ نے اپنا کام نہیں چھوڑ دیا تھا لیکن جہاں تک آئین اور قانون کا سوال تھا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کے قوانین کی پابندی کی۔ اور جہاں تک عقائد کا سوال تھا آپؐ نے اپنے آپ کو ان پر مضبوطی سے قائم رکھا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام پر بھی ہماری طرح متضاد سوالات کئے جاتے تھے۔ لوگ عوام النّاس کے پاس جاتے تو کہتے یہ حکومت کے خوشامدی ہیں اور حکومت کے پاس جاتے تو کہتے یہ باغی ہیں۔ ہمارے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ مخالفوں کی کتب میں وہ مضامین بھی موجود ہیں جن میں لکھا گیا ہے کہ ہم حکومت کے خوشامدی ہیں اور حکومت کے نام ایسے محضر نامے بھی موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ہم حکومت کے باغی ہیں۔ ایک طرف باغی کہنا اور دوسری طرف خوشامدی کہنا یہ دونوں چیزیں اکٹھی کیسے ہو سکتی ہیں؟ لیکن لوگ اکثریت کے گھمنڈ میں سب کچھ کہہ لیا کرتے ہیں۔ وہ طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال نہیں رکھتے کہ سچ کیا ہے۔ لوگ اکثریت کے گھمنڈ میں بجائے دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنے کے یہ کہتے ہیں کہ تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم ڈنڈا ماریں گے مثل مشہور ہے کہ کوئی بھیڑیا ندی کے کنارے پانی پی رہا تھا۔ ایک بکری کا بچّہ آیا اور اُس نے بھی پانی پینا شروع کر دیا۔ بکری کا بچّہ دیکھ کر بھیڑیے کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور اُس نے یہ چاہا کہ اُسے کھالے۔ اِنسانوں اور حیوانوں کے حالات ایک سے نہیں ہوتے انسان دلیل دیتا ہے لیکن ایک حیوان

دلیل نہیں دیتا۔مثال میں چونکہ دلیل دی گئی ہے اِس لئے یہاں بھیڑیے سے مراد وہ آدمی ہے جو بھیڑیے کے سے خصائل رکھتا ہو۔ بہرحال بھیڑیے کو یہ لالچ پیدا ہؤا کہ کسی نہ کسی طرح بکری کے بچّہ کو کھالے چنانچہ وہ بکری کے بچّہ کو دیکھ کر کہنے لگا تجھے شرم نہیں آتی کہ میرا پانی گدلا کر رہا ہے۔ بکری کے بچّہ نے کہا سرکار یہ کونسی بات ہے؟ آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اُوپر ہیں اور مَیں نیچے آپ کا پیا ہؤا پانی میری طرف آرہا ہے نہ کہ میرا پیا ہؤا پانی آپ کی طرف جارہا ہے۔بھیڑیے نے آگے بڑھ کر بکری کے بچّہ کو تھپّڑ مارا اور اُسے ماردیا اور کہا نالائق آگے سے جواب دیتا ہے۔پس زبردست کثرت پرگھمنڈ کرتا ہی ہے جیسے آجکل احراری اخبار آزاد، زمیندار اور آفاق کر رہے ہیں۔ وہ کہیں گے اور ہم سُنیں گے۔ اور چونکہ ہم تھوڑے ہیں۔۔۔اِس لئے ہم تھوڑے ہونے کی سزا بھگتیں گے یہانتک کہ ہمارے خدا کی غیرت بھڑک اُٹھے اور وہ ہمیں اقلیّت سے اکثریّت میں تبدیل کر دے۔لیکن جب تک ہم تھوڑے ہیں ہمیں تھوڑے ہونے کی سزا بھگتنی پڑے گی، ماریں کھانی پڑیں گی، گالیاں سُننی پڑیں گی۔کئی احمدی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخر ہم کب تک اِن تکالیف کو برداشت کریں گے ؟ مَیں انہیں یہی کہتا ہوں تم تھوڑے ہو اور جب تک تم تھوڑے ہو تمہیں تھوڑا ہونے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔خدا تعالیٰ اگر تمہیں دُکھوں میں مُبتلا نہ کرنا چاہتا تو وہ تمہیں اقلیّت میں نہ رہنے دیتا۔لیکن جس طرح کثرت دماغ میں غرور پیدا کر کے عقل ماردیتی ہے اسی طرح عشق بھی ایک عاشقِ صادق کے اندر کبریائی پیدا کردیتا ہے مگر عشق ہمیشہ کبریائی کے نشہ میں آکر مرتا ہے مارتا نہیں۔چنانچہ دیکھ لو عاشقوں نے معشوقوں کے لئے اپنی جانیں دی ہیں اور کثرت والوں نے تھوڑی تعداد والوں کو غرور میں آکر مارا ہے۔پس خدا تعالیٰ کی یہ تقدیر ہے جو بدل نہیں سکتی۔تم کوئی نئی جماعت نہیں جو اقلیّت میں ہو۔کثرت والے کہتے ہیں ہم تمہیں اقلیّت بنا دیں گے۔ہم کہتے ہیں بنانے کا کیا سوال ہے ہم تو پہلے ہی اقلیّت میں ہیں کیونکہ ہم تھوڑے ہیں۔جس چیز کا ہمیں انکار ہے وہ یہ ہے کہ ہم وہ اقلیّت نہیں جس کے معنے غیر مسلم کے ہیں۔کیا مسلمان ہندوستان میں اقلیّت میں نہیں؟ ہندوستان میں ہندو زیادہ ہیں اور مسلمان کم ہیں۔پھر اگر پاکستان میں کوئی ناجائز سلوک اقلیّت سے ہوسکتا ہے تو کیا وہی سلوک ہندوستان میں مسلمانوں سے بھی ہوسکتا ہے یا چین میں مسلمانوں سے ہوسکتا ہے۔اگر اقلیّت پر سختی کرنا جائز ہے تو پھر وہی سلوک انگلستان میں بھی

مسلمانوں سے جائز ہے۔ یہ کتنی بے حیائی ہے کہ ایک قوم متمدّن ہونے کا دعوٰی بھی کرے اور پھر وہ یہ خیال کرے کہ اگر وہ اقلیّت والوں سے اپنی کثرت کی وجہ سے کوئی بُرا سلوک کرتی ہے تو جائز ہے لیکن دوسری شریف حکومتوں سے جہاں وہ قوم خود اقلیّت میں ہے یہ اُمّید رکھے کہ وہ اس سے ایسا سلوک نہیں کرے گی کتنے تعجّب کی بات ہے کہ اسلام جو سب سے زیادہ شرافت سکھاتا ہے اُس کی طرف منسوب ہونے والے آج غیر قوموں کی شرافت سے تو ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارے مُلک میں تھوڑے ہیں اس لئے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرو لیکن اپنے مُلک میں تھوڑوں پر ظلم کرنا چاہتے ہیں اور تھوڑا سمجھ کر اُن کو آزادی سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ شرافت ہے؟ ہم اقلیّت سے جو سلوک کرتے ہیں وہی سلوک اگر وہ ممالک ہم سے کریں جہاں ہم اقلیّت میں ہیں تو ان کا یہ طریق جائز ہو گا لیکن ہم اسے جائز نہیں کہتے۔ جو سلوک ہندوستان میں مسلمانوں سے ہو رہا ہے کوئی احمدی ہو یا غیر احمدی اسے بُرا مانتا ہے کیونکہ مسلمان بھی حکومت کے اعضاء ہیں اور حکومت میں سب کو برابر ہونا چاہیئے۔ یہی سلوک پاکستان میں بھی ہونا چاہیئے۔ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کا قرآن کریم کے احکام اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر ایمان ہے وہ مسلمان ہے اور پھر جتنا جتنا وہ احکامِ قرآن اور احکامِ رسولؐ پر عملاً ایمان لاتا ہے اتنا اتنا وہ حقیقتاً مسلمان ہے لیکن جب وہ مُنہ سے کہتا ہے کہ مَیں مسلمان ہوں تو وہ ظاہر میں سَو فیصدی مسلمان ہے کیونکہ وہ مُنہ سے کہتا ہے مَیں مسلمان ہوں اور نام کے لحاظ سے مُنہ سے کہنا کافی ہے اور عمل حقیقت کے لحاظ سے ضروری ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کوئی کیسا مسلمان ہے بندے کا کام نہیں۔ بندے کا کام یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے تو وہ اسے مسلمان کہے۔ اگر مَیں کہتا ہوں مَیں مسلمان ہوں تو اسے مجھے مسلمان ماننا پڑے گا۔ اگر زید کہتا ہے مَیں مسلمان ہوں تو اُسے زید کو مسلمان ماننا پڑے گا چاہے وہ شافعی ہو، حنفی ہو، مالکی ہو، حنبلی ہو۔۔۔"

"تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ تم تھوڑے ہو اِس لئے نہیں کہ تم مسلمان نہیں بلکہ اِس لئے کہ احمدی کہلانے والے مسلمان غیر احمدی کہلانے والے مسلمانوں سے کم ہیں اور عربی زبان میں اسے اقلیّت کہتے ہیں اقلیّت کے یہ معنے نہیں کہ ہم مسلمان نہیں کیونکہ ہم مُنہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قیامت

تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے جائیں گے یہاں تک کہ ہم بڑھ جائیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی تقدیر چاہتی ہے کہ وہ احمدیت کو قائم رکھے تو یقیناً ہم بڑھیں گے اور بڑھتے چلے جائیں گے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس فتنہ کے ایّام میں بھی جن لوگوں میں جُرأت ہوتی ہے وہ لوگوں کے غلط الزامات کی تردید کر دیتے ہیں۔ ایک دوست نے مجھے خط لکھا کہ مَیں احمدی نہیں مَیں سیاسی آدمی ہوں مذہبی نہیں لیکن جوں جوں اخبارات میں مَیں نے پڑھنا شروع کیا کہ احمدی پاکستان کے غدار ہیں تو مجھے پتہ لگا کہ ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ مَیں کٹر پاکستانی تھا مَیں نے پاکستان کی خاطر بہت سی قربانیاں کیں اور میرے وفادار ساتھیوں میں سے بعض احمدی بھی تھے۔ پس جب مَیں اخبارات میں پڑھتا ہوں کہ احمدی غدّار ہیں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ یہ خیالات ہزاروں کے نہیں لاکھوں کے ہیں لیکن سب میں یہ جُرأت نہیں کہ اس کا اظہار کریں لیکن ایک وقت آئے گا جب لوگ جُرأت سے اس کا اظہار کریں گے۔ لاہور، گورداسپور، فیروزپور وغیرہ کے لاکھوں آدمی ہیں جن کے ساتھ احمدی مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ راولپنڈی کا اخبار "تعمیر" آجکل "زمیندار" کا ہمنوا ہے لیکن آج سے کچھ سال پہلے ایڈیٹر نے اپنے ایک ناول میں لکھا تھا کہ احمدیوں نے پاکستان کی خاطر بہت سی قربانیاں کی ہیں۔

آج وہ جو کچھ چاہتے ہیں کہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اُس وقت ایڈیٹر اخبار "تعمیر" نے کیا لکھا تھا۔ مصیبت کے وقت اس کے مُنہ سے سچ نکل گیا تھا۔ پس یہ چیزیں وقتی ہیں۔ مومن اور شریف آدمی وہی ہے جس کے ہاتھ سے ایک طرف چیونٹی کو بھی ضرر نہیں پہنچتا۔ وہ قانون کا بڑا ہی پابند ہوتا ہے۔ وہ قانون پر بڑا چلنے والا ہوتا ہے اور بڑا ہی بے ضرر ہوتا ہے جیسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے ایبےسینیا اور مکّہ میں رہ کر وہاں کی حکومتوں کے قواعد کی پابندی کی لیکن ساتھ ہی وہ نڈر بھی ہوتا ہے کوئی اسے مارتا ہے یا گالیاں دیتا ہے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا۔ ایک صحابیؓ جو پہلے مسلمان نہیں تھے بعد میں وہ مسلمان ہو گئے ہمیشہ یہ واقعہ سُنایا کرتے تھے۔ اِس وقت سارا واقعہ تو سُنا نہیں سکتا اختصار کے ساتھ بیان کر دیتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں مَیں مسلمان نہیں تھا مَیں ایک لڑائی میں شامل ہو گیا اور ہم نے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔ اِتنے میں مسلمانوں کا ایک لیڈر نیچے اُتر آیا۔ ہم میں سے دو تین آدمیوں نے اُس پر حملہ کر دیا اور ایک شخص نے آگے بڑھ کر اُس کے

سینہ پر نیزہ مارا وہ گر پڑا جب وہ گرا تو اُس کی زبان سے نکلا فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ[1] کعبہ کے ربّ کی قسم مَیں کامیاب ہوگیا۔ مَیں نے کہا یہ عجیب آدمی ہے گھر سے دُور ہے، بے وطن ہے، بیوی بچے پاس نہیں، دھوکہ میں اُسے یہاں لایا گیا ہے، اُسے وصیّت کرنے کا موقعہ بھی نہیں ملا مگر بجائے اِس کے کہ یہ روتا وہ نعرہ مارتا ہے کہ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ کعبہ کے ربّ کی قسم مَیں کامیاب ہوگیا۔ وہ صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں اس قبیلے کا آدمی نہیں تھا جس نے اس شخص کو شہید کیا مَیں ان کے ہاں بطور مہمان مقیم تھا اور لڑائی میں ان کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر مَیں مدینہ آگیا تا دیکھوں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنہیں موت میں لذّت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہؤا اور چند دن وہاں رہا مجھے صداقت کا احساس ہؤا اور مَیں مسلمان ہوگیا۔ پھر آگے وہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اتنے سال گذر گئے کہ یہ واقعہ ہؤا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر بھی اتنے سال گذر گئے لیکن مَیں جب بھی یہ واقعہ سُناتا ہوں وہ نظّارہ میرے سامنے آجاتا ہے اور میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور مَیں اِس نظارہ کو بھول نہیں سکتا۔

پس جہاں تک قانون کا سوال ہے جماعت اس کی پابندی کرے گی لیکن جہاں تک لٹھ بازی کا سوال ہے ہر مخلص احمدی لاٹھیاں کھاتا جائے گا اور صداقت کا اظہار کرتا جائے گا بعض کمزور کمزوریاں دکھا چکے ہیں اور ممکن ہے آئندہ بھی دکھائیں کیونکہ بعض طبائع کمزور بھی ہوتی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اُحد میں بھاگے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ فرار نہیں کرّار ہو کیونکہ تمہارا جنگ میں دوبارہ جانے کا ارادہ تھا۔ اِسی طرح ایک اَور صحابیؓ تھے ان پر مخالفین نے سختی کی۔ وہ ابھی بچے تھے مخالفین نے ان کے مُنہ سے بعض الفاظ نکلوا لئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پتہ لگا تو آپؐ نے محبت سے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ایسے الفاظ کہے جن سے ان کی دلجوئی ہو۔ مومن کی شان یہی ہے کہ جتھے اسے مارتے ہیں تو مارتے رہیں ... لوگ اسے صداقت سے پھیرنا چاہتے ہیں لیکن وہ پھرتا نہیں وہ صداقت پر قائم رہتا ہے لیکن اگر کوئی کمزور طبیعت شخص کمزوری دکھاجاتا ہے تو طاقتوروں کو بھی چاہیئے کہ وہ کمزور کا خیال رکھیں۔ آپ اس کے ساتھ ایسے رنگ میں پیش آئیں کہ اسے پشیمانی محسوس ہو اور وہ توبہ کرے۔ بہرحال ایک مومن ڈر، رُعب اور جتھے سے ڈر کر اپنا ایمان نہیں

---

[1] بخاری جلد ۳ صفحہ ۲ (باب غزوۃ الرجیع) مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

چھوڑتا، وہ دوسروں پر خود حملہ نہیں کرتا، وہ خود آئین شکنی اور فساد نہیں کرتا، وہ دوسروں سے لڑتا نہیں لیکن جہاں تک عقائد کا سوال ہے وہ قانون سے بالا ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان کوئی حکومت بھی کھڑی نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک مذہب اور ایمان کا سوال ہے کسی حکومت کو اس میں دخل حاصل نہیں۔ ایسی کوئی حکومت نہیں جو کسی کے مذہب میں دخل دے۔۔۔ عقیدہ کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے یہ حکومت کے زور سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اگر عیسائی کسی مسلمان کو ماریں اور کہیں کہ تم تین خدا تسلیم کر لو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص مجھے پکڑ لے اور کہے تم یہ کہو کہ میں ایک نہیں دو ہوں تو خواہ وہ کتنا عذاب دے میں اپنے آپ کو ایک ہی کہوں گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ ایک ہے تو کون کہے گا کہ خدا تین ہیں اگر کمزور طبیعت کا کوئی شخص تین خدا کہہ بھی دے تو اس کا اپنا دل یہ تسلیم کرے گا کہ میں ایسا کہنے میں سچا نہیں جان بچانے کی خاطر میں نے جھوٹ بولا ہے۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں تو خواہ سارا شہر چڑھ آئے، لاکھ دو لاکھ کا جتھا حملہ کر دے، ڈرائے اور طاقت کا رعب دے کر کہے تم کہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو ہم کس طرح آپ کو جھوٹا کہیں گے۔ کمزور طبیعت انسان اگر کہہ بھی دے تو اُس کا دل اُسے جھوٹا کہہ رہا ہوگا وہ سمجھتا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں جھوٹا میں ہوں جس نے بزدلی دکھائی ہے پس تم اپنے ایمان کو مضبوط کرو اور ساتھ ہی اپنے جذبات پر قابو رکھو۔ میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم کیا کریں۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آخر ہم کب تک مار کھاتے جائیں گے۔ میں اُن کی اِس بات کا یہی جواب دیتا ہوں کہ تم ماریں کھاتے جاؤ۔ جب خدا تعالیٰ نے تمہیں اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ تم ماریں کھاؤ تو میں کون ہوں جو تمہیں بچا سکوں۔ جس حرکت پر معشوق راضی ہوتا ہے عاشق وہی کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا جہاد کرنا بڑی اچھی چیز ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ نے تم سے انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کروانا ہوتا تو وہ تمہارے ہاتھ میں تلوار دیتا۔ اگر اُس نے ان کے مقابلہ میں تم سے تلوار چھین لی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریزوں سے جہاد کرنے کا موقعہ نہیں۔ اب تلوار ہمارے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ پاکستان آزاد ہو چکا ہے اب ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی پاکستان کی آزادی میں فرق لائے تو جہاد فرض ہو جائے گا۔ یہی دلیل ہمیں بھی

اپنے مدِّنظر رکھنی چاہیئے۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں مار سے بچانا ہوتا تو وہ ہماری تعداد زیادہ کیوں نہ کر دیتا۔۔۔ خدا تعالیٰ آج یہ نظّارہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم ماریں کھاؤ۔ جتنی زیادہ ماریں تم کھاؤ گے خدا تعالیٰ تم سے اتنا ہی راضی ہوگا۔" لہ

لہ "الفضل" ۱۹ ظہور ۱۳۳۱ ہش / ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء صـ۳ تا صـ۵

تیسرا باب

مفتیٔ مصر کے فتویٰ تکفیر سے لے کر حضرت مصلح موعودؓ کے ۳؍ مارچ ۱۹۵۳ء کے پُرشوکت پیغام تک

(از احسان ۱۳۳۱ھش / جون ۱۹۵۲ء تا ۳؍ امان ۱۳۳۲ھش / ۳؍ مارچ ۱۹۵۳ء)

فصل اوّل

● مفتیٔ مصر کا فتویٰ تکفیر، مصری پریس کا احتجاج اور خدائے ذوالجلال کے جلالی نشان کا ظہور ● اخبار "الیوم" (مصر) کے نام حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب اور مسئلہ ختم نبوت سے متعلق ایک وضاحتی بیان

نہرِ سویز کا قضیہ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

نہر سویز پر برطانوی فوجیں قابض تھیں جس کی وجہ سے حکومتِ انگلستان اور حکومتِ مصر کے درمیان تنازعہ چل رہا تھا اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (وزیرِ خارجہ پاکستان) مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک کے دوسرے مسائل کی طرح اس تنازعہ کو نمٹانے کی بھی جدوجہد فرما رہے تھے۔ اِس سلسلہ میں آپ نے جنوری ۱۹۵۲ء کے اجلاسِ جنرل اسمبلی کے بعد لنڈن میں برطانوی وزیراعظم

مسٹر ایڈن سے بھی بات چیت کی۔ برطانیہ نے مصر کو مطلع کر دیا کہ وہ ایک معیّنہ میعاد کے اندر نہر سویز سے اپنی تمام فوجیں ہٹا لے گا۔ اخبار "الاہرام" مصر (۲۱ فروری ۱۹۵۲ء) نے یہ خبر دیتے ہوئے لکھا کہ اِس فیصلہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ پاکستان کی مساعی کا بھاری دخل ہے۔[1]

اِس کامیاب گفت و شنید کے بعد چوہدری صاحب مشرقِ وسطیٰ کے دَورہ کے سلسلہ میں چار روز تک قاہرہ میں ٹھہرے اور اِس قضیہ کو نمٹانے کے لئے مصر کے وزیرِ اعظم علی ماہر پاشا، عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عزام پاشا نیز صلاح الدین پاشا، فوزی بے (اقوامِ متّحدہ میں مصر کے مستقل مندوب) اور دیگر زعماء سے ملاقاتیں کیں۔[2] اخبار "المصری" (قاہرہ) نے ۲۵ فروری ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں آپ کی مصر میں تشریف آوری پر ایک مقالہ افتتاحیہ سپردِ قلم کیا جس میں آپ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے اعتراف کیا کہ آپ کی سرگرمیوں اور دینی صلاحیّتوں سے اسلامی ممالک کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اقوامِ متّحدہ میں اخبار "المصری" کے نامہ نگار نے اِس سے بھی شاندار الفاظ میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور کہا کہ پچھلے تین برسوں میں اسلام اس کے فلسفے اور مقاصد کے متعلق مغربی طاقتوں کے رویّہ میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ اکثر و بیشتر چوہدری (محمد) ظفر اللہ خاں کی قابلیّت اور فہم و تدبّر کی رہینِ منّت ہے۔[3]

---

[1] بحوالہ الفضل ۲۲ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / ۲۲ فروری ۱۹۵۲ء۔

[2] اخبار "زمیندار" لاہور (۲۹ فروری ۱۹۵۲ء) میں یہ خبر شائع ہوئی:۔

قاہرہ ۲۷ فروری۔ سر محمد ظفر اللہ خاں وزیرِ خارجہ پاکستان نے کل علی ماہر پاشا وزیرِ اعظم مصر سے ملاقات کی۔ وزیرِ اعظم مصر سے وزیرِ خارجہ پاکستان کی دوسری ملاقات تھی۔ سر ظفر اللہ خان حکومتِ مصر کے مہمان کی حیثیت سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔ آپ خیر سگالی کے دَورہ پر مصر آئے ہیں۔ سلامتی کونسل میں پاکستان کے متبادل نمائندے محمد اسد نے الگ تینتیس منٹ تک وزیرِ اعظم سے ملاقات کی۔ سر ظفر اللہ خان نے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل غازی عبد الرحمان عزام پاشا کے ساتھ لنچ کھایا اور بعد دوپہر آپ نے پاکستانیوں کے اجتماع میں شرکت کی۔ عربی کے بہترین مصنّف شیخ محمد ابراہیم نے ایک دستی لکھا ہوا قرآنِ مجید سر ظفر اللہ خاں کو پیش کیا۔ سر ظفر اللہ خاں جمعرات کو قاہرہ سے بذریعہ طیارہ کراچی روانہ ہو جائیں گے۔ (اے۔ پ) (صٓ)

[3] بحوالہ روزنامہ الفضل ۲۷ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / ۲۷ فروری ۱۹۵۲ء صٓ۔

مفتی مصر کا فتویٔ تکفیر حضرت چوہدری صاحب تو ملت اسلامیہ کے بطل جلیل کی حیثیت سے عرب ممالک کی بے لوث عالمی خدمات میں سرگرم عمل تھے کہ استعماری طاقتوں کی ان خفیہ اور جارحانہ کوششوں میں یکا یک تیزی پیدا ہوگئی جو اُن کی طرف سے "الکفر ملة واحدة" کے مضمون کی اشاعت کے بعد جماعت احمدیہ کے خلاف جاری تھیں۔[1] دشمنان دین نے اپنی انتقامی کارروائی کیلئے مصر کی سرزمین کو چنا اور مفتی دیارِ مصریہ فضیلۃ الاستاذ الشیخ حسنین محمد مخلوف کے ذریعہ حضرت چوہدری صاحب پر احمدی ہونے کی بناء پر فتویٰ کفر شائع کرا دیا گیا

یہ فتویٰ "اخبار الاجدید" کے ۲۲ جون ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں منظر عام پر آیا جس میں فضیلۃ الاستاذ الشیخ مخلوف نے لکھا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان غیر مسلم بلکہ کافر ہیں کیونکہ پاکستان کے ایسے مخصوص فرقہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا منکر ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسلام میں سلسلۂ انبیاء جاری ہے[2] یہ فتویٰ مشرقِ وسطی کے عرب ممالک نے نمایاں طور پر شائع کیا[3]

مصری عالم الاستاذ احمد بہاء الدین نے اپنی کتاب "فاروق... ملکا" میں اس فتویٰ

---

[1] اس ضمن میں الاستاذ علی الخیاط آفندی کا سنسنی خیز انکشاف "تاریخ احمدیت" سابق جلد ۱۲ صفحہ ۳۹ تا ۹۸ میں درج ہو چکا ہے۔

[2] الیوم (یافا) ۲۱ شوال ۱۳۷۱ھ بحوالہ البشریٰ ۱۸ ص ۱۰۹

[3] مغربی پنجاب کا اخبار "زمیندار" اُن دنوں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیزی اور فتنہ آرائی میں دوسرے مخالف اخبارات میں پیش پیش تھا۔ اس اخبار نے اپنی ۸ جولائی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں اِس فتویٰ کو صفحہ اوّل پر چوکھٹے کے ساتھ شائع کیا۔ عنوان یہ تھا:۔

"مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں ــــــ مفتیٔ اعظم مصر السیّد محمد حسنین المخلوف کا فتویٰ"

کا ذکر کرتے ہوئے حضرت چوہدری صاحب کو زبردست خراجِ تحسین بھی ادا کیا[1] لیکن ساتھ ہی ایک فرضی واقعہ بھی ان کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں

"السیّد ظفر اللہ خان معروف بجرأته وصراحته، وقد كان مارًّا بالقاهرة فی طریقه الیٰ بلده وتشرّف بمقابلة الملك، وكان الرجل قد عاش فی الخارج زمنا طویلًا، وقرأ من فضائح فاروق ومخازله مایسیئ الیه والیٰ مصر والیٰ بلاد الشرق كلها وقال الرجل لفاروق بلباقة مولمةٍ[2]: إنّ بلاد العالم الاسلامی محط انظار العالم اجمع۔ وان اعداءها الكثیرین یتربصون بها ویحصون علیها الاخطاء۔ وان هٰذا الموقف یلزم روساء الدول الاسلامیّة بان یرعوا فی سلوكهم تقالید الاسلام وان یتمسكوا بقواعده، وان تكون حیاتهم المستقیمة قدوة لشعوبهم ودعایة امام العالم اجمع !!

وفهم فاروق المقصود۔ فنهض واقفًا... وانهی المقابلة... وكتم الملك السابق غیظه ونقمته علی الوزیر الصریح... وبات یتربص به ویتربص معه الشیخ مخلوف مفتی الدیار المصریّة أو بالاخری مفتی القصور الملكیة۔

وانتهز الشیخ مخلوف الفرصة، وادلی بحدیث عجیب: قال فیه ان ظفر اللہ خان من طائفة القادیانیة، وهی ملّة كافرة ولم یقف عند ذٰلك حتّٰی یبقی غرض الحدیث مستورًا، بل استطرد یقول: ان علیٰ حكومة الباكستان وهی حكومة اسلامیّة ان تطرد من وزارة خارجیتها هٰذا الوزیر الكافر! لانه لا یجب ان یبقی علیٰ رأس دولة اسلامیّة وزیر كافر!

---

[1] یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں ادارہ مجلہ "روزالیوسف" المصریہ نے چھپوائی تھی اور اس کا یہ اقتباس پہلی بار مولانا محمد شریف صاحب مجاہد بلادِ عربیہ نے رسالہ "البشریٰ" (حیفا) دسمبر ۱۹۵۲ء میں شائع فرمایا تھا۔

[2] آلَمَ: اجتمع خلقه وعقله (منجد)

وهكذا ردّ على قول ظفر الله خان انه لا يجب ان يبقى على رأس دولة اسلامية ملك فاسق!!

وثارت الصحف في مصر والباكستان تحمل على المفتي المدفوع واقسم الهلالي۔ وكان رئيسا للوزارة ليعزله من منصبه جزاء رعونته ولكن الهلالي لم يلبث ان تبين الامر وعرف ان الملك لا يقبل ابدا ان تمس شعرة من رأس مخلوف۔ هذه الرأس التي تخرج له الفتاوى والتحليلات!!"

(صفحة ۷۱-۷۲-۷۳)

(ترجمہ) چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب اپنی جرأت اور دلیری میں مشہور ہیں۔ آپ ایک مرتبہ پاکستان واپس جاتے ہوئے قاہرہ سے گذرے تو قاہرہ میں آپ کو شاہ فاروق سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ بیرونی دُنیا میں انہوں نے ایک لمبا عرصہ گذارا ہے۔ فاروق کی ایسی رسوا کُن اور بیہودہ حرکات کے متعلق انہیں پڑھنے کا اکثر موقعہ ملا ہے جو فاروق، ملکِ مصر اور تمام مشرقی ممالک کی بدنامی اور رسوائیوں کا موجب ہیں چنانچہ چوہدری صاحب نے نہایت حکمت، دانشمندی اور کمال ملاطفت کے ساتھ شاہِ مصر سے کہا کہ "ساری دُنیا کی نظریں عالمِ اسلام پر ہیں۔ اسلامی ملکوں کے دشمن بے شمار ہیں اور ان کی تاک میں ہیں نیز ان کی لغزشوں پر نگاہ رکھتے اور شمار کرتے رہتے ہیں۔ اِن حالات میں مسلمان حکومتوں کے سربراہوں اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو رواج دیں اور اسلامی قوانین کی پابندی کریں تا ان کی راستباز زندگی ان کی قوموں کے لئے نمونہ ہو اور تمام دُنیا کے لئے اسلام کی تبلیغ کے پروپیگنڈا کا موجب ہو۔

شاہ فاروق چوہدری صاحب کا مقصد بھانپ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور ملاقات ختم کر دی[1] شاہ فاروق نے وزیرِ خارجہ پاکستان کی اِس جرأت پر اپنا غیظ و غضب چھپایا اور موقعہ کی تلاش میں رہے۔ شیخ مخلوف بھی موقع ڈھونڈتے رہے۔ مفتی الدیار المصریہ کی بجائے وہ شاہی محلات کے مفتی کہلانے کے زیادہ مستحق تھے۔

شیخ مخلوف نے بالآخر موقع پاتے ہی اس سے فائدہ اُٹھایا اور ایک عجیب بیان شائع کر دیا

[1] ۱۹۷۵ء میں اس جلد کے پہلے ایڈیشن میں جب یہ اقتباس شائع ہوا تو حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نے سختی سے تردید فرمائی اور کئی مجالس میں بتایا کہ قصہ بے بنیاد ہے میری ایسی کوئی ملاقات شاہ فاروق سے نہیں ہوئی۔

جس میں کہا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی ہے اور یہ لوگ کافر ہیں شیخ مذکور نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اس نے اپنے مقصد کو چھپانہ رہنے کی خاطر یہ بھی کہہ دیا کہ حکومتِ پاکستان چونکہ اسلامی سلطنت ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ اس کافر وزیر کو اپنی وزارتِ خارجہ سے نکال دے کیونکہ اسلامی سلطنت میں کافر وزیر کا باقی رہنا مناسب نہیں۔ گویا اس طرح شیخ مخلوف نے چوہدری ظفر اللہ خاں کے اس قول کا جواب دیا کہ اسلامی سلطنت میں بدکار بادشاہ کی کوئی جگہ نہیں۔

شیخ مخلوف (جنہیں آلۂ کار بنایا گیا تھا) کے بیان پر مصر اور پاکستان کے اخبارات نے پُرجوش جوابی حملہ کیا اور اس کی تغلیط کی۔ ہلالی پاشا نے جو اُن دنوں مصر کے وزیر اعظم تھے قسم کھائی کہ شیخ مخلوف کی اس حماقت اور رعونت کے باعث انہیں افتاء کے منصب سے معزول کر دوں گا لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ (سابق) شاہ مصر تو شیخ مخلوف کے سر کا بال تک بیکا نہیں ہونے دیں گے کیونکہ یہی سر بادشاہ کے لئے حسبِ منشاء فتوٰی اور جواز پیدا کرتا رہتا ہے[1] الاستاذ احمد بہاؤ الدین نے شاید یہ بات ہفت روزہ ''الصیاذ'' (۷/اگست ۱۹۵۲ء) کی مندرجہ ذیل خبر سے اخذ کی ہے۔

" اشتھر عن الملك السابق فاروق انه كان يكره النصح والارشاد وخاصة فى المسائل السياسيّة والدينية ويكره الذين يجراؤن على نصحه وارشاده وحدث حين مرّ السيّد ظفر الله خاں، وزير خارجية الباكستان بمصر عائدا من هيئة الامم المتحدة ان استقبله الملك السابق، فما كان من الوزير الباكستانى الذى يعتبر من كبار رجالات السياسة والاسلام الا ان وجه للملك بعض النصائح السياسية والدّينيّة۔ فغضب الفاروق واستدعى على اثر المقابلة شيوخ الازهر واجبرهم على اصدار فتوٰى ضد ظفر الله خاں بانه ملحد وخارج على الدّين، وصدرت الفتوٰى ونشرت فى الصحف ...... وقامت قيامة/ لباكستان، وقدّم وزيرها فى القاهرة احتجاجاً رسميا الى الحكومة المصريّة الّتى كانت يرئسها احمد نجيب

[1] کتاب" فاروق۔ ملکا" مطبوعہ مصر ص۲، ص۲۳ بحوالہ رسالہ البشرٰی (حیفا فلسطین) مجلد نمبر ۱۸ بابت دسمبر ۱۹۵۲ء

الهلالی۔۔۔فبادر الهلالی الی وضع المرسوم بدحض الفتوی الجریئة والغائها، ثمّ حمله الی الملك ليوقعه ولكن فاروق رفض توقيع المرسوم، فاصر الهلالی و هدد بالاستقالة۔۔۔ وهزّا لملك السابق كتفيه مستهزأً واستقال الهلالی۔۔۔" [1]

یعنی سابق شاہ فاروق کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ ہر نصیحت اور راہنمائی کو ناپسند کرتے تھے بالخصوص سیاسی اور مذہبی معاملات میں جو لوگ ان کو نصیحت کرنے کی جُرأت کرتے وہ انہیں سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان مجلس اقوامِ متّحدہ میں شمولیّت کے بعد واپسی پر مصر سے گزرے تو سابق شاہ فاروق نے جنابِ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا استقبال کیا۔ اس موقعہ پر موصوف نے جن کا شمار دُنیا کی خاص سیاسی اور اسلامی معزز شخصیتوں میں ہوتا ہے شاہِ فاروق کو دورانِ ملاقات مذہبی امور پر مشتمل اہم مشورے دئے اس پر شاہ فاروق خفا ہو گئے اور اس ملاقات کے بعد علماءِ ازہر کو بُلا کر مجبور کیا کہ وہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے مُلحد اور خارج از دین ہونے کا فتویٰ دیں۔ چنانچہ فتویٰ صادر کر دیا گیا اور اخبارات میں اس کی اشاعت بھی ہوئی۔

اِس فتویٰ سے پاکستان میں کُہرام مچ گیا۔ پاکستانی سفیر مقیم قاہرہ نے سرکاری طور پر مصری حکومت کے پاس احتجاج کیا۔ اُس وقت اس حکومت کے وزیرِ اعظم نجیب الہلالی تھے۔ وزیرِ اعظم الہلالی نے اِس بیباکانہ فتویٰ کی تردید اور اسے لغو قرار دینے کا معاملہ شاہ فاروق کے سامنے رکھا اور دستخط کے لئے کاغذ پیش کیا لیکن شاہ فاروق نے الہلالی کی تجویز پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا جس پر وزیرِ اعظم الہلالی نے اصرار کرتے ہوئے استعفیٰ کی دھمکی دی۔ بایں ہمہ سابق شاہ فاروق نے عواقب سے بے نیاز ہو کر متکبّرانہ انداز میں فتویٰ کی منسوخی پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ وزیرِ اعظم الہلالی پاشا مستعفی ہو گئے۔

مصری زعماء اور صحافیوں کا زبردست احتجاج

اِس فتویٰ کی اشاعت پر مصریوں کو از حد قلق ہوُا اور مصری عوام و خواص سر تا پا احتجاج بن گئے چنانچہ اس موقعہ پر مصری زعماء اور پریس نے جو بیانات دئے وہ اُن کی فرض شناسی، تدبّر،

[1] "الصیاد" ۵ / اگست ۱۹۵۲ء

اور معاملہ فہمی کی بہت عمدہ مثال تھی۔ ان بیانات میں سے بعض کا متن ضمیمہ میں شامل ہے اور ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل کا بیان

عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عبد الرحمٰن عزام پاشا نے شدید تنقید کی اور الاخبار الجدید (جس میں یہ فتویٰ شائع ہوا تھا) کے نمائندہ خصوصی کو حسب ذیل بیان دیا:۔

(ترجمہ) میں حیران ہوں کہ آپ نے قادیانیوں یا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان کے متعلق مفتی کی رائے کو ایک مؤثر مذہبی فتویٰ خیال کیا ہے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو پھر بنی نوع انسان کے عقائد، ان کی عزت و وقار اور ان کا سارا مستقبل محض چند علماء کے خیالات و آراء کے رحم و کرم پر آ رہے گا۔

فتویٰ کسی مخصوص اور غیر مبہم واقعہ سے متعلق ہونا چاہیئے اور پھر ایسی صورت میں بھی اس کی حقیقت محض ایک رائے سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہر شخص کے لئے اس کا تسلیم کرنا واجب اور لازمی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے علماء کے ذریعہ کسی کلیسائی نظام کی بنیاد نہیں ڈالی جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر سکے۔

بلاشبہ یہ رائے کی حیثیت محض رائے کی ہے نہ کہ دین کی کسی کی رائے نہ تو کسی کو دین سے خارج کر سکتی ہے اور نہ داخل۔

ہر وہ شخص جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے اور قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے وہ یقیناً مسلمان ہے۔

یہ امر مسلمانوں کے مفاد کے سراسر خلاف ہے کہ کسی ایک فرقہ کو بے دین قرار دیا جائے۔ اسلام کی بنیادی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے کو کافر قرار دینے سے بچے۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خاں اپنے قول اور اپنے کردار کی رو سے مسلمان ہیں۔ روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں آپ کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو موقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ آپ کا طرۂ امتیاز رہا اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات

سے لبریز ہو گئے۔ آپ ان قابل ترین قائدین سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ ؎

اخبار "المصری" کا بیان

مصر کی حکمران وفد پارٹی کے مشہور اخبار "المصری" نے ۲۶ رجون ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں ایک زوردار مقالہ افتتاحیہ سپردِ قلم کیا جس میں لکھا۔

"اے کافر خدا تیرے نام کی عزت بلند کرے

ہماری مسلمان مملکت پاکستان نے "شاہ سوڈان" کی حیثیت سے شاہ فاروق کے نئے خطاب کو تسلیم کیا۔

پاکستان نے یہ لقب برطانوی تاج کے تحت دولتِ مشترکہ کا رُکن ہونے کے باوجود تسلیم کیا۔ شاہ فاروق کو سوڈان کا بادشاہ تسلیم کرنا ایک جرأت مندانہ اقدام تھا اور اس کے لئے ہم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی مساعیٔ جمیلہ کے ممنونِ احسان ہیں۔ یہ ہم پر ایک نئی کرم فرمائی تھی۔ یہ ہماری دلجوئی اور ہمارے ساتھ ہمدردی کا ایک نیا اظہار تھا ہمیں احسان مندی کے جذبات کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے تھا ـــــ بالکل خلافِ توقع اور اچانک ہمیں معلوم ہوا کہ مفتیٔ مصر نے اُسی ظفر اللہ خاں کو ایک بے دین اور ایک "غیر مسلم" فرقہ کا رُکن قرار دے دیا ہے۔

ہمیں رحم آتا ہے کہ اس فتویٰ کی موجودگی میں ہمارے سفیر مقیم کراچی عبدالوہاب عزام کی کیا حالت ہو گی جو اس ملک میں "شاہِ سوڈان" کا نمائندہ ہے اور جس ملک نے برطانوی تاج سے وابستہ ہونے کے باوجود ہمارے بادشاہ کا نیا لقب تسلیم بھی کر لیا ہے۔

ہاں ہاں! ہمیں ترس آتا ہے اپنے وزیرِ خارجہ عبدالخالق حسونہ پاشا پر جسے اپنے عُہدے کی وجہ سے ہمارے ملک اور ہمارے قومی مطالبات کے بارے میں پاکستان کے موقف کا بخوبی علم ہے اور جسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جہاں تک ہماری امنگوں اور ہمارے قومی مطالبات کا تعلق ہے ان کے بارے میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے کیا جذبات ہیں۔

ہمیں ترس آتا ہے اپنے سابق وزیرِ خارجہ ڈاکٹر محمد صلاح الدین پاشا پر بھی کہ جس نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا اعتماد حاصل کیا اور اقوامِ متحدہ میں ان کی امداد و حمایت سے فائدہ اُٹھایا۔

؎ البشریٰ دسمبر ۱۹۵۲ء مجلد ۱۳ صـ۱۱۵، صـ۱۱۶

اسی طرح ہمیں رحم آتا ہے محمد علی علوبہ پاشا پر احمد خشابہ پاشا دیگر سیاستدانوں اور دُنیائے عرب واسلام کے مقتدر مدبّرین پر جو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو جانتے ہیں اور مصر، فلسطین، تونس اور دیگر مسلمان و عرب مملکتوں کے مفاد کی خاطر آپ نے جو دوڑ دھوپ کی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ سب مدبّرین کیا سوچتے ہوں گے! ہمیں رحم آتا ہے ان سب پہ اور پھر خود مفتی پر۔ اس نے صفائی کا موقعہ دئے بغیر خواہ مخواہ ایک شخص کو مُجرم قرار دے دیا اور اس پر بے دینی کا الزام لگا ڈالا۔ خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔

ظفر اللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے۔ مفتی نے ظفر اللہ کو کافر و بے دین قرار دیا ہے۔ آؤ ہم سب مل کر چوہدری محمد ظفر اللہ خان پر سلام بھیجیں۔ ظفر اللہ خاں کافر کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے "دسیوں" کافروں کی ہمیں ضرورت ہے۔

بالآخر ہم پوچھتے ہیں کہ حکومتِ مصر اس بارے میں کیا کرنا چاہتی ہے؟ ایسی حالت میں اس پر کیا ذمّہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں وہ کیا بیان جاری کرے گی؟ اور یہ کہ آئندہ اُسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اسے محض چند احمقانہ الفاظ کی وجہ سے جو کوئی عاقبت نا اندیش سوچے سمجھے بغیر زبان سے نکال دے اپنے معدودے چند دوستوں کی رفاقت سے ہی ہاتھ دھونا پڑے۔ [ل]

احمد خشابہ پاشا کا بیان

مصر کی باا ثر شخصیّت احمد خشابہ پاشا کا حسبِ ذیل بیان اخبار الزمان (۲۵ جون ۱۹۵۲ء) میں شائع ہوا:۔

(ترجمہ) خشابہ پاشا نے اعلان کیا ہے کہ "مجھے اس فتویٰ سے سخت رنج پہنچا ہے کیونکہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے اسلام اور عرب دُنیا کی بالعموم اور مصر کی بالخصوص بہت خدمت سر انجام دی ہے۔ عالمِ اسلام ان کی خدماتِ جلیلہ کے لئے ان کا ممنونِ احسان ہے۔" خشابہ پاشا نے مصر کے معاملات میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اس تائید و حمایت کا بھی ذکر کیا ہے جو موصوف نے اقوامِ متحدہ کے مختلف اجلاسوں میں ہمیشہ روا رکھی اور بالخصوص سلامتی کونسل کی نشست حاصل کرنے میں

[ل] المصری ۲۶ جون ۱۹۵۲ء بحوالہ البشریٰ مجلہ ۱۸ ۱۱ ص۱۱ ص۱۱۹ حیفا فلسطین

آپ نے مصر کو بے حد تقویت پہنچائی۔ شاہ پاشا نے اپنے بیان کے آخر میں فرمایا:۔

میں اس عظیم شخصیت کا بے حد ممنونِ احسان ہوں کیونکہ اس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے اور مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ایسا فتویٰ دیا بھی گیا ہے تو ایسی نمایاں اور بلند ہستی کے خلاف۔ ؎

اخبار الندآء کا بیان

اخبار الندآء (یکم جولائی ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔ (ترجمہ)

نمائندہ الندآء کو معلوم ہوا ہے کہ مفتی کی شخصیت بالکل محلِ بحث نہیں تھی بلکہ اربابِ حل و عقد نے مفتی کے منصب کے دائرۂ عمل پر غور کیا ہے۔ اور یہ معاملہ مفتی کے منصب کے محدود کرنے پر مشتمل ہے کہ اس کو کس حد تک اجتہاد کرنا چاہیئے۔ ہاں سرکاری حدود میں اس کو اجازت نہیں ہے۔ چونکہ مطالبات دارالافتاء میں آتے ہیں اس لئے کوئی فتویٰ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جبتک اس کو مجلسِ افتاء کے سامنے پیش نہ کیا جائے جو مذاہبِ اربعہ کے آئمہ پر مشتمل ہو۔

مولانا محمد شریف صاحب مدیر البشریٰ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

بعدازاں ہم دریافت کرتے ہیں: کیا حضرت مفتیٔ مصر کئی سالوں سے نہیں جانتے کہ سر ظفر اللہ خاں احمدیت کے ستاروں میں سے ایک ستارہ ہے؟ وہ کونسی وجہ ہے جس کی وجہ سے مفتی اِس فتویٰ کے جاری کرنے پر مجبور کیا گیا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ غلطی ہے یا یہ اس کا بیان ہے جیسا کہ فاضل مفتی نے خود بیان دیا ہے۔ موجودہ نازک حالات میں جن میں سے عالمِ اسلامی گذر رہا ہے مسئلۂ کشمیر، مسئلۂ حیدرآباد، ملکِ فارس کے پٹرول کا مسئلہ، مسئلۂ ٹیونس، نہر سویز کا مسئلہ، مسئلۂ سوڈان، فلسطین کے پناہ گزینوں کا مسئلہ، اسلامی ممالک کی حفاظت کا مسئلہ، جو آنے والی جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ہے جس کے لئے جنگجو اقوام مسلح اور تیار ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کئی مشکل مسائل ہیں جو ان ایام میں مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ کیا یہ مسائل مسلمانوں کے اتحاد کا تقاضا کرتے ہیں یا مسلمانوں کے افتراق کے فتاوٰی یا اس قسم کی شخصی آراء کی اشاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔

ہم ان مشکلات کے پیشِ نظر اور مشرق میں سب سے بڑی اسلامی حکومت مصر اور دنیا میں سب سے بڑی اسلامی حکومت پاکستان کے اتحاد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اور ان کے اسلامی اور عالمی

؎ بحوالہ "البشریٰ" (حیفا فلسطین) المجلد ۱۸ صفحہ ۱۲۳۔

مسائل میں متفقہ موقف کو دیکھتے ہوئے اس نتیجہ کے اخذ کرنے ــــــــــــ پر مجبور ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن جو سر ظفر اللہ خاں کے سامنے اپنے نظریات کو عالمی مجالس میں بذریعہ دلائل و براہین ثابت کرنے سے عاجز آگئے ہیں اور جنہوں نے قاہرہ (۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء) کو بروز سیاہ ہفتہ آگ کے شعلہ میں تبدیل کر دیا۔ ایسے ہی اشخاص نے مفتیٔ مصر کو استعمال کیا ہے اور مفتی کو اس امر کا احساس ہی نہیں ہے مفتی کو افتراق کے لئے دو بڑی اسلامی حکومتوں کے درمیان آلۂ کار بنایا گیا ہے اس کے سوا کچھ مقصد نہیں تھا۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

اخبار "الجمہور مصری" کا بیان

اخبار "الجمہور المصری" (۲۱ جولائی ۱۹۵۲ء) نے ایک شذرہ میں لکھا۔

(ترجمہ) ہم اس امر کی وضاحت کرنا پسند کرتے ہیں کہ ہم ڈاکٹر احمد شلبی پروفیسر فواد الاوّل یونیورسٹی کی رائے کی تائید کرتے ہیں کہ مفتیٔ مصر کا فتویٰ برطانیہ کی چال ہے اور ان برطانوی اخبارات کی سازش ہے جو عربی زبان میں مصر سے شائع ہوتے ہیں۔ عوام کے تصوّر سے یہ مسئلہ کہیں گہرا ہے۔

دھوکہ کی بنیاد۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ ظفر اللہ خاں نے جو تمام دُنیا کے مسلمانوں کے معاملات میں دفاع کیا ہے اس نے انگریزوں کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر اور اس کی دلیرانہ آواز نے انگریزوں کو پریشان کر دیا ہے اور ان کو اس امر کا خوف ہے کہ پاکستان مضبوط ہاتھ ہو جائے گا جو ہر جگہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کو سہارا دے گا۔۔۔

ظفر اللہ خاں نے کہا ہے کہ پاکستان ہرگز اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا چاہے عرب لیگ اس کو تسلیم کرے۔ اس وجہ سے انگریزوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کے خلاف سازش کی تاکہ وہ مصر اور مشرق کو اس پاکستانی بڑے لیڈر کی تائید سے محروم کر دے۔

الدکتور اللبان بک کا بیان

الدکتور ابراہیم اللبان بک پرنسپل کلیہ دار العلوم المصریہ نے "النحلة القادیانیة وما اعرف عنها" (فرقہ قادیانی کے متعلق میری معلومات) کے زیر عنوان لکھا۔

(ترجمہ) مجھے انتہائی افسوس ہے کہ عرب حکومتوں نے ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان جیسی شخصیت کو

تکلیف دی جس نے عرب حکومتوں کے دفاع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جس کی وجہ سے اس نابغہ اور مثالی شخصیت کی تائید اور دوستی کو مفقود کر دیا گیا ہے حالانکہ آج کے عالمی سیاسی تنازعہ اور خطرناک نازی بحران میں عرب حکومتیں ظفر اللہ خاں کی شجاعت، بلاغت اور آپ کے دفاع کی بہت ضرورت محسوس کرتی ہیں۔

قادیانی فرقہ کے متعلق میں انتہائی باریک بینی پر مبنی اپنی معلومات بیان کرتا ہوں اور پڑھنے والے پر اس کا فیصلہ چھوڑتا ہوں۔ میں ہرگز اس امر کا دعوٰی نہیں کرتا کہ میں نے قادیانیت کا کماحقہ مطالعہ کیا ہے۔ میرا ان سے مسلسل تعلق رہا ہے بلکہ اس جماعت سے مجھے واسطہ بھی پڑا ہے۔

قادیانی مذہب سے میرا تعلق پہلی مرتبہ میرے قیامِ لندن کے دوران ہوا جن دنوں میں وہاں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ میرا پہلا تأثر یہ ہے کہ یہ دو قسموں میں منقسم ہے۔ جماعت کا ایک گروہ تو اس رائے کا حامل ہے کہ اس کا امام (احمد) القادیانی اسلامی مصلح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ مصلحین جن کو خدا تعالیٰ وقتاً فوقتاً دین کی تجدید کے لئے مبعوث کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اپنے امام کی عزت میں غلو کرتا ہے اور وہ اس کو نبی یقین کرتا ہے۔ لندن کے محلہ پٹنی میں اس گروہ کی مسجد بھی ہے۔

ان ایام میں اس فرقہ کے خلاف میں نے سخت ناقدانہ حملہ کیا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ امام مسجد کو میرے ہاں بھیجے اور وہ میرے ساتھ تبادلہ خیالات کرے، یا تو وہ مجھے خاموش کرا دے اور یا میں اس کو خاموش کر دوں۔ چنانچہ دوم مرتبہ مصری کلب لندن میں ہم مناظرہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ بحث کا دائرہ ان کے زعیم (احمد) القادیانی کی نبوت کا تھا۔ میں نے امام صاحب کی توجہ کو اس طرف پھیرا کہ یہ مسئلہ قرآن کے صریح خلاف ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ یہ دلیل رسول اکرمؐ کے بعد ہر شخص کے لئے اس رستہ کو ختم کر دیتی ہے کہ وہ اپنے کو نبی کہے۔ میں اب تک اس امام کے جواب کو یاد کرتا ہوں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہی محمدؐ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ ان کی کتاب قرآن کریم ہے اور اس کے سوا اور کوئی ان کی کتاب نہیں ہے۔ اس سے وہ عقیدہ اور شریعت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن امام نے جیسا کہ مجھے یاد ہے قادیانی کی نبوت کے عقیدہ پر اصرار کیا اور جب میں نے اسکے سامنے قرآنی آیت کو پیش کیا تو اس نے تاویل کرنی شروع کر دی اور صراحتاً کہا کہ یہ ان کے لئے

ناممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا عقیدہ اختیار کریں جو قرآن کے خلاف ہو لیکن یہ عقیدہ قرآن کے ہرگز مخالف نہیں ہے۔ آیتِ قرآنی خاتم النبیین زیر کے ساتھ اِس امر کا اظہار کر رہی ہے اور زبر کے ساتھ ہی آیت وارد ہوئی ہے۔ زیر کے ساتھ وارد ہوئی ہوتی تو یہ قطعی دلیل ہوتی کہ محمد علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ قرآنی آیت میں لفظ خاتم کی وہ خاص تاویل کرنے لگا جس کی رُو سے انبیاء کے ظہور کے لئے دروازہ کھلا ہے اور اس میں ان کے لئے کوئی روک نہیں ہے۔

بعد ازاں امام نے نبی اور رسول کے فرق کو بیان کرنا شروع کر دیا ان قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ محمدؐ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے اور آپؐ کی رسالت ہی آخری دینی رسالت ہے لیکن وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ آپؐ کے بعد انبیاء ظاہر ہوں جن کا کام احیاءِ شریعت ہو اور اس کی تعلیم کی رُوحانی اشاعت۔ قادیانی بھی ان انبیاء سے ایک ہے جو لوگوں کو اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی شریعت پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

اِس صورت میں یہ لوگ تاویل کرنے والے ٹھہرتے ہیں نہ کہ قطعی منکر۔ اور تاویل کرنے والے کا حکم قطعی منکر جیسا نہیں ہوا کرتا۔ [1]

الشیخ محمد ابراہیم سالم بک کا بیان الشیخ محمد ابراہیم سالم بک (سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ مصر) نے ایک بیان میں کہا:۔

بلا شبہ ہماری طرف سے یہ جلد بازی ہوگی کہ ہم قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ لگائیں اور یہ اس لئے کہ ہمیں ابھی تک ایسے وسائل میسّر نہیں کہ ہم اس مذہب کے متعلق علم اور اس کے میلانات بذریعہ کتب معلوم کر سکیں۔

اور جب تک ہمیں اس مذہب کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو تو یہ جلد بازی اور جسارت ہوگی کہ ہم اس مذہب کے پیرو کاروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔ وہ اس وقت تک مسلمان ہی ہیں جب تک کہ ان کے کفر پر دلیل قائم نہیں ہو جاتی۔ اس کے علاوہ مَیں سمجھتا ہوں کہ کئی ایسے پہلو ہیں جو فرقہ قادیانی کے مسلمان ہونے کی تائید کرتے ہیں بلکہ ان کے (مسلمان ہونے کی) تائید میں یہ پہلو بھی ہے کہ احمدی اسلام اور مسلمانوں کی تائید کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے بلکہ ہر موقعہ سے پُورا فائدہ اُٹھاتے ہیں یہ تائید

---

[1] المصری ۲۷ جون ۱۹۵۲ء

خواہ سرکاری تقریبات کے مواقع پر ہو یا ان کے علاوہ۔

اِن امور کی بناء پر یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ جنابِ ظفر اللہ خاں کی ذات پر کفر کا اتہام لگایا جائے ہم جانتے ہیں کہ وہ شخص اسلامی اخلاق سے آراستہ ہے اور اسلامی روایات اور سُنّت پر عامل ہے۔

ظفر اللہ خاں مصر میں کئی مرتبہ آئے ہیں ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کے معاملات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور آپ ہر ایسے معاملہ میں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی شان بلند ہوتی ہو دلیر ہیں۔ اِس بناء پر اس شخص کے مسلمان ہونے میں کوئی شک و شُبہ نہیں ہے۔ [1]

الشیخ علام نصار بک کا بیان

مصر کے سابق مفتی الشیخ علام نصار بک نے اپنے بیان میں کہا:۔

نہ تو یہ جائز ہے اور نہ آسان کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی فرقہ پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے اور نہ ایسے دلائل ہی پائے جاتے ہیں جو اس امر کو جائز قرار دیں کہ قادیانی جماعت پاکستان میں اسلام سے خارج ہے۔ مَیں اِس امر کو مناسب نہیں سمجھتا کہ ایک عظیم سیاسی آدمی پاکستان کے وزیرِ خارجہ کی پوزیشن جیسے شخص سے تعرّض کیا جائے کہ ان کا دین کا عقیدہ کیا ہے حالانکہ وہ شخص دینِ اسلام کا علی الاعلان اظہار کرتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بڑی بڑی مجالس میں دفاع کرتا ہے۔ اپنے موقف اور بیانات کی تائید میں قرآن کریم اور احادیث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دلیل پیش کرتا ہے اور علی الاعلان اس کی اقتداء کا اظہار کرتا ہے اور اسلام کو ہی بہترین رابطہ مصر، اسلامی ممالک اور پاکستان کے درمیان یقین کرتا ہے اِس لئے دین میں انصاف کی خاطر یہ امر حکمت کے خلاف ہے کہ کوئی ان کو خارج از اسلام قرار دینے کی مصیبت میں مُبتلا ہو حالانکہ وہ شخص اپنے اسلام کا کُھلم کُھلا اظہار کرتا ہے اور اس کو پاکیزہ تعلق یقین کرتا ہے۔ اسلام اور اقوامِ اسلامیہ کی خدمت کے لئے قابلِ قدر چُستی سے کام لیتا ہے ان کے دوست اور جاننے والے اشخاص (جو مصر میں اکابرینِ اسلام ہیں) کی آراء سے یہ واضح تأثر لیا جاتا ہے کہ وہ آپکو ایک مسلم شخصیت ہی تصور کرتے ہیں جو اسلام کے آداب اور شرائط پر مضبوطی سے عامل، اسلامی اخلاق و صفات سے مزیّن اور اسلام کی اتباع اور اس کے اصول کے التزام پر ترغیب دیتے ہیں۔

---

[1] البلاغ ۲۶ جون ۱۹۵۲ء

مسلمان اس واقعہ سے ناواقف نہیں ہیں جو آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا جبکہ کسی نے ایک آدمی کو جنگ میں قتل کر دیا حالانکہ وہ شہادتین کا اقرار کر چکا تھا کیونکہ قاتل کو یقین تھا کہ اس شخص نے قتل کے ڈر سے کلمہ شہادت پڑھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے اس فعل پر ملامت کی اور اس کے عذر کو قبول نہ کیا اور آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کے دل کو پھاڑ کر دیکھا تھا؟ [1]

اخبار "الیوم" کے نامہ نگار خصوصی مقیم کراچی کا بیان

اخبار "الیوم" (۲۶۔ جولائی ۱۹۵۲ء) نے اپنے نامہ نگار خصوصی مقیم کراچی کے حوالہ سے لکھا:-

"اصبح الابرار کافرین" (نیک لوگ کافر ہو گئے)

شیخ مخلوف نے جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اب اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش عبث اور بے معنی ہے۔ اس غلطی کا نام وہ فتویٰ رکھیں یا بیان نام دیں دونوں برابر ہیں۔ بہرکیف وہ خود ہی اس کا شکار ہو گئے ہیں۔ حکومت کے لئے اگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے تو اب مفتی صاحب کو ان کے اس منصب سے علیحدہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب کے فتویٰ کے جاری ہونے کے وقت ہی سے ہم نہ صرف اس کو ناقابلِ التفات سمجھ رہے تھے بلکہ لوگوں کے اسے طاقِ نسیان پر رکھ دینے میں بھی ممد تھے مگر اس کے باوجود مفتی صاحب اپنی اس غلطی کا دفاع کر رہے ہیں اور ایک غلطی کو محو کرنے کے بدلہ میں دوسری کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ایک گمراہی کے عوض دوسری میں اپنے کو ملوّث کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب اس بات کو جانتے ہیں کہ قادیانی جماعت میں اعتدال پسند اور صاحبِ وقار لوگ بھی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ظفر اللہ خاں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں۔

مفتی صاحب یہ سب کچھ بھی جانتے ہیں جیسا کہ الاخبار کو انہوں نے بیان بھی دیا ہے اور جو جمعرات کو شائع بھی ہو چکا ہے ان کا فرض تھا کہ کسی کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرنے اور اس کے دین سے نکالنے سے پیشتر وہ فقہ اسلامی کے عام اور معمولی قوانین ہی ملاحظہ فرما لیتے جو انہیں اس معاملہ پر تحمّل اور بُردباری سے غور کرنے کی طرف توجہ دلا رہے تھے اور جلد بازی سے کام نہ لیتے۔

---

[1] البلاغ ۲۶۔ جون ۱۹۵۲ء

فاضل مفتی صاحب کو علم ہوگا کہ ایک روز رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک گواہ کو فرمایا تھا کہ کیا تُو یہ سورج دیکھ رہا ہے پس اسی طرح گواہی دے ورنہ رہنے دے۔

اسی طرح ان کو یہ بھی علم ہوگا کہ علمائے اسلام اور آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مسلمان جس کے اسلام کا ایک فیصدی بھی احتمال ہے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ پس اس شخص کے لئے جو منصبِ افتاء پر فائز ہو مناسب نہ تھا کہ کسی مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا اور مسلمان بھی اتنی عظمتِ شان کا مالک کہ صحافت اس کے وجود ہی کو ایک بڑی خبر تصوّر کرتی ہو۔ اگر بالفرض ایسی کوئی بات تھی جو مفتی صاحب کو ظفر اللہ خاں کے اسلام سے خارج کرنے ہی پر مجبور کرتی تھی (جس کا ہمیں علم نہیں) تب بھی انہیں اپنے فتویٰ یا بیان کو بہتر اور مناسب صورت دینا چاہیئے تھی اور پاکستان سے "وزیر زندیق" کی معزولی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی تعیّناتی سے متعلق قوانین کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور یہ گمان کر لیا کہ وہ مصر اور پاکستان کے مفتی ہیں اور اس طرح اپنے ہم مشرب کے معاملات میں بھی دخل اندازی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس کے حقوق کا احترام نہیں کیا۔

مفتیٔ پاکستان اپنے ملک، اور اپنے وزیر کے متعلق یقیناً وہ کچھ جانتا ہے جس کا شیخ مخلوف (مفتیٔ مصر) کو کوئی علم نہیں۔

اِس مسئلہ کے اور بھی کئی پہلو ہیں جو زیادہ خطرناک ہیں اور نتائج کے لحاظ سے سنگین بھی۔

اِسلامی اصول ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا وہ خود کافر ہو گیا۔ ظفر اللہ خاں جب تک ہم آنکھوں سے اُن کا کفر مشاہدہ نہ کر لیں اور اِس بارہ میں ہمیں یقینی علم نہ حاصل ہو جائے ہمارے نزدیک مسلمان ہیں اور ان کا اسلام کامل ہے۔

مفتیٔ مصر نے خود اپنے آخری بیان میں اِس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ظفر اللہ خاں اعتدال پسند اور وقار کے حامل ہوں یہ امر بھی مفتی صاحب کو اس کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کا حق نہیں پہنچاتا اور نہ ہی غیض و غضب اور لعنت ملامت کے نشانہ بنانے کا۔

ہماری رائے ہے کہ مفتی صاحب نے ایک مسلمان کو کافر ٹھہرایا ہے اور جس کسی نے کسی مسلمان کو کافر ٹھہرایا ہو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

مَیں قارئین سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے کسی کی تنقیص کا مرتکب نہ تصور کریں گے مَیں حقیقت کے اظہار میں سنجیدہ ہوں۔ اِس سلسلہ میں تمام ذمّہ داری اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

جہاں تک ظفر اللہ خاں کا تعلق ہے اِس قسم کی کہی گئی باتوں سے اس کا کوئی نقصان نہیں لیکن یہ واقعہ اِس امر کی ضرور یاد دلاتا ہے کہ لوگوں نے رسُولِ عظیم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی شان میں بھی کاہن، ساحر، صابی اور مجنون کے الفاظ استعمال کئے تھے۔

وہ شخص جو استعماریت کا بڑی قوت، بلاغت اور صدق بیانی سے مقابلہ کرتا ہے اور خدا تعالےٰ بھی جس کی زبان اور دِل پر حق جاری کرتا ہے وہ بھی اگر کافر قرار دیا جاسکتا ہے تو نیک لوگوں کی اکثریت ایسے کافر بن جانے کی خواہش کرے گی۔ (خالد محمد خالد)

اخبار "المصری" کا مقالۂ خصوصی

اخبار "المصری" نے اپنے مقالۂ خصوصی (مورخہ ۲۷۔ جون ۱۹۵۲ء) میں بعنوان "ظفر اللہ خاں" لکھا:۔

المصری کے قارئین اِس کالم کے علاوہ کسی دوسری جگہ مصر میں پاکستان کے سفیر کے بیان کا مطالعہ کریں گے جس میں آپ نے مصری صحافت کی عزّت افزائی کی ہے اور بالخصوص روزنامہ المصری کی جس نے اپنے اور پاکستان کے دوست مصری لوگوں کے خیالات کی اشاعت اس اتہام کے ردّ میں کی ہے جیسے مصر کے علماءِ عظام میں سے ایک نے عوام کی خلافِ توقع مشرق کی عظیم شخصیت محمد ظفر اللہ خاں پر عائد کیا تھا۔

اس اتہام سے قبل شاید پاکستان اِس امر سے واقف نہ تھا کہ مصر پاکستان کے لئے دِل کی گہرائیوں سے محبت، اخلاص اور ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے اور عالمی اخوّت کا بھی حامل ہے۔ دونوں ایک جیسے مقاصد رکھتے ہیں۔ عربوں میں کیا خوب یہ کہاوت ہے کہ بسا اوقات ضرر رساں اشیاء بھی مفید مطلب ہو جایا کرتی ہیں۔ پاکستان کے مصری دوست ظفر اللہ خاں کے مقام کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ بین الاقوامی سوسائٹیوں میں وہ قضیۂ مصر کے بلند پایہ ارکان میں سے ہیں اور دُنیا کی عظیم ترین ان شخصیتوں سے ایک ہیں جنہوں نے مصر کی خاطر اپنی ذات، وقت اور وطن تک کو وقف کر رکھا ہے۔ استعماریت کا مقابلہ کُھلم کُھلا اور بڑی جرأت سے کرتے ہیں۔ اس شخص کے وجود میں اور

لہ بحوالہ البشریٰ ۱۹۵۲ء صـ۱۲۷، صـ۱۲۸؀

بھی کئی خوبیاں موجود ہیں۔ یہ سب باتیں اس امر کی متقاضی ہیں کہ آپ کے خلاف نہ صرف کچھ بھی نہ کہا جائے بلکہ آپ کی گرانقدر خدمات کو سراہا جائے اور ان کے بارہ میں انصاف سے کام لیا جائے۔ محمد ظفراللہ خاں عصرِ حاضر میں دولتِ اسلامیہ کی نہایت درجہ بلند پایہ اور ممتاز شخصیتوں سے ایک ہیں بلکہ سرِ فہرست ان ہی کا اسمِ گرامی آتا ہے۔ آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے سیاست کا مطالعہ تو اچھی طرح کیا ہے لیکن نظری سیاست کے اصولوں کو اپنایا نہیں بلکہ سیاسی ثقافت کو قرآنی اندازِ فکر کے تابع اور ہم آہنگ کر دیا ہے۔ آپ نے ایسا اسلامی نظریہ اختیار کیا ہے جو عصرِ حاضر کے افکار کی آراء اور اسلامی نظریات پر مشتمل ہے۔

ظفراللہ خاں کو اقتصادیات پر وسیع نظر حاصل ہے۔ آپ نے اقتصادیات کا نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ ایک بڑی قوم کا جس کے اغراض و مقاصد وسیع تر ہیں اور جو ابھی ابھی استعماری اقتصادیات کے بھنور سے نکلی ہے بجٹ تیار کیا ہے۔ اقتصادی نظام میں آپ علمِ اقتصادیات پر صرف انحصار نہیں کرتے بلکہ اقتصادی ثقافت کو اسلامی تعلیم کے تحت لے آتے ہیں۔ دولتِ اسلامیہ کی تعمیر میں آپ کا یہ نظریہ ہے کہ افراد کے فرائض اور حقوق حکومت کے حق میں کیا ہیں اور حکومت کے فرائض اور حقوق افراد کے حق میں کیا ہیں؟

ظفراللہ خاں وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے حکومت کے جھنڈے کو اٹھایا اور پاکستان کی خارجہ سیاست کو حکومت کے دو بڑے وجودوں محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں کی طرف سے سپرد ہونے پر سنبھالا اور ان کے اسلامی طریقِ کار کو جاری رکھا۔ اس طرح اس نوزائیدہ مملکت کو عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ صف میں لا کھڑا کیا۔ پاکستان کی ہر دو (مذکورہ بالا) بڑی شخصیتوں نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اقتداء میں جو روایات قائم کی تھیں ان کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ مزید چار چاند لگا دیئے۔

امریکہ اور یورپ کے عالمی سیاسیات کی شہرت کے مالک ان کی قدر و منزلت محض نمائش کے طور پر نہیں کرتے بلکہ ان کی ذاتی خوبیوں کے مداح ہونے کی صورت میں نہایت قدر کی نگاہ سے ان کو دیکھتے ہیں۔ انہیں یہ بھی علم ہے کہ آپ اپنی لیاقت اور قابلیت کی بدولت اطرافِ عالم میں کس احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

وہ اِس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ آپ مشرقی محاسن کے آئینہ دار ہیں اور سلامتی کی دعویدار، نئی دُنیا میں آپ دو متقابل و متحارب بلاکوں میں تیسرے گروپ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ ظفر اللہ خاں ایجنکو تکفیر کا نشانہ بنایا گیا ہے حالانکہ تنہا آپ ہی ہیں جو اقوامِ متحدہ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر فریضۂ نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں اور اِس غرض کے لئے اقوامِ متحدہ کے ہال میں کوئی علیحدہ جگہ تلاش کرتے ہیں تاکہ اُمّتِ اسلامیہ کی نصرت طلب کرنے کے لئے خدا کی جناب میں سجدہ ریز ہو سکیں۔

بیروت پریس مصر کے علاوہ بیروت کے پریس نے بھی فتویٰ پر تنقید کی چنانچہ بیروت کے کثیر الاشاعت روزنامہ "بیروت المساء" نے لکھا:-

ہم وزیرِ خارجہ پاکستان السیّد محمد ظفر اللہ خاں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بیروت میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ہم نے اُن کا فصاحت و بلاغت سے پُر لیکچر بھی سُنا۔ آپ کا لیکچر سُن کر ہمارا متاثر ہونا لازمی تھا جبکہ اقوامِ متحدہ کی مجالس آپ کی زور دار تقاریر سُن کر ورطۂ حیرت میں پڑ چکی تھیں۔ ہم نے آپ کو قرآنِ مجید کے علوم بیان کرتے ہوئے سُنا جس میں آپ نے شاعر کا یہ قول بھی بیان فرمایا:-

وکل العلم فی القرآن لکن ❊ تقاصر عنه افهام الرجال

تمام علوم قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کے فہم انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں

پھر ہم نے آپ کو "پالم پیلس" ہوٹل میں نمازِ تہجد پڑھتے اور عبادت کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے آپ کے پیچھے نمازیں آپ کے ساتھی بھی تھے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ اسلامی حکومتوں کے وزراءِ اعظم کی ایک کانفرنس منعقد کرنے میں کوشاں ہیں۔ پھر آپ نے مصر کی امداد اور تائید و حمایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ اِسی طرح مسئلۂ تونس کے متعلق اسلامی مفادات کے تحفظ میں آپ جس طرح سینہ سپر ہوئے وہ بھی ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔

یقیناً ظفر اللہ خاں ایک مفکّر دماغ کے حامل ہیں اور آپ ترقی پذیر پاکستانی مملکت کے لئے لسانِ ناطق کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس مملکت کے لئے جس کی مسلم آبادی آٹھ کروڑ نفوس سے بھی متجاوز ہے۔ جس نے قرآن کریم کو اپنا دستور بنایا ہوا ہے اور جہاں عربی زبان کو ممتاز درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔

اس ہمسایہ مملکت کو جو ایشیا میں تعمیر و ترقی کا علم بلند کر رہی ہے اور جو عربوں کے تمام مسائل میں خلوصِ نیّت اور صدق دلی سے ان کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔ عرب دنیا کے ایک وسیع حصّہ کی طرف ایک طعنہ دیا گیا ہے۔ ہماری مراد اس سے مصر ہے۔

ہاں مفتی صاحب نے جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا منصب صرف دینی ہے۔ اس کا کام لوگوں کو کافر قرار دینا نہیں ہے جس نے مومن کو کافر کہا وہ خود کافر ہوا۔

آہ! اس نے یہ فتوٰی دے کر کہ پاکستان کا وزیر خارجہ کافر ہے اور یہ کہ پاکستانی حکومت پر واجب ہے کہ وہ ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے الگ کر دے انتہائی غفلت کا ثبوت دیا ہے۔

مذہبی لوگ خدمتِ دین کے لئے پیدا کئے گئے ہیں سیاسی امور میں دخل دینا ان کا کام نہیں۔ اگر ظفر اللہ خاں مختلف اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقے (یعنی جماعتِ احمدیہ) کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو یہ امر ان کو کافر نہیں بناتا۔ وہ ایمان باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ کے قائل ہیں۔ وہ اسلامی ارکان پر پوری طرح عامل ہیں۔ کیا مفتی کے لئے جائز ہے کہ وہ ان مسلمانوں پر بھی کفر کا فتوٰی لگائے جو دینِ اسلام پر عمل پیرا ہوں ؟

شیخ مخلوف مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا کر رہا ہے اور ایسے وقت میں تفرقہ کی اشاعت کر رہا ہے جبکہ انہیں اتحاد کی بے حد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے لکم دینکم ولی دین۔ مفتیٔ مصر کو کیا ہو گیا کہ وہ احمدی مسلمانوں کو مخاطب کر رہا ہے اور ان پر کفر کا اتّہام لگا رہا ہے۔ جس نے مومن کو کافر کہا وہ خود کافر ہوا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اہلِ مصر بالخصوص اور دیگر مسلمان بالعموم قرونِ وسطیٰ کی جمود انگیز اور غیر ترقی پذیر روش سے خلاصی حاصل کریں۔

شیخ مخلوف اور ظفر اللہ خاں کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ اوّل الذکر مسلم غیر عامل ہے اور اگر شیخ مذکور عمل کرتا بھی ہے تو تفرقہ انگیزی کے لئے۔ برخلاف اس کے ظفر اللہ خاں "مسلم عامل الخیر" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات میں ہمیشہ ایمان اور عملِ صالح کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔

آہ! ایمان اور عملِ صالح کے باوجود مسلمانوں کو کافر قرار دینا کتنا ہی دور از عقل ہے۔[۱]

---

[۱] (ترجمہ) بیروت المساء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۱۰ وفا ۱۳۳۱ ہش مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۵۲ء ص۵

مفتئ مصر کے لقب کی منسوخی کا مطالبہ

مفتئ مصر کے فتوٰی پر صرف تنقید ہی نہیں کی گئی بلکہ مشہور و معروف مصری مصنف ڈاکٹر احمد ذکی بک نے مطالبہ کیا کہ "مفتئ مصر" کے لقب کو حکومت آئندہ کے لئے منسوخ قرار دیدے۔ آپ نے کہا:۔

مفتئ مصر نے کس حیثیت سے خارجی مسائل و معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے وزیرِ خارجہ پاکستان کے متعلق "کفر" کا فتوٰی صادر کیا ہے؟ اور اسے حق کیا پہنچتا ہے کہ وہ حکومتِ پاکستان سے موصوف کو اس عُہدۂ جلیلہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ کرے جبکہ پاکستان ایک علیحدہ آزاد خود مختار مملکت ہے؟ اس نے ہزارہا میل دُور بیٹھ کر یہ مطالبہ سُننے اور سُنانے کے بغیر کیا ہے اور اِس طرح مذہب کے نام پر سب سے بڑی اسلامی حکومت کی پوزیشن کو نازک بنایا ہے۔ مَیں پُوچھتا ہوں "ومن اعطاہ حق الافتاء"؟ کس شخص نے مفتی کو فتوٰی کا حق دیا ہے اور کس شخص نے مفتی کو مذہب کے نام پر تمام دُنیا کے متعلق رائے ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے۔ کیا مصر ہی صرف ایک اسلامی حکومت ہے اس کے سوا اور کوئی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے؟ اور کیا صرف مفتئ مصر ہی دُنیا میں ایک مفتی ہے اور اس کے سوا اور کوئی مفتی نہیں ہے؟

وفی ای رجل افتٰی؟ فی رجل صنع للاسلام والمسلمین مالم یصنعه المفتی ولن یصنعه ولو عاش مثل عمره الحاضر۔ اس نے کس عظیم المرتبت شخص کے متعلق یہ فتوٰی دیا؟ ہاں اس شخصیّتِ عظیمہ کے متعلق جس نے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے وہ کام کیا ہے جو نہ مفتی کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا خواہ وہ اپنی موجودہ عمر کے برابر بھی زندہ رہے۔

اِن تمام وجوہات کی بناء پر ہم مطالبہ کرتے ہیں:۔

اوّل:۔ "مفتی الدیار" کے لقب کی منسوخی کا۔ کیونکہ وہ ایک فرد کی حیثیت سے "ڈکٹیٹر شپ" کی نمائندگی کرتا ہے جس کی دین میں کوئی سَند نہیں ہے۔

دوم:۔ مجلسِ افتاء کے توڑنے کا۔ ہاں اس مجلس کو مختلف علمی امور کی تحقیقات کے ایسے حلقے میں بدل دیا جائے جس کا فیصلہ نہ تو کسی کو ملزم بنائے اور نہ ہی کسی مسلمان کو کافر ٹھہرائے۔

سوم:۔ ازہر یونیورسٹی کے ایک سو نوجوانوں کو یونیورسٹی سے فراغت کے بعد علومِ جدیدہ کی

تحصیل کے لئے دُنیا کے ترقی یافتہ علاقوں میں بھیجا جائے تاکہ ازہر یونیورسٹی کو جدید لباس پہنایا جاسکے اور اس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم کی تدریس کا بھی انتظام ہوسکے۔ یہ تبدیلی دُور رس نتائج کی حامل ہونی چاہیئے تاکہ "الازھر" علمی لحاظ سے ایک جدید یونیورسٹی کی شکل اختیار کرے جس میں صحیح خطوط پر آزادانہ بحثیں ہوں اور اس طرح دین قرآن کریم اور احادیث نبویؐ کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور اسے محض علماء کی سند کی بجائے عقل کی تائید بھی حاصل ہو۔[1]

مفتیٔ مصر کا بیان

مفتیٔ مصر کو مصری پریس اور شخصیتوں کے احتجاج اور مذمت پر اپنے فتویٰ کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ بیان دینا پڑا:۔

"اِنّ ما نشر لیس بفتوٰی رسمیّة ولیس لها رقم فی سجلٍ خاصٍ وانّما هی مجرّد حدیث دَارَ فی مجلس خاصٍ یتضمن رأیٔ فضیلته فی هٰذه المسئلة"۔[2]

یعنی شائع شُدہ بیان سرکاری فتویٰ نہیں ہے اور نہ اس کا اندراج خاص رجسٹر میں ہُوا ہے اس کی حیثیت ایک نجی مجلس کی گفتگو سے زیادہ کچھ نہیں اور مسئلہ مذکورہ میں محض ایک شخصی رائے کی ہے۔

مفتیٔ مصر نے ایک اور بیان میں کہا:۔

"انّهٗ فُوجِیٔ بنشر حدیثه مُحَرَّفًا ومنسوبًا الیه بوصفه الرسمی وباعتباره فتوی صدرت عنه"۔[3]

یعنی اچانک اُس کی گفتگو محرّف و مبدّل کرکے اور اسے فتویٰ ظاہر کرکے شائع کی گئی ہے۔

مفتیٔ مصر کو پنشن دیدی گئی

بالآخر مفتی حسنین محمد مخلوف ریٹائرڈ کر دیئے گئے۔ اخبار المصوّر (۱۲ر مارچ ۱۹۵۴ء) نے لکھا:۔

"فی الاسبوع الماضی احیل فضیلة الاستاذ الشیخ حسنین محمد

---

[1] (ترجمہ) اخبار "الیوم" عدد ۲۹۹ مورخہ ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۰ر جولائی ۱۹۵۲ء/ ۱۰ر وفا ۱۳۳۱ہش صلہ

[2] اخبار "المصری" (۲۳ر جون ۱۹۵۲ء)

[3] اخبار "المصری" ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء بحوالہ "البشریٰ" (حیفا) ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ صفحہ ۱۲۰

مخلوف مفتی الدیار المصریہ الی المعاش بعد ان اثار اکثر من مشکلۃ واکثر من ازمۃ "

یعنی گزشتہ ہفتہ شیخ حسنین محمد مخلوف کو پنشن دے دی گئی ہے انہوں نے بہت سی مشکلیں اور اُلجھنیں پیدا کر دی تھیں۔

نیز بتایا:۔

"ولم تکن فتاوی الاستاذ الشیخ مخلوف عادیۃ یمرّ علیھا الانسان مرّ الکرام بل اِنّ کثیرا منھا اثار روائح وعواصف وکان موضع القیل والقال وفی مقدمۃ ھٰذہ الفتاوی.... فتواہ فی شان الطائفۃ القادیانیۃ" [1]

یعنی الاستاذ الشیخ مخلوف کے فتاوٰی ایسے معمولی حیثیت کے نہ تھے جن کو انسان بآسانی نظر انداز کر دے بلکہ اُن کے اکثر فتوے آندھیاں اُٹھانے اور طوفان برپا کرنے کا موجب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر ہر جگہ اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی۔ ان قابلِ اعتراض فتاوٰی میں سرِ فہرست قادیانی جماعت سے متعلق فتوٰی ہے۔

شاہِ فاروق مصر کا عبرتناک انجام الشیخ حسنین محمد مخلوف تو دُو سال کے بعد پنشن یاب ہوئے مگر شاہ فاروق کی نسبت خدائے ذو الجلال کا آسمانی فیصلہ اس نام نہاد فتوٰی کے چند دن بعد ہی نافذ ہو گیا یعنی ۲۲/۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کی شب کو مصری افواج نے لیفٹیننٹ جمال عبد الناصر کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ مصر و سوڈان کے اِس مطلق العنان بادشاہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور عسکری انقلاب کے بعد جنرل محمد نجیب مصر کے سربراہ مقرر ہوئے۔

جنرل محمد نجیب نے بادشاہ کو معزول اور ملک بدر کرنے کے لئے حسبِ ذیل اعلامیہ جاری کیا:۔

"انّہٗ نظراً لما لاقتہ البلاد فی العھد الاخیر من فوضی شاملۃ عمت جمیع المرافق نتیجۃ سوء تصرفکم وعبثکم بالدستور وامتھانکم لارادۃ الشعب حتّٰی اصبح کُل فرد من افرادہ لا یطمئن علٰی حیاتہٖ اُو مالہ او کرامتہ۔

---

[1] بحوالہ الفضل ۱۱ ظہور ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ ؎

ولقد ساءت سمعة مصر بين شعوب العالم من تماديكم فی هٰذه المسالك حتّٰی اصبح الخونة والمرتشون يجدون فی ظلكم الحماية والامن والثراء الفاحش والاسراف الماجن علٰی حساب الشعب الجائع الفقير ولقد تجلت اٰية ذالك فی حرب فلسطين وما تبعها من فضائح الأسلحة الفاسدة۔ وما ترتب عليها من محاكمات تعرضت لتدخلكم السافر إممّا افسد الحقائق وزعزع الثقة فی العدالة وساعد الخونة علٰی ترسم هٰذه الخطی۔ فاثری من اثری۔ وفجر من فجر۔ وكيف لا؟ والنّاس علٰی دين ملوكهم! لذالك قد فوضنی الجيش الممثل لقوة الشعب ان اطلب من جلالتكم التنازل عن العرش لسموّ ولی عهدكم الامير احمد فواد علٰی ان يتم ذالك فی موعد غايته الساعة الثانية عشر من ظهر اليوم (السبت الموافق ۲٦ يوليو ۱۹۵۲ والرابع من ذی القعدة ۱۳۷۱) ومغادرة البلاد قبل الساعة السّادسة من مساء اليوم نفسه والجيش يحمل جلالتكم كل ما يترتب علٰی عدم النزول علٰی رغبة الشعب من نتائج۔

فريق (اركان حرب) محمّد نجيب القائد العام للقوات المسلّحة الاسكندرية فی يوم ۲٦ يوليو سنة ۱۹۵۲۔"

(ترجمہ) اِن آخری ایّام میں یہ دیکھتے ہوئے کہ ملک میں عام افراتفری پھیل گئی ہے جسنے زندگی کے تمام شعبوں پر اثر ڈالا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کے ناجائز تصرّف اور آئین کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں ہے۔ عوام کی خواہش کو نظر انداز کیا گیا ہے یہاں تک کہ ہر فرد اپنی جان، مال اور عزّت کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔ آپ کی بے جا زیادتیوں کی وجہ سے جُملہ اقوامِ عالم میں مصر کے وقار کو نقصان پہنچا ہے۔ آپ کے زیرِ سایہ خائن، رشوت خور اشخاص ناجائز حمایت بے جا اسراف اور ثروت کا ناجائز اور اندھا دُھند استعمال کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مُفلس اور غریب مصری عوام کے خزانہ سے ہو رہا ہے۔ یہ کوائف جنگِ فلسطین میں منصّۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ ناقص اسلحہ کی خرید و فروخت کے

رُسوا کُن واقعات، عدالتوں کے فیصلے جن میں آپ کی شرمناک مداخلت سے حقائق پر پردہ پڑتا رہا، اعتماد اور انصاف کی بے حرمتی ہوئی، مجرموں کو جرائم کے ارتکاب کے لئے حوصلہ افزائی ہوئی، کئی لوگ بے تحاشا دولتمند ہو گئے اور بدکرداری میں حد کر دی۔ اور ایسے حالات کیوں نہ رُونما ہوتے جبکہ عوام اپنے بادشاہوں کی عادات و خصائل کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

اِن حالات کی وجہ سے فوج نے جو در اصل عوام کے اقتدار کی نمائندہ ہے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں جلالۃ الملک سے مطالبہ کروں کہ آپ ہفتہ کے دن ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو بارہ بجے دوپہر ولیعہد شہزادہ احمد فواد کے حق میں دستبردار ہو جائیں اور اسی روز چھ بجے شام سے پہلے اِس ملک کو چھوڑ دیں ورنہ فوج عوام کی خواہش سے انکار کے جُملہ نتائج کی ذمہ دار آپ کو قرار دے گی۔

محمد نجیب کمانڈر انچیف مسلح افواج (اسکندریہ ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء)

مصری حکومت نے سابق شاہ کی تمام جائداد و املاک پر قبضہ کر لیا اور فاروق کو نوٹس دے دیا گیا کہ وہ اپنی جائداد میں کسی قسم کا تصرّف نہیں کر سکتے۔ اور ان کی تمام خواہشات کو ردّ کر دیا گیا۔ شاہ کی ذاتی ملکیت مصر میں دو لاکھ ایکڑ سے زیادہ تھی اور اس کے علاوہ وہ دو کروڑ پونڈ کی دولت کے مالک تھے جو امریکہ اور سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع تھی۔ شاہی محل میں ایک کمرہ جو قیمتی جواہرات سے لبالب تھا، کئی محلّات، قسما قسم کے پھلوں کے باغات، یہ سب کچھ بحق سرکار ضبط کر لئے گئے اور شاہ فاروق نے اپنے ہاتھ سے پروانہ معزولی یوں تحریر کیا:-

”أمر ملكي رقم ٦٥ لسنة ١٩٥٢ نحن فاروق الأول ملك المصر والسودان لما كنا نتطلب الخير دائمًا لأمتنا، ونبتغي سعادتها ورقيها وكنا نرغب رغبة اكيدة في تجنيب البلاد المصاعب التي تواجهها في هٰذه الظروف الدقيقة ونزولا على ارادة الشعب۔

قررنا النزول عن العرش لولي عهدنا الامير احمد فواد واصدرنا امرنا بهٰذا الى حضرة صاحب المقام الرفيع علي ماهر باشا رئيس مجلس الوزراء للعمل بمقتضاه۔

فاروق

صدر بقصر رأس التين في ٤ من ذي القعدة سنة ١٣٧١-٢٦ يوليو سنة ١٩٥٢“[1]

---

[1] المصوّر (اکتوبر ۱۹۵۲ء) بحوالہ البشریٰ (حیفا) شمارہ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۶۵، ۱۶۶۔

(ترجمہ) شاہی فرمان نمبر ۶۵ ۱۹۵۲ء ہم ہیں فاروق الاوّل شاہ مصر و سوڈان۔ چونکہ ہم ہمیشہ اپنی رعایا کی بہبود، خوشحالی اور ترقی کے خواہشمند رہے ہیں اور ہماری یہ انتہائی خواہش رہی ہے کہ ملک کو مشکلات سے ان نازک حالات میں محفوظ رکھا جائے جن سے آجکل وہ دوچار ہے۔ لہذا عوامی خواہش کے مطابق ہم نے تختِ شاہی چھوڑنے اور ولی عہد احمد فواد کے حق میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وزیر اعظم علی ماہر پاشا اِس سلسلہ میں کارروائی کریں۔

فاروق

رأس التین کے محل سے پروانہ معزولی

۲۶۔ جولائی ۱۹۵۲ء کو جاری کیا گیا

جلاوطنی کا دردناک منظر شاہ فاروق اپنی معزولی پر دستخط کرنے کے بعد بوقتِ شام سکندریہ سے اپنے بحری جہاز میں بیٹھ کر اٹلی روانہ ہو گئے جہاں ۱۳ برس تک گمنام زندگی بسر کرنے کے بعد ۱۸ ارمارچ ۱۹۶۵ء کو اگلے جہان سدھار گئے۔ مصر سے اُن کی روانگی کا نظارہ نہایت دردانگیز اور عبرتناک تھا۔ ملک کو الوداع کہتے وقت شاہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور انہوں نے اپنا چہرہ شرم کے مارے ڈھانپ لیا۔ شاہ اُس وقت حسرت و یاس اور یایوسی کی تصویر بنے ہوئے تھے اور زبانِ حال سے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام کے مندرجہ ذیل حقیقت افروز عربی اشعار کی عملی تصدیق کر رہے تھے کہ ؎

يَا مُكفِرِي إِنَّ الْعَوَاقِبَ لِلتُّقٰى
فَانْظُرْ مَآلَ الْأَمْرِ كَالْعُقَلَاءِ
إِنِّي أَرَاكَ تَمِيسُ بِالْخُيَلَاءِ
أَنَسِيْتَ يَوْمَ الظَّعْنِ وَالْإِسْرَاءِ
تُبْ أَيُّهَا الْغَالِي وَتَأْتِي سَاعَةٌ
تُمْسِي تَعَضُّ يَمِيْنَكَ الشَّلَّاءَ [1]

(ترجمہ) اے میری تکفیر کرنے والے! عاقبت تو متّقی کی ہے پس دانشمندوں کی طرح آخری

---

[1] "منن الرحمٰن" تصنیف ۱۸۹۵ء

انجام پر نظر رکھ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تو مٹک کر ناز سے چلتا ہے کیا تو نے کوچ کے دن اور شام کو روانگی کو بھلا رکھا ہے؟ اے حد سے گزرنے والے توبہ کر! وہ گھڑی آنے والی ہے کہ تو اپنے شل ہاتھ کو دانتوں سے کاٹے گا۔

مصریوں کا ردِ عمل اور تاثرات

شاہ فاروق کی دستبرداری کی خبر مصر ریڈیو نے نشر کی تو ملک بھر میں بہجت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی[1] حتیٰ کہ برطانیہ میں رہنے والے اکثر مصری باشندوں نے بھی شاہ کا تختہ اُلٹنے پر اظہارِ مسرت کیا نیز یہ رائے دی کہ شاہ کے خود غرض اور مطلب پرست حواری ہی شاہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر غیر ممالک میں مصر کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کا موجب بنے ہیں۔[2]

سابق وزیر اعظم حسین سری پاشا کے داماد ڈاکٹر محمد ہاشم پاشا نے شاہ فاروق کی پرائیویٹ زندگی کی تفاصیل بے نقاب کیں جن میں ان کی عیش پرستی، رات کی زندگی، سرکاری کام میں مداخلت اور بد دیانت افسروں سے میل ملاپ پر روشنی ڈالی۔[3] رائل آٹو بائل کلب کے صدر شہزادہ عباس حلیم (شاہ کے بھتیجے) کے حکم سے کلب کے اُن کمروں کو بند کر دیا گیا جن میں شاہ مصریوں کے ساتھ ایک رات میں لاکھوں پاؤنڈ کا جوا کھیلتے تھے۔[4]

وفد پارٹی کے لیڈر مصطفےٰ نحاس پاشا اور سیکرٹری جنرل فواد سراج الدین پاشا نے انکشاف کیا کہ شاہ فاروق وفد پارٹی کو ختم کرنے کے لئے برطانوی استعمار پسندوں کے اشارات پر اخبارات کو مالی امداد دیتے رہے۔[5]

اخبار "المصری" نے لکھا کہ شاہ فاروق کی بے پروائی اور اُن کا تشدد اُن کے اِس حسرت ناک انجام کا باعث بنے ہیں اور ہمارے سینوں سے ایک بھاری بوجھ اُتر گیا ہے۔

"الاخبار" نے لکھا آج تاریخ کے ظالم اور جابر بادشاہوں کی فہرست میں شاہ فاروق جیسے ظالم اور تنگ دل بادشاہ کا نام بھی شامل ہو گیا ہے۔ فاروق ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے اپنے

---

[1] نوائے وقت (لاہور) ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء صـ۳ کالم ۵؛ [2] زمیندار (لاہور) ۳ اگست ۱۹۵۲ء صـ۳ کالم ۱

[3] نوائے وقت (لاہور) ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء صـ۱؛ [4] زمیندار (لاہور) ۲ اگست ۱۹۵۲ء صـ۱

[5] زمیندار (لاہور) ۲۶ اگست ۱۹۵۲ء صـ۱؛

عوام پر بے انصافی، بددیانتی اور تشدد سے حکومت کی جس نے انصاف اور آزادی کو کچلنے کیلئے شہنشاہیت کو تازیانے کے طور پر استعمال کیا اور جس نے مصر پر غلامی اور افلاس کو مسلط کیا۔ شاہ فاروق کو عوام نے تخت چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ اُن کی کرتوتوں اور بدعنوانیوں نے انہیں تخت سے محروم کر دیا۔[۱][۲]

حضرت مہدیٔ موعودؑ کی پیشگوئی

حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"نادان مخالف خیال کرتا ہے کہ میرے مکروں اور منصوبوں سے یہ بات بگڑ جائے گی اور سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا مگر یہ نادان نہیں جانتا کہ جو آسمان پر قرار پا چکا ہے زمین کی طاقت نہیں کہ اس کو محو کر سکے ... وہ فرعون جو موسٰی کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اب اُس کا کچھ پتہ ہے؟ پس یقیناً سمجھو صادق ضائع نہیں ہو سکتا۔ وہ فرشتوں کی فوج کے اندر پھرتا ہے۔ بدقسمت وہ جو اس کو شناخت نہ کرے۔"[۳]

مے دہم فرعونیاں را ہر زماں ٭ چوں یدِ بیضائے موسیٰ صد نشاں

زیں نشانہا بدرگاں کور و کر اند ٭ صد نشاں بینند و غافل بگذرند[۴]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب اخبار "الیوم" کے نام

قاہرہ (مصر) کے با اثر و ممتاز اخبار "الیوم" کی ۲۶ جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں الشیخ حسنین محمد مخلوف مفتی دیارِ مصریہ کا تحریکِ احمدیت کے خلاف ایک مغالطہ آفریں مضمون شائع ہوا جو جھوٹ کا پلندہ تھا جس پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اسلامی دُنیا کو اصل حقیقت سے باخبر کرنے کے لئے اخبار "الیوم" کے نام ایک تبلیغی مکتوب رقم فرمایا جس کا مکمل اُردو متن اخبار "الفضل" ۱۴ تبوک ۱۳۳۱ ہش / ۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء کے حوالہ سے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

---

[۱] نوائے وقت (لاہور) ۳۱ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

[۲] اخبار "نوائے وقت" (لاہور) نے ۱۲ اگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں شاہ فاروق کی ملت فروشی اور بدعملی پر ایک خیال افروز مقالہ بھی شائع کیا جو لائقِ مطالعہ ہے۔

[۳] ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹ (تصنیف ۱۹۰۵ء)۔

[۴] تحفہ غزنویہ (ترجمہ) میں ہر زمانہ میں فرعون صفت لوگوں کو یدِ بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہوں مگر بدفطرت لوگ ان نشانوں کی طرف سے اندھے اور بہرے ہیں اور سینکڑوں نشان دیکھ کر بھی غافل رہتے ہیں۔

"حضرت امام جماعتِ احمدیہ ایدہُ اللہ کا مکتوب مصری اخبار "الیوم" کے نام

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ[۱]

مکرمی ایڈیٹر صاحب اخبار "الیوم"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے اخبار مؤرخہ ۲۶ جون ۱۹۵۲ء میں مکرم شیخ حسنین محمد مخلوف مفتی دیارِ مصریہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ احمدیوں میں کچھ غالی ہیں اور کچھ معتدل۔ غلو کرنے والے وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں مانتے اور انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ شاید ظفر اللہ خاں ان لوگوں میں سے ہیں جو غالی نہیں ہیں۔ میں بحیثیت امام جماعتِ احمدیہ ہونے کے اور بحیثیت اس کے کہ ظفر اللہ خاں بھی میرے اتباع میں سے ہیں سب سے زیادہ اِس بات کا حق رکھتا ہوں کہ جماعتِ احمدیہ کے عقائد کو عمومی طور پر اور ظفر اللہ خاں کے عقائد کو بحیثیت اپنے تلمیذ کے خصوصی طور پر بیان کروں۔ پس میں یہ مضمون آپ کی طرف اِس درخواست کے ساتھ بھجوا رہا ہوں کہ آپ اِس مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کر دیں تاکہ لوگوں کو تصویر کا دوسرا رُخ بھی معلوم ہو جائے۔ چونکہ آپ کا اخبار سیاسی اور عام امور کے ساتھ تعلق رکھنے والا اخبار ہے اِسلئے میں مذہبی تفاصیل میں نہیں جاؤں گا صرف واقعات اور عقائد کے بیان تک محدود رہوں گا۔ بہ میں اِس لئے کہتا ہوں کہ تا کسی شخص کو یہ شُبہ پیدا نہ ہو کہ انہوں نے اپنے عقیدے کی دلیل نہیں بیان کی جس شخص کے دل میں دلیل اور توجیہہ معلوم کرنے کا شوق ہو وہ براہِ راست مجھے خط لکھ کر ان سوالات کا جواب حاصل کر سکتا ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں۔ میں مفتیٔ مصر کی شخصیت کا پُورا احترام کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کاش آپ اپنا اعلان شائع کرنے سے پہلے مجھ سے یا ظفر اللہ خاں سے پوچھ لیتے کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے عقیدہ کسی شخص کا وہی ہو سکتا ہے جو وہ خود بیان کرتا ہے کسی دوسرے شخص کا حق نہیں کہ وہ کسی شخص کی طرف اپنی طرف سے عقیدہ نکال کر منسوب کرے۔ یہ دعویٰ کہ احمدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں سمجھتے یہ محض احمدیوں کے دشمنوں کا پراپیگنڈا ہے ہم اِس عقیدہ کے قائل ہیں رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا۔ ہم قرآن شریف کو سُورہ فاتحہ کی بِسْمِ اللّٰہِ کی ب سے لیکر سورہ والنّاس کی آیت مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ تک تمام کا تمام صحیح محفوظ اور ابدالآباد

---

[۱] الحجرات: ۷

تک قابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آتا ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ قرآن مجید میں نسخ کا قائل تو شاید یہ کہہ دے کہ یہ آیت منسوخ ہے مگر ہم تو قرآن مجید کے بین الدفتین کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو بھی اس میں ہے وہ قابلِ عمل ہے اور اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں اور خاتم النّبییّن تو عقائد میں سے ہے اور عقائد و واقعات کے متعلق تمام آئمہ اہلسنّت کا اتفاق ہے کہ ان میں ناسخ ومنسوخ کا قاعدہ جاری نہیں پس کسی صورت میں بھی ممکن نہیں کہ ہم خاتم النّبییّن کے منصب کے مُنکر ہوں جو محض اِس منصب کا مُنکر ہوگا اسے لکن رسول اللہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ یہ دونوں منصب ایک آیت میں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں اور یہ وہ عقیدہ ہے جس کو ہم دِل میں یقین کرتے ہیں۔ ہم اسی عقیدہ پر انشاء اللہ زندہ رہیں گے اسی عقیدے پر مریں گے اور اسی پر انشاء اللہ اُٹھائے جائیں گے۔ اگر مَیں اپنے اِس بیان میں جھوٹ سے، یا اخفاء سے، یا توریہ سے کام لے رہا ہوں تو مَیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے وعدے کو میرے حق میں جاری کردے اور اگر مَیں اور میری جماعت اس عقیدے کے اظہار میں سچ سے کام لے رہے ہیں تو مَیں الزام لگانے والے کے لئے بددعا نہیں کرتا مَیں خدا تعالیٰ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ وہ سچ اس کی زبان پر جاری کرے اور سچ اس کے دِل میں قائم کرے اور اسے توفیق بخشے کہ وہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے ارشاد پر عمل کرنے والا ہو۔

اے اہلِ مصر! آپ کی تہذیب بہت پُرانی ہے۔ آپ کا تمدّن بہت قدیم ہے جس کا کچھ حصہ تاریخی زمانہ سے بھی پہلے کا ہے۔ مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اتنی پُرانی تہذیب اور پُرانے تمدّن کی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ایک ایسی قوم پر الزام نہ لگنے دیں جو آپ کے مُلک سے سینکڑوں میل دُور بیٹھی ہے اور جو ان الزاموں کے دُور کرنے کی طاقت نہیں رکھتی جو اس کے پسِ پُشت اس پر لگائے جاتے ہیں مَیں نہیں سمجھتا کہ میرا یہ بیان بھی مصر کے کسی اخبار میں شائع ہوسکے گا یا نہیں۔ لیکن مَیں اِس یقین کے ساتھ اِس بیان کو بھجوا رہا ہوں کہ مصر کی رُوحِ انصاف مقامی اور ذاتی حدبندیوں سے آزاد ہوکر ضرور اِس آواز کو اپنے اہلِ ملک تک پہنچا دے گی جو صرف ایک تکلیف دِہ الزام سے اپنی برأت کرنا چاہتی ہے مفتی صاحب کے مضمون کے ساتھ بعض اَور مضامین بھی مصر کے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں جن میں

یہ کہا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نے کوئی نیا قبلہ بنایا ہے اور یہ کہ جماعتِ احمدیہ اپنے آپ کو کسی اَور نبی کا اُمّتی قرار دیتی ہے۔ مَیں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں بالکل اتّہام ہیں۔

ہم مکّہ مکرمہ میں واقع کعبہ کو ہی اپنا قبلہ سمجھتے ہیں۔ قادیان کے احترام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمارا قبلہ ہے مسلمانوں کے لئے سینکڑوں مقامات قابلِ احترام ہیں۔ ہم سب لوگ بیت المقدس کو محترم سمجھتے ہیں۔ کیا بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے؟ اہلِ مصر خصوصاً اور سب مسلمان عموماً ازہر کو علومِ اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کا ایک بڑا مرکز سمجھتے ہیں اور اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ کیا اہلِ مصر اور ہم لوگ ازہر کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں؟ قبلہ تو وہ ہے جس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھی جائے اور ہم سب نماز خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کرکے پڑھتے ہیں اور اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح قرآن، حدیث اور سُنّت نے بیان کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کا ہم حج کرتے ہیں۔ مَیں نے بھی خانہ کعبہ کا حج کیا ہے اور دوسری دفعہ حج کرنے کی خواہش رکھتا ہوں پس یہ ہرگز درست نہیں کہ ہم خانہ کعبہ کے سوا کسی اَور مقام کو قبلہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام کا قبلہ اور ہمارا قبلہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا گیا ہے اور قیامت تک وہی قبلہ رہے گا۔

اِسی طرح یہ امر بھی درست نہیں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا اُمّتی اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہیں اور اس پر فخر کرتے تھے تو پھر ہم لوگ کس طرح کسی اَور کے اُمّتی ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی اُمّتی ہیں اور ہمارے سلسلہ کے بانی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی تھے اور ان کے دعویٰ کے مطابق انہیں جو کچھ ملا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہونے کی وجہ سے ہی ملا۔ پس ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہونے پر فخر کرتے ہیں اور اسی مقام پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسی مقام میں مرنا چاہتے ہیں اور اسی مقام پر دوبارہ اُٹھنا چاہتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں:۔

وَمَوْتِیْ بِسُبْلِ الْمُصْطَفٰی خَیْرُ مِیْتَةٍ ـ فَاِنْ فُزْتُھَا فَاُحْشَرَنْ بِالْمُقْتَدٰی [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں میری موت بہترین موت ہے۔ اگر میری یہ آرزو پوری ہوئی تو

---

[1] کرامات الصادقین ص۵۳ (مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

مجھے اپنے پیشوا کے ساتھ ہی اُٹھایا جائے گا۔

اِنَّا نطیع محمّدًا خیر الوریٰ ٭ نُورَ المھیمن دافعَ الظلماء [1]

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تمام جہان سے بہتر ہیں فرمانبرداری کرتے ہیں۔ آپ دُنیا کی حفاظت کرنے والے خدا کے نُور ہیں اور تمام اندھیرے آپ کی بدولت دُور ہوتے ہیں۔

اور جو کوئی اِس کے خلاف ہمارے متعلق کہتا ہے وہ ہم پر ظلم کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرے اور خدا تعالیٰ اسے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کی قبیح عادت سے بچائے۔

ہمارے متعلق یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم جہاد کے مُنکر ہیں۔ یہ درست نہیں۔ جہاد کا حکم قرآن کریم میں ہے اور قرآن کریم ہمارے نزدیک غیر منسوخ ہے پھر ہم جہاد کو کس طرح منسوخ کر سکتے ہیں؟ جہاد کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ بعض ہندوستانی مُلّاؤں کے عقیدہ کے خلاف لکھا ہے جن کے نزدیک اِکّا دُکّا غیر مسلم مل جائے تو اسے قتل کر دینا یا جبراً کسی سے کلمہ پڑھوا لینا یا اپنی ہمسایہ قوموں سے بلا کسی ظہورِ فساد کے لڑ پڑنا جہاد کہلاتا ہے۔ اس عقیدہ سے اسلام دُنیا میں بدنام ہو رہا ہے اور بدنام ہو چکا ہے۔ مصر کے تمام بڑے مصنّف جہاد کی اِس تشریح میں ہم سے متفق ہیں۔ ہمارے نزدیک جو جہاد قرآن کریم میں پیش کیا گیا ہے اس کے بغیر کوئی آزاد قوم دُنیا میں محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مذہبی اور سیاسی طور پر ان شرائط کے ساتھ ظالم سے لڑنا جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں ایک ایسا ضروری امر ہے کہ جس کے بغیر حریّتِ ضمیر اور حریّتِ بلاد قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ ہم اس جہاد کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہم تو بربریّت اور فوضویّت [2] کے مخالف ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِہٖ [3]

ہماری طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ ہم تناسخ کو مانتے ہیں اور شاید یہ عقیدہ اِس امر سے مستنبط کیا گیا ہے کہ ہم بانیٔ سلسلہ کو مسیح کہتے ہیں۔ یہ الزام بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ہم تناسخ کے منکر ہیں اور خود بانیٔ سلسلہ نے تناسخ کے عقیدہ کا اپنی کتابوں میں رَدّ کیا ہے ہمارا عقیدہ صرف یہ ہے کہ مسیحِ موعود جس کی آمد کی خبر انجیلوں میں دی گئی ہے یا حدیثوں میں ہے اس سے

---

[1] انجامِ آتھم ص۲۶۵ (مطبوعہ جنوری ۱۸۹۷ء) [2] فوضویت: شورش اور تاراج کو کہتے ہیں

[3] بخاری کتاب الجہاد۔ مسلم کتاب الامارۃ۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ نسائی باب البیعۃ ٭

مراد وہ مسیح ناصری نہیں ہے جس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ[1]۔ بلکہ جیسا کہ مسیح نے خود یوحنا کو ایلیا کا نام دیا ہے اسی طرح ہمارا عقیدہ ہے کہ اس اُمّت میں سے عیسائیت کے غلبہ کے وقت میں ایک ایسا شخص کھڑا ہو گا جو اسلام کی طرف سے عیسائیت کے ساتھ علمی و رُوحانی جنگ لڑے گا نہ یہ کہ مسیح کی رُوح اس میں حلول کر جائے گی۔ ایک بات ہماری طرف یہ بھی منسوب کی گئی ہے کہ ہم ہندوستان کو فتح کر کے ساری دُنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ ایک تعلیمیافتہ آدمی کو ہماری طرف یہ بات منسوب کرنے کی جُرأت کیسے ہوئی؟ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں یہ پیشگوئیاں موجود ہیں کہ ہم پھر قادیان میں اکٹھے ہوں گے لیکن یہ بات تبلیغ سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ بات پاکستان اور ہندوستان کے باہمی سمجھوتہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ[2]۔ مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ آخری زمانہ کے متعلق ہے کیونکہ جمیع ادیان پر غلبہ پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا[3] تو کیا اِن آیات کے یہ معنی کئے جائیں کہ مصر، شام یا سعودی عرب یا پاکستان یا کوئی اَور اسلامی مملکت یہ ارادہ کر رہی ہے کہ باری باری چین، جاپان، رُوس اور جرمنی پر حملہ کر کے انہیں فتح کریں گے اور ساری دُنیا میں اسلام کو غالب کر دیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کے متعلق ایک خبر دی ہے اور مسلمان اس پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے کوئی دوسری اقوام پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ وہ اس خبر کے پُورا ہونے کی تفصیلات کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے اسی طرح قادیان میں احمدیوں کے لئے آزادی حاصل ہونے کی پیشگوئی موجود ہے لیکن وہ ہو گی انہی ذرائع سے جو قرآنِ مجید کے نزدیک جائز ذرائع ہیں۔ اور قرآن کریم کسی ایسی قوم کو دوسرے مُلک، سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا جس کے پاس حکومت نہیں۔ وہ اسے فساد قرار دیتا ہے۔ پس ہمارا کوئی

---

[1] آلِ عمران: ۵۶ ٭ [2] سورۃ التوبہ: ۳۳، الفتح: ۲۹، الصف: ۱۰

[3] تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر زیرِ آیت سورۃ صف۔ تفسیر حسینی مترجم فارسی صفحہ ۸۸۴ زیر سورۃ صف مطبع کریمی بمبئی۔ تفسیر غرائب القرآن بر حاشیہ ابن جریر۔ بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ ٭

ایسا ارادہ نہیں اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے مجانین نہیں جو اِس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ بغیر اس کے کہ غیر قومیں ہم سے لڑیں ہم ان سے خود ہی جنگ شروع کر دیں۔ یہ مغربی حکومتوں کا حصہ ہے اور انہیں کو مبارک رہے۔ اسلام نے کبھی بھی اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنے کمزور ہمسایہ پر دست درازی نہیں کی۔ وسطی اور جنوبی افریقہ کے وسیع علاقے اِس بات کے شاہد ہیں کہ شمالی افریقہ میں باقاعدہ حکومتیں قائم تھیں جو اسلام سے ٹکرائیں اور اسلام اُن سے ٹکرایا لیکن اسلام کے لشکر جب ان حدود تک پہنچے جہاں پر مخاصم حکومتوں کی حدیں ختم ہوتی تھیں اور کمزور قبائل کے علاقے شروع ہوتے تھے وہاں وہ ٹھہر گئے اور انہوں نے جنگ بند کر دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج یورپین لوگوں کے لئے افریقن کالونیز کے بنانے کی گنجائش نہ رہتی۔ وسطی اور جنوبی افریقہ کی کونسی طاقت تھی کہ جس نے مسلمانوں کے ان لشکروں کو روکا جنہوں نے رُوسی، ہسپانوی، فرانسیسی اور اطالوی منظم لشکروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ وہ اسلام کی منصفانہ، عادلانہ اور رحیمانہ تعلیم ہی تھی جس نے یہ عظیم الشّان مُعجزہ دُنیا کو دکھایا اور جس کی بدولت ایک مسلمان ہر سیاسی مجلس میں یورپ اور امریکہ کے سیاسی لوگوں کے سامنے اپنا سر اُونچا رکھ سکتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے مَیں عرب اور مصر کے پریس کو ایک خاص ذمّہ داری کی طرف توجّہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ایک لمبے افتراق کے بعد اکثر مسلمانوں میں اتّحاد کا جوش پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان سے عرب ممالک اور مصر نے جس ہمدردی کا سلوک کیا ہے یا عرب اور اسلامی امور سے جس ہمدردی کا ثبوت پاکستان نے دیا ہے وہ اِس زمانہ کی خوشگوار ترین باتوں میں سے ہے مگر مذکورہ بالا امر کی اشاعت نے جماعتِ احمدیہ ہی نہیں پاکستان کے رستہ میں مُشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اِس مضمون کی بناء پر جو سر تا پا غلط ہے ہندوستان پاکستان پر الزام لگا سکتا ہے کہ اس میں رہنے والی بعض جماعتیں ہندوستان پر حملہ کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ الزام سو فیصدی غلط ہے مگر ہندوستان کا متعصّب عنصر اِس الزام سے ضرور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ الزام ایک جماعت پر ہے نہ کہ پاکستان پر۔ کیونکہ ہندوستان کا متعصّب گروہ کہے گا کہ جس امر کی اطلاع مصر کے ایک نامہ نگار کو مل گئی پاکستان کی حکومت کو اس کی کیوں اطلاع نہ ملی ہو گی۔ دوسرے وہ کہیں گے کہ جس جماعت پر

یہ الزام ہے پاکستان کا وزیر خارجہ اس کا ممبر ہے پس وہ اس سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں ایک نامہ نگار کی خوابِ پریشان پاکستان کے لئے کتنی مشکلات اور بدنامی کی صورت پیدا کر سکتی ہے اور کیا یہ ظفر اللہ خان کی خدماتِ پاکستان کا اچھا بدلہ ہوگا؟ ہرگز نہیں، علاوہ اس کے کہ یہ جھوٹ ہے، یہ ایک وفادار دوست پر ناواجب حملہ بھی ہے جسے مصر کا غیور مسلمان یقیناً برداشت نہیں کرے گا۔ اس کوشش کے بعد جو عرب اور مصر نے پاکستان کی مملکت کے استحکام کے لئے کی ایسی آواز کو اٹھنے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ[1] میں اس دعا پر اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان ممالک کو اس لمبی نیند سے بیدار ہونے کی توفیق بخشے جس میں وہ مبتلا تھے اور اغیار کے تصرفات سے ان کو آزاد کرے اور مسلمان کی اس شان کو بحال کرے جو اسے گزشتہ زمانہ میں حاصل تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ عزت اسے عطا کرے۔ اللّٰھم آمین۔

میرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ[2]

مندرجہ بالا مکتوب کا عربی ترجمہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے کیا اور یہ اخبار "الیوم" کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے اخبارات کو بھی بھجوایا گیا جن میں سے "الثقافۃ" "بیروت المساء" "نداء الوطن" (۱۱-۱۲ اگست ۱۹۵۲ء) میں چھپا۔ برصغیر پاک و ہند کے اخبارات میں سے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ (۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء) جنگ (۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء) ٹریبیون (۳۰ اگست ۱۹۵۲ء) میں بھی اس کی خبر شائع ہوئی۔

عربی رسالہ "البشریٰ" (حیفا) نے اپنے ماہِ اگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں اس کا مفصل ترجمہ دیا اور مشرقِ وسطیٰ کے علاوہ دوسرے ملکوں میں اس کی بکثرت اشاعت کی اور اس طرح عرب دنیا پر خدائی نشان اور حجت و برہان دونوں اعتبار سے حجت تمام ہوئی۔

مسئلہ ختمِ نبوت سے متعلق ایک وضاحتی بیان

حضرت مصلح موعودؓ نے جہاں اخبار "الیوم" کے ذریعہ مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک

---

[1] النحل: ۹۳ (ترجمہ) اُس عورت کی مانند مت بنو جس نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو اُس کے مضبوط ہو جانے کے بعد کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

[2] الفضل ۱۴ تبوک ۱۳۳۱ ہش / ۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، ۴

کو پیغامِ حق پہنچایا وہاں اہلِ پاکستان کے لئے مسئلہ ختمِ نبوت سے متعلق مندرجہ ذیل وضاحتی بیان تحریر فرمایا جو ایک ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا گیا:۔

اَعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

جو خاتم النّبیّین کا مُنکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے

"اے عزیزو! آجکل احمدی احراری جھگڑے میں ایک طوفانِ بے تمیزی اُٹھ رہا ہے۔ اور جن لوگوں کا اِس اختلاف سے دُور کا تعلق بھی نہیں وہ بھی سُنی سُنائی باتوں پر کان دھر کے اشتعال میں آرہے ہیں اور غلط رائے قائم کر رہے ہیں لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں کہ صرف اظہارِ غضب سے اسے حل کیا جاسکے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کا سوال ہو تو کم سے کم اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھنا چاہیئے کیونکہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص آپؐ کے احترام کے لئے جان دینے کا دعویٰ کرتا ہو لیکن اس غرض کے لئے وہ کام کرتا ہو جنہیں آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ باتیں کرتے ہیں تو غلط بیانی کرتے ہیں اور جب کسی سے اختلاف ہوتا ہے تو گالی گلوچ پر اُتر آتے ہیں[1] مومن کو ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔

اب آپ لوگ خود ہی دیکھ لیں کہ کیا احمدیت کے خلاف تقریریں کرنے والے جن کی تقریریں آپ نے سُنی ہیں اِس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ نہیں؟ کیا جب وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ فساد نہ کرو تو کیا آپ پر یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فساد نہ کرو یا اس کے نتیجہ میں بہت سے بچے اور چند نوجوان فوراً جلوس بناتے اور گلیوں میں احمدیوں کے خلاف شور مچاتے پھرتے ہیں اور بعض پرائیویٹ مجالس میں احمدیوں کے قتل اور بائیکاٹ کے منصوبے کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ مقرر واقعہ میں امن کی تعلیم دیتے ہیں تو اس کا اُلٹا اثر کیوں ہوتا ہے؟ کیا اِس سے ثابت نہیں ہوتا کہ سامعین بین السطور مطلب ان

---

[1] بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱ مصری ؛

تقریروں کا یہی سمجھتے ہیں کہ مقرر کہتا ہے کہ ہمیں قانون کی زد سے آزاد رہنے دو اور خود جاکر جو نقصان احمدیوں کا ہو سکتا ہے کرو۔ اسی طرح جو الفاظ وہ میری نسبت یا چوہدری ظفر اللہ خاں کی نسبت یا باقی جماعتِ احمدیہ کے متعلق بولتے ہیں کیا وہ گالی گلوچ کی حد میں نہیں آتے؟ اور کیا یہ سچ نہیں کہ ان لوگوں کی طرف سے جو جلوس مختلف جگہوں پر نکالے گئے ان میں چوہدری ظفر اللہ خاں کو نہایت ناپسندیدہ طور پر پیش کیا گیا اور ایک کُتّا پکڑ کر اُسے ظفر اللہ خاں ظاہر کیا گیا اور اس پر جوتیاں لگائی گئیں۔ کیا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق نہیں کہ:-

"جب وہ جھگڑتا اور مخالفت کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اُتر آتا ہے۔"

اے اسلام کی غیرت رکھنے والو! اور اے وہ لوگو! جن کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا بھی عشق ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ان مجالس اور ان جلوسوں کو رسول کریمؐ پسند کر سکتے تھے؟ کیا اگر کوئی دشمن ایسے جلوس کا نقشہ کھینچ کر یہ لکھے کہ نعوذ باللہ من ذالك رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کسی جلوس کو پسند فرمایا تھا، تو کیا آپ کے جسم پر لرزہ طاری نہ ہو جائے گا؟ کیا آپ اسے غلط بیانی کرنے والا نہیں کہیں گے؟ پھر آپ یہ کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی تقریریں کرنے والے اور ایسے جلوس نکلوانے والے احترامِ رسولؐ کی خاطر ایسا کر رہے ہیں؟ کیا سچ جھوٹ سے قائم ہوتا ہے؟ کیا احترام اور اعزاز گالی گلوچ کے ذریعہ سے قائم کیا جاتا ہے؟ کیا یہ مظاہرات دُنیا کی نگاہ میں اسلام کی عزت کو بڑھانے والے ہیں یا گھٹانے والے؟ کیا اگر اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظارہ دکھا دے تو آپ فخر کرینگے کہ اُن کے نام پر تقریریں کرنے والے امن کا نام لے کر فساد کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیا وہ اس جلوس کو دیکھ کر خوش ہوں گے؟ جس میں گالیاں دی جاتی ہیں جس میں ماتم کیا جاتا ہے جس میں کُتّوں کو جُوتیاں مار کر اپنے ملک کا وزیر خارجہ قرار دیا جاتا ہے۔ کیا اگر صحابہؓ یہ نظارہ دیکھیں تو وہ خوش ہو کر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ یہ ہیں ہمارے سچے پَیرو۔ یہ وہی کام کر رہے ہیں جس کا کرنا ہم پسند کرتے تھے؟ اگر ایسا نہیں بلکہ آپ کا دل گواہی دیتا ہے کہ نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام پسند کر سکتے تھے نہ صحابہؓ ان کاموں کا کرنا پسند کر سکتے تھے تو بتائیں کہ حُرمتِ رسُول کا دعویٰ کرنے والے اگر سچے ہیں تو یہ کام کیوں کرتے ہیں؟

اے عزیزو! عقیدہ وہی ہوتا ہے جو ایک شخص بیان کرتا ہے نہ وہ جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس اچھی طرح سُن لو کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایمان تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین تھے اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

"مَیں مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا میں کرتا ہوں کہ مَیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو اُس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"[ل] (تقریر جامع مسجد دہلی ۱۸۹۱ء)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔"

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

"آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اَور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اَور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔" (کتاب کشتیٔ نوح صـ۱۳)

اِن الفاظ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہ مانتے تھے تو وہ یاد رکھے کہ وہ خدا کی گرفت تلے ہے اسے ایک ناکردہ گناہ پر اتہام لگانے کی خدا تعالیٰ سزا دے گا اور ہر شخص جو اس امر سے واقف ہو کر محض اِس لئے اس الزام لگانے والے کے پیچھے چلے گا کہ وہ اس کا مولوی ہے یا وہ قومی یا شہری جدّوجہد میں اس کی مدد کرے گا اور اس کا رفیقِ کار ہو گا تو اسے یاد رہے کہ اتنے بڑے اتہام پر خاموش رہنے والا اور اس کے خلاف احتجاج نہ کرنے والا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی جواب نہیں دے سکتا پس چاہیئے کہ وہ عاقبت کو سنوارے اور اس دُنیا کے کاموں اور اس کی ترقیوں میں بھی اللہ تعالیٰ پر توکّل کرے نہ کہ ان لوگوں پر جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر یہ اخلاق سوز جلوس نکلواتے ہیں اور قتل

[ل] مشمولہ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۲۵ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

اور فساد کی سازشیں کرتے ہیں۔

اے عزیزو! بانیٔ سلسلہ ہی نے ختمِ نبوّت کے عقیدہ پر اتنا زور نہیں دیا بلکہ مَیں نے بھی اسے بیعت کی شرائط میں قرار دیا ہے اور ہر بیعت کرنے والے سے اقرار لیتا ہوں کہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین یقین کروں گا۔ اب بتاؤ کہ اِس سے زیادہ زور اِس عقیدہ پر کیا ہو سکتا ہے؟ اب جو نہ سمجھے قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہوگا اور اس کا دامن۔ باقی رہا یہ کہ ہم یہ سب کچھ دل سے نہیں کہتے بلکہ جھوٹ بولتے ہیں تو یہ دلیل تو دونوں طرف چل سکتی ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر الزام لگانے والے لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں مانتے۔ اگر ہم ایسا کہیں تو کیا آپ ہماری بات مان لیں گے اور وہی غیرت جس کا مظاہرہ ہمارے متعلق کرتے ہیں ان کے متعلق بھی دکھائیں گے؟

اے عزیزو! ایک دن ہم سب نے مرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ آپ کے آباء بھی مرے اور آپ بھی مریں گے اور آپ کی اولاد بھی مرے گی اور یہی حال میرا اور میرے ساتھیوں کا ہے پس چاہیئے کہ ہم اس دن کے لئے تیاری کریں جو آنے والا ہے۔ یہ دُنیا چند روزہ ہے یہ لاف و گزاف اور کثرت پر ناز اور جھگڑا بازی اور گالی گلوچ مالک الملک ربّ العٰلمین کے سامنے ہرگز کام نہ دیں گے۔ پس چاہیئے کہ جس نے ایسی غلطی نہیں کی وہ اپنے بھائی کو سمجھائے اور جس نے کی ہے وہ توبہ کرے۔ اُسی کی جان محفوظ ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق پر چلتا ہے نہ وہ کہ مُنہ سے آپؐ کے احترام کا دعویٰ کرتا ہے مگر عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمیں مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بے شک اس کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں مگر وہ اُس دن کو بھی یاد رکھیں جس دن ہم سب خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، جس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مُنہ دکھانا ہوگا۔ جو اُس دن خوش ہوگا وہی کامیاب ہے اور جو اس دن آنکھ اُونچی نہ کر سکے گا اُس کی زندگی رائیگاں گئی۔ کاش وہ پیدا نہ ہوتا۔ کاش! اسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غضبناک آنکھ نہ دیکھنی پڑتی۔ والسّلام [1]

---

[1] النّاشر انجمن ترقّیٔ اسلام۔ ربوہ۔ پاکستان۔ بحوالہ روزنامہ "الفضل" مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶

فصل دوم

◉ عالمی یومِ امن کے لئے دُعا ◉ حکومتِ پاکستان کے اعلان کا خیر مقدم ◉ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے مساجد میں ذکرِ الٰہی کرنے اور فریضۂ حج بجالانے کی تحریک ◉ آل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاسِ ڈھاکہ ◉ گوجرانوالہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور اخبار "الاعتصام" ◉ حضرت امام ہمامؓ کا روح پرور پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام۔

عالمی یومِ امن کے لئے دُعا

امریکہ کے شہر بالٹی مور (BALTIMORE) میں یو۔این۔سی۔ایل کے نام سے ایک تنظیم قائم تھی[1]۔ اس تنظیم نے ۶/ اگست ۱۹۵۲ء کو دُنیا بھر میں یومِ امن منانے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی۔ کمیٹی کے ایگزیکٹو سیکرٹری جناب الفریڈ۔ ڈبلیو۔ پارکو نے کیلیفورنیا (امریکہ) سے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ عالمی یومِ امن میں احمدی بھی شریک ہوں اور اس روز یا اس سے پہلے آنے والے جمعہ میں قیامِ امن کے لئے دعا کریں۔

حضرت امیر المومنینؓ نے اس تحریک کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ امن کی اپیل خواہ کسی طرف سے ہو بہرحال قابلِ تعریف ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ دُنیا میں امن

---

[1] THE UNITED NATIONS CITIZENSHIP LEAGUE (متحدہ اقوام کی مجلسِ شہریت)

کا دَور دورہ ہو۔ پس اِس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ یہ تحریک کس کی طرف سے ہے؟ ہم اس تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ تمام احمدی دوستوں کو چاہیئے کہ ۲ر اگست ۱۹۵۲ء بروز جمعہ یہ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کی موجودہ بے اطمینانی اور بدامنی کی حالت کو دُور فرمائے اور لوگوں کو امن اور اطمینان بخشے۔ آمین

اِس سلسلہ میں حضور نے عالمی یومِ امن کے لئے مندرجہ ذیل دُعا بھی بھجوائی جو دراصل سُورہ فاتحہ کا ترجمہ ہے:۔

" اے خدا ہمیں سیدھا رستہ دکھا۔ ایسا رستہ جس پر مختلف اقوام کے چنیدہ لوگ جنہوں نے تیری رضامندی کو حاصل کر لیا تھا چلے تھے۔ ہمارے ارادے پاکیزہ ہوں۔ ہماری نیّتیں درست ہوں ہمارے خیالات ہر بدی سے پاک ہوں اور ہمارے عمل ہر قسم کی کجی سے منزّہ ہوں سچّائی اور صداقت کے لئے ہم اپنی ساری خواہشات اور رغبتیں قربان کر دیں، ایسا انصاف جس میں رحم ملا ہُوا ہو ہمارے حصّہ میں آئے اور ہم تیرے ہی فضل سے دُنیا میں سچّا امن قائم کرنے والے ہو جائیں جس طرح کہ تیرے برگزیدہ بندوں نے دُنیا میں امن قائم کیا اور تُو ہمیں ایسے تمام کاموں سے محفوظ رکھ جن کی وجہ سے تیری ناراضگی حاصل ہوتی ہے۔ اور تُو ہمیں اِس بات سے بھی بچا کہ ہم جوشِ عمل سے اندھے ہو کر ان فرائض کو بھول جائیں جو تیری طرف سے عائد ہوتے ہیں اور ان طریقوں سے بے راہ ہو جائیں جو تیری طرف لے جاتے ہیں۔"

وکالتِ تبشیر ربوہ نے بذریعہ الفضل (۱۲ر احسان ۱۳۳۱ ہش) حضرت امیر المومنین کے مندرجہ بالا فرمان اور دعائیہ کلمات سے جماعتِ احمدیہ کو مطلع کر دیا اور تحریک کی کہ ۲۔ اگست کو "اسلام اور امنِ عالم" کے موضوع پر خطبۂ جمعہ دیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا فرمان اور مُرسلہ دُعا سے امریکی دُنیا کو بالٹی مور کے روزنامہ ریکارڈ (RECORD) نے اور افریقی ممالک کو نائیجیریا کے اخبار "دی ٹروتھ" (THE TRUTH) نے روشناس کرایا۔ مؤخر الذکر اخبار نے اس کو اپنی جولائی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں روزنامہ ریکارڈ کے حوالہ سے صفحہ اوّل پر شائع کیا۔

حکومتِ پاکستان کے اعلان کا خیر مقدم | حکومتِ پاکستان نے ۱۴ر اگست ۱۹۵۲ء کو

ایک پریس نوٹ جاری کیا کہ حکومتِ پاکستان کو اکثر شکایات موصول ہوتی رہی ہیں کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بعض حکام جو ایک خاص فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ماتحتوں اور ایسے آدمیوں میں اپنے فرقوں کی تبلیغ کرتے ہیں جن سے انہیں اپنی سرکاری حیثیت کی وجہ سے ملنے جلنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ حکومت اس صورتِ حال کو بہت تشویش کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور اُس نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ مذموم اور ناپسندیدہ روش فوراً بند کی جائے اور اس قابلِ اعتراض طریقے سے کسی مذہبی فرقہ کے حق میں پروپیگنڈا کو ممنوع قرار دیا جائے[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ پاکستان نے حکومت کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے حسبِ ذیل پیغام دیا:۔

"میں ایک مسلمان ہوں اور اس لحاظ سے میں اسلام کی قرآن میں دی گئی تعلیمات اور رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات کی روشنی میں آزادیٔ ضمیر میں ایک جذباتی آدمی کی طرح یقین رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک سرکاری دباؤ اور اثر کا استعمال آزادیٔ ضمیر میں مداخلت اور جبر و استبداد کے مترادف ہے، دوسری طرف جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے اور یہ ایک ایسا اہم فرض ہے جو مسلمانوں نے اپنے زوال کے ایام میں افسوسناک حد تک بھلا دیا تھا اور اس کا اثر ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر پڑا۔

میرے ذاتی نظریات کوئی سربستہ راز نہیں، ہر وہ آدمی جو ذاتی طور پر مجھے یا میرے نام سے جانتا ہے کسی حد تک میرے نظریات سے آگاہ ہے۔ حال ہی میں بعض حلقوں کی طرف سے میرے یہ نظریات غلط رنگ میں اور مسخ کر کے پیش کئے گئے ہیں۔ میں جیسا کہ اُوپر بیان کر چکا ہوں اپنے مذہبی عقائد کو کسی بھی دوسرے شخص پر سرکاری حیثیت یا اختیار استعمال کر کے ٹھونسنا اسلام کے اصول کے خلاف تصوّر کرتا ہوں۔ مجھے جس فرقہ سے وابستہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس میں اس تصوّر کو پوری طرح اپنایا جاتا ہے۔ اور اگر اس فرقہ کا کوئی فرد ان اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہوا پایا جائے تو مجھے اس کا انتہائی صدمہ ہوگا۔

یہ درست ہے کہ ہمارے نظریات اور عقائد کی اشاعت ہمارے محدود وسائل سے کہیں بڑھ کر کی

---

[1] آفاق ۱۷/اگست ۱۹۵۲ء صلہ؁

جاتی ہے۔ اِس کا مقصد صرف یہ ہے کہ صحیح طرزِ فکر رکھنے والوں تک ہمارے نظریات کو ان کے اصل رنگ میں پیش کیا جائے اور حق اور فلاح کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے۔ اس مطلب کے لئے دباؤ یا جبر کا استعمال خود اصل مقصد کے منافی ہوگا کیونکہ جس کسی آدمی پر یہ دباؤ استعمال کیا جائے گا اس کا ردِّعمل یہ ہوگا کہ جس فکر کی دعوت دی جارہی ہے اس کا آزادانہ مطالعہ کرنے کا موقع نہیں دیا جارہا اور اسے ایک ایسی بات ماننے پر مجبور کیا جارہا ہے جسے اس کا ضمیر تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔

اِس مسئلہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے (کہ) جس فرقہ کے ممبروں پر جبر و اختیار استعمال کرنے کا الزام لگایا جارہا ہے خود ان کے عقائد و نظریات کو ان لوگوں کی طرف سے غلط طور پر پیش کیا جارہا ہے جو اکثریت میں ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، اِن حالات میں اس فرقہ کے ممبروں کے لئے اثر و رسوخ استعمال کرنا ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔

اِس بارے میں حکومت کی طرف سے جو اعلان کیا گیا ہے مَیں اُس کا خیر مقدم کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کے ہر طبقے کے لوگ دِلی طور پر اس کا خیر مقدم کریں گے اور ملک میں امن و سکون اور برداشت کا ماحول پیدا کرنے میں ممدّ ہوں گے۔

ایمان اور یقین ایسے مقاصد ہیں جنہیں مناسب ماحول پیدا کرکے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کِسی شخص کو ایک ایسی بات تسلیم کرنے پر جسے اُس کا ضمیر نہیں مانتا مجبور کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ کوئی آدمی جو اِس قسم کا دباؤ ڈالتا ہے وہ چاہے کوئی وزیر ہو، افسر ہو یا عام آدمی ہو مخلص مومن پیدا کرنے کے بجائے ریاکار پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ (ا۔پ۔پ)" [1] [2]

---

[1] اخبار "نوائے وقت" (لاہور) ۱۷ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔

[2] جناب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم پاکستان نے تحقیقاتی عدالت پنجاب میں بیان دیا:-

"اس اعلامیہ نے وزیر خارجہ کے خلاف الزامات کو لازماً قبول نہیں کیا لیکن ان کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہ احمدیوں کی اعانت کرتے اور دوسروں کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مَیں نے اِس سلسلہ میں ٹھوس شکایات پیش کرنے کو کہا لیکن ایسی شکایات نہیں مل سکیں۔"

(روزنامہ "ملّت" لاہور ۵ دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۲)

مساجد کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنے کی تحریک

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ نے اِس سال جہاں احترامِ مساجد کے فقہی مسئلہ پر روشنی ڈالی وہاں مسجدوں کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنے کی بھی تحریک فرمائی چنانچہ ۲۹ ظہور ۱۳۳۱ ہش کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا :-

"مساجد ذکرِ الٰہی کے لئے ہوتی ہیں اور انہیں اسی غرض کے لئے استعمال کرنا چاہیئے لیکن جب ہم اسلام کا اور خصوصاً قرونِ اُولیٰ کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مساجد کو صرف ذکرِ الٰہی کی جگہ ہی نہیں بنایا بلکہ بعض دُنیوی امور کے تصفیہ کا مقام بھی بنایا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجالس میں ہم دیکھتے ہیں کہ لڑائیوں کے فیصلے بھی مساجد میں ہوتے تھے، قضائیں بھی وہیں ہوتی تھیں، تعلیم بھی وہیں ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد صرف اللہ اللہ کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے کام بھی جو قومی ضرورت کے ہوتے ہیں مساجد میں کئے جا سکتے ہیں۔ ہاں مساجد میں خالص ذاتی کاموں کے متعلق باتیں کرنا منع ہیں مثلاً رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اس گمشدہ چیز کے متعلق مسجد میں اعلان نہ کرے۔ اگر وہ اس گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرے تو خدا تعالیٰ اس میں برکت نہ ڈالے۔

پس ایک طرف تو مساجد میں جنگی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، تعلیم دی جاتی ہے، قضائیں ہوتی ہیں لیکن دوسری طرف گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرنا مسجد میں منع کیا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں جو کام ہوں وہ قومی ہوں ذاتی نہیں۔ گویا مسجد اجتماعی جگہ ہے اور وہاں ایسے کام ہو سکتے ہیں جو اجتماعی اور قومی ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ جو کام وہاں ہوں وہ قومی فائدہ کے بھی ہوں اور نیکی کے بھی ہوں۔ گویا جو کام نیک ہے اور قومی فائدہ کا ہے اسے ذکرِ الٰہی کا قائمقام قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہو جاتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں جو شخص وضو کر کے مسجد میں آئے اور وہاں امام کے انتظار میں بیٹھے تو خدا کے نزدیک وہ ایسا ہی ہے کہ گویا وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قومی کام کے لئے انتظار میں بیٹھنا نماز کا قائمقام ہوتا ہے۔

پس مساجد خالی سبحان اللہ سبحان اللہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان میں قومی کام بھی کئے جا سکتے

ہیں بشرطیکہ وہ کام امن، صُلح اور نیکی کے ہوں۔ مثلاً اگر لوگ مسجد میں سیاسی جلسے کریں اور قانون شکنی کریں اور یہ کہہ دیں کہ مسجد خدا تعالیٰ کا گھر ہے ہمیں حکومت مسجد میں قانون شکنی کی وجہ سے نہ پکڑے تو ان کا ایسا کہنا غلط ہوگا مساجد قانون شکنی اور ناجائز کاموں کے لئے نہیں بلکہ مساجد جائز قومی اجتماعوں کے لئے بنائی گئی ہیں۔ گویا مساجد میں ہر وہ کام جو اجتماعی حیثیت رکھتا ہو کیا جا سکتا ہے مگر وہ کام جو قانون کے مطابق ہو، صُلح کی غرض سے ہو، قیامِ امن کی غرض سے ہو۔ خدا تعالیٰ نے مساجد کو حکومت کے خلاف فساد کی جگہ بنانا ناجائز قرار دیا ہے اور نہ صرف ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اس قسم کی مساجد کو گرا دینے کا حکم دیا ہے۔

پس ایک تو مَیں پھر اپنے اس مضمون کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ دوست مساجد میں زیادہ سے زیادہ ذکرِ الٰہی کریں لیکن مَیں ذکرِ الٰہی کو محدود نہیں کرتا مساجد میں قومی اور اجتماعی کام بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً مساجد ہی ہیں جن میں یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ کوئی باہر سے آیا ہے۔ فرض کرو کوئی احمدی گوجرانوالہ، لائلپور یا ملتان سے یہاں آتا ہے۔ وہاں چونکہ آج کل شورش ہو رہی ہے اس لئے قدرتاً ہر ایک احمدی کو یہ شوق ہوگا کہ اسے پتہ لگے کہ وہاں جماعت کا کیا حال ہے؟ اور اس کی حفاظت کے لئے گورنمنٹ کیا کر رہی ہے؟ اب اگر وہ مسجد میں اس احمدی سے یہ باتیں نہیں پوچھتا تو اس کا اجتماعی علم نامکمل رہ جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس سے دُنیوی باتیں پوچھ رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ دُنیوی باتیں نہیں۔ اگر وہ اِس قسم کی باتیں پُوچھتا ہے تو اجتماعی اور قومی حالت سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور یہ ذکرِ الٰہی ہے۔ بظاہر تو یہ ہوگا کہ اُس کے لڑکے کو کسی نے طمانچہ مارا ہے، یا فلاں لڑکے کو سکول سے نکالا گیا ہے، یا فلاں استانی کو سکول سے ہٹا دیا گیا ہے یا کنوئیں سے پانی بھرنے سے احمدیوں کو روک دیا گیا ہے، لیکن یہ سب باتیں دینی ہوں گی اور ذکرِ الٰہی کہلائیں گی۔ پس ایسے اہم امور کے متعلق مساجد میں باتیں کرنا جائز ہے اور دین کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اگر کوئی اِس قسم کی باتیں کرے کہ تم فلاں جگہ سَودا لینے گئے تھے وہاں چاول کا کیا بھاؤ ہے؟ مَیں بھی چاول لینے وہاں جاؤں گا؟ یا آجکل قربانی کے بکرے کا کیا بھاؤ ہے؟ تو یہ قومی بات نہیں اس لئے مسجد میں ایسی بات کرنا ناجائز ہے۔ اِلَّا ماشاء اللہ کسی حالت میں اگر وہ یہ پُوچھتا ہے کہ فلاں جگہ سے تم نے چاول خریدنے ہیں کیا وہاں چاول سستے ہیں تا مَیں بھی چاول وہیں سے لاؤں تو یہ ناجائز

بات ہے لیکن اگر کسی علاقہ میں قحط کی صورت ہے اور وہ یہ پوچھتا ہے کہ فلاں جگہ غذائی حالت کیسی ہے۔ چاول کا کیا بھاؤ ہے ؟ دال کا کیا بھاؤ ہے ؟ گیہوں کا کیا بھاؤ ہے ؟ تو یہ باتیں جائز ہوں گی کیونکہ ان کا قوم اور ملک سے تعلق ہے اور اِن باتوں کے لئے ہی مساجد بنی ہیں۔

پس یہ فرق یاد رکھو کہ مساجد اصل میں ذکرِ الٰہی کے لئے بنی ہیں لیکن ذکرِ الٰہی کا قائم مقام وہ کام بھی ہیں جو قومی فائدہ کے ہوں خواہ وہ کھانے پینے کے متعلق ہوں یا قضاء کے متعلق ہوں، جھگڑے فسادات کے متعلق ہوں، تعلیم کے متعلق ہوں یا کسی اَور رنگ میں مسلمان قوم کی ترقی اور تنزل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کاموں کے متعلق مساجد میں باتیں کی جا سکتی ہیں خواہ بظاہر یہ باتیں دُنیوی معلوم ہوتی ہوں لیکن دراصل یہ قوم سے تعلق رکھتی ہیں اور دین اِن سے ہی بنتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مساجد میں اِس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے، بحثیں کیا کرتے تھے اور اِس قسم کے دوسرے معاملات طے کیا کرتے تھے پس مساجد میں اِس قسم کے کام جائز ہیں اِس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اِن امور کو دین کا جزو بنایا ہے۔ ہمارے دین میں ذکرِ الٰہی اِس کا نام نہیں کہ انسان اللہ اللہ کرتا رہے بلکہ اگر کوئی بیوہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ بھی دین ہے، اگر کوئی یتیم کی پرورش کرتا ہے تو وہ بھی دین ہے، اگر کوئی شخص قوم کی خدمت کرتا ہے تو وہ بھی دین ہے، اگر کوئی شخص جھگڑوں کو دُور کرتا ہے، مقدمے طے کرتا ہے، صلح کراتا ہے تو یہ بھی دین ہے۔

پس تمام وہ قومی کام جن سے قوم کو فائدہ پہنچے، وہ قوم کے اخلاق اور اس کی دُنیوی حالت کو اُونچا کریں ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں اور ان کا مساجد میں کرنا جائز ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس قسم کے کام مساجد میں ہی کیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی مہمان آجاتا تو آپ صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرماتے فلاں مہمان آیا ہے تم میں سے کون اسے ساتھ لے جائے گا ؟ تو ایک صحابیؓ اُٹھتا اور عرض کرتا اسے مَیں ساتھ لے جاتا ہوں۔ یا زیادہ مہمان آتے تو کوئی کہتا مَیں ایک لے جاتا ہوں، مَیں دو لے جاتا ہوں، مَیں چار لے جاتا ہوں۔ بظاہر یہ روٹی کا سوال تھا لیکن یہ دین تھا اس لئے کہ اس سے ایک دینی ضرورت پُوری ہوتی تھی۔ درحقیقت لوگوں نے دین کو محدود کر دیا ہے اور اس کے معنے اِس قدر کمزور کر دیئے ہیں کہ کوئی چیز دین میں باقی نہیں رہی ورنہ دُنیا کی سب چیزوں کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان سب چیزوں سے تعلق پیدا کرنا دین ہے۔ خدا تعالیٰ براہِ راست کسی کو نہیں ملتا بلکہ خدا تعالیٰ یتیم کی پرورش کرنے سے

ملتا ہے، بیوہ کی خدمت کرنے سے ملتا ہے، کافر کو تبلیغ کرنے سے ملتا ہے، مومن کو مصیبت سے نجات دلانے سے ملتا ہے۔ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے ملنے کے ذرائع ہیں یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نیچے اُتر آتا ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ رُوحانی بینائی اور معرفت کے مطابق انسان پر ایسی حالت آتی ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ آگیا ہے لیکن اس کا ذریعہ بیوہ کی خدمت کرنا ہوتا ہے، یتیم کی پرورش کرنا ہوتا ہے یا دوسرے قومی کام کرنا ہوتا ہے اور یہی دین ہے۔ اگر تم مساجد میں ذاتی باتیں کرتے ہو مثلاً کہتے ہو تمہاری بیٹی کی شادی کے متعلق کیا بات ہے یا میری ترقی کا جھگڑا ہے افسر مانتے نہیں میں کوشش کر رہا ہوں۔ تو یہ باتیں کرنا مسجد میں جائز نہیں سوائے امام کے کہ اس کا ذمّہ قوم کی خدمت ہے اور نہ صرف ان باتوں کا کرنا مسجد میں جائز نہیں بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا بھی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کام میں برکت نہ دے۔

اب اگر کسی شخص کو شوق ہے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددُعا لے تو مَیں ایسے دلیر شخص کو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اگر کسی کو یہ شوق ہے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعائیں لے تو وہ مسجد سے نکل کر ایسی باتیں کرے۔ پس مساجد کے اندر ذکر الٰہی کرو لیکن ذکرِ الٰہی کے وہ تنگ معنے نہیں جو مُلّاں نکلتے کرتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی ان تمام باتوں پر مُشتمل ہے جو انسان کی ملّی، سیاسی، علمی اور قومی برتری اور ترقی کے لئے ہوں لیکن تمام وہ باتیں جو لڑائی دنگا یا قانون شکنی کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں خواہ ان کا نام ملّی رکھ لو، سیاسی رکھ لو، قومی یا دینی رکھ لو مساجد میں ان کا کرنا ناجائز ہے۔“ [1]

تحریکِ حج حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اپنی جماعت کے لئے یہ واضح تعلیم ہے کہ:۔

”جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔۔۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سَو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔“ [2]

اِس ضمن میں فریضۂ حج کی نسبت خاص طور پر یہ حکم دیا کہ:۔

---

[1] روزنامہ الفضل مورخہ ۱۱ تبوک ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲-۳ ٭ [2] کشتی نوح صفحہ ۲۳، ۲۴ (طبع اوّل)

"جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے" [1]

اِس سال سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے بھی نائب مہدی کی حیثیت سے فریضۂ حج کی بجا آوری کے لئے پُرزور تحریک کی چنانچہ خطبہ جمعہ یکم تبوک ۱۳۳۱ ہش کے دَوران فرمایا:۔

(۱) " یہ عید اِس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھ کر ہمارے اندر بھی حج کرنے کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ جہاں اپنے بعض بھائیوں کو حج نصیب ہونے کی خبر سُنکر ہم خوش ہوتے ہیں وہاں ساتھ ہی ہمیں یہ خیال بھی کرنا چاہیئے کہ ہم کیوں حج نہ کریں ؟ ہمارے اندر یہ خواہش پیدا ہونی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ہمیں بھی حج کا موقعہ دے مگر افسوس کہ حج کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی ہے بہت کم لوگ ہیں جو حج کے لئے جاتے ہیں "

(۲) " یہ عید اِس لئے آتی ہے تا ہمارے دلوں کو بیدار کرے اور ہمیں ہمارا فرض یاد دلائے عید ہمیں یہ بتانے آتی ہے کہ حج کی عبادت تم پر بھی فرض ہے۔ جس طرح نماز ایک ضروری فریضہ ہے جس طرح زکوٰۃ ایک ضروری فریضہ ہے ، جس طرح روزے ایک ضروری فریضہ ہیں اسی طرح حج بھی ایک ضروری فریضہ ہے لیکن افسوس کہ نہ غیر احمدیوں میں اِس فریضہ کا صحیح احساس پایا جاتا ہے اور نہ احمدیوں کو اس کا پُورا احساس ہے۔ غیر احمدیوں میں تو یہ لطیفہ ہوتا ہے۔ ان کے خطوط آتے ہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحب مسلمان تھے تو اُنہوں نے حج کیوں نہیں کیا ؟ پھر ان کے پہلے خلیفہ نے بھی حج نہیں کیا اور آپ نے بھی حج نہیں کیا حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے نہ صرف حج کیا تھا بلکہ دو سال کے قریب آپ مکّہ مکرّمہ میں رہے اور مَیں نے بھی حج کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحت اِس قابل نہیں تھی کہ آپ سفر کرتے اور پھر آپ کے لئے رستہ میں امن بھی نہیں تھا اِس لئے آپ نے حج نہیں کیا لیکن آپؑ کی طرف سے ہم نے حج بدل کروا دیا تھا "

(۳) " اب اِس عید سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے دلوں میں حج کی عظمت پیدا کرو اور زیادہ سے زیادہ حج کے لئے جاؤ تا کہ حج کی غرض پُوری ہو اور حج سے جو خدا تعالیٰ کا منشاء ہے وہ پُورا ہو اور پھر جو لوگ حج کے لئے جائیں ان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مِل کر اس بات پر غور کریں کہ آج باوجود اتنی تعداد میں ہونے کے مسلمان آزاد کیوں نہیں ؟ مسلمان منظّم کیوں نہیں ؟ وہ

---

[1] کشتی نوح صفحہ ۱۶ (طبع اوّل)

اسلام کو اس کی پہلی شان پر لے جانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ وہ ان ذرائع پر غور کیوں نہیں کرتے جن سے اسلام کو پہلی شان حاصل ہو؟" [1]

آل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاس ڈھاکہ

پنجاب میں مسئلۂ اقلیت اُٹھائے جانے کے بعد آل پاکستان مسلم لیگ کے اجلاس ڈھاکہ (منعقدہ اکتوبر ۱۹۵۲ء) میں اِس ریزولیوشن کا نوٹس دیا گیا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے لیکن یہاں بھی مُحبِ وطن اور بیدار مغز مُسلم لیگی راہ نماؤں نے قائدِ اعظم مرحوم کی طرح اِس ریزولیوشن کے زیرِ بحث لانے کی اجازت تک دینے سے انکار کر دیا۔ دراصل بنگال کے اکثر مُسلمان لیڈر اور ممبر پہلے ہی اِس عزم کا اظہار کر چکے تھے کہ ہم اِس مطالبہ کی پُرزور مخالفت کریں گے، بعض نے یہاں تک کہا کہ اسلام پر عمل کرنے والے اور اکنافِ عالم تک اس کی اشاعت کرنے والے تو احمدی ہی ہیں اگر ان کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو دُنیا میں مسلمان کون رہے گا؟ [2]

اِس موقعہ پر مشرقی پاکستان کے مُسلم پریس نے عُمدہ نمونہ دکھایا چنانچہ ڈھاکہ کے روزنامہ "ملّت" مؤرخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۲ء) نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا کہ :-

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے لئے گذشتہ آل پاکستان مسلم لیگ کونسل میں ایک ریزولیوشن کا نوٹس دیا گیا تھا لیکن موجودہ حالات میں اِس معاملہ کو نہ اُٹھا کر مسلم لیگی زعماء نے بہت دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ قطع نظر علماء کے فتویٰ بازیوں کے یہ امر ظاہر ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے اندر آپس کی تفرقہ اندازی اپنی ہی حکومت کو کمزور کرنے کا باعث ہوگی، قادیانی یا احمدی مسلمانوں نے ملک کی آزادی کے جہاد میں خاص حصہ لیا ہے اِس لئے مسلمان قوم کی آئندہ تعمیری پروگرام کے سلسلہ میں اِس جماعت کی قدر کم قرار نہیں دی جاسکتی۔ سوامی شردھانند جی کی شُدھی تحریک کے مقابلہ میں اِس جماعت نے "تحریکِ تنظیم" قائم کرکے مسلمانانِ برِّصغیر کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۳ر اخاء ۱۳۳۱ ہش مطابق ۳ر اکتوبر ۱۹۵۲ء صـ۲ ، صـ۳۔

[2] روزنامہ الفضل ، رشہادت ۱۳۴۲ ہش مطابق ۷ر اپریل ۱۹۶۳ء صـ۳ (مضمون مولوی محمد صاحب بی۔ اے امیر جماعتِ احمدیہ مشرقی پاکستان) جناب شیخ روشن دین صاحب تنویر مدیر الفضل نے اِس مضمون کو ایک شعر میں یوں بیان فرمایا ہے

دُنیا میں آج حاملِ قرآن کون ہے؟ ۔ گر ہم نہیں تو اَور مسلمان کون ہے؟

جذبات کی رَو میں بہہ کر اگر آج جماعتِ احمدیہ کو اقلیت قرار دے دیا جائے تو آئندہ شیعہ حضرات کے خلاف بھی یہی آواز اُٹھائی جا سکتی ہے اس کے بعد آہستہ آہستہ شافعی، حنبلی، مالکی وغیرہ سب فرقوں کے بارہ میں ہی اقلیت قرار دیئے جانے کا سوال اُٹھ سکتا ہے لہٰذا اس کے خطرناک نتائج اور مسلمانوں کے اندرونی خلفشار کا تصوّر کرتے ہوئے آج مسلمانوں کے اندر آپس میں اتحاد اور اتّفاق کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ امر باعثِ خوشی ہے کہ موجودہ مسلم لیگی زعماء نے اِس سوال کے خطرناک نتائج کو بروقت بھانپ لیا ہے۔[۱] (بنگلہ سے ترجمہ)

تبلیغِ اسلام کا عالمی ادارہ تحریکِ جدید

سیّدنا حضرت امیرالمؤمنین المصلح الموعودؓ نے ۵ ماہِ فتح ۱۳۳۱ ہش کو اس بُنیادی نکتہ کی طرف جماعت کو توجہ دلائی کہ قیامِ تحریکِ جدید کا مقصد دُنیا بھر میں تبلیغِ اسلام ہے جو محض انفرادی فرض نہیں بلکہ پُوری ملّتِ اسلامیہ کا اجتماعی فرض ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"تحریکِ جدید ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا ادارہ ہے۔ جب تک قوم زندہ رہے گی یہ ادارہ قوم کے ساتھ وابستہ رہے گا اور جب افراد میں زندگی منتقل ہو جائے گی یعنی جماعت کے کچھ افراد مُردہ ہو جائیں گے اور کچھ زندہ رہیں گے تو یہ ادارہ زندہ افراد کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا۔

اسلام کی گذشتہ تاریخ میں جہاں مسلمانوں سے بعض بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں وہاں ایک اہم ترین غلطی ان سے یہ ہوئی کہ تبلیغ کو انفرادی فرض سمجھ لیا گیا۔ بے شک مسلمانوں میں مبلّغ رہے، گذشتہ صدیاں تو الگ رہیں قریب کے زمانہ تک بھی مسلمانوں میں مبلّغ رہے بلکہ اس زمانہ تک رہے جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اس میں اسلام مٹ گیا اور مسلمانوں پر موت طاری ہو گئی، اس میں بھی خدا تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے تھے جو زندہ تھے اور تبلیغِ اسلام کے فرض کو ادا کرنے میں خوشی، رغبت اور لذّت محسوس کرتے تھے۔ پہلی صدی کو تو جانے دو جب ہر مسلمان ہی ایک مبلّغ تھا، دوسری صدی کو بھی جانے دو، تیسری صدی کو بھی جانے دو، چوتھی پانچویں چھٹی اور ساتویں صدی کو بھی جانے دو جب تبلیغ کرنے والے اور اس کا انتظام کرنے والے بڑے بڑے اہم آدمی تھے، ان کی بعد کی صدیوں کو بھی جانے دو جب تبلیغ نہایت محدود دائرہ کے ساتھ وابستہ رہ گئی تھی لیکن پھر بھی لوگ دوسرے ملکوں میں جاتے تھے، مَیں تو تیرھویں صدی کے

---

[۱] روزنامہ الفضل ۲۹ اخاء ۱۳۳۱ ہش صٰ (ترجمہ)

متعلق کہتا ہوں بلکہ چودھویں صدی کی ابتداء کے متعلق کہتا ہوں جب بظاہر مسلمانوں پر موت آگئی کہ اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے ایسے بندے موجود تھے جو اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ مثلاً مغربی افریقہ ہے اس میں اسلام بہت قریب کے زمانہ میں پھیلا ہے یعنی اِس ملک میں تبلیغ ۶۰۔۷۰ یا ۱۰۰ سال کے اندر ہوئی ہے۔ بالعموم بربری، شامی اور سوڈانی لوگ وہاں گئے اور انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ مسلمان ہوئے۔[۱]

پس انفرادی حیثیت سے مسلمانوں میں آخر تک تبلیغ ہوتی رہی ہے گو محدود ہوئی ہے لیکن اجتماعی رنگ میں تبلیغ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی قریباً مفقود ہوگئی کیونکہ خلفاء ان جنگوں میں بھی جو عیسائیوں اور زرتشتیوں کے خلاف لڑی گئیں اِس قدر اُلجھ گئے کہ اس وقت جہاد اور تبلیغ دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا اور خلفاء کے بعد مسلمانوں پر جمود طاری ہوگیا۔ وہ دُنیوی شان و شوکت اور ترقیات کو اپنا منتہائے مقصود سمجھ بیٹھے اور تبلیغ کی اصل رُوح کو بھول گئے۔

پس انفرادی طور پر اسلام میں نہایت عظیم الشّان لوگ پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے تبلیغِ اسلام کے فرض کو اچھی طرح ادا کیا۔ افغانستان میں مسلمان پھیل گئے۔ افریقہ میں وہ گئے اور وہاں تبلیغ کی۔ وہ چین، جاپان، انڈونیشیا اور ہندوستان میں آئے اور یہاں اسلام کی تبلیغ کی اور لاکھوں لوگ انکے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ غرض انہوں نے تبلیغ کی اور بڑی شان سے تبلیغ کی لیکن یہ انفرادیت تھی اجتماعیت نہیں تھی حالانکہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[۲] یعنی تم میں ہمیشہ ایک ایسی اُمّت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بُلائے اور انہیں نیکی کا حُکم دے اور بُرائی سے منع کرے۔ اور اُمّت کے معنے ایسی ہی جماعت کے ہیں جو اپنے اندر نظم رکھتی ہو۔ چونکہ اُمّت اور امام ایک ہی مادّے سے نکلے ہیں اِس لئے درحقیقت اُمّت وہی ہے جو اپنا مرکز رکھتی ہو، جب وہ مرکز سے نکل جائے گی ہم اُسے اُمّت نہیں کہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اُمّتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں چاہیے کتنا

---

[۱] ملاحظہ ہو "تاریخ اشاعتِ اسلام" صفحہ ۵۰۰۔ صفحہ ۵۱۶ مؤلفہ مولانا شیخ محمد اسمٰعیل صاحبؒ پانی پتی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۲ء۔ دعوتِ اسلام "PREAKING OF ISLAM" (مرتھامس آرنلڈ) زیرحالات "افریقہ میں اشاعتِ اسلام"

[۲] آلِ عمران : ۱۰۵

اختلاف ہو جائے، چاہے اُن کے کتنے فرقے بن جائیں اُمّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رہے گی اسی وجہ سے ہم باوجود حضرت مسیح موعودؑ کو نبی کہنے کے اپنے آپ کو آپ (مسیح موعود۔ ناقل) کی اُمّت نہیں کہتے۔ ہمارے بچوں تک سے پُوچھو تو وہ کہیں گے کہ مَیں اللہ کا بندہ ہوں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہوں، مسیح موعودؑ کی جماعت میں سے ہوں۔ ہم عیسائیوں اور یہودیوں کو اُمّت نہیں کہتے عیسائی اور یہودی حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کے وقت میں اُمّت تھے اب وہ اُمّت نہیں رہے، اب وہ جماعت بھی نہیں رہے وہ ایک طائفہ ہیں، گروہ ہیں، حزب ہیں اُمّت نہیں کیونکہ کوئی اُمّت صرف اس وقت تک اُمّت کہلاتی ہے جب تک اس میں اتّحاد ہو، اُمّت اس وقت تک اُمّت کہلاتی ہے جب تک وہ امام کے گرد چکّر کھاتی ہو، اُمّت اس وقت تک اُمّت کہلاتی ہے جبتک وہ خاص مقاصد لے کر کھڑی ہوئی ہو۔ اُمّ کے معنے خاص مقصد کے ساتھ چلنے کے بھی ہیں۔ اور اُمّت وہی کہلاتی ہے جو کسی خاص مقصد کو لے کر کھڑی ہو، اس میں نظم ہو اور وہ کسی مرکزی نقطہ کے گرد چکّر کھا رہی ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو مقصدِ تبلیغ کو لے کر کھڑے ہوں، ان کا عمر بھر یہی کام ہو کہ وہ ایک نظام کے ماتحت رہیں، لیکن یہ بات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں ہوئی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپؐ لوگوں کو اِدھر اُدھر بھیج رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم فلاں جگہ پر جاؤ اور انہیں اسلام کی تعلیم دو، آپؐ کے زمانہ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپؐ کے اِردگرد لوگ بیٹھتے ہیں تاکہ وہ دین سیکھیں، ہمیں نظر آتا ہے کہ وفود باہر جا رہے ہیں تا وہ دوسرے لوگوں کو اسلام کی تعلیم سکھائیں اور باہر سے وفود آ رہے ہیں تا مدینہ میں آ کر وہ اسلام کی تعلیم حاصل کریں۔ خلفاء کے وقت میں صحابہؓ جنگوں میں اُلجھ گئے اور اِس طرح کی تبلیغ کے لئے وہ وقت نہ نکال سکے اور ان کے بعد لوگ سُستی اور غفلت کی وجہ سے اس طرف سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے مقصد کو بُھلا دیا۔ چونکہ درمیان میں وقفہ پڑ گیا تھا اِس لئے بعد میں آنے والے اپنے اس مقصد کو بُھول گئے اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ ... الخ پر عمل نہ ہوا۔

اب تبلیغ جیسے عظیم الشان کام کو جاری کرنے کے لئے سلسلہ احمدیہ نے تحریکِ جدید جاری کی ہے تا باہر سے لوگ بلوائے جائیں جو یہاں آکر دین سیکھیں اور ان میں سے ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو باہر جاکر لوگوں کو دین سکھائیں یہی قرآن کہتا ہے کہ تم باہر کے لوگوں کو تحریک کرو کہ وہ تمہارے پاس آکر دین سیکھیں اور مرکز میں تم ایک ایسی جماعت تیار کرو جو باہر جائے اور لوگوں کو دین سکھائے تحریکِ جدید اِن دونوں مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ تیرہ سو سال کے عرصہ میں بعد از زمانۂ نبوت صحابہؓ کے وقت میں مجبوراً اور ان کے بعد مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے ہمیں یہ چیز نظر نہیں آتی۔ آج صرف ہماری جماعت کو اِس بات کی توفیق (ملی ہے[1])۔ یہ کتنا عظیم الشان کام ہے اِس ایک کام کی وجہ سے تمہیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور تمہارے مقابلہ میں کوئی اور ٹھہر نہیں سکتا۔"[2]

گوجرانوالہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور "الاعتصام"

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء کے آخر میں گوجرانوالہ میں احمدیوں کے خلاف بائیکاٹ کی ایک مہم جاری کر دی گئی جس کی اہلحدیث کے ترجمان "الاعتصام" نے سخت مذمت کی اور اس کے مدیر مسئول مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے "اقلیت کا مسئلہ اور مقاطعہ کی پالیسی" کے زیرِ عنوان حسب ذیل اداریہ سپردِ قلم کیا:۔

"چند ہفتوں سے گوجرانوالہ میں مرزائیوں کے مقاطعہ کی باقاعدہ مہم جاری ہے۔ پہلے تو ہم یہ سمجھے کہ شائد یہ کوئی مقامی تحریک ہے لیکن کتبوں سے جو اِس سلسلہ میں دکانوں، ہوٹلوں اور دیواروں پر آویزاں کئے گئے ہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ اسلامیانِ پاکستان کا متفقہ فیصلہ ہے۔

کتبوں پر اِس ڈھنگ کی عبارتیں مرقوم ہیں "مرزائیوں کا بائیکاٹ کرو" "مرزائیوں کے کھانے کے برتن الگ ہیں" "مرزائیوں کا مقاطعہ اسلامیانِ پاکستان متحدہ فیصلہ ہے۔"

ہمارے نزدیک یہ تحریک قطعاً غلط، غیر ذمہ دارانہ اور مضر ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے مجلس عمل نے اِس نوعیت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا، حالانکہ مرزائیت کے خلاف یہی ایک نمائندہ جماعت ہے جسے کہنے سُننے اور مستقل پالیسی وضع کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ مجلسِ احرار دوسری جماعت ہے اوّل روز سے جس کے مشن میں یہ بات داخل ہے کہ مرزائیت نے جس جس فتنہ کو پیدا کیا ہے ان کی روک تھام کا اہتمام

[1] یہ الفاظ مٹے ہوئے ہیں۔ [2] روزنامہ الفضل ۷ ر فتح ۱۳۳۱ہش صفحہ ۳، ۴۔

کرے، اس کا بھی کوئی ایسا فیصلہ ہماری نظر سے نہیں گزرا جس میں مقاطعہ کی تلقین کی گئی ہو۔ ذمہ دار اور صاحبِ بصیرت علماء سے بھی کوئی ایسا نہیں جس نے مرزائیوں کے مقاطعہ کا فتویٰ دیا ہو۔

لہذا دو سوال یہاں قدرتاً اُبھرتے ہیں اوّل یہ کہ جب یہ تحریک سوا گوجرانوالہ کے حلقہ کے اَور کہیں نہیں پائی جاتی اور ملک کی کسی دینی و سیاسی جماعت نے اِس انداز کا فیصلہ نہیں کیا تو اِس تحریک کو چلانے والوں کو کیا حق ہے کہ اسے اسلامیانِ پاکستان کا متفقہ فیصلہ قرار دیں ؟

دوسرے مجلسِ عمل نے اس لغویّت کے خلاف کیوں کوئی نوٹس نہ لیا ؟ حالانکہ تحریک کی دیکھ بھال اور نگرانی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اِس طرح کی تحریک آئندہ چل کر کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے ؟ اور اس سے مجلسِ عمل کے راستے میں کیا کیا مشکلات پیش آ سکتی ہیں ؟

"الاعتصام" وہ پہلا پرچہ ہے جس نے اس موضوع پر پوری سنجیدگی سے قلم اُٹھایا کہ مرزائیوں کو آئندہ دستور میں اقلیّت سمجھا جائے، نیز مرزائیوں کو ازراہِ اخلاص یہ مشورہ دیا کہ وہ اس معقول مطالبہ کو تسلیم کر لیں لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ مرزائیّت کی مخالفت میں جو غیر ذمّہ دارانہ اور احمقانہ قدم بھی اُٹھایا جائے ہم اس کی تائید کریں گے۔

یاد رہے کہ قرآن نے ہمیں ہر حال میں متوازن رہنے کی تلقین کی ہے اور ہم سے بحیثیّت مسلمان کے مطالبہ کیا ہے کہ دشمنی میں بھی حدودِ عدل و اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔ اِس اصول کے پیشِ نظر ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس نوع کی زیادتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور چُپ رہیں۔ ہم اس طرزِ عمل کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں اور مجلسِ عمل سے درخواست کرتے ہیں کہ اس روش کے انسداد کے لئے وہ فوراً کوئی اقدام کرے ورنہ اگر یہ بدعت چل نکلی تو پُورے پاکستان میں اس کے پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ ان لوگوں کو جو مقاطعہ کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں خدارا اپنے مطالبہ کا تو احترام کرنا چاہئیے اور عداوت و دشمنی میں اتنا غیر محتاط نہ ہونا چاہیئے کہ نفسِ مطالبہ ہی لایعنی ہو کر رہ جائے۔ ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے جس سے ہمارے اس مطالبے کو نقصان پہنچے کہ آئندہ آئین میں انہیں اقلیت ٹھہرایا جائے۔ ان لوگوں کو اِس نکتہ پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر پاکستان میں انہیں کاروبار کی آزادی مہیا نہیں ہے بلکہ ہم ان پر اکتسابِ رزق کے دونوں کواڑ سختی سے بند کر دیتے ہیں تو یہ اقلیت کیونکر ہوئے ؟ انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مرزائی ایک اقلیّت ہیں تو اس کا واضح

مطلب یہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں ان کی جان محفوظ ہے اور کاروبار و ملازمت کے تمام دروازے ان پر کھلے ہیں۔ یہی نہیں اِس سے آگے بڑھ کر یہ کہ یہ اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آزادی کی ان سہ گونہ نعمتوں سے یہ محروم ہیں تو پھر یہ اقلیت ہرگز نہیں ہو سکتے۔ حریف و معاند گروہ ہو سکتے ہیں جس کو ہم نے بدرجہ مجبوری پناہ دے رکھی ہے۔

مقاطعہ کے بظاہر دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس طرح کے غیر شائستہ اور جارحانہ طرزِ عمل سے انہیں مجبور کیا جائے کہ یہ اپنا اقلیت ہونا مان لیں، دوسرے یہ کہ اپنے عقائد سے توبہ کر لیں ـــــ غور کیجئے گا تو دونوں صورتیں مہمل اور غیر دانشمندانہ نظر آئیں گی۔

ہم جب مرزائیوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ہم سے الگ ایک قومیت ہیں تو یہ نہایت ہی سنجیدہ اور آئینی مطالبہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور نبوت سے چاہے وہ جھوٹی ہو یا سچی، مستقل بالذات گروہ معرضِ وجود میں آتا ہے اِس لئے مرزائیوں کو چاہیئے کہ اپنی اس حیثیت کو تسلیم کر لیں اور حکومت انہیں اقلیت کے تمام حقوق سے بہرہ مند کرے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کے اقلیت بن جانے سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اُلٹا کچھ فوائد ہی حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم اِس مطالبہ پر ہمارا اصرار اِس بناء پر ہے کہ مرزائیت کا مزاج اور حکومت کا دینی موقف اِس کا متقاضی ہے ـــــ یہ مطالبہ چونکہ بالکل دینی اور آئینی ہے اِس لئے اِس کو منوانے کے لئے ہم کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کریں گے جو مطالبہ کی معقولیت اور سنجیدگی کے منافی ہو۔

علاوہ ازیں اگر مرزائی پاکستان میں موجودہ حالات میں اپنے کو محفوظ نہ سمجھیں تو اقلیت کی صورت میں ان کو ان کی حفاظت کا یقین دلانا سخت احمقانہ ہے ـــــ دوسرا سبب اس روش کو حق بجانب ٹھہرانے کا یہ ہو سکتا ہے کہ اِس طرح کی حرکات سے انہیں توبہ پر مجبور کیا جا سکے گا؟ لیکن کیا کوئی سمجھدار آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ بائیکاٹ سے عقیدوں میں تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے؟

ہم مجلسِ عمل کے ذمہ دار ارکان سے درخواست کریں گے کہ وہ اِس بیہودگی کو جس قدر جلد ہو سکے روکیں اور اپنے اعلانات اور طرزِ عمل سے ثابت کریں کہ ان کی جنگ کا رُخ اُن کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ جس غرض کے لئے کوشاں ہیں وہ سراسر آئینی اور سنجیدہ ہے۔"[1]

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" (گوجرانوالہ) ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۲ء ص۳۔ نوٹ:- ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۶ء سے یہ اخبار لاہور سے نکلتا ہے۔

جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۹ھ/۱۹۵۰ء

(اوپر) بہشتی مقبرہ قادیان سے آگے درویشان قادیان اور بھارتی احمدی قافلہ پاکستان کی آمد کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ تصویر میں مولانا شریف احمد صاحب امینی مبلغ سلسلہ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹؓ امیر جماعت قادیان اور مولانا برکات احمد صاحب راجیکی بھی موجود ہیں۔

(نیچے) قافلہ پاکستان کے افراد نماز پڑھ رہے ہیں۔

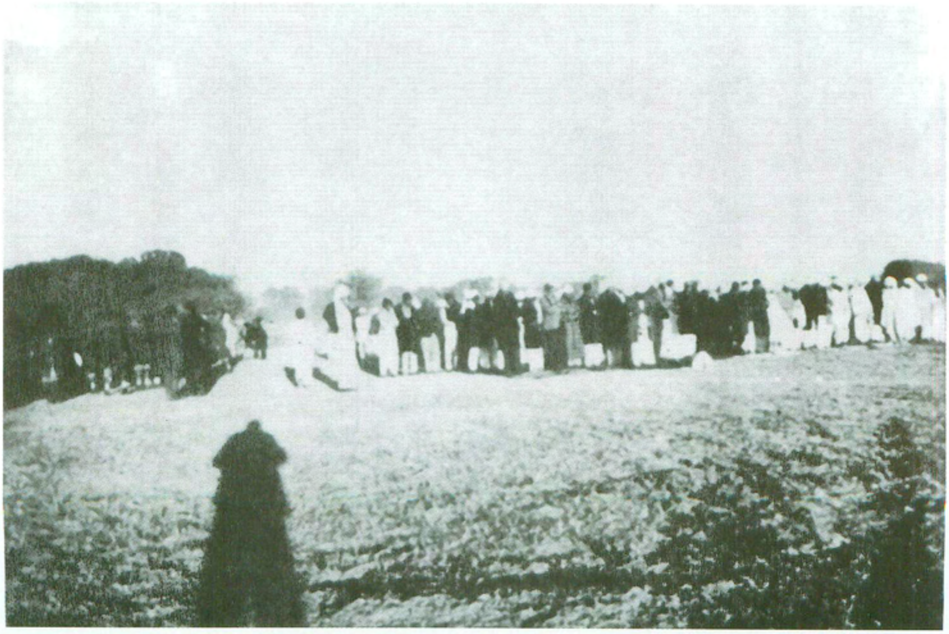

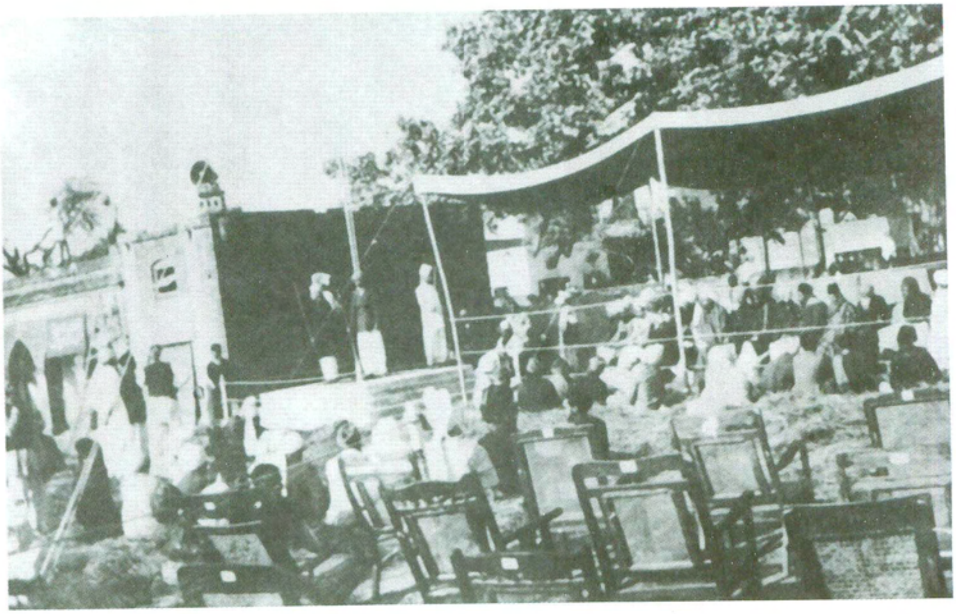

جلسہ سالانہ ۱۹۵۰ء کے دو مناظر (اوپر) سٹیج (نیچے) سامعین
(چوہدری انور صاحب جلسہ کی فلم لے رہے ہیں)

قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۳۱ھش / ۱۹۵۲ء

جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۳۱ھش/ ۱۹۵۲ء

(اوپر) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل یادگیری حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب
کی زیر صدارت تقریر فرما رہے ہیں (نیچے) سامعین، سامنے کرسیوں پر غیر مسلم معززین ہیں

عشاق احمدیت لوائے احمدیت کا پہرہ دے رہے ہیں۔

اے لوائے احمدیت قوم احمد کے نشان
تجھ پہ کٹ مرنے کو ہیں تیار تیرے پاسباں

اے خدا کی ایک چھوٹی سی جماعت کے علَم
تیرے سائے کے تلے آئیں گے شاہان جہاں

عہد یہ کرتا ہوں میں جب تک ہے میرے تن میں جاں
سرنگوں ہونے نہ دونگا تجھ کو زیر آسماں

(عبدالمنان ناھید)

حُکّامِ گوجرانوالہ سے احمدی وفد کی مُلاقات

گوجرانوالہ کے مظلوم احمدیوں کے بائیکاٹ کی اطلاع سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمت میں پہنچی تو حضور نے مولوی نورالدین صاحب منیر[1] نائب ناظر دعوت وتبلیغ کو ضروری ہدایات دیکر گوجرانوالہ بھجوایا جہاں آپ نے قریباً چالیس احمدیوں سے بالمشافہ بات چیت کی اور حالات کا جائزہ لیا بعدازاں ۳ ماہِ فتح ۱۳۳۱ہش/۳ دسمبر ۱۹۵۲ء کو مقامی سربرآوردہ احمدیوں کے ایک وفد کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملاقات کی اور اِس ظالمانہ کارروائی کے سدِّباب کی طرف توجہ دلائی۔ اِس وفد میں آپ کے علاوہ مولوی غلام مصطفٰے صاحب نائب امیر گوجرانوالہ، شیخ غلام قادر صاحب[2] تاجر اور سکھ لٹریچر کے سکالر گیانی عباد اللہ صاحب مبلغ سلسلۂ عالیہ احمدیہ بھی شامل تھے[3]

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام

۲۶-۲۷-۲۸ ماہِ فتح ۱۳۳۱ہش/دسمبر ۱۹۵۲ء کو تسکملایا میں جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی چوتھی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے درج ذیل پیغام ارسال فرمایا جو مکرم سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے افتتاحی اجلاس میں پڑھ کر سنایا:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

برادرانِ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی سالانہ کنونشن عنقریب ہونے والی ہے اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ مَیں اس کے لئے پیغام لکھ کر بھجواؤں۔ اِس وقت طبیعت کی خرابی کی وجہ سے مَیں زیادہ لمبا پیغام نہیں لکھوا سکتا مختصراً اِس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ میرے سالِ گذشتہ کے پیغام کے نتیجہ میں جماعتِ انڈونیشیا نے دو ترقیاں تو یقیناً کی ہیں ایک تو یہ کہ ان کا بجٹ شاندار طور پر ترقی کر گیا ہے ہمیں اس ترقی پر مغرور تو نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ کام ہمارے سامنے بہت بڑا ہے اور اس کی نسبت سے رقم بہت تھوڑی ہے لیکن جو ترقی ہوئی ہے اس کی ہم ناشکری بھی نہیں کر سکتے اور اس سے ہم

---

[1] آپ اِن دنوں نائب وکیل التصنیف تحریکِ جدید ربوہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ [2] حال منیجر "الفضل" ربوہ۔ [3] مراسلہ مولوی نورالدین صاحب منیر بحضور سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ (مورخہ ۳ ماہِ فتح ۱۳۳۱ہش)

آنکھیں بھی بند نہیں کر سکتے۔ پس دِل سے آپ کی اِس قربانی پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جزاکم اللہ کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مزید قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا بجٹ لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں اور کروڑوں اربوں تک پہنچے تاکہ تمام مشرقی ایشیا میں آپ کے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند ہو اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ظاہر اور باطن پر قائم ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ آمین

دوسرا امر جس میں آپ لوگوں نے ترقی کی ہے وہ مرکز سے تعلقات کا ہے۔ اِس سال کچھ نئے طالبِ علم بھی یہاں آئے ہیں اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اَب آپ میں سے بہت سے لوگوں نے میرے ساتھ خط و کتابت بھی شروع کی ہوئی ہے جو کہ پہلے نہیں ہوتی تھی۔ اِس ذریعہ سے مجھے بھی آپ لوگ یاد آتے رہتے ہیں اور دُعا کی بھی میرے دل میں تحریک ہوتی رہتی ہے اور یہ خوشی بھی محسوس ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اِس دُور دراز ملک میں بھی مجھے ایسے رُوحانی فرزند بخش چھوڑے ہیں جن کے دلوں میں میری محبت ہے اور جن کے خیالات بار بار میری طرف پھرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اِس کنونشن کو مبارک کرے اور گذشتہ سال سے بھی زیادہ خدمت کی توفیق دے۔ یاد رہے کہ بغیر اچھے لٹریچر کے تبلیغ نہیں ہو سکتی اِس لئے آپ لٹریچر کی طرف زیادہ توجہ کریں اور مختلف مضامین کے متعلق کتابیں اور رسالے اپنی زبان میں لکھ کر اپنے ملک میں شائع کریں۔ دوسرے اِس امر کا بھی خیال رکھیں کہ سب سے زیادہ انڈونیشیا کی حفاظت اور اس کی ترقی کی ذمہ داری احمدیوں کے کندھوں پر ہے کیونکہ آپ دوسروں سے زیادہ ایمان کے مدعی ہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] وطن کی محبت بھی ایمان کا ایک جزو ہے پس اگر آپ میں ایمان زیادہ ہے تو آپ کی حُبّ الوطنی بھی دوسروں سے زیادہ ہونی چاہیئے لیکن حُبّ الوطنی کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ انسان حُبِّ بنی نوع انسان سے محروم ہو جائے۔ حُبّ الوطنی حُبِّ بنی نوع کا ایک حصہ ہے جیسے انسان اپنے ماں باپ سے محبت کرنے کے بعد اپنے بھائی بہن کی محبت سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ ماں باپ کی محبت جتنی زیادہ ہو بھائی بہنوں کی محبت اسی نسبت سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خَلَقَکُمْ

[1] موضوعاتِ کبیر صفحہ ۳۵ از مولانا امام علی القاریؒ طبع دوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء

مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ ع۳) یعنی جو کچھ اِس دُنیا میں ہے سب ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اسی طرح زمین کے متعلق فرماتا ہے وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (البقرۃ ع۴) پس حقیقتاً قرآنِ کریم نے ہمارا وطن ساری دُنیا کو قرار دیا ہے۔ ہاں یہ بھی قرآن نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اپنے قریب ہمسایوں کی طرف توجہ کرو۔ اس کی وجہ سے ہم اپنے ملک کو اپنا وطن قرار دیتے ہیں لیکن حقیقتاً ساری دُنیا مسلمان کا وطن ہے اور سارے بنی نوعِ انسان اس کے بھائی ہیں پس اپنے ملک اور اہلِ ملک سے محبت کے یہ معنے نہیں کہ اپنے زیادہ وسیع ملک اور اپنی زیادہ وسیع برادری کو انسان بھول جائے۔ مومن کو چاہیئے کہ اپنی نظروں کو وسیع کرے اور ساری دُنیا کی بہتری اور ترقی کی طرف توجہ کرے۔ آپ آج تھوڑے اور کمزور ہیں دُنیا آپ کو اِس وسیع کام کے نا اہل سمجھتی ہے اور نہ اس کا ذمہ دار سمجھتی ہے لیکن آنے والا دن یہ ذمہ داریاں آپ پر ہی ڈالنے والا ہے پس اگر آپ آج اِن ذمہ داریوں کے اُٹھانے کے لئے تیاری نہیں کریں گے اور اگر آپ آج اپنے خیالات کو وسیع نہیں کریں گے تو کل جب وہ وقت آئے گا آپ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر رہ جائیں گے پس یہ نہ دیکھیں کہ آج آپ کے سپرد یہ کام نہیں ہے بلکہ اِس امر کو مدِّ نظر رکھیں کہ آپکے سپرد یہ کام ہونے والا ہے اور ہر کام کو ہاتھ میں لینے سے پہلے اس کے لئے پُوری تیاری کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی وسیع ذمہ داریوں کی سمجھ عطا فرمائے اور اس کے لئے تیاری کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

خاکسار مرزا محمود احمد" ؎۱

اِس رُوح پرور پیغام نے انڈونیشین احمدیوں پر ایک خاص رُوحانی کیفیت طاری کردی اور کئی ایک مخلصین اشکبار ہوئے۔

پیغامِ امام کا انڈونیشین میں ترجمہ کیا گیا اور اس کی ہزار کاپیاں حضور کے عکسی دستخطوں کے ساتھ شائع کی گئیں۔ ؎۲

؎۱ ہفت روزہ "فاروق" لاہور ۴ مارچ ۱۹۵۳ء صلا ۔

؎۲ روزنامہ "الفضل" ۴ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۳ کالم ۱۔

فصل سوم

سالانہ جلسہ قادیان اور حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام

ضروری کوائف

اِس سال بھی قادیان اور ربوہ میں ابراہیمی طیور کا اجتماع ہوا یہ مبارک ایام کے لئے دونوں مراکزِ احمدیت میں حسبِ دستور ۲۶-۲۷-۲۸ ماہِ فتح/دسمبر کی تاریخیں مقرر تھیں۔ اِس دفعہ جلسہ سالانہ قادیان کے لئے دہلی سے رنگین پوسٹر چھپوائے گئے جو قادیان کے علاوہ گورداسپور، دھاریوال، بٹالہ اور امرتسر میں بھی آویزاں کئے گئے۔

جلسہ میں جن ہندوستانی احمدی جماعتوں نے شرکت فرمائی ان کے نام یہ ہیں:۔

دہلی، یوپی، سی پی، مدراس، مالابار، حیدرآباد دکن، بمبئی، ہبلی[1]، بہار، اڑلیسہ۔ پاکستان کے ۱۹۲ خوش نصیب زائرین کے قافلہ کو چوہدری اسد اللہ خاں صاحب کی معیت میں مبارک تقریب میں شرکت کا فخر حاصل ہوا[2]۔

برّصغیر پاک و ہند کے علاوہ شام اور مشرقی افریقہ کے بعض احمدی دوست بھی شاملِ جلسہ ہوئے۔ علاوہ ازیں معزز طبقہ کے غیرمسلم اصحاب اور خواتین[3] کی حاضری گذشتہ سالوں کی نسبت اِس سال زیادہ رہی اور ہر اجلاس میں ان کی تعداد ایک ہزار سے بارہ سو کے لگ بھگ رہی۔

تقسیمِ ملک کے بعد یہ پہلا جلسہ تھا جس میں افتتاحی اجلاس سے اختتام تک لوائے احمدیت لہراتا رہا اور عشّاقِ احمدیت والہانہ جذبہ سے سرشار ہوکر اس کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے رہے۔

---

[1] یہ مخلص جماعت اُن دنوں نئی قائم ہوئی تھی۔

[2] قافلۂ پاکستان کی تفصیل نامہ نگار الفضل کے قلم سے الفضل ۳، ۷، ۹ صلح ۱۳۳۲ ہش/جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع شدہ ہے۔

[3] اِس سال جلسۂ خواتین حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ کے مکان متصل عبداللہ خاں صاحبؓ کے احاطہ میں ہوا۔

بیک وقت چار مخلصین اِس خدمت پر متعیّن رہے جلسہ میں پہلی بار صدر انجمن احمدیہ قادیان کا خرید کیا ہوا لاؤڈ سپیکر استعمال کیا گیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس مرکزی جلسہ کے لئے ایک رُوح پرور پیغام عطا فرمایا تھا جو پاکستانی قافلہ کے امیر چوہدری اسداللہ خاں صاحب نے افتتاحی اجلاس میں پڑھ کر سُنایا جس کا متن درج ذیل ہے[1]:-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

برادرانِ جماعتِ احمدیہ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج پانچ سال سے اُوپر ہو گئے کہ قادیان کی جماعت کا اکثر حصہ ہجرت کر کے پاکستان آ چکا ہے اور برِّ صغیر ہندوستان کی جماعت دو حصّوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اب بھی ہندوستان میں اتنی جماعت موجود ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر خدمت کرے تو ایک اعلیٰ درجہ کی پنیری کا کام دے سکتی ہے اور مَیں آپ لوگوں کو آپ کے اِس فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے تعلقات اِس قسم کے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی مالی مدد نہیں کر سکتے۔ اِسی وجہ سے ہم نے ہندوستان کو پاکستان کی انجمن کو مدد دینے سے بالکل آزاد کر دیا ہے اور تمام ہندوستانی جماعت کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ اپنا روپیہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دیں اور اُسی کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ کسی قسم کی بین الاقوامی پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ بہت سے لوگ شرارت سے آپ لوگوں کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے رہتے ہیں کہ گویا خلیفۂ وقت کے پاکستان آ جانے کی وجہ سے آپ لوگ بھی پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی غرض محض حکومت اور جماعت کے درمیان

---

[1] تفصیلی روداد ہفت روزہ "بدر" (قادیان) ۷، صلح ۱۳۳۲ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۹، صفحہ ۱۰ و الفضل ۳ صلح ۱۳۳۲ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۲ میں مندرج ہے۔

منافرت پیدا کرنا ہے حالانکہ میرے نزدیک ہندوستان کے ہر احمدی کو سوائے اس کے کہ اُسے مجبور کر کے نکال دیا جائے ہندوستان میں ہی رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ ہماری جماعت کا وہ مرکز جسے بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے قائم کیا تھا ہندوستان میں ہی ہے اور یہ کتنی حماقت کی بات ہوگی کہ وہ قوم جو اپنے مبلغ امریکہ اور جرمن اور سپین اور ہالینڈ اور فرانس اور انگلینڈ کو مسلمان بنانے کے لئے بھجوا رہی ہے وہ ہندوستان کو خالی چھوڑ دے جو کہ کسی زمانہ میں اسلام کی شان و شوکت کا ایک بڑا بھاری نشان تھا۔ ہم تو اسے خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان اور حکومتِ ہند کے معاہدات میں دونوں طرف دونوں قوموں کو رہنے کی اجازت ہے اور اِس طرح وہ موّاد موجود ہے جو کسی وقت دونوں ملکوں میں صُلح پیدا کرنے کا موجب ہو جائے گا۔

پس آپ لوگ اِس قسم کے پراپیگنڈا سے بالکل متاثر نہ ہوں اور آپ کے دِل غمگین نہ ہوں کیونکہ شریر لوگ ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ آپ اسی طرح اپنے ملک کی وفاداری کریں جس طرح کہ ہم لوگ پاکستان کے وفادار ہیں لیکن اِس بات کو یاد رکھیں کہ ہندوستان کا یہ اعلان ہے کہ وہ دنیوی حکومت ہے اور مذہبی حکومت نہیں ہے اور اِس طرح اس نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ کسی کے مذہب میں دخل اندازی نہیں کرے گی جس کے معنے یہ ہیں کہ حکومتِ ہندوستان خدا کے سامنے اپنے آپ کو بری کر چکی ہے۔ اسی طرح مہذّب دُنیا کے سامنے بھی اپنے آپ کو بری کر چکی ہے۔ اگر اس کے اس اعلان کے بعد آپ لوگ تبلیغ میں سُستی کریں یا آپ لوگ اشاعت میں سُستی کریں تو یقیناً خدا کی نگاہ میں اور دُنیا کی نگاہ میں مُجرم ہوں گے حکومتِ ہندوستان مُجرم نہیں ہوگی۔

ہندوستان میں اِس وقت مسلمان جس کمزوری کی حالت میں سے گزر رہے ہیں وہ یقیناً ان کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کرنے کا موجب ہو رہی ہے۔ اسی طرح ہندو قوم بھی آزادی کے بعد سیاست میں اب اتنی رغبت نہیں رکھتی جتنی کہ پہلے رکھتی تھی۔ ان میں بھی ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو دین کی جُستجو کرنے لگ گیا ہے اور صداقت کی تلاش اس کے دِل میں پیدا ہو گئی ہے۔ پس ان مسلمانوں تک پہنچنا جن کے دِل شکستہ ہیں اور خدا کے خوف سے معمور ہو چکے ہیں آپ کا فرض ہے۔ اسی طرح وہ غیر مسلم جن کے دِل میں اَب دین کی جستجو پیدا ہو گئی ہے اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ سیاست کا کام ہم نے پُورا کر لیا، ہمارا ملک آزاد ہو گیا، اب ہمیں خدا کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے ان کی طرف بھی آپ کا

جانا ضروری ہے۔ دیکھو مسیح نے کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں اور مسیح صلیب کے شدید طور پر تکلیف دہ واقعہ کے بعد جس طرح بھی ہؤا اگرتا پڑتا ان گمشدہ بھیڑوں کی طرف گیا۔ قادیان میں جو انقلاب ہؤا ہے وہ تمہارے لئے بھی ایک صلیب جیسا ہی واقعہ ہے مگر اُس صلیب پر سے صرف ایک شخص بچا تھا اور تم ہزاروں آدمی اس دوسری صلیب سے بچ گئے ہو۔

اگر تم بھی مسیح کی طرح یہ ارادہ کرلو کہ خدا کی گمشدہ بھیڑوں کو تم نے جمع کرنا ہے تو تم ایک عظیم الشان کام کرسکتے ہو لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہندوستان کی جماعتوں نے موقع کی نزاکت کو نہیں سمجھا، اور مجھے افسوس ہے کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بھی اب تک اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھا۔ وہ صرف ایک گاؤں کی پنچائت کی حیثیت اپنے آپ کو دیتے ہیں اور ایک ملک کا بوجھ اُٹھانے والے اور ملک کی آزادی کا بیڑہ اُٹھانے والے لیڈروں کی حیثیت اپنے آپ کو نہیں دیتے۔ ایک پیاسے کو پانی پلانا ثواب کا موجب ہے لیکن ایک گمراہ کو ہدایت دینا تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے نہ تم نے اِس بارہ میں کوئی مؤثر قدم اُٹھایا ہے۔

سب سے پہلی چیز تو یہ تھی کہ امن کے قیام کے بعد قادیان کے جلسہ میں ہزاروں ہزار احمدی آتا مگر آپ لوگ تو اب بھی اُسی طرح آرہے ہیں جس طرح کہ خطرہ کے وقت میں آتے تھے، وہ وقت گذر چکا، ملک میں خدا کے فضل سے امن ہوگیا اَب آپ لوگوں کا کام ہے کہ سال میں کم سے کم ایک دفعہ تو قادیان آئیں اور یہاں آکر ان امور پر غور کریں جو آپ لوگوں کی بہتری کے لئے ضروری ہیں اور جو آپ کی ترقی کا موجب ہوسکتے ہیں پس جب آپ لوگ واپس جائیں تو ہر احمدی کے کان میں یہ بات ڈالیں کہ وہ آئندہ جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان چلنے کی کوشش کریں اور دورانِ سال میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ زور سے قادیان آتے رہیں جیسا کہ تقسیم سے پہلے آتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو اُردو، انگریزی، ہندی، گورمکھی اور گجراتی پریس قائم کرنے چاہئیں ہندی تو ہندوستان کی حکومتی زبان ہوگئی ہے اور گورمکھی گویا پنجاب کی ایک رنگ میں حکومتی زبان ہے اور اُردو ملک کی غیر سیاسی مُلکی زبان ہے۔ انگریزی جاننے والے اب تک بھی اِس کثرت سے اس ملک میں پائے جاتے ہیں کہ جن علاقوں میں کسی اَور زبان سے تبلیغ نہیں کی جاسکتی ان میں انگریزی کام دیتی ہے لیکن اب تک اُردو کا پریس بھی جاری نہیں ہؤا گجا یہ کہ اُسے ترقی دے کر بڑھایا جائے

پھر مبلغین کا سوال ہے مَیں متواتر کئی سال سے صدر انجمن احمدیہ کو لکھ رہا ہوں مگر اب تک مبلغین پیدا کرنے کی طرف ہرگز پُوری توجہ نہیں ہوئی ہندوستان میں کم سے کم ہمارے دس بارہ علماء موجود ہیں مَیں نے کہا تھا کہ ہر عالم کے ساتھ دو دو لڑکے لگاؤ وہ چھ سات سال میں ان کو عالم بنا کر نکالے اِس طرح دس بارہ سال میں تمہارے پاس سینکڑوں علماء ہو جائیں گے لیکن افسوس ہے کہ اس طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ خرچ نہیں۔ کیا صحابہؓ کے پاس خرچ ہُوا کرتا تھا؟ کیا موت کے مُنہ میں آئی ہوئی قومیں بجٹوں کو دیکھا کرتی ہیں؟ کیا عظیم الشّان ارادوں والے لوگ اپنی کوتاہ دامنیوں کا کبھی خیال کیا کرتے ہیں؟ اپنی سستیوں کو چھوڑو، غفلتوں کو ترک کرو، اپنی تنگ دامنیوں کو بھول جاؤ خدا نے انسان کے دل کو بڑی وسعت دی ہے تم اس وسعت کو دیکھو جو خدا نے تمہارے دل میں پیدا کی ہے۔ تم اس کام کو دیکھو جو خدا نے تمہارے سامنے رکھا ہے۔ تم بنی نوع انسان کی ان تکلیفوں کو دیکھو جو کہ رُوحانی طور پر ان کو پہنچ رہی ہیں۔ تم مظلوموں کی اُن آوازوں کو سُنو جو خدا کا رستہ دکھانے کے لئے کرب اور اضطراب کے ساتھ بلند کی جا رہی ہیں اور تم اس بات کو دیکھو کہ تمہارے ان کاموں کو کرنے والا کوئی نہیں۔ اور خدا کے ان وعدوں کو دیکھو جو تمہارے لئے کئے گئے ہیں۔ اور اپنے اندر ایک عظیم الشّان تغیّر پیدا کرو جلد سے جلد علماء پیدا کرو جلد سے جلد تبلیغ کا کام اپنے ہاتھ میں لو۔ جلد سے جلد لٹریچر پیدا کرنے اور اس کو شائع کرنے کی کوشش کرو۔ اور تم میں سے ہر شخص اپنے عمل میں تبدیلی پیدا کرے، اپنے دل میں محبّتِ الٰہی پیدا کرے اور اپنے آپ کو اِس قابل بنائے کہ خدا تعالیٰ اُس کی مدد کرے۔

کاش! خدا تعالیٰ تمہارے دلوں میں ان باتوں کی عظمت اور اہمیّت ڈال دے اور کاش! اس جلسہ پر تم ایک نئے وجود بن کر جاؤ۔ ملک کو رُوحانی دعوت دینے والے، ملک کو رُوحانی ترقی بخشنے والے اور پھر ساری دُنیا کے لئے مفید وجود ثابت ہونے والے بن کر جاؤ۔ خدا کے وعدوں کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اور خدا کی مدد کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اَللّٰھُمَّ آمین۔

مرزا محمود احمد

۱۸ دسمبر ۱۹۵۲ء — خلیفۃ المسیح الثانی و امام جماعتِ احمدیہ۔ ربوہ [1]

---

[1] ہفت روزہ "بدر" (قادیان) ۷، صفحہ ۳۲/ ۱۳۳۲ہش/ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳، صفحہ ۴۔

حضرت مصلح موعودؓ کا مندرجہ بالا پیغام پُورے جلسہ کی رُوحِ رواں تھا جس نے بھارتی جماعتوں میں اشاعتِ اسلام کی نئی رُوح پھُونک دی۔

فاضل مقرّرین

علماءِ احمدیت کی تقاریر بھی ازدیادِ ایمان کا باعث بنیں۔ اِس مبارک جلسہ سے خطاب کرنے والوں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل یادگیر، گیانی واحد حسین صاحب، مولوی شریف احمد صاحب امینی، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، مولوی محمد سلیم صاحب، گیانی عباد اللہ صاحب، حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری، حضرت مولوی رحمت علی صاحب مجاہد انڈونیشیا جیسے فاضل اور ممتاز مبلغینِ سلسلہ تھے۔

جلسہ کے صَدر

صدارتِ جلسہ کے فرائض انجام دینے والے اصحاب کے نام یہ ہیں :۔
حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب حیدر آباد دکن، حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل، سید بشارت احمد صاحب وکیل حیدر آباد، مولانا ابوالعطاء صاحب، چوہدری اسداللہ خاں صاحب (امیر قافلہ)

تاثراتِ قادیان

امیرِ قافلہ چوہدری محمد اسداللہ خاں صاحب نے قادیان سے مراجعت کے بعد لاہور میں ایک تقریر میں اِس کامیاب جلسہ کے تاثرات بیان فرمائے۔ آپ نے درویشوں کے عملی نمونے، ان کی تبلیغی جدّوجہد اور اس کے خوشکن اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ غیر اسلامی ماحول میں درویشوں کی بستی کا موجود ہونا اور اپنے کردار سے اس ماحول کو متاثّر کرنا صاف اِس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آج اگر دُنیا میں اسلام زندہ رہ سکتا ہے تو اِس جماعت کی مجاہدانہ کوششوں کے ذریعہ ہی رہ سکتا ہے جسے خدا نے اِس زمانہ کے مصلح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھوں قائم کیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ مرکز سے جُدائی پر ہمارے دِل افسُردہ ضرور ہیں لیکن اِس میں بھی خدا تعالیٰ کی ایک حکمت کارفرما تھی۔ اسنے اپنی وراء الوریٰ حکمتوں کے تحت ایک وسیع علاقے کو اسلام کے رُوحانی ورثہ سے خالی کر کے اور وہاں درویشوں کے وجود میں ایک مختصر سی جماعت باقی رکھ کر تبلیغ کا میدان بے انتہاء وسیع کر دیا ہے ہو سکتا تھا کہ اگر ہم مرکز میں ہی مقیم رہتے تو تبلیغ سے غافل ہو جاتے۔ خدا نے عارضی جُدائی ڈال کر ہمیں بیدار کر دیا اور ساتھ ہی ایسے حالات بھی پیدا کر دیئے کہ ہم تبلیغ کے مواقع سے فائدہ اُٹھانے چلے جائیں

چنانچہ ہمارا ایمان ہے کہ غلبۂ اسلام کے وہ وعدے جو خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیح سے کئے تھے عنقریب پورے ہوں گے اور تین سو سال نہیں گزریں گے کہ دُنیا میں بجز اسلام کے اور کوئی مذہب قابلِ ذکر حالت میں باقی نہ رہے گا دوسرے مذاہب والے ہوں گے لیکن نہایت قلیل تعداد میں۔

چوہدری صاحب نے درویشوں کی قابلِ رشک زندگی اور ان کے جذبۂ قربانی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بتایا کہ درویشوں نے احباب کو بھی پیغام بھیجا ہے کہ آپ اپنی پنجگانہ دعاؤں میں ہمیں نہ بھولیں ہمارے دل مسرت سے لبریز ہیں کہ خدمتِ دین کی توفیق ہمیں مل رہی ہے اور اس نے خدمت کا موقعہ عطا فرما کر ہمیں حصولِ رضا کے بہترین مواقع عطا کئے ہیں ہم ہر طرح خوش ہیں البتہ آپکی دُعاؤں کے طالب ضرور ہیں۔ فی الحقیقت کسی درویش کے چہرے پر افسردگی نہ تھی وہ سب بشاش تھے اور اس نشہ میں سرشار کہ انہیں شعائر اللہ کی حفاظت کا موقعہ مل رہا ہے اور خدا اور اسکے رسُولؐ کا نام بلند کرنے کی سعادت ان کے حصّہ میں آ رہی ہے۔

آپ نے درویشانِ قادیان کے ذکر و فکر اور علمی مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے درویش بھائی ہر آن دین کی خدمت میں مصروف ہیں اور ساتھ ساتھ علمی لحاظ سے ترقی کرنے کی فکر بھی انہیں دامنگیر ہے چنانچہ جو چیز میرے لئے انتہائی مسرّت کا باعث ہوئی وہ یہ تھی کہ ڈسکہ کا ایک نوجوان درویش پہلے علم سے بالکل کورا تھا اور اپنے پیشے کے اعتبار سے حصولِ علم کی طرف اس کا مائل ہونا ممکن نظر نہ آتا تھا لیکن درویشی کی حالت میں اسے لکھنے پڑھنے اور دین کا علم حاصل کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوئی اس نے علم حاصل کیا اور اتنا حاصل کیا کہ اسے مبلّغ بنا کر ہندوستان کے ایک علاقے میں بھیج دیا گیا، وہاں خدا نے اس کی تبلیغی کوششوں میں برکت دی اور اس نوجوان کے ذریعہ جو پہلے علم سے بالکل کورا تھا خدا نے سات خاندانوں کو قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائی جن کے افراد کی تعداد ستّر کے قریب بنتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کرتا ہے خدا تعالیٰ کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ اسے ضائع ہونے دیا جائے خدا خود اس کا متکفّل ہوتا ہے اور اس سے وہ کام لیتا ہے کہ دُنیا حیران رہ جاتی ہے۔

چوہدری صاحب نے غیر مسلموں کے ساتھ درویشوں کے تعلّقات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جب ابتدائی ایام میں ہندو اور سکھ تارکینِ وطن وہاں پہنچ کر آباد ہوئے تو انسانی ہمدردی کے طور

پر درویشوں نے حسبِ توفیق ان کی امداد کی، انہیں کپڑے اور برتن وغیرہ مہیا کئے اس کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ جب ابتداءً درویشوں کو بائیکاٹ وغیرہ کے باعث تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو ایک غیر مسلم ضعیف خاتون نے درویشوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک روا رکھا اور دوسروں کو بھی درویشوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی ترغیب دلائی۔

مکرم چوہدری صاحب نے درویشوں کے ساتھ اس ضعیفہ کے مشفقانہ سلوک کے بعض نہایت پُراثر واقعات بیان کئے اور اس کے نتیجہ میں خود اس ضعیفہ پر بعض خدائی نوازشات کا بھی ذکر کیا جو سامعین کے لئے بہت ازدیادِ ایمان کا موجب ہوئیں۔ آپ نے بتایا کہ وہ ضعیفہ درویشوں کے ساتھ بیٹوں کا سلوک کرتی ہے اور جب کسی درویش کی شادی ہوتی ہے تو وہ اس کی بیوی کو اپنی بہو سمجھ کر اسے ہر قسم کا آرام پہنچاتی ہے اور ساس بن کر چند دن تک اس کے گھر کا کام کاج خود کرتی ہے۔ ابتداء میں جب درویشوں نے بہشتی مقبرہ کے گرد کچی چاردیواری تعمیر کی تو اس نے اپنی زمین سے چاردیواری کے لئے نہایت خوشی سے مٹی مہیا کی حالانکہ بعض لوگ اسے منع بھی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی رنگ میں اسے اس کا اجر عطا فرمایا۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ اس مرتبہ آپ کی درخواست پر حضور نے لاہور سے قافلے کی روانگی کے وقت ربوہ میں خصوصیّت سے دُعا فرمائی چنانچہ حضور کی دُعاؤں ہی کا یہ اثر تھا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے لاہور سے قادیان تک اور واپسی میں بھی اہلِ قافلہ کو کسی مشکل سے دوچار ہونا نہیں پڑا اور تمام سفر بفضلہ تعالیٰ نہایت خیر و خوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۱ صلح ۱۳۳۲ ہش / جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۲

فصل چہارم

جلسۂ سالانہ ربوہ حضرت المصلح الموعودؓ کی ایمان افروز اور انقلاب انگیز تقاریر اور اُن کا پاکستانی پریس میں تذکرہ

عین اس وقت جبکہ قادیان کی مقدس سرزمین ہجوم خلق کا عاشقانہ اور فدائیانہ نظارہ پیش کر رہی تھی ربوہ میں شمعِ احمدیت کے پچاس ہزار پروانے جمع تھے۔ یہ ایک منفرد اور مثالی اجتماع تھا جس میں پاکستان کے علاوہ جرمنی، امریکہ، شام، سوڈان، حبشہ، برما، ہسپین، انڈونیشیا اور برٹش گیانا (جنوبی امریکہ) کے بعض مخلص احمدیوں نے بھی شرکت فرمائی اور اپنے مقدس امام کی زبانِ مبارک سے زندگی بخش کلمات سُن کر اپنے ایمانوں کو تازہ اور اپنی رُوحوں کو زندہ کیا۔

افتتاحی خطاب حضرت المصلح الموعودؓ نے اس جلسہ سے (جو حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد پہلا جلسۂ سالانہ تھا) حسبِ دستور تین خطابات فرمائے۔

حضور نے اپنے افتتاحی خطاب میں جماعت کو اس نکتہ کی طرف بالخصوص توجہ دلائی کہ جماعتی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ نئی نئی اصلاحات ہوں اور نئی قیود اور اصلاحات کو خوشی سے برداشت کیا جائے۔

دوسری اصولی نصیحت یہ فرمائی کہ حفاظت کے لئے ظاہری تدابیر ایک ضروری چیز ہیں لیکن خلافت کو بادشاہت کا رنگ مت دو۔

اِس دفعہ حفاظتی نقطہ نگاہ سے اسٹیج اور پنڈال میں بیٹھنے والے سامعینِ جلسہ کے درمیان غیر معمولی فاصلہ ڈال دیا گیا تھا جس پر حضور نے اظہارِ خفگی کیا اور فرمایا:۔

"جلسہ گاہ کے متعلق خود مَیں نے اس نقشہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ مجھے پسند نہیں۔ یہ احتیاط سے گذر کر

غیر اسلامی طریق کا جلسہ گاہ بن گیا ہے اور اِسے مَیں پسند نہیں کرتا۔ اسلام ہمیں بے شک احتیاط کا حکم دیتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خُذُوْا حِذْرَکُمْ[1] لیکن موجودہ جلسہ گاہ کی جو شکل ہے یہ تو ایسی ہی ہے جیسے بادشاہ اعلانوں کے لئے آتے ہیں تو لوگوں کو دُور دُور بٹھا دیا جاتا ہے اتنا لمبا فاصلہ میرے نزدیک ہرگز اس حفاظت کے لئے ضروری نہیں جس حفاظت کا خدا تعالیٰ ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ پہلوؤں کے متعلق مَیں نے کہا تھا کہ انہیں تنگ کرو اور یہاں لوگوں کو بیٹھنے کا موقع دو۔ اِسی طرح سامنے والے حصّہ کے متعلق مَیں نے کہا تھا کہ اسے بھی تنگ کرو جیسا کہ آپ لوگوں کو یاد ہو گا گزشتہ سال بھی بعض احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی تھیں لیکن اس وقت چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک حملہ جس کی آج کل زیادہ احتیاط کی جاتی ہے پستول کا حملہ ہوتا ہے اور پستول کا حملہ ایسی چیز ہے کہ ایسے ہنگامہ میں اگر کوئی شخص فائر کرنا چاہے اور اس کے پاس بیٹھنے والے ذرا بھی ہوشیار ہوں تو وہ اس کے حملہ کو فوراً بے کار کر سکتے ہیں پستول کا حملہ پچاس فٹ سے زیادہ فاصلے سے نہیں ہو سکتا، اِلّا ماشاء اللہ لیکن ایسا تو کبھی کبھی ہوتا ہے اور عزرائیل لوگوں کی جانیں نکالنے کے لئے ہر روز آتا ہے پس جان نکالنا کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں کہ اس کے لئے غیر معمولی احتیاط کی جائے۔ اب جلسہ گاہ میں بیٹھنے والے اتنے دُور دُور بیٹھے ہیں کہ ان کا اِس قدر دُور بیٹھنا طبیعت پر سخت گراں گزرتا ہے اور زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ باوجود میرے کہنے کے اصلاح نہیں کی گئی۔

پس مَیں منتظمین سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک اِس جلسہ گاہ کی اصلاح نہ کی گئی مَیں کل تقریر نہیں کروں گا۔ اگلی صف آگے آنی چاہیئے اور پہلوؤں میں بھی لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اب تو ایسی شکل بنی ہوئی ہے جیسے بادشاہ اعلان کرنے کے لئے آتے ہیں تو لوگوں کو بٹھا دیا جاتا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ احتیاط ضروری چیز ہے۔ حضرت عمرؓ[2] اسی بے احتیاطی کی وجہ سے شہید ہوئے، حضرت عثمانؓ[3] اسی بے احتیاطی کی وجہ سے شہید ہوئے، حضرت علیؓ[4] اسی بے احتیاطی کی وجہ سے شہید ہوئے۔ مصر میں ایک دفعہ مسلمان نماز پڑھ رہے تھے کہ ان پر اچانک حملہ کر دیا گیا، شاید انہوں نے پہرہ مقرر نہیں کیا تھا جیسے آجکل کے مولوی ہمارے پہرہ پر اعتراض کرتے ہیں اسی طرح اُس زمانہ میں لوگ

---

[1] النساء: ۷۲ ٭ [2] شہادت ۲۳ ھ (۶۴۴ء) ٭ [3] شہادت ۳۵ ھ (۶۵۶ء)

[4] شہادت ۴۰ ھ (۶۶۱ء) ٭

اعتراض کرتے ہوں گے چونکہ نیا نیا ملک فتح ہوا تھا اِس لئے انہوں نے اِس خیال سے کہ لوگ اعتراض نہ کریں کہ نماز کے وقت بھی یہ پہرہ رکھتے ہیں اپنے لئے پہرہ مقرر نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے نماز کی حالت میں ہی کئی صفیں قتل کر دیں اور پھر کہیں جا کر اگلی صف والوں کو پتہ لگا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ بیسیوں صحابہؓ مارے گئے اور سینکڑوں دوسرے مسلمان شہید ہوئے۔ پس پہرہ ایک ضروری چیز ہے لیکن اس کی ایسی شکل بنا دینا کہ پہرہ ہی رہ جائے اور کام ختم ہو جائے یہ بھی ایک لغو بات ہے۔ آخر ہر ایک نے مرنا ہے، پس ایسی احتیاط جو خلافت کو بادشاہت کا رنگ دیدے یا تنظیم کو غیر معمولی شان و شوکت والی چیز بنا دے، یہ نہ تنظیم کہلا سکتی ہے اور نہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ کوئی پسندیدہ امر ہے۔ اصل حفاظت خدا تعالیٰ کرتا ہے بندے نہیں کرتے اور یہ چیز جو آج نظر آ رہی ہے یہ احتیاط سے بالا ہو گئی ہے۔ لوگ اتنی دُور بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ تو شاید مجھے دیکھ رہے ہیں لیکن میری نظر چونکہ کمزور ہے اِس لئے مجھے شاذ و نادر ہی کسی کی شکل نظر آ رہی ہے۔ پس ان کو بھی قریب آنے کا موقعہ دینا چاہیئے۔ باقی نگرانوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ ہوشیاری سے کام لیں بھلا ایسے احمقوں نے حفاظت کیا کرنی ہے جن کے سامنے ایک شخص رائفل لے کر آجاتا ہے، اسے اُٹھاتا ہے، نشانہ باندھتا ہے اور فائر کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر نہ انہیں رائفل لاتے وقت وہ نظر آتا ہے، نہ رائفل اُٹھاتے وقت نظر آتا ہے، نہ نشانہ باندھتے وقت نظر آتا ہے، ذرا ارد گرد بیٹھنے والوں کو پتہ لگتا ہے کہ فلاں شخص رائفل چلانے لگا ہے، حالانکہ رائفل ایسی چیز ہے کہ ایک ہاتھ مارا جائے تو وہ دُور جا پڑے اور اس کا نشانہ آسمان کی طرف چلا جائے۔ پس رائفل کا سوال نہیں سوال پستول کا ہے مگر اِس میں بھی تب کامیابی ہوتی ہے جب کوئی پچاس ساٹھ فٹ سے نشانہ لگائے اور ایک منٹ تو نشانہ لگانے میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اگر پاس کے لوگ ذرا بھی ہوشیار ہوں تو وہ صرف ایک کہنی کی حرکت سے اس کے نشانہ کو ختم کر سکتے ہیں بلکہ کہنی تو الگ رہی سانس کی تیزی سے بھی نشانہ بگڑ جاتا ہے اگر کسی کو پتہ لگے کہ کوئی شخص پستول چلانے لگا ہے اور وہ فوراً اپنی کہنی اسے مار دے تو اتنی معمولی سی بات سے ہی اس کا نشانہ خطا ہو جاتا ہے۔

پس یہ کھیل میں پسند نہیں کرتا اِس کی فوراً اصلاح کی جائے۔ جلسہ کے وقت میں تو اِس کی اصلاح نہیں ہو سکتی مگر آج رات اِس کی اصلاح ہو جانی چاہیئے ورنہ کل مَیں تقریر کے لئے نہیں آؤں گا اور دوستوں کو خلافت کے لئے جو مکانات بنائے گئے ہیں ان میں ملاقات کا موقعہ دوں گا اور کہہ دوں گا کہ مجھ سے

مصافحہ کر لو اور چلے جاؤ۔ ایسے ماحول میں تقریر کرنے کے لئے میں نہیں آ سکتا۔ ہماری جماعت ایک مخلصین کی جماعت ہے اور دُور دُور سے لوگ جلسہ سالانہ کے لئے آتے ہیں ان کو مجرم کے طور پر بٹھا دینا اور دلّہ کے طور پر بند کر دینا ایسی چیز ہے جسے میری غیرت برداشت نہیں کرتی۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مَیں اُن سے محبت کرتا ہوں پھر ہم میں اتنی دُوری کیوں ہو؟ دوسری طرف پہرہ کا انتظام بہت ناقص ہے پہلے بہت سے آدمی ہوا کرتے تھے مگر اس دفعہ اتنے آدمی نظر نہیں آتے جلسہ گاہ کے متعلق مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر لوگوں کے لئے سٹیج سے پندرہ بیس فٹ پرے جگہ بنا دی جائے تو غالباً یہ کافی ہو گا۔ بے شک منتظمین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھتے رہیں کہ کوئی شریر آدمی تو اندر نہیں آ گیا مگر یہ بھی نامناسب امر ہے کہ کسی ایک شریر کی وجہ سے سارے مخلصوں کو دُور بٹھا دیا جائے۔ اسی طرح مَیں کارکنوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بے تحقیق رپورٹیں نہ کیا کریں درست رپورٹیں کیا کریں بے شک ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ سلسلہ کا روپیہ ضائع ہو مگر یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ مہمانوں کی ہتک ہو۔ اب مَیں جلسہ کا افتتاح کرکے جاتا ہوں اس کے بعد دوسری کارروائی شروع ہوگی۔"[1]

اِس تقریر کا فوری اثر ہوا اور منتظمین جلسہ نے پنڈال کو اسٹیج تک وسیع کر دیا۔

دوسرے دِن کی پُر معارف تقریر

حضرت امیر المومنین نے اپنے مستقل طریق و دستور کے مطابق اِس سال بھی مختلف اہم اور ضروری اُمور پر تفصیلی روشنی ڈالی مثلاً پاکستان کے بُنیادی اُصولوں کے متعلق سفارشات، حضرت اُمّ المؤمنینؓ کی وفات، تعمیر ربوہ، فتنہ ۱۹۵۲ء، مسئلۂ فلسطین، بیرونی ممالک میں تعمیر مساجد اور جماعت کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی ضرورت وغیرہ۔

۱۹۵۲ء کے فتنہ کا پس منظر

حضور نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے خلاف فتنہ گذشتہ دو سال سے جاری تھا مگر اِس سال اُس نے خاص شدت اختیار کر لی تھی کیونکہ ملک کے بعض عناصر نے اپنی اپنی سیاسی اور ذاتی اغراض کے ماتحت احراریوں سے جوڑ توڑ کر لئے اور انہیں ملک میں نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ احمدیت کی مخالفت اور اسی طرح سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی مخالفت تو محض ایک آڑ تھی ورنہ اصل مقصد در پردہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنا

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۲۱ صلح ۱۳۳۷ ہش صفحہ ۳، ۴۔

تھا۔ اِس ایجی ٹیشن کی ابتداء تو انہی عناصر نے کی جو ہمیشہ پاکستان کے اور مسلم لیگ کے مخالف رہے ہیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اِس طرح کام نہیں بنتا تو آہستہ آہستہ ایسے مولویوں کو بھی اپنے ساتھ ملانا شروع کیا جو بظاہر مسلم لیگ کے مخالف نہ تھے اور غیر جانبدار سمجھے جاتے تھے مگر اپنی اغراض کے ماتحت آگے آنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مختلف گروہوں میں سے ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس کا نام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ رکھ دیا گیا اور تحفظِ ختمِ نبوّت کے نام سے ایجی ٹیشن شروع کر دی گئی حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بھلا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ختمِ نبوت کی حفاظت کے لئے اِن لوگوں کی مدد کی کیا ضرورت ہے آپؐ کی ختمِ نبوت کا محافظ تو خود اللہ تعالیٰ ہے اور ختمِ نبوت کا جو مفہوم جماعتِ احمدیہ بیان کرتی ہے وہی مفہوم صحابہ کرامؓ اور اُمّت کے بہت سے بزرگوں نے بیان کیا پھر یہ مفہوم جماعتِ احمدیہ نے آج پیش نہیں کیا بلکہ ساٹھ سال سے پیش کر رہی ہے پس آج کوئی بھی ایسی نئی بات اِس مسئلہ کے متعلق پیدا نہ ہوئی تھی جسے اِس ہنگامہ اور ایجی ٹیشن کی وجہ قرار دیا جا سکے۔ بہرحال یہ ایجی ٹیشن اشتعال انگیزی اور جھوٹے پراپیگنڈا کے ساتھ بڑھتی چلی گئی حتّٰی کہ حکومت کے بعض ذمہ دار افراد بھی ایک حد تک اس سے متأثر ہو گئے کیونکہ وہ اصل حالات سے ناواقف تھے۔

اثرات

جہاں اِس فتنے نے ہماری جماعت کے لئے نئی نئی مشکلات پیدا کیں اور انفرادی طور پر بعض احمدیوں کو نقصان بھی اُٹھانا پڑا وہاں اس کے بعض فوائد بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئے چنانچہ ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ملک کے جن ذمہ دار افراد کو جھوٹے الزامات کے ذریعہ جماعتِ احمدیہ سے بدظن کیا جا رہا تھا ہمیں بھی اُنہیں سمجھانے اور اصل حقیقت واضح کرنے کا موقع ملا چنانچہ ان میں سے بعض نے بعد میں برملا کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے احمدی اسلام کا اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں لیکن اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ غلط ہے احمدی بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا دیگر مسلمانوں کے ساتھ جو اعتقادی اختلاف ہے اسے صرف تفسیر اور تاویل کا اختلاف کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا اثر اِس فتنے کا یہ ہوا کہ کراچی میں جماعتِ احمدیہ کے جلسہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے "اسلام زندہ مذہب ہے" پر تقریر کی۔ یہ مولوی بھلا یہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ اسلام کو زندہ مذہب ثابت کیا جائے۔ انہوں نے اسلام کو زندہ ثابت کرنے کو اپنے لئے ایک بہت بڑی اشتعال انگیزی

قرار دیا اور ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ کراچی میں چونکہ بیرونی ممالک کے سفیر بھی موجود ہوتے ہیں اِس لئے جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو ان پر یہ اثر ہؤا اور اسی اثر کے ماتحت انہوں نے اپنے اپنے ملک میں رپورٹیں بھیجیں کہ احمدی جماعت ایک فعّال جماعت ہے اور مولویوں کا طبقہ محض اعتقادی اختلاف پر عوام کو مشتعل کر رہا ہے وہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں حائل ہو رہا ہے اور مذہبی تعصّب کو ہوا دیکر اسے ایک تنگ نظر ملک بنانا چاہتا ہے۔ ان میں سے بعض نے اِس رائے کا اظہار کیا کہ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ پاکستان ایک ترقی کرنے والا ملک ہے مگر اس ہنگامے کو دیکھ کر پاکستان کی ترقی کے متعلق ہمارے دِل میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ گویا انہوں نے سمجھا کہ شاید یہی مولوی ملک کی آواز ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ لوگ پاکستان کا ایک چھوٹا سا جزو تو سمجھے جا سکتے ہیں مگر انہیں پاکستان کا دِل قرار نہیں دیا جا سکتا پاکستان کا دِل اَور ہے۔ بے شک لوگ وقتی اشتعال کے ماتحت ان کے جھانسے میں آجاتے ہیں مگر ملک کی حقیقی آواز ہرگز وہ نہیں ہے جو یہ لوگ بلند کرتے ہیں پس اس فتنے کا ایک فائدہ یہ ہؤا کہ غیر ممالک میں ہمیں متعارف ہونے اور انہیں اسلام کی تبلیغ کرنے کا موقع مِل گیا، الحمد للہ۔

ایک اثر اس فتنہ کا یہ ہؤا کہ بنگالی نمائندوں نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا اور انہیں علم ہو گیا کہ اہلِ غرض افراد مذہب کی آڑ میں سیاسی چالیں چل رہے ہیں چنانچہ بنگال کے اخبارات میں سے سوائے ایک دو کے باقی سب نے یہی لکھا کہ ہم اس گند کو جو مغربی پاکستان میں پھیلایا جا رہا ہے ہرگز بنگال میں نہیں آنے دیں گے۔

کراچی کے فساد کا ایک اَور اثر یہ ہؤا کہ ملک کے شریف اور سنجیدہ لیڈروں نے ان لوگوں کو سمجھانا شروع کیا جو کسی نہ کسی رنگ میں اس فتنہ سے متأثر ہو رہے تھے اور انہیں اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ پھر جب جماعتِ اسلامی نے جو حکومت کی کُھلی مخالف ہے ہماری مخالفت میں آگے آنا شروع کیا تو سیاسی لیڈروں کی بھی آنکھیں کُھلیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ جماعتِ احمدیہ کے مخالف دراصل اِس آڑ میں حکومت کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ جلد ہی اس کا ثبوت مِل گیا اور وہی لوگ جو شروع میں ہماری مخالفت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ہمیں سیاست سے یا حکومت کی مخالفت سے کوئی واسطہ ہی نہیں اُنہوں نے برملا حکومت کو دھمکیاں دینی شروع

کر دیں۔ اِس موقعہ پر حضور نے اخبار "آزاد" اور "زمیندار" میں سے متعدد ایسے حوالے پڑھ کر سنائے جن میں حکومت کے ذمہ دار راہنماؤں کے نام لے لے کر کھُلے طور پر یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر حکومت نے ہمارے مطالبے نہ مانے تو ہم حکومت سے ٹکرائیں گے، بدامنی پیدا کریں گے اور جنرل نجیب کی طرح حکومت کا تختہ اُلٹا دیں گے۔ اِس طرح اِن حوالوں میں عوام کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ کسی لیڈر کا انتظار نہ کریں بلکہ خود آگے آکر ملک میں بدامنی پیدا کر دیں۔

حکومتِ پاکستان کا مخلصانہ رویّہ

حکومت کے رویّہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

ہمارے خلاف اِن فسادات کے ایام میں حکومت نے اکثر مقامات پر دیانتداری سے کام کرنے اور حالات کو سُدھارنے کی کوشش کی۔ اس نے جو اعلانات کئے وہ بھی درست تھے۔ گو عملاً بعض مقامات پر حکومت حالات پر قابو رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

صُوبائی مُسلم لیگ

صُوبائی مسلم لیگ کا ذکر کرتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:۔

مجھے خوشی ہے کہ مسلم لیگ کا رویّہ بہت اچھا رہا۔ اس نے اپنے ہر اجلاس میں دلیری کا سے اصل حالات کا جائزہ لیا۔

پاکستان کے دوسرے صوبوں نے تو پنجاب سے بھی بہتر نمونہ دکھایا بالخصوص سرحد کے وزیر اعلیٰ[1] نے تو بڑی دلیری سے اِس فتنے کو بڑھنے سے روکا اور اسے دبایا۔ اِسی طرح سندھ میں بھی شرارتیں محدود رہی ہیں اور اب تو پنجاب میں بھی حالات بہتر ہو رہے ہیں گو پُوری طرح فتنہ دبا نہیں ہے۔

بعض افسروں کی غلطیاں

حضورؓ نے فرمایا:۔

جہاں مجھے خوشی ہے کہ اکثر مقامات پر حکومت نے دیانتداری سے کام کرنے کی کوشش کی ہے وہاں مجھے افسوس ہے کہ حکومت کے بعض افسروں نے ہمارے متعلق غلطیاں بھی کی ہیں مثلاً حکومت نے ایک اعلان[2] میں یہ الزام لگایا ہے (گو نام نہیں لیا مگر اشارہ ہماری طرف ہی تھا) کہ احمدی افسر اپنے عہدہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کو ملازمت میں بھرتی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک ذمہ دار افسر نے کہا کہ احمدی

---

[1] خان عبدالقیوم خان (موجودہ وزیر داخلہ پاکستان)۔

[2] ۱۴؍ اگست ۱۹۵۲ء کا سرکاری اعلامیہ جس کا ذکر فصلِ دوم میں ہے۔

افسر اپنے عہدے سے فائدہ اُٹھا کر احمدیوں کو ناجائز الاٹمنٹ کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے عہدے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناجائز طور پر ایسے کام کرتا ہے اور اِس طرح حقداروں کی حق تلفی کرتا ہے میرے نزدیک وہ نہ صرف حکومت کا مُجرم ہے بلکہ قرآن کا بھی مجرم ہے کیونکہ وہ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایک فعل کا مُجرم ہونا کسی کو یہ حق دے دیتا ہے کہ وہ بغیر تحقیقات کے کسی پر اس جُرم کے ارتکاب کا الزام لگا دے؟ کیا حکومت کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ یہ الزام لگانے سے پیشتر اس شکایت کی تحقیقات کرتی اور یُوں بغیر تحقیقات کے ایک قوم پر الزام لگا کر اسکی ہتک کا مرتکب نہ ہوتی؟ کیا حکومت کے لئے یہ کوئی مُشکل امر تھا کہ وہ ان الزامات کی باقاعدہ تحقیقات کراتی اور ان کے ثبوت بہم پہنچاتی؟ پھر اگر یہ الزام کسی احمدی افسر کے متعلق درست ثابت ہوتا تو بے شک اسے سزا دیتی کیونکہ وہ واقعی مُجرم ہے۔ نہ صرف حکومت کا بلکہ اسلام کا بھی۔ لیکن اگر یہ الزام درست ثابت نہ ہو تو یقیناً یہ صریح بے انصافی ہے کہ ہم پر بغیر تحقیقات کے صرف اِس لئے الزام لگا دیا جائے کہ ہم غریب ہیں اور کمزور ہیں۔

اِسلامی حکومت کا فرض

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے ہر فرد کی عزّت کی حفاظت کرے۔ اسلامی حکومت کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ملک کے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کی عزّت کی بھی حفاظت کرے اور اس پر کوئی جھُوٹا الزام نہ آنے دے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ گزشتہ پانچ سال کے عرصہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے دفتر میں کسی چُوہڑے نے بھی بیعت کی ہے اور احمدیت قبول کی ہے؟ اگر یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا تو یقیناً ایسا الزام لگانا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پر ظلم نہیں ہے بلکہ اس قوم پر ظلم ہے جس کے وہ ایک فرد ہیں۔

پھر الزام لگانے سے پہلے یہ بھی تو دیکھ لیا جاتا کہ کون کون سے احمدی افسر ایسے ہیں جو بھرتی کرنے کے قابل ہیں؟ کوئی فینانشل کمشنر احمدی نہیں ہے، کوئی ڈپٹی کمشنر احمدی نہیں ہے، مہاجرین کو زمین تقسیم کرنے والا کوئی اعلیٰ افسر احمدی نہیں ہے، پھر یہ ناجائز الاٹمنٹ کرنے والا اور احمدیوں کو بھرتی کرنے والا ایسا احمدی افسر کون ہے؟؟

پھر یہ بھی تو سوچنے والی بات ہے کہ اگر احمدی افسر ناجائز الاٹمنٹیں کرتے تو سب سے پہلے وہ مجھے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے لیکن مجھے تو انہوں نے کچھ نہ لے کر دیا بلکہ میری جو زمین قادیان میں تھی

اس کے کاغذات ابھی اِدھر اُدھر ہی پھر رہے ہیں گو احراری تو کہہ رہے ہیں کہ مجھے دس ہزار مربعے ملے ہیں مگر مجھے دس ہزار مربعے چھوڑ دس مرتبان بھی نہیں ملے۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ حکومت نے بغیر تحقیقات کے یہ الزام ہماری جماعت پر لگا دیا ہے اور انصاف کا طریق یہی ہے کہ حکومت اِس کی پوری پوری تحقیقات کرے، اگر کسی احمدی افسر کے متعلق یہ الزام درست ثابت ہو تو پھر اس کی تردید کرے اور اعلان کرے کہ یہ الزام غلط ہے۔

حقیقت پر پردہ ڈالنے کیلئے احمدیوں پر الزام

حضورؓ نے فرمایا گو الزام تو ہم پر لگایا جاتا ہے کہ احمدی افسر اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے احمدیوں کی مدد کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس بارہ میں احمدیوں سے تعصّب برتا جاتا ہے اور ان کو ان کے جائز حقوق سے محروم کیا جارہا ہے اور اِس طرح ان کی حق تلفی کی جاتی ہے اور اس حق تلفی پر پردہ ڈالنے کے لئے اُلٹا احمدیوں پر الزام لگایا جارہا ہے ہم حکومت کے سامنے کئی ایک ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جبکہ مختلف محکموں میں احمدیوں کو ملازمت یا ترقّی سے صرف اِس لئے محروم کیا گیا کہ وہ احمدی ہیں حالانکہ ان کی تعلیم، تجربہ، قابلیّت اور گزشتہ ریکارڈ ان کے حق میں تھے لیکن ہم نے ان حق تلفیوں پر کبھی شور نہیں مچایا کیونکہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس قسم کی حق تلفی اور تعصّب کا بہترین علاج یہ ہے کہ ہم اپنی تعلیم، قابلیّت، محنت، دیانتداری اور اچھے اخلاق کے معیار کو اَور بلند کر کے ان کا مقابلہ کریں نہ کہ شور مچائیں۔ اگر ہمارے نوجوان ہماری تعلیم پر عمل کریں گے تو اس قسم کی حق تلفی زیادہ عرصہ نہیں ہو سکتی اور نوکریاں اور ملازمتیں آپ اُنکے پاس آئیں گی۔“ [1]

پاکستانی پریس کی فرض شناسی اور دیانتداری

حضورؓ نے فرمایا مجھے بڑی خوشی ہے کہ اِس فتنے کے دَوران ہمارے ملک کے ذمّہ دار پریس نے جو ملک کی رائے عامہ کی جان ہوتا ہے بڑی دلیری سے اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ سب سے پہلے ”ڈان“ نے بڑی جرأت سے اِس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی پھر بنگال کے پریس نے اس کی تائید کی۔ پنجاب میں ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ اور بعض دیگر اخبارات نے بھی اپنا فرض ادا کیا۔ اُردو پریس

---

[1] روزنامہ الفضل یکم صلح ۱۳۳۲ ہش صـ۳،۴ ؎

کے ایک حصّہ کا رویّہ شروع میں ڈانواں ڈول تھا مگر بعد میں اس نے بھی دیانتداری کا ثبوت دیا گو افسوس ہے کہ مسلم لیگی پریس کے ایک حصّہ نے اِس موقعہ پر بہت بُرا نمونہ دکھایا۔ بہرحال جس قوم کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ بہت جلد پراپیگنڈا سے متأثر ہو جاتی ہے اس قوم کے پریس کا پراپیگنڈا کے مواد کو چھوڑ دینا ایک بہت امید افزا بات ہے۔

بھارت کا مسلم پریس دوسری خوشی مجھے یہ ہوئی کہ اِس موقعہ پر ہندوستان کے مسلم پریس نے بھی اِس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی حتّٰی کہ وہ اخبارات جو پہلے ہمارے دشمن تھے انہوں نے بھی بڑے زور سے ہماری تائید کی۔ ان میں سے ایک نے تو لکھا کہ اِس فتنہ کو دیکھ کر ہمارے سر ندامت سے جُھک جاتے ہیں اور ہم ہندوستان کے غیر مسلموں کے سامنے آنکھ اُٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ یہ ایک بہت نیک تبدیلی ہے۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے پھر ترقی کے مواقع پیدا کرے، انہیں ہر قسم کے ظلم سے بچائے، ان کے بڑھنے اور پھلنے پُھولنے کا سامان پیدا کرے اور ہندوستان میں اسلام کو پھر وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ عزّت حاصل ہو جو اسے پہلے وہاں حاصل تھی۔

منظّم بائیکاٹ کی تحریک فرمایا۔ اب اِس فتنہ نے ایک اَور پلٹا کھایا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے خلاف منظّم بائیکاٹ کی تحریک شروع کی گئی ہے لیکن اِس قسم کی چیزیں عارضی ہوتی ہیں جو انشاء اللہ بہت جلد خود ہی ختم ہو جائیں گی۔

بے بُنیاد الزامات کی مہم اَب آخری تدبیر کے طور پر ہمارے مخالفین نے سراسر جُھوٹے اور بے بُنیاد الزامات لگانے کی مہم شروع کی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے جُھوٹ بولنے میں جتنا کمال حاصل کر لیا ہے ہماری جماعت نے ابھی سچ بولنے میں اتنا کمال حاصل نہیں کیا۔ اگر سچ بولنے میں ہماری جماعت کمال حاصل کر لے تو یہ جھوٹا پراپیگنڈا ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔

حضور نے فرمایا (۱) مثلاً پہلا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ ہم نے فُرقان فورس کے ذریعے پاکستان کو سخت نقصان پہنچایا۔ مکمّل فوجی وردیاں اور بہت سے ہتھیار اور گولہ بارود وغیرہ حاصل کر کے ربوہ میں لے آئے۔ یہ الزام لگاتے ہوئے فوجی وردیوں اور گولہ بارُود کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اوّل

تو وہی اِس الزام کی تردید کے لئے کافی ہے کیونکہ بیان کردہ مقدار کبھی ایک بٹالین کو مل ہی نہیں سکتی دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے پاس فوجی حکّام کی باقاعدہ رسید موجود ہے کہ فرقان فورس نے جو ہتھیار اور وردیاں وغیرہ حاصل کیں وہ سب کی سب واپس دے دی گئیں اور کوئی چیز بھی ان کے پاس باقی نہیں رہی۔ ایسے الزام لگانے والوں کو علم ہی نہیں کہ فوج کا ایک خاص نظام ہوتا ہے اس میں ہر چیز کا ریکارڈ اور حساب ہوتا ہے۔ وہ کوئی احراریوں کا لیا ہوا چندہ نہیں ہوتا کہ جس کے پاس آیا اسی کی جیب میں چلا گیا۔

(۲) حکومت کا جو ملازم کسی الزام میں ملوّث ہو اُسے احمدی مشہور کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا احمدیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ احمدی غیر احمدی لڑکوں کو بھگا کر ربوہ لے آتے ہیں یہ الزام بھی صریحًا جھوٹ ہے چنانچہ حال ہی میں جب ایک اِسی قسم کا الزام لگایا گیا تو پولیس نے اس کی تحقیقات کی اور اسے بالکل بے بُنیاد پایا۔

(۴) احمدیت سے برگشتہ ہونے کی خبریں مشہور کر دی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر غلط ہوتی ہیں چنانچہ جن لوگوں کے متعلق ایسی خبریں شائع کی گئیں ان میں سے اکثر کو تو مَیں اِس وقت بھی اپنے سامنے بیٹھا ہؤا دیکھ رہا ہوں۔ بھلا ظلم و تشدّد اور جبر کے ساتھ بھی سچائی کسی کے دل سے نکلا کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس فتنے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت ثابت قدم رہی ہے۔ چند ایک کمزور لوگوں نے اگر تشدّد اور ظلم سے ڈر کر کمزوری دکھائی بھی تو بہت جلد اپنی حرکت پر وہ نادم ہوئے اور واپس آ گئے۔ اور اِس قسم کے کمزور لوگ تو ہر جماعت میں ہوتے ہی ہیں۔

(۵) کہا جاتا ہے کہ ہم نے چونکہ پُرانی کتابوں میں سے ایسے حوالوں کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر انبیاء کی ہتک کی گئی ہے لہذا ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کی ہے۔ حالانکہ اگر ہم نے صرف ان حوالوں کا ذکر کیا اور وہ قابلِ ضبط ہے تو وہ کتابیں کیوں نہیں قابلِ ضبط سمجھی جاتیں جن میں یہ ہتک کی گئی ہے؟ کیا صرف اِس لئے کہ وہ باتیں لکھنے والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں چوٹی کے عالم اور بزرگ سمجھے جاتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج بھی یہ کتابیں مسلمانوں کے دینی مدارس اور خود پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں؟ مگر

کوئی انہیں ضبط کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا ہم تو کہتے ہیں کہ بے شک الفضل کا وہ پرچہ ضبط کر لو جس میں ان کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے بشرطیکہ ان کتابوں کو بھی ضبط کرو تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت قائم ہو۔

دعاؤں کی خاص تحریک حضورؓ نے اِس فتنہ کے ازالہ کے لئے خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنے کی تحریک فرمائی۔ حضورؓ نے اِس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ احباب ۱۹۵۳ء کے شروع میں سات روزے رکھیں اور خاص طور پر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ملک میں فتنہ پھیلانے والوں اور ہم پر ظلم کرنے والوں کو سمجھ دے یا سزا دے اور ہمیں ان کے مظالم پر صبر کرنے کی توفیق دے اور اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ یہ سات روزے جنوری سے شروع کئے جائیں اور ہر سوموار کو رکھے جائیں جنوری میں یہ روزے ۵، ۱۲، ۱۹ اور ۲۶ تاریخ کو آئیں گے اور فروری میں ۲، ۹ اور ۱۶ تاریخ کو۔

عالمِ اسلام کے مسائل حضورؓ نے عالمِ اسلام کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مختلف ممالک میں مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں مثلاً ایران، مصر، انڈونیشیا، عراق اور اُردن کے سیاسی حالات میں نئی نئی تبدیلیاں اور اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں ٹیونس اور مراکو کے مسلمان آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی مدد ہم دعا اور احتجاج سے تو کرتے ہی رہتے ہیں مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جسکے متعلق ہماری حکومت کو بھی ضرور کوئی عملی کارروائی کرنی چاہیئے اور وہ ہے فلسطین میں یہودیوں کے اقتدار کا مسئلہ۔

مسئلۂ فلسطین یہود مسلمانوں کے شدید دشمن ہیں اور انہوں نے ایک ایسے ملک میں اپنی حکومت قائم کر لی ہے جو ہمارے مقدس ترین مقامات یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے۔ ان کے ارادے یقیناً بہت خطرناک ہیں اِس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ضرور مجموعی طور پر کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر تمام اسلامی ملک اِس خطرے کے ازالہ کے لئے اپنے اپنے بجٹ کا پانچ فیصدی بھی مخصوص کر دیں تو ایک اتنی بڑی رقم جمع ہو سکتی ہے جس سے ہم یہودیوں کی بڑھتی ہوئی شرارتوں کا عملاً سدِّباب کر سکتے ہیں۔ اِس مسئلہ

کی اہمیت کے متعلق مَیں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی اور اب پھر دلاتا ہوں مگر افسوس کہ اب تک مسلمانوں نے اس خطرے کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔

مسئلۂ کشمیر اسی طرح کشمیر کے علاقہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ موجودہ طریق سے یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا کشمیر کے متعلق پاکستان اور ہندوستان کی پوزیشن بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کا روپیہ گر جائے اور دوسرا اُسے اُٹھا کر اپنے قبضہ میں کرلے جس کا روپیہ گرا ہے اگر وہ محض صبر سے کام لیتا چلا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے کبھی روپیہ ملنے کی اُمید نہ کرنی چاہیئے۔ بہرحال دُعا کرو کہ اِس مسئلہ کو حل کرنے کا بھی کوئی صحیح راستہ حکومت کو نظر آئے اور پھر اس راستہ پر اسے عمل کرنے کی بھی توفیق ملے کیونکہ کشمیر کے بغیر پاکستان ہرگز محفوظ نہیں ہے یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ کوئی صحیح طریق اختیار کرے مگر وہ جو بھی راستہ تجویز کرے تمہیں اس پر عمل کرنے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہیئے۔[1]

تعلق باللہ کے موضوع پر ایمان افروز تقریر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اپنی آخری تقریر میں جو "تعلق باللہ" کے موضوع پر تھی تصوفِ اسلامی کے بہت سے باریک اور ضروری مسائل پر آسان اور دلنشین پیرایہ میں روشنی ڈالی اور مندرجہ ذیل دس ایسے ذرائع کی نشان دہی فرمائی جن سے انسان محبوبانِ الٰہی کے پاک گروہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے:۔

(۱) صفاتِ الٰہیہ کا وِرد (۲) صفاتِ الٰہیہ پر تدبّر (۳) خدمتِ خلق (۴) گناہ پر ندامت (۵) ضرورتِ دُعا کا احساس (۶) تدبیرِ کامل اور توکّلِ کامل (۷) انصاف پروری (۸) تقویٰ (۹) صفاتِ الٰہیہ کی عکاسی (۱۰) محبتِ الٰہی کے لئے دُعا۔

اِس پُرمعارف تقریر کے اختتام پر حضورؓ نے فرمایا:۔

سارے کاموں کا آخری انحصار دُعا پر ہے پس انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکے اور اس سے کہے کہ الٰہی تیرا وجود مخفی ہے، میری عقل سخت، ناقص اور نا تمام ہے مگر میرے دِل کے مخفی گوشوں میں تیرے وصال کی ایک نہ مٹنے والی خواہش پائی جاتی ہے۔ میرا دل تجھ سے ملنے کے لئے

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲ صلح ۱۳۳۲ ہش صـ۲۔

بیتاب ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تیری محبت کو حاصل کروں مگر اے میرے ربّ! میری کوششیں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتیں جب تک تیرے فضل میرے شاملِ حال نہ ہوں پس تُو اپنی محبت سے مجھے حصّہ عطا فرما اور مجھے اُن لوگوں میں شامل فرما جو تیرے محبّین کے پاک گروہ میں شامل ہیں۔" [1]

پریس میں ذکر

۱۳۳۱ ہش/ ۱۹۵۲ء کے اِس کامیاب جلسہ پر جن اخباروں نے تبصرہ شائع کیا ان میں "ہمارا کشمیر" (مظفر آباد) "تنظیم" (پشاور) اور "اِقدام" (لاہور) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اخبار "ہمارا کشمیر"

۱۔ اخبار "ہمارا کشمیر" نے ۱۰ر فروری ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر نہایت جلی عنوان کے ساتھ حسبِ ذیل خبر دی:۔

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعتِ احمدیہ نے مسلمانانِ عالم کو متوجہ کیا کہ فلسطین میں یہود کا اقتدار ہمارے مقدّس ترین مقامات کیلئے

ایک بہت بڑا خطرہ ہے

کشمیر کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بغیر پاکستان بالکل غیر محفوظ ہے

ربوہ۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پچاس ہزار کے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعتِ احمدیہ نے مسلمانانِ عالم کو متوجہ کرتے ہوئے بتایا کہ اسلامی ممالک کو فلسطین کے متعلق کوئی ٹھوس اور عملی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ آپ نے عالمِ اسلام کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا مختلف ممالک میں مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں مثلاً ایران، مصر، انڈونیشیا، عراق اور اُردن کے سیاسی حالات میں نئی نئی تبدیلیاں اور اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ٹیونس اور مراکو کے مسلمان آزادی کی جدّوجہد کر رہے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی مدد ہم دُعا اور احتجاج سے تو کرتے ہی رہتے ہیں مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق ہماری حکومت کو بھی ضرور کوئی عملی کارروائی کرنی چاہیئے اور وہ ہے فلسطین میں یہودیوں کے اقتدار کا مسئلہ۔ یہود مسلمانوں کے شدید دشمن ہیں اور انہوں نے ایک ایسے ملک میں حکومت قائم کر لی ہے جو ہمارے مقدّس ترین

[1] "تعلق باللہ" صفحہ ۱۲۳ ؏

مقامات یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے۔ ان کے ارادے یقیناً بہت خطرناک ہیں اس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ضرور مجموعی طور پر کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہیئے میں سمجھتا ہوں اگر تمام اسلامی ملک اِس خطرے کے ازالہ کے لئے اپنے بجٹ کا پانچ فیصدی بھی مخصوص کر دیں تو ایک اتنی بڑی رقم جمع ہوسکتی ہے جس سے ہم یہودیوں کی بڑھتی ہوئی شرارتوں کا عملاً سدِباب کر سکتے ہیں۔ اِس مسئلہ کی اہمیّت کے متعلق میں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی اور اب پھر دلاتا ہوں مگر افسوس کہ اب تک مسلمانوں نے اِس خطرے کی اہمیّت کو محسوس نہیں کیا۔ اِسی طرح کشمیر کے علاقہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا میں نہیں سمجھ سکتا کہ موجودہ طریق سے یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا؟ کشمیر کے متعلق پاکستان اور ہندوستان کی پوزیشن بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کا روپیہ گر جائے اور دوسرا اُسے اُٹھا کر اپنے قبضہ میں کرلے جس کا روپیہ گرا ہے اگر وہ محض صبر سے کام لیتا چلا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اُسے کبھی بھی روپیہ ملنے کی اُمید نہیں کرنی چاہیئے۔ بہرحال دُعا کرو کہ اِس مسئلہ کو حل کرنے کا بھی کوئی صحیح راستہ حکومت کو نظر آئے اور پھر اس راستے پر اسے عمل کرنے کی توفیق بھی ملے کیونکہ کشمیر کے بغیر پاکستان ہرگز محفوظ نہیں ہے۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ کوئی صحیح راستہ اختیار کرے مگر وہ جو بھی راستہ تجویز کرے تمہیں اُس پر عمل کرنے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہیئے۔ اِس سلسلہ میں آپ نے اپنی جماعت کے افراد کو تلقین کی کہ وہ موجودہ مشکلات کے ازالہ کے لئے سات روزے رکھیں اور خصوصیّت سے رات کو اُٹھ کر دُعا کریں۔ (نامہ نگار)“ [1]

اخبار ”تنظیم“ پشاور

۲۔ اخبار ”تنظیم“ پشاور (مورخہ ۸ جنوری ۱۹۵۳ء) نے ”احمدیوں کا سالانہ جلسہ“ کے زیرِ عنوان درج ذیل نوٹ لکھا:۔

”پاکستان کی جماعتِ احمدیہ کا ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء کو بمقام ربوہ ضلع جھنگ سالانہ جلسہ کے لئے اجتماع رہا۔ مردوں کی حاضری پچاس ہزار سے زائد اور شاملِ جلسہ ہونے والی مستورات کا اندازہ پندرہ ہزار کے قریب ہے۔ جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود کے صرف اِس اعلان پر کہ دسمبر کے آخری ایام میں سالانہ جلسہ ہے ستر اسّی ہزار نفوس کا ایک مرکز پر اکٹھا ہو جانا ایک بہت بڑا معجزہ اور پاک و ہند کی تاریخ میں بہت بڑا اجتماع ہے خصوصاً اِس لئے بھی کہ ایک عرصہ سے

---

[1] ”ہمارا کشمیر“ (مظفر آباد) ۱۰ فروری ۱۹۵۳ء صلے

احمدیت کے خلاف ملک کے طول و عرض میں غم و غصہ اور ہیجان پھیلایا جا رہا ہے کہ یہ کافروں کی جماعت ہے اور خارج از اسلام ٹولہ ہے۔ یہ تمام لوگ جو اس اجتماع میں شامل ہوئے سوائے دو تین ہزار تماشائیوں کے جن کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا وہ احمدیت کے متعلق کیا تاثرات لے کر آئے تھے باقی سارے لوگ یہ جانتے تھے کہ مرزا بشیر الدین محمود نے وہاں دولت کے خزانے تقسیم نہیں کرنے بلکہ اُلٹا سلسلہ کے بعض شعبوں کے لئے امداد کی اپیل ہی کریں گے۔ اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ ملک کی اکثریت پر انہیں بے دین ظاہر کیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے امام نے بیعت کے وقت کہا تھا کہ خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے ایک فعّال جماعت کا قیام مقصود ہے اور تمہیں دین کی خدمت کے لئے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی پیش کرنی پڑے گی۔ جب انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ دین کی خدمت کے لئے اپنے امام کی ہر آواز پر لبّیک کہیں گے، سفر کی صعوبتیں اور سینکڑوں روپیہ خرچ کر کے اپنے امام کا پیغام سُننے کے لئے ربوہ پہنچے جہاں انہیں اپنے امام نے یہی درس دیا کہ تابعداری کرو خدا کی اس کے رسُول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تمام دُنیاوی امور اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے قرآن کریم کو مشعلِ راہ بناؤ۔ قرآن پاک کو پڑھو اور اس پر عمل کرو، تقویٰ اختیار کرو اور تعلّق باللہ قائم کرو۔ جوں جوں تم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے جاؤ گے تم میں تقویٰ بڑھتا جائے گا اور تم صحیح معنوں میں اللہ والے یعنی مومن بن جاؤ گے تمہاری دُنیاوی مشکلات اور رکاوٹیں تمہارے راستہ سے دُور ہو جائیں گی۔ انہیں انکے امام نے کہا تمہیں یورپین ممالک کو اسلام کی آغوش میں لانا ہے مبلّغین ان حلقوں میں کام کر رہے ہیں اور یورپ اسلام کی اہمیّت سے آگاہ ہو چکا ہے۔ کام کی رفتار کو تیز کرنے اور ضروری لٹریچر کی فراہمی کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ دین کے لئے ہے۔ اور آپ کے لئے یہ کیا کم سعادت ہوگی کہ یورپ آپ کے ذریعہ مسلمان ہو جائے اور آپ دُنیا میں خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کرنے والی جماعت کہلاؤ۔ اور کہا جب تم خدا کے ہو اور خدا تمہارا ہے تو دُنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دُنیا کے ساتھ اپنے دین کو بھی سنوارو۔ یہ تھا مرزا بشیر الدین محمود کا اپنی جماعت سے خطاب۔ یہ تھا قادیان اور ربوہ سے متعلق لوگوں کا کُفر و شرک جو اجتماع میں دیکھنے اور سُننے میں آیا۔ (نامہ نگار خصوصی)" [1]

---

[1] بحوالہ "الفضل" (لاہور) مورخہ ۱۷ ارصلح ۱۳۳۲ ہش صث ۵

"اقدام" لاہور ۳۔ ہفت روزہ "اقدام" لاہور کے ۵ جنوری ۱۹۵۳ء کے پرچہ میں "احمدیوں کا اجتماع" کے عنوان سے حسبِ ذیل نوٹ چھپا:۔

"چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلے پر چناب کے کنارے کالے کالے مہیب پہاڑوں کے درمیان صاف ستھرے مکانوں کی ایک نئی بستی آباد ہو رہی ہے یہ بستی جماعتِ احمدیہ پاکستان کا مرکز ہے اور "ربوہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ہر چند کہ بستی تعمیر کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہی ہے پھر بھی اِس درجہ اہمیّت حاصل کر چکی ہے کہ اس کا اپنا ریلوے اسٹیشن، لاریوں کا اڈہ، پوسٹ آفس، پبلک کال آفس اور تارگھر بھی معرضِ وجود میں آچکا ہے۔ ہر سال دسمبر کے آخر میں یہاں جماعتِ احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے۔

پاکستان کے کونے کونے سے احمدی یہاں کھچے چلے آتے ہیں اور وہ چہل پہل ہوتی ہے کہ اِس خاموش بستی کے ذرّے ذرّے میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور کثرتِ اژدہام سے گرد و غبار کے بادل اُٹھ اُٹھ کر دُور دراز سے گذرنے والے راہگیروں کو اپنی طرف متوجّہ کئے بغیر نہیں رہتے۔

اِس مرتبہ جہاں ہزاروں احمدی عقیدۃً ربوہ میں آ جمع ہوئے تھے وہاں مجھ جیسا سیدھا سادا مسلمان بھی جا براجمان ہوا۔ میرا خیال تھا کہ انتہائی شدید مخالفت کے باعث اب اِس جماعت کے حوصلے پست ہو چکے ہوں گے اور اِس مرتبہ جلسہ پر وہ رونق نہیں ہو گی جو ہمیشہ سُننے میں آتی ہے لیکن مجمع دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب مَیں وہاں پہنچا تو جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد جلسہ کا افتتاح کرنے کے لئے جلسہ گاہ میں پہنچ چکے تھے اور اپنی تقریر کے ابتدائی فقرے زبان سے ادا فرما رہے تھے۔ جلسہ گاہ ہر قسم کے شان و شکوہ سے بالکل عاری تھی۔ ایک معمولی سی حد بندی کے وسیع احاطے میں خوش پوش لوگ ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لئے دریوں تک کا انتظام نہ تھا۔ مٹّی پر مٹّی ہی کے رنگ کی پرالی پھیلی ہوئی تھی جس پر مرزا صاحب کے ہزاروں مرید بے تکلّف بیٹھے ہمہ تن گوش بنے جلسہ سُن رہے تھے۔

البتہ اسٹیج پر جو جلسہ گاہ کی مناسبت سے اچھا خاصہ وسیع تھا دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ سٹیج اور پبلک کے درمیان آجکل کے "فیشن" کے مطابق کافی فاصلہ تھا جو غالباً حفاظت کے پیشِ نظر چھوڑا گیا تھا۔

مرزا صاحب نے آتے ہی کہا:۔

"یہ فاصلہ غیر ضروری طور پر زیادہ ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ایک حد تک حفاظت بھی ضروری ہے لیکن اصل محافظ خدا تعالیٰ ہے حفاظت کے ظاہری سامانوں پر اِس درجہ بھروسہ کرنا خدائی حفاظت کے احساس پر گراں گزرتا ہے اِس لئے اِس فاصلہ کو ختم کیا جائے۔ اور اگر دوسرے روز جلسہ شروع ہونے سے قبل اِس فاصلہ کو پاٹا نہ گیا تو مَیں تقریر نہیں کروں گا۔"

بس پھر کیا تھا مریدانِ باصفا اِس جُرأت مندانہ اعلان پر جھوم ہی تو اُٹھے اور چاروں طرف سے "امیر المومنین زندہ باد" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ وہ تو مرید تھے اِس لئے ان کا جھومنا لازمی تھا لیکن مرزا صاحب نے کچھ اِس دلیری سے یہ اعلان کیا کہ مَیں بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مرزا صاحب تو دُعا کے ساتھ جلسہ کا افتتاح کر کے واپس چلے گئے لیکن مجمع اپنی جگہ بیٹھا رہا مبلّغینِ اسلام کی تقریریں سُنتا اور سر دُھنتا رہا۔

اس روز تو بازار کی چہل پہل اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر مَیں لائلپور واپس چلا آیا دوسرے روز مرزا صاحب کی تقریر سے قبل مَیں پھر وہاں جا پہنچا مَیں نے دیکھا کہ واقعی اسٹیج اور سامعین کا درمیانی فاصلہ غائب تھا اور لوگ قریب قریب سٹیج سے لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب نے ساڑھے چار گھنٹے کی تقریر میں جماعتی تنظیم کے علاوہ ملکی اور عالمی سیاست کے ہر اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی اور بالخصوص احمدیت کے سر پھرے مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات کئے یا بقول مرزا صاحب جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں ان کے انہوں نے وہ بخئیے ادھیڑے کہ مجمع پر کیف کا عالم طاری ہو گیا اور سامعین کے چہروں پر ایسی بشاشت نظر آنے لگی کہ گویا مخالفتوں کے شور اور مشکلات کے پہاڑ اُٹھانے ان کے لئے اب پہلے سے بھی زیادہ آسان ہو گئے ہیں پھر بھی اپنی طویل تقریر کو دلچسپ بنانے کے لئے مرزا صاحب نے ساتھ کے ساتھ نہایت با موقعہ چٹ پٹے لطیفے بیان کئے کہ مجمع میں "اللہ اکبر" کے بلند نعروں کے علاوہ گاہے گاہے مُسکراہٹ اور ہلکی ہنسی کی خوش آئند آوازیں گونجتی رہیں۔ اِس تقریر کے بعد یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایثار و وفا کے یہ پُتلے اب پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور یہ کہ ان میں ایک نئی رُوح پھُونک دی گئی ہے۔

مَیں جس قدر بھی مجمع کی کیفیت کا مطالعہ کرتا تھا اسی قدر میرا یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ مولوی

کی مخالفت نے انہیں زیادہ راسخ العقیدہ بنا دیا ہے۔ یہ اپنے ارادوں میں اور زیادہ پختہ ہو گئے ہیں اور ان کے حوصلے نہ صرف بڑھے ہیں بلکہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

یہ نظارہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ہمارے بعض علماء جذباتی نعرے لگا کر اور کانفرنسیں منعقد کر کے اس قلیل سی جماعت کے لئے اور زیادہ متحد و منظم ہونے کے مواقع بہم پہنچا رہے ہیں۔

میرے دل نے کہا۔ اے کاش ہمارے یہ علماء جذباتی نعرے لگانے اور کانفرنسوں سے ہمارا لہو گرمانے کی بجائے ٹھوس بنیادوں پر اس جماعت کا مقابلہ کریں۔ لیکن ٹھوس بنیادوں پر مقابلہ حالی جی کا گھر نہیں اس کے لئے منفی قسم کی جدّوجہد کی بجائے خالص مثبت نوعیّت کے عمل کی ضرورت ہے۔

یعنی جو کام احمدی لوگ سرانجام دے رہے ہیں اسے ہم اور ہمارے مولوی صاحبان سرانجام دے رہے ہوں۔ ان کا ایک مشن قائم ہے تو اس کے مقابلہ میں ہمارے دس مشن ہونے چاہئیں جو ان کے تبلیغی کاروبار کو تہس نہس کر کے رکھ دیں لیکن اس کے لئے روپے سے زیادہ عزم و استقلال اور جذبۂ قربانی کی ضرورت ہے اور وہ ہم میں مفقود ہے۔ چندے کی اپیلیں بہت ہیں اور کام کی سبیل کوئی نہیں نعرے جتنے چاہو لگوا لو لیکن عمل کے نام پر میدان صاف ہے۔ اس قسم کے غلط جوش دکھانے میں ہر وقت شیر ہیں کہ جو احمدیوں کو زیادہ تقویّت پہنچانے کا باعث ہو اور دکھاوا کا کام دے کر انہیں ترقی کے امکانات سے اور زیادہ ہمکنار کر دے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

کیا ہمارے لئے یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم تبلیغ و اشاعت کا ایک وسیع منصوبہ تیار کریں اور اسے جامۂ عمل پہنا کر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیں جس پر احمدیوں نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا اجارہ قائم کر رکھا ہے۔

کیا کوئی اللہ کا بندہ ہمیں اس بے کار قسم کے جوش سے نجات دلا کر عمل و کردار کے مثبت تقاضوں سے آگاہ کرنے کا بیڑا اٹھانے کے لئے تیار ہے؟ اور اگر واقعی اس دل گردے اور قربانی و ایثار کے مجسّمے ہم میں موجود ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ موجود نہ ہوں تو پھر حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے میدان عمل میں احمدیت کو ناکام بنانا ہمارے لئے محض آسان ہی نہیں بلکہ انتہائی سہل ہے۔ ہمارے بعض مولویوں کی اندھی مخالفت اور لہو گرمانے کے موجودہ طریقے آجکل متمدن دُنیا میں مؤثر ثابت نہیں ہو سکتے ہاں احمدیوں کے لئے مہمیز کا کام ضرور دے سکتے ہیں کہ وہ اور زیادہ متحد و منظم ہو جائیں۔ [1]

---

[1] بحوالہ الفضل ۸ صلح ۱۳۳۲ ہش

فصل پنجم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء کا سب سے اندوہناک حادثہ حضرت سیدہ نصرت جہان بیگم اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کا انتقال ہے۔ حضرت سیدہ کے علاوہ بھی متعدد عظیم المرتبت صحابہ اِس سال جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے جن میں سے بعض مبارک ہستیوں کا ذکر اِس فصل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ چوہدری غلام قادر صاحبؓ متوطن سیالکوٹ :۔ (ولادت ۶۴-۱۸۶۳ء/۱۲۸۰ھ بیعت و زیارت ۱۹۰۲ء۔ وفات ۳۱ صلح ۱۳۳۱ہش/۳۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ کے ماموں زاد بھائی اور حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹیؓ کے برادرِ اکبر تھے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ہجرتِ قادیان کی اور مسجد مبارک کی چھت سے متصل کمرہ دارالمسیح میں رہنے لگے۔

اکتوبر ۱۹۰۵ء سے ۱۹۳۵ء تک تعلیم الاسلام ہائی سکول میں مددگار کارکن رہے۔ نظامِ الوصیت اور تحریک جدید کے مجاہدوں میں سے تھے۔ باوجود غربت کے حتّی الوسع حضرت مصلح موعودؓ کی ہر تحریک پر لبّیک کہا۔ منارۃ المسیح ہال کے لئے سو روپیہ چندہ دیا۔ تحریک وقف جائداد کی تعمیل میں اپنا مکان وقف کر دیا اور اُس کی قیمت بھی داخل خزانہ کر دی۔ تحریک جدید کا چندہ ہمیشہ شروع سال میں ہی ادا کر دیتے تھے۔ جوانی میں نماز کے بالکل تارک تھے مگر بیعت کے بعد آپ عابدِ شب بیدار بن گئے۔[1]

۲۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ ریحان بوتالوی :۔ (ولادت ۲۰ مئی ۱۸۸۱ء۔ بیعت ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء۔ وفات ۳ ماہِ ہجرت ۱۳۳۱ہش/مئی ۱۹۵۲ء)

---

[1] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲ تا صفحہ ۱۱۴، "اصحابِ احمد" جلد اوّل صفحہ ۲۰۲، صفحہ ۲۰۵ (از مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان، تالیف ۱۹۵۱ء)، "الفضل" ۷ تبلیغ ۱۳۳۱ہش صفحہ ۵

آپ کے والد ماجد مولوی محمد دین صاحب بوتالہ ضلع گوجرانوالہ کے خطیب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلی معتقد تھے[1] ۱۸۹۶ء کے اوائل میں حضرت اقدس علیہ السلام نے اُن کے پاس تعطیلِ جمعہ کا میموریل[2] مع فارم بھجوایا جس کو انہوں نے خطبہ جمعہ میں سُنایا اور حضور کی اِس خدمتِ اسلامی کی بہت تعریف کی۔

قبولِ احمدیت جنوری ۱۹۰۱ء میں آپ نے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے خلاف ایک اشتہار سُنا، مطالعہ سے معلوم ہوُا کہ کتاب ازالہ اوہام کی عبارتوں کا مفہوم بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ ابھی آپ تحقیقِ احمدیت کے اس ابتدائی مرحلہ ہی میں تھے کہ عوام نے مشہور کر دیا کہ آپ احمدی ہو گئے ہیں۔ چند روز بعد ایک اہلحدیث عالم نے علماءِ زمانہ کا مُہروں سے مصدّقہ فتویٰ سُنا کر گاؤں والوں سے آپ کا مقاطعہ کرا دیا اور آپ بوتالہ سے بھیرہ تشریف لے آئے۔

بائیکاٹ کا مقصد تو آپ کو حق سے محروم رکھنا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اسی کے دوران اپنے مہدئ برحق کی صداقت ایک رؤیا میں کھول دی اور آپ نے ۹ر فروری ۱۹۰۱ء کو بھیرہ سے بیعت کا خط لکھ دیا۔ ایک ہفتہ بعد الحکم ۱۷ر فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۸ پر آپ کا نام مبائعین کی فہرست میں چھپ گیا[3] اور حضرت پیر سراج الحق صاحب رضی اللہ عنہ نعمانی قادیانی کے ہاتھ سے لکھا ہوُا یہ خط بھی پہنچا کہ

"آپ کا بیعت نامہ حضرت کی خدمت میں سُنایا گیا۔ حضور نے بیعت کو منظور فرمایا ہے اور استغفار اور درُود شریف کی مداومت کا ارشاد فرمایا ہے"۔

خدماتِ دینیہ بھیرہ میں آپ نے بیعت کے بعد پٹوار کا امتحان پاس کیا۔ ۳ر فروری ۱۹۰۲ء کو چاوہ علقہ بھیرہ کے پٹواری بنے اور دوسرے مقامات کے علاوہ سوات میں بھی رہے اور پھر لمبے عرصہ تک سرگودھا میں تعینات کئے گئے اور ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو اہلمد کی اسامی سے ریٹائرڈ ہوئے۔ دورانِ ملازمت آپ قول و عمل سے پیغامِ احمدیت پھیلانے میں سرگرمِ عمل رہے۔ جماعتِ احمدیہ

---

[1] وفات ۷ار مارچ ۱۸۹۶ء۔ قبر بوتالہ کی خانقاہ کے احاطہ میں ہے۔

[2] تاریخ احمدیت جلد دوم ص۳۸۰، ص۳۸۱ میں اِس میموریل کا ذکر آچکا ہے۔

[3] اِس پرچہ میں آپ کا نام و پتہ یہ درج تھا" محمد عبد اللہ صاحب خوشنویس بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ گوجرانوالہ حال بھیرہ۔

سرگودھا کے مقامی نظام سے وابستہ ہو کر سالہا سال تک خدماتِ سلسلہ بجا لاتے رہے۔ تحریکِ جدید کے صفِ اوّل کے مجاہدین میں سے تھے پنشن کے بعد مطالبۂ تحریکِ جدید کے تحت اپنی زندگی وقف کی۔ وصیت کا نمبر ۲۹۲ تھا۔ سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر جمع کرنے اور خلفاءِ احمدیت اور بزرگانِ جماعت کی تحریرات محفوظ کرنے کا بہت شوق تھا اور ڈائری لکھنے کا التزام فرماتے تھے۔

آپ کے تین مخطوطات جو خوشنویسی کے نادر نمونے ہیں خلافت لائبریری میں محفوظ ہیں اور حضرت حکیم الملت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب فوز الکبیر اور فتح الخبیر اور "قصیدہ شاطبیہ" پر مشتمل ہیں اوّل الذکر دو قلمی نسخوں "فتح الخبیر" کی کتابت ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء کو شروع کی گئی اور ۹ اپریل ۱۹۱۲ء کو اختتام تک پہنچی۔ یہ قلمی نسخہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے حکم پر تیار کیا تھا جیسا کہ اس کے درج ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"الحمد للہ کہ رسالہ ہذا المسمّٰی بہ فتح الخبیر حسب الارشاد فیض بنیاد حضرت سیدنا و مولانا و مرشدنا خلیفۃ المسیح والمہدی حضرت حاجی حافظ مولوی نور الدین صاحب ادام اللہ فیوضہ وایدہ اللہ بنصرہٖ از دستِ ذرّہ بے مقدار خاکسار محمد عبد اللہ عفاہ اللہ ساکن بوتالہ ضلع گوجرانوالہ بتاریخ ۹ ماہِ اپریل ۱۹۱۲ء باتمام رسید ؎

ہر کہ خواند دعا طمع دارم

زانکہ من بندۂ گنہگارم" [1]

کتاب "قصیدہ شاطبیہ" کا مخطوطہ بھی جو ۲۵۱ صفحات پر مشتمل تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے ارشادِ مبارک پر لکھا گیا چنانچہ اختتام پر لکھتے ہیں:۔

"الحمد للہ والشکر للہ کہ کتاب مستطاب المسمّٰی بہ قصیدہ شاطبیہ حسب الارشاد فیض بنیاد سیدنا و مرشدنا و مولانا خلیفۃ المسیح حضرت مولوی نور الدین صاحب متّعنا اللہ بطولِ حیاتہٖ وایدہ اللہ بنصرہٖ از دستِ خاکسار احقر عباد اللہ محمد عبد اللہ عفاہ اللہ متوطن موضع بوتالہ جھنڈا سنگھ ضلع گوجرانوالہ حال منشی نہر علاقہ سرگودہ امروز بتاریخ ۲۱ ماہِ شعبان ۱۳۳۱ ہجری مطابق ۲۶ ماہِ جولائی ۱۹۱۳ عیسوی بمقام موضع سلطان پور لودن

---

[1] مخطوطہ صفحہ ۷۹۔

داخلی جلوال ضلع شاہ پور باختتام رسید گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت
کند بر حالِ ایں مسکیں دُعائے " [1]

وفات آپ نے حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی رحلت کے چند روز بعد وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت مصلح موعودؓ نے پڑھائی اور قبر پر اجتماعی دُعا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے کرائی۔ آپ حضرت اُمّ المومنین کے مزارِ مبارک کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ آپ پہلے صحابی تھے جنہیں بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے جانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ [2]

اولاد ۱۔ محترمہ امۃ الحمید بیگم صاحبہ (ولادت مارچ ۱۹۰۵ء) اہلیہ خان صاحب قاضی محمد رشید صاحبؓ سابق وکیل المال تحریکِ جدید (خوش دامن مکرم ابوالمنیر نور الحق صاحب مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین)

۲۔ مکرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور (ولادت ۳۱ مئی ۱۹۰۸ء) سابق انچارج تحریکِ جدید و پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح حال نائب ناظر بیت المال آمد۔ ربوہ۔

۳۔ محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ (ولادت ۱۹۱۲ء) اہلیہ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مبلغ بلادِ عربیہ حال ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد۔ ربوہ۔

۴۔ مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب (تاریخ ولادت ۲۲ فروری ۱۹۱۷ء) مبلغ ہالینڈ و انڈونیشیا۔

۵۔ مکرم عنایت اللہ صاحب سلیم (ولادت ۲۵/۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء) ریٹائرڈ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اریگیشن سیکرٹریٹ لاہور۔

---

[1] مخطوطہ صفحہ ۲۵۱ ✦ [2] ملخصاً از "اصحابِ احمد" جلد ہفتم صفحہ ۱۶۷ تا صفحہ ۲۱۸ (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے) سالِ طبع ۱۳۳۹ ہش / ۱۹۶۰ء۔ الفضل ۱۴ ہجرت ۱۳۳۱ ہش (خود نوشت حالات) الفضل ۲ ہجرت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲ (مضمون مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری)

۳۔ حضرت سردار محمد یوسف صاحب نو مسلم ایڈیٹر اخبار "نور"۔ ولادت اندازاً ۱۸۸۹ء۔ تحریری بیعت ۱۹۰۵ء۔ زیارت ۱۹۰۶ء۔[1] وفات ۵ ہجرت ۱۳۳۱ ہش / مئی ۱۹۵۲ء[2]

قبولِ اسلام کا واقعہ

پیدائشی نام سورن سنگھ اور وطن امرتسر تھا۔ کوئٹہ (بلوچستان) میں محکمہ بندوبست کے اہلکار تھے اور وہیں اسلام لائے اور دین کے شوق میں کشاں کشاں قادیان پہنچے۔ حضرت حکیم الامت حاجی الحرمین مولانا نور الدین (خلیفہ اوّل) نے آپ کو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اپنے مسلمان ہونے کے حالات عرض کئے اور گرنتھ صاحب وغیرہ سے کچھ اقوال اسلام کی تائید میں پڑھے جن کو حضورؑ نے دلچسپی سے سنا اور ارشاد فرمایا کہ ان کا لیکچر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مسجد اقصیٰ میں آپ کا پہلا پبلک لیکچر ہوا جو کامیاب رہا۔ آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ملازم ہوئے۔

حضرت مہدی موعود کی دعائیں

اگلے سال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "چشمہ معرفت" تصنیف فرمائی اس کے لئے سکھ مذہب سے متعلق مواد آپ کو بھی فراہم کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضورؑ نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا کہ میں آپ کے کام پر بہت خوش ہوا اور آپ کے لئے بہت دعائیں کیں۔[3]

لٹریچر

خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور مامور کی ان دعاؤں ہی کا اثر تھا کہ آپ عمر بھر سکھوں کو محبت اور پیار سے دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ نیز اخبار "نور" جیسے بلند پایہ ہفت روزہ کے علاوہ جسے آپ نے اکتوبر ۱۹۰۹ء میں جاری کیا اور جو تقسیم ہند تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا آپ کے قلم سے قابلِ قدر علمی لٹریچر شائع ہوا جس میں سے قرآن مجید کے گورمکھی اور ہندی تراجم اور سوانح حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جیون پتر) کے گورمکھی اور ہندی ایڈیشن کو خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی اس عظیم الشان اسلامی خدمت کے اعتراف میں اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد دکن، نواب صاحب بھوپال، اور مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے امداد دی۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ جب قادیان آئے تو آپ کے دفتر میں جا کر آپ سے ملاقات کی۔ اور بہت سے معزز ہندو اور سکھ دوستوں نے اپنے خطوط میں ان تصانیف

---

[1] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۱۹۷ ۔ [2] "الفضل" ۷ ہجرت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲ کالم ۲ ۔
[3] "روایاتِ صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۷، صفحہ ۱۹۸ ۔

پر عبار کبادی اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کو بھی خاصی شہرت حاصل ہوئی:۔

باوا نانک کا مذہب، دھرم کی کسوٹی، آریہ دھرم کا فوٹو، مسلمانوں کے احسانات سکھوں پر، قدیم ہندوستان کی رُوحانی تعلیم، گرو کی بانی، سومنگلا ناول، سکھ مسلم اتحاد، باوا نانک کی سوانح عمری، فتح مبین، سکھ اور مسلمان، آریہ مذہب کی حقیقت، برکاتِ اسلام، آریہ دھرم کا پول، ست اپدیشن، ردِّ تناسخ [1]

تقاریر اور مناظرے

آپ اسلام کے کامیاب مبلغ و مناظر تھے ہندوستان کی متعدد اسلامی انجمنوں نے آپ کو اپنے جلسوں میں تقریر کے لئے خاص طور پر مدعو کیا۔ شمالی ہند میں مسلمانوں کی قدیم انجمن — انجمن حمایتِ اسلام — کے پلیٹ فارم سے آپ کی کئی تقریریں ہوئیں اور پسند کی گئیں۔ ملک میں آپ کے کئی زبانی اور تحریری مناظرے ہندوؤں اور سکھوں سے ہوئے۔ اپنی شیریں زبانی سے مخالفینِ اسلام تک کے دِلوں کو موہ لیتے تھے [2]

غیر مسلموں کے تاثرات

باوجودیکہ آپ سکھوں سے مسلمان ہوئے اور تمام عمر سکھوں کو اسلام کی طرف بُلاتے رہے سکھ حلقوں میں بھی آپ کو خاص عزّت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور سکھ ودوانوں نے آپ کی وفات پر رنج وغم کا اظہار کیا چنانچہ اخبار "آتش" (جالندھر) نے ۱۰ رمئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"آپ نے قرآن شریف کا پنجابی میں ترجمہ کیا اور متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ اِس سے بڑھ کر قابلِ تعریف کام انہوں نے سکھ مسلم اتحاد کے لئے کیا"

۲۔ سردار جنگ بہادر صاحب ایڈیٹر اخبار "شیرِ پنجاب" (دہلی مورخہ ۲۲ر جون ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

" وہ اپنے اخبار نور کے ہر پرچہ میں سکھوں سے اُنس اور محبت کرتے رہے اور انہیں سکھ حلقوں میں محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ احمدیت کے وہ ایک عظیم الشان مبلغ اور پیرو کار تھے ... آپ نے قرآن

---

[1] اِن کتابوں کے نام جناب میاں عبد العظیم صاحب درویش و تاجر کتب قادیان کے رسالہ "وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ" میں بھی مذکور ہیں +

[2] الفضل ۱۳ ر ہجرت ۱۳۳۱ ہش صٓ (مضمون قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل رض)

کا پنجابی اور ہندی میں ترجمہ کیا اور بہت قابل اور دوست نواز انسان تھے۔ ان کا انتقال جماعت احمدیہ اور ان کے دوستوں کے لئے ایک افسوسناک سانحہ ہے"۔

۳۔ سردار ردیل سنگھ صاحب گیانی ہیڈ ماسٹر پرائمری سکول موضع رتن گڑھ ضلع انبالہ نے سکھ لٹریچر کے ممتاز سکالر گیانی عباد اللہ صاحب کو اپنی چٹھی مورخہ ۱۴ رمئی ۱۹۵۲ء میں تحریر کیا:۔

"سردار صاحب موصوف بہت بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ مَیں اُن کا دیدار نہ کر سکا لیکن اُن کے مضامین سے اُن کی رُوح کا بخوبی پتہ چل جاتا تھا۔ سکھ مسلم ایکتا اُن کی زندگی کا مقصد تھا۔ نہ صرف اخبار نویس وفات پا گیا ہے بلکہ سکھ مسلم ایکتا کا بڑا حامی اِس دُنیا سے کُوچ کر گیا ہے اور اس سے صحافت کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

... سردار صاحب موصوف اخبار نور کے متعدد پرچے ہندوستانی سکھوں میں مُفت تقسیم کرتے تھے ان کا مقصد سکھ مسلم اتحاد تھا۔ انہوں نے اسلام کی خوبیاں شائع کر کے غیر مسلموں خاص کر سکھوں میں اسلام کی بہت عزت بڑھائی ہے اِس طرح انہوں نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اور جہاں وہ اسلام کے بڑے خدمتگار تھے وہاں سکھ مسلم اتحاد کے بھی بڑے حامی تھے۔ قرآن شریف کا پنجابی ترجمہ کر کے انہوں نے قوم کی بڑی خدمت کی ہے"[1] (ترجمہ از گورمکھی)

۴۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ نو مسلم (سابق مہر سنگھ):۔ (ولادت اندازاً ۱۸۷۲ء۔ بیعت و زیارت دسمبر ۱۸۹۰ء۔ وفات ۴ر احسان ۱۳۳۱ ہش/جون ۱۹۵۲ء)

قبولِ اسلام حضرت ماسٹر صاحبؓ بھی ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ مجذوبانہ طور پر خدا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

دورِ تعلیم و ملازمت مسلمان ہونے کے بعد آپ نے حضرت حکیم الاُمت حاجی الحرمین مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کی سرپرستی اور کفالت میں پہلے جموں پھر بھیرہ میں دسویں تک تعلیم پائی اور ایف۔ اے کا امتحان پرائیویٹ طور پر قادیان دارالامان میں پاس کیا۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۰۰ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے اسٹاف میں بیس روپے مشاہرہ پر شامل ہو گئے اور ایک لمبے عرصہ تک ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات بجا لانے کے بعد ریٹائرڈ ہوئے۔

---

[1] الفضل ۱۳ر ظہور ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ (مضمون جناب گیانی عباد اللہ صاحب)

حضرت مہدیٔ موعودؑ کے عہدِ مبارک کی خدمات

شروع ۱۹۰۱ء میں آپ کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ علیہ السّلام کی مبشرّ اولاد کو تعلیم دینے کا موقعہ ملا۔ فرماتے ہیں :-

"جب حضورؑ فصیح و بلیغ عربی میں تفسیرِ قرآن علماء کے مقابلہ میں لکھ رہے تھے تو حضورؑ نے فرمایا کہ ان دنوں میں بچّوں کو پڑھا کر ہمارے گھر میں ہی سو جایا کرو چنانچہ اس موسمِ سرما میں دارِ مقدس میں شب باش (ہونے) کا فخر رکھتا ہوں۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۰۴ء کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"مَیں آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے خود نہیں پڑھ سکتا تھا ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب مجھے سُناتے جاتے تھے اور مَیں سُنتا تھا۔ اِس بات کو سترّہ سال کے قریب ہو گئے ہیں مگر اُس وقت کے مجھے فقرے کے فقرے ابھی تک یاد ہیں۔" [1]

۱۹۰۲ء و ۱۹۰۴ء کے دَوران جبکہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام دَورانِ مقدمات گورداسپور میں قیام فرما رہے آپ کو الدّار کی نگرانی اور پہرے کے انتظام کا شرف حاصل ہوُا حضرت اقدس علیہ السّلام نے انہی دنوں آپ کو مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا :-

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہٗ و نصلّی

محبّی اخویم ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب سلّمہ اللّٰہ تعالیٰ - السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ - آپ کے سب خطوط پہنچے جزاکم اللّٰہ خیراً۔ مگر میرے نزدیک سب پہرہ چوکی بے فائدہ ہے جب تک مسجد کے اندر اور بیت الفکر کے اندر دو تین آدمی نہ سلائے جائیں، سو یہ کوشش کریں کیونکہ گھر کے لوگ سب باہر کے دالان میں رہتے ہیں اور دالان خالی رہتا ہے بہت تاکید ہے۔ والسّلام خاکسار میرزا غلام احمد عفی عنہٗ۔"

حضرت ماسٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مَیں حضرت مسیح موعود کی ذریتِ طیّبہ کو نہ صرف اسکول میں بلکہ اندرونِ خانہ بھی تعلیم دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مَیں صُبح کے وقت حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو بیت الدعا میں کچھ پڑھا رہا تھا اور حضورؑ لوٹا لئے قضاءِ حاجت کے لئے بیت الدعا میں سے گزرے حضورؑ نے فرمایا کہ اِن بچّوں نے قوم کا سردار بننا

---

[1] الفضل ۳۰ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۹

ہے اِن کو بڑی محنت اور اخلاص سے پڑھایا کرو۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں تو اخلاص اور محبّت سے تعلیم دیا کرتا ہوں حضور میرے لئے اور میری اولاد کے لئے بھی دُعا کریں حضورؑ نے (پنجابی میں) فرمایا "جتنی کہو اُتنی ہی دُعا کراں گا"۔ یعنی جتنی کہو اتنی ہی دُعا کروں گا"۔

قلمی جہاد حضرت ماسٹر صاحب کے قلمی جہاد کا آغاز حضرت سُلطان القلم ہی کے عہدِ مُبارک میں ہوُا ۱۹۰۴ء میں آپ آشوبِ چشم سے بیمار ہو گئے۔ حضرت حکیم الاُمّت مولانا نورالدین صاحبؓ نے بینائی کے ضائع ہونے کا خطرہ ظاہر کیا تو آپ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے۔ حضورؑ نے فرمایا:۔

"مَیں نے کہا تھا کہ نومسلم سِلسلہ کے متعلق کچھ لکھیں آپ نے کچھ لکھا کہ نہیں؟" عرض کیا مَیں نے ارادہ کیا ہوُا ہے اور انشاء اللہ خوب لکھوں گا مگر اب آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اِس وقت نہیں لکھ سکتا۔ فرمایا "نیّت کرلو خدا توفیق دے گا اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ دُعا کریں گے آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی"۔ چنانچہ دو چار روز میں آنکھیں درست ہو گئیں اس کے بعد آپ نے ہزاروں صفحے مطالعہ کئے اور سینکڑوں صفحات پر مشتمل کتابیں لکھیں مگر آپ کی آنکھیں دوبارہ دُکھنے نہیں آئیں۔ آپ کے سوانح نگار ملک صلاح الدین صاحب نے اصحابِ احمد جلد ہفتم میں آپ کی متعدّد مختلف تصانیف اور پمفلٹوں کے نام لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے اشتہارات کے نمونے بھی درج کئے ہیں۔ آپ کی بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

خالصہ دھرم کے گروؤں کی تاریخ و باوا نانک کا مذہب۔ سکّھ نومسلم کا لیکچر۔ اسلام اور گرنتھ صاحب۔ باوا نانک کا چولہ۔ آنحضرتؐ کا دس کروڑ ہندوؤں پر احسان۔ اخلاقِ محمدی۔ حضرت مسیح موعود و علمائے زمانہ (تین حصّے)۔ ضرورتِ زمانہ۔ محمدٌ رسُول اللہ۔ مَیں مسلمان ہو گیا یا اختیار الاسلام (چار حصّوں میں مع ضمیمہ)۔

مؤخرّ الذکر کتاب حضرت مولانا نورالدینؓ کی تحریک پر لکھی گئی اور آپ نے اس پر یہ تبصرہ فرمایا کہ:۔

"مَیں اِس کتاب کو بہت پسند کرتا ہوں"

حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے یہ رائے دی کہ:۔

"ماسٹر عبدالرحمٰن نے نہایت جانگداز محنت اور دردمندی سے کتاب لکھی ہے اور ہماری

امیدوں سے کہیں بڑھ کر لکھی ہے اور فی الجملہ علی الجملہ بہنوں کے لئے ہدایت کا موجب ہو گی، انشاء اللہ۔[1]

آپ کا جوشِ تبلیغ انتہاء تک پہنچا ہوا تھا جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کار آمد کارکن ہیں۔ تبلیغ کا انہیں ایسا جوش ہے کہ بعض لوگوں کی نظروں میں جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ایسے آدمی سُست لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت مفید کام کرتے ہیں"۔[2]

جزائر میں تبلیغِ اسلام

۱۹۱۵ء میں آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے جزیرہ پورٹ بلیئر میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری کے لئے تشریف لے گئے جہاں آپ اپنے تعلیمی فرائض کو نہایت محنت و خلوص سے سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ والہانہ طریق سے تبلیغِ اسلام و احمدیت بھی کرتے رہے اور قریباً تینتیس ۳۳ نفوس پر مشتمل ایک جماعت پیدا کر لی۔ اسی دوران میں آپ حضرت خلیفہ ثانیؓ کے حکم سے بمبئی اور مدراس سے ہوتے ہوئے سیلون بھی تشریف لے گئے اور کولمبو، کانڈی جیسے اہم شہروں میں لیکچر دیئے اور لارڈ بشپوں اور بدھوں کو چیلنج دیا اور مباحثہ کیا جس کا سیلونی پریس میں خوب چرچا ہوا۔

قید و بند

۱۹۳۷ء میں پمفلٹ "حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کا دین دھرم" کی پاداش میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا، عدالت نے چھ ماہ قید کی سزا دی، ہتھکڑی پہنائی گئی تو آپ نے اس کو چُوم لیا جیسا کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

گر قضا را عاشقے گردد اسیر ❊ بوسد آں زنجیر را کز آشنا[3]

یعنی اگر قضائے الٰہی سے عاشق قید ہو جاتا ہے تو وہ زنجیر کو چُومتا ہے اِس لئے کہ وہ دوست کی طرف سے ہے۔

حضرت ماسٹر صاحبؓ نے جیل جاتے وقت نوجوانانِ احمدیت کو یہ پیغام دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کی جس صداقت کا اظہار

---

[1] "میں مسلمان ہو گیا" حصہ سوم صفحہ ۱۲۸ ❊ [2] الفضل ۲۲۔ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۷ ❊

[3] کتاب البریۃ (سرورق) ❊

فرمایا ہے اسے وہ دُنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ مجھے اِس صداقت کے اظہار میں جو سزا بھی دی جائے اسے بخوشی قبول کرنے کو تیار ہوں چنانچہ آپ نے ایّامِ اسیری کمال صبر و استقامت سے گذارے۔

مہدیٔ موعودؑ اور آپؑ کے صحابہ کی امتیازی خصوصیّت

قرآنِ مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی ایک بھاری خصوصیّت حسبِ ذیل آیت میں بتائی گئی ہے:-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

(یوسف : ۱۰۸)

(ترجمہ) تُو کہہ یہ میرا طریق ہے کہ مَیں اور میرے پیرو علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف بُلاتے ہیں۔

منہاجِ نبوت کے اِس قرآنی اُصول کے مطابق حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے بھی فرمایا:-

"ہم نے اُس خدا کی آواز سُنی اور اُس کے پُر زور بازو کے نشان دیکھے جس نے قرآن کو بھیجا۔ سو ہم یقین لائے کہ وہی سچّا خدا اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔ ہمارا دل اُس یقین سے ایسا پُر ہے جیسا کہ سمندر کی زمین پانی سے۔ سو ہم بصیرت کی راہ سے اِس دین اور اِس روشنی کی طرف ہر ایک کو بُلاتے ہیں۔" [۱]

اِس سلسلہ میں اسد اللہ الغالب حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انصارِ مہدی کی نسبت بالخصوص یہ پیشگوئی فرمائی:-

"لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا كُنُوْزٌ لَيْسَتْ مِنْ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ۔ وَلٰكِنْ بِهَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ عَرَفُوا اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ وَهُمْ اَنْصَارُ الْمَهْدِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔" [۲]

اللہ عزّ وجلّ کے ہاں سونا چاندی کے علاوہ اَور بھی خزانے ہیں اور وہ مومن مرد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ

---

[۱] کتاب البریّہ صفحہ ۶۵ (تاریخ اشاعت جنوری ۱۸۹۸ء) ؛ [۲] "کفایۃُ الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب" صفحہ ۴۹۱، صفحہ ۴۹۲ (مولّفہ الامام ابو عبد اللہ محمّد بن یوسف الشافعی مقتول ۶۵۸ھ) ناشر المطبعۃ الحیدریّہ النجف ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ؛

کا حقیقی عرفان حاصل ہے اور وہ مہدئ آخر الزمان کے انصار ہوں گے۔

اِس پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مہدئ موعود علیہ السّلام نے صحابہ کو یہ تلقین فرمائی کہ:۔

"ہماری جماعت جس نے مجھے پہچانا ہے، کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اِن نشانات کو باسی نہ ہونے دیں، اِس سے قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے۔ اِس لئے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ اِن نشانات کو پوشیدہ نہ رکھے اور جس نے دیکھے ہیں وہ ان کو بتلادے جو غائب ہیں، تاکہ بُرائیوں سے بچیں اور خدا پر تازہ ایمان پیدا کریں اور ان نشانات کو عمدہ براہین سے سجا سجا کر پیش کریں۔" [1]

صاحبِ کشف و الہام بزرگ

حضرت اقدس علیہ السّلام کے جن صحابہ کو اس حکم کی تعمیل کا زندگی بھر موقعہ میسّر آیا ان میں حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحبؓ نومسلم مہر سنگھ کا مقام بہت ممتاز ہے۔ آپ ۳۱۳ اصحاب کبار میں سے صاحبِ کشف و الہام اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے بعض نشانوں کے گواہ کی حیثیت سے آپ کا نام حضرت اقدس علیہ السّلام نے اپنے قلمِ مبارک سے لکھا ہے۔ آپ کی زندگی قبولیتِ دعا کے نشانوں سے لبریز تھی جن کو آپ اپنوں ہی میں نہیں غیر مسلموں میں بھی بڑی تحدّی سے پیش فرماتے تھے جیسا کہ اپنی کتاب "مَیں مسلمان ہو گیا" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مَیں اِس بات کو بیان کرنے سے شرم نہیں کرتا بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اقرار کرتا ہوں کہ محض خدا کے فضل و کرم سے بارہا مجھے بھی الہام ہوُا اور اُس ذاتِ پاک کی آواز سُنائی دی جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ مَیں اپنے کانوں سے اور رُوحانی قویٰ سے الہامات اور مکاشفات کو آزما چکا ہوں اِس لئے مجھے الہام وغیرہ سے انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ اپنے تئیں آگ میں ڈالنا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ درحقیقت جب انسان اپنا آپ خدا کے لئے قربان کر دے تو تعجّب مت کرو کہ اس سے خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ ہوتا ہے بلکہ تعجّب اِس میں ہے کہ اگر ایسی بھاری قربانی اور تبدیلی کے بعد بھی خدا کی آواز نہ سُنائی دے اور عجیب کرشمۂ قدرت اس سے ظہور پذیر نہ ہوں۔" [2]

سیّدنا المصلح الموعودؓ نے ایک خطبۂ جمعہ میں آپ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

"ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب جالندھری کی یہ عادت ہوُا کرتی تھی کہ ذرا کسی آریہ اور کسی مخالف سے

---

[1] الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۰ء (بحوالہ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد دوم صفحہ ۱۱۳، الناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ، اشاعت نبوت ۱۳۳۹ ہش/نومبر ۱۹۶۰ء)

[2] "مَیں مسلمان ہو گیا" حصہ اوّل صفحہ ۵۳

بات ہوئی تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی نقل میں بڑی دلیری سے کہہ دیتے کہ اگر تمہیں اسلام کی صداقت میں شبہ ہے تو آؤ اور مجھ سے شرط کر لو۔ اگر پندرہ دن کے اندر اندر مجھے کوئی الہام ہؤا اور وہ پُورا ہو گیا تو تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا اور پھر اشتہار لکھ کر اس کی دُکان پر لگا دیتے۔ چنانچہ کئی دفعہ انکا الہام پُورا ہو جاتا اور پھر وہ آریہ ان سے چھپتا پھرتا کہ اب میرے پیچھے پڑ جائیں گے اور کہیں گے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ تو اگر یہ نمونے قائم رہیں تو غیر مذاہب پر ہمیشہ کے لئے اسلام اور احمدیت کی فوقیت ثابت ہو سکتی ہے'' لہ

مالی جہاد میں حصّہ

حضرت ماسٹر عبدالرحمن صاحب رضی اللہ عنہ علمی اور تبلیغی خدمات بجا لانے کے علاوہ جماعت کے مالی جہاد میں بھی برابر شریک رہے۔ چنانچہ آپ نے تعمیر منارۃ المسیح کے لئے چندہ دیا۔ آپ ابتدائی موصیوں اور تحریکِ جدید کے اوّلین مجاہدوں میں سے تھے۔ آپ نے دار الفضل میں واقع سولہ مرلے کا ایک قیمتی قطعہ زمین بھی مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا۔

ہجرت اور اہل و عیال کو وصیّت

۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور بھلوال ضلع سرگودھا میں پناہ گزین ہوئے۔ ۸ ر ماہِ وفا ۱۳۲۹ ہش / جولائی ۱۹۵۰ء کو آپ نے اہل و عیال کے نام ایک وصیّت تحریر فرمائی جو صرف دینی اُمور سے تعلق رکھتی تھی۔ اِس وصیّت میں آپ نے تاکید فرمائی کہ اگر تم صحابہ کرام کی برکات سے حصّہ لینا چاہتے ہو تو ہماری طرح کشتی نوح کا مطالعہ کیا کرو۔ مَیں اب بھی سال میں دو ایک مرتبہ اِسے پڑھتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانۂ مبارک میں ہم کشتی نوح پڑھ پڑھ کر بعض ہدایات کو خط کشیدہ کر لیتے تھے اور ہفتہ بعد دیکھتے کہ وہ نقص دُور ہؤا یا خُوبی ہم میں پیدا ہوئی یا نہیں۔ اِسی طرح صحابہ کیا کرتے تھے اور مَیں خود تو اپنے بعض عیوب اور کوتاہیوں کو خط کشیدہ کر کے اصلاح کیا کرتا تھا اِسی لئے گھر میں اِس کتاب کا اور کبھی دوسری کتب حضرت اقدسؑ کا درس دیتا تھا۔ ماہِ اخاء ۱۳۲۹ ہش / اکتوبر ۱۹۵۰ء میں آپ نے اپنی اولاد کے لئے قیمتی نصائح تحریر فرمائیں جن میں بالخصوص اُن ادعیۂ رسُولؐ کا ذکر کیا جو اکثر آپ کے وردِ زباں رہتی تھیں۔ ۲ہ

لہ الفضل ۲۲ ر احسان ۱۳۳۵ ہش / جون ۱۹۵۶ء صا۴ ۔

۲ہ ملخص از "اصحابِ احمد" جلد ہفتم ص۳ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

اولاد (پہلی بیوی محترمہ غلام فاطمہ صاحبہؓ بنت حضرت خلیفہ نورالدین صاحب جمونی رضؓ سے)
۱۔ بشریٰ بیگم صاحبہ مرحومہ ۲۔ بشارت احمد مرحوم ۳۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مجاہد ایم سینیا حال لندن ۴۔ سردار بشیر احمد صاحب انجنیئر سابق صدر اسلامیہ پارک لاہور حال ربوہ ۵۔ سردار بشارت احمد صاحب لندن ۶۔ ڈاکٹر سعیدہ اختر صاحبہ کراچی ۷۔ ڈاکٹر محمودہ بیگم صاحبہ کراچی ۸۔ شریف احمد مرحوم ۹۔ امۃ الحفیظ بیگم مرحومہ ۱۰۔ امۃ الرشید بیگم صاحبہ۔

(دوسری بیوی محترمہ فضل بی بی صاحبہ بنت چوہدری پیر محمد صاحب اٹھوال سے)

۱۱۔ نصرت جہاں بیگم صاحبہ۔

(تیسری بیوی محترمہ ممتاز مرجان بیگم صاحبہ آف ہزارہ سے)

۱۲۔ سردار منیر احمد صاحب مقیم لندن ۱۳۔ سردار حفاظت احمد صاحب مقیم لاہور ۱۴۔ سردار رفیق احمد صاحب مقیم لاہور ۱۵۔ امۃ الرفیق بیگم صاحبہ مقیم لاہور۔ [1]

۵۔ حضرت سیّد محمد اشرف صاحبؓ آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان:۔

(ولادت اندازاً ۱۸۷۷ء۔ بیعت ۱۹۰۴ء۔ زیارت ۱۹۰۳ء [2]۔ وفات ۵ روفا ۱۳۳۱ ہش [3])

حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"مرحوم موصی تھے اس لئے کراچی میں بطور امانت دفن کئے گئے۔ ان کی طبیعت تیز تھی اور قریباً سب احمدی انہیں جانتے ہیں۔۔۔ وہ پرانے احمدی نہیں تھے لیکن اپنے اخلاق کی وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی اس رنگ میں گزاری کہ پرانے احمدی بن گئے۔۔۔ جب یہ احمدی ہوئے تو ان میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ ہر مجلس اور ہر کام میں حصہ لیتے تھے اس لئے لوگ انہیں پرانا احمدی سمجھنے لگے۔" [4]

اولاد ۱۔ سید محمد احمد شاہ صاحب ۲۔ سید محمد انور شاہ صاحب ۳۔ ممتاز بیگم صاحبہ ۴۔ آمنہ بیگم صاحبہ ۵۔ کلثوم آرا بیگم صاحبہ۔

---

[1] مکرم سردار بشیر احمد صاحب انجنیئر کی ایک یادداشت سے ماخوذ؛ [2] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۳۰ (شاہ صاحبؓ کی خود نوشت روایات)؛ [3] "لاہور ـــ تاریخ احمدیت" صفحہ ۳۳۲ (مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ سابق سوداگرمل۔ طبع اول ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء وطن پرنٹنگ پریس لاہور)؛ [4] الفضل ۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵؛

۶۔ حضرت منشی کرم علی صاحبؓ کاتب :۔ (ولادت ؟ ۔بیعت وزیارت ۱۸۹۷ء وفات ۱۵ ر فتح ۱۳۳۱ ہش)

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؓ آپ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان فرماتے ہیں :۔

"ایک وقت تھا کہ قادیان میں نہ کوئی پریس تھا نہ کاتب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے مسودات طبع کرانے کے لئے امرتسر جانا پڑتا یا بعض اوقات پاپیادہ ہی چل پڑتے۔ اِس قسم کی دِقتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آخر قادیان پریس دستی قائم ہو گیا۔ ابتداء میں حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ اور حضرت پیر منظور محمد صاحبان کتابت کی خدمات بجا لاتے۔ اور امرتسری[1] کاتب بھی۔ اسی سلسلہ میں منشی کرم علی صاحب بھی آپہنچے اور قادیان کے ہو رہے۔ غیر احمدی کاتب اوّل تو آتے ہی نہ تھے پھر باوجود ڈبل اُجرت اور کھانے وغیرہ کی امداد کے ٹھہرتے نہیں تھے۔ منشی کرم علی صاحب کا خط بہت شستہ تھا۔ ریویو آف ریلیجنز اُردو کی کتابت وہی کرتے تھے۔ خطِ معکوس میں بھی ان کو قابلِ تعریف دسترس حاصل تھی جس سے سنگسازی کی مشکلات حل ہو گئیں۔ مَیں نے دیکھا کہ حقیقۃ الوحی چھپ رہی تھی چھاپنے والے مرزا اسمٰعیل بیگؓ تھے جو حضورؑ کے بچپن کے خادم تھے۔ پروف حضورؑ نے جو ملاحظہ فرما کر واپس بھیجا تو قریباً آدھا صفحہ عبارت بڑھا دی۔ منشی صاحب نے بلا تکلف پتھر پر اُلٹا لکھا چنانچہ جس خوبی سے یہ کام کیا گیا حقیقۃ الوحی طبع اوّل کے صفحات سے فنی واقفیت والے دیکھ کر داد دے سکتے ہیں۔ پھر حضورؑ کا منشاء تھا کہ چراغ الدین جمونی وغیرہ کی تحریروں کا عکس چھپے۔ لاہور سے فوٹو کرانے میں کئی دِقتیں تھیں، جلدی بھی تھی۔ منشی صاحبؓ نے باریک کاغذ کاپی کے طور پر رنگ کرائے۔ اصل تحریر پر رکھ کر عکس لے لیا اور یوں بلا خرچ بہت جلد یہ کام بھی ہو گیا۔[2] منشی صاحب نے اپنے کئی شاگرد بھی تیار کئے۔ بالخصوص منشی محمد حسین صاحب کاتب بدر جو آخری دم تک بدر اور الفضل لکھتے رہے اور سنگسازی بھی کرتے رہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جب ریویو اُردو کا چارج مجھے دیا گیا تو منشی صاحبؓ کی نظر کمزور ہو چکی تھی اور ہاتھ مضبوط نہیں رہا تھا

---

[1] منشی غلام محمد صاحبؓ امرتسری مراد ہیں ۔

[2] حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی سوانح عمری " مرقاۃ الیقین فی حیات نور الدین (مولفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی) کی کتابت بھی آپ ہی نے کی تھی ۔

لیں لئے جب ان کو معلوم ہوا کہ میں کتابت کا کچھ اور انتظام کرنا چاہتا ہوں تو وہ بیرونی محلہ سے جہاں ایک معمولی سا مکان بنا لیا تھا دفتر میں آئے اور پاس بیٹھ کر مجھے کہا میری طرف دیکھئے اور میری گزارش سُنئے۔ میں نے بچشمِ پُرآب آپ سے یہ خواہش سُنکر کہ ریویو کو میں نے ہی لکھنا شروع کیا تھا اب چند روز کی بات ہے یہ شرف مجھ سے نہ لیا جائے۔ انہیں تسلّی دلائی کہ آپ ہی اسے لکھا کریں گے۔ چنانچہ وہی لکھتے رہے جب تک کہ لکھ سکے۔" [1]

۷۔ حضرت سیّد محمود اللہ شاہ صاحبؓ :- (ولادت دسمبر ۱۹۰۰ء - وفات ۱۶ فتح ۱۳۳۱ہش / دسمبر ۱۹۵۲ء)

ابتدائی حالات حضرت مہدی علیہ السّلام کے جلیل القدر صحابی حضرت سیّد عبدالستار شاہ صاحبؓ کے فرزند اور حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے بھائی تھے۔ آٹھ برس کی عمر میں قرآن عظیم حفظ کیا۔ بچپن ہی سے بہت سنجیدہ اور متین تھے۔ ۱۹۱۷ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک کیا اور بی۔ اے کا امتحان اسلامیہ کالج لاہور سے پاس کر کے ریلوے انجنیئرنگ کی فنّی تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ پھر وطن آکر علی گڑھ سے بی ٹی کا امتحان پاس کیا اور بی ٹی کرنے کے بعد آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں ٹیچر مقرر کئے گئے۔

نیروبی میں جماعتی خدمات ۱۹۲۹ء میں نیروبی کے محکمۂ تعلیم نے آپ کی خدمات حاصل کر لیں اور آپ مشرقی افریقہ میں قریباً پندرہ سال تک رہے جہاں اپنے اور بیگانے سب آپ کا غایت درجہ عزّت واحترام کرتے تھے۔ کئی افریقن مجالس کے رُکن اور بعض کے صدر بنائے گئے۔ نیروبی میں اُن دنوں میکملن (MACHMILON) لائبریری شہر کے وسط میں تھی میکملن نے کئی ہزار پاؤنڈ اِس لائبریری پر خرچ کئے اور اسے ایک بورڈ کے سپرد کیا اور وصیّت کی کہ یورپین کے علاوہ دوسروں کو اِس سے استفادہ ممنوع ہو لیکن حضرت شاہ صاحبؓ واحد ایشیائی تھے جنہیں لائبریرین نے کسی درخواست اور مطالبہ کے بغیر اس سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دے رکھی تھی۔[2] حضرت شاہ صاحبؓ کا نام مشرقی افریقہ کی احمدیہ تاریخ میں ہمیشہ جلی حروف سے لکھا جائے گا۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۱۱ صلح ۱۳۳۲ہش / جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۵

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان سال ۱۹۳۴ء - ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۷

آپ نے سید معراج الدین صاحب پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ نیروبی اور دیگر مخلصینِ جماعت کے تعاون سے چار سال کے اندر جماعت میں زندگی کی ایسی رُوح پھونک دی کہ جماعتِ نیروبی نے مرکز سے درخواست کی کہ وہ اپنے خرچ پر چھ ماہ کے لئے مبلغ منگوانا چاہتی ہے اِس پر مولانا شیخ مبارک احمد صاحب فاضل ۱۱ نومبر ۱۹۳۴ء کو قادیان سے مشرقی افریقہ تشریف لے گئے اور اِس ملک میں پہلے احمدیہ مُسلم مِشن کی بُنیاد رکھی۔[1]

قیامِ مِشن کے بعد بھی آپ کی دینی خدمات کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ درسِ قرآن، پبلک تقاریر اور انفرادی تبلیغ میں ہمیشہ ذوق و شوق سے حصّہ لیتے تھے اور تبلیغ فنڈ کا مقامی چندہ بھی باقاعدگی سے دیا کرتے تھے۔[2]

آپ مشرقی افریقہ میں قریبًا پندرہ سال تک قیام فرما رہے اور بالآخر ۱۱ ماہ اخاء ۱۳۲۳ ہش / اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قادیان تشریف لے آئے۔[3]

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے ارشاد پر آپ کو قادیان پہنچنے کے چند روز بعد تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کے فرائض سونپے گئے۔ اِس نئے عہدہ کے سنبھالنے کی اطلاع اخبار الفضل نے اپنے ۲۹ اخاء ۱۳۲۳ ہش کے شمارہ میں صفحہ اوّل پر زیرِ عنوان "مدینۃ المسیح" شائع کی۔

یہ مرکزی ادارہ اپنی پہلی عالیشان عمارت سے منتقل ہونے کے بعد کسمپرسی کی حالت میں تھا لیکن آپ نے حُسنِ تدبیر، معاملہ فہمی اور محنت و استقلال سے بہت جلد سکول کا ظاہری، اخلاقی اور تعلیمی نقشہ ہی بدل دیا اور عمدہ نتائج پیدا ہونے لگے۔

آپ نے ابتداء میں سکول کے نظامِ عمل میں متعدّد اصلاحات کیں اور مندرجہ ذیل امور کی طرف خاص طور پر توجّہ دی۔

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان سال ۳۴-۱۹۳۳ء - ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۱ (تفصیل تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۲۵۴، پر آ چکی ہے)۔ [2] رپورٹ ہائے سالانہ صدر انجمن احمدیہ (سال ۱۹۳۴-۱۹۳۵) صفحہ ۵۸، صفحہ ۶۰، صفحہ ۷۳، صفحہ ۷۴۔ (سال ۱۹۳۵-۱۹۳۶ء) صفحہ ۴۵۔ (سال ۱۹۳۶-۱۹۳۷ء) صفحہ ۶۹۔ (سال ۱۹۳۷-۱۹۳۸ء) صفحہ ۱۱۸، صفحہ ۱۱۹۔ (سال ۱۹۳۸-۱۹۳۹ء) صفحہ ۱۰۹ (سال ۱۹۴۰-۱۹۴۱ء) صفحہ ۳۴۔ [3] الفضل ۱۳ اخاء ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۱

۱۔ اساتذہ اور طلبہ کا اُردو زبان میں گفتگو کرنا ضروری قرار دیا۔

۲۔ ہر صبح اساتذہ اور طلباء کی اسمبلی میں تلاوتِ قرآنِ پاک کے بعد طلباء کو عربی دعائیں کہلوائی جاتی تھیں اور پھر مناسب ہدایات دی جاتی تھیں۔

۳۔ پرفیکٹ سسٹم[1] جاری کیا جس کے مطابق ہر کلاس کے نمائندوں کو سکول کے انتظام اور صفائی میں مدد دینے کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔

۴۔ اساتذہ کرام سکول کھلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے باری باری تشریف لاتے اور صفائی اور دیگر امور کی نگرانی فرماتے تھے۔

۵۔ سیکنڈری حصّہ کے طلباء کو چار ایوانوں (HOUSES) میں تقسیم کیا گیا جن کے نام یہ تھے: حمزہ ہاؤس، طارق ہاؤس، خالد ہاؤس، اسامہ ہاؤس۔ ہر ایوان باری باری ایک ہفتہ کے لئے سکول کی صفائی کا نگران ہوتا تھا۔ اسی طریق کے ماتحت انٹر ہاؤس ٹورنامنٹ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

۶۔ سکول میں حضرت مصلح موعودؓ کی نئی جاری فرمودہ تحریکات میں سے تراجم قرآن فنڈ اور وقفِ زندگی کو مقبول بنانے کی بہت جدّوجہد کی گئی جس کے نتیجہ میں اِس مالی جہاد کے لئے ایک معقول رقم جمع ہوئی اور بہت سے طلبہ نے اپنی زندگیاں خدمتِ اسلام کے لئے اپنے پیارے آقا کے حضور پیش کیں[2]

۱۹۴۷ء میں ہندوستان فسادات کی لپیٹ میں آگیا اور سلسلہ احمدیہ کے دوسرے مرکزی تعلیمی اداروں کی طرح تعلیم الاسلام ہائی سکول کو بھی چنیوٹ ضلع جھنگ (پاکستان) میں از سرِ نو جاری کرنا پڑا۔ مارچ ۱۹۵۲ء میں اسے ربوہ میں منتقل کر دیا گیا۔ سکول کی نشأۃِ ثانیہ کے یہ ابتدائی پانچ سال بہت کٹھن اور صبر آزما تھے جس میں حضرت شاہ صاحب اور آپ کی زیرِ نگرانی سکول کے اساتذہ کو انتھک محنت اور جدّوجہد کرنا پڑی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے خلیفہ موعود کی دُعاؤں کے طفیل اسٹاف کی کوششوں میں یہاں تک برکت ڈالی کہ مئی ۱۹۵۲ء میں سکول کے ایک طالبِ علم منور احمد صاحب میٹرک کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل رہے۔ سعید احمد خاں صاحب رحمانی، برکات الٰہی صاحب

---

[1] PREFECT SYSTEM.

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ سال ۱۹۴۴-۱۹۴۵ء صفحہ ۶۵-۶۶۔

اور عبد الغفور صاحب نے یونیورسٹی میں بالترتیب تیسری، چھٹی اور ساتویں پوزیشن حاصل کی[1]

اِس شاندار نتیجہ پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"انگریزی تعلیمی اداروں میں سے تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ پہلا ادارہ ہے جس نے ایک ایسا ریکارڈ قائم کر دیا ہے جو گذشتہ پچاس سال سے جب سے سکول قائم ہوا ہے قائم نہ ہو سکا۔۔۔۔ احمدی بچوں کا اوّل، سوم، ششم اور ہفتم آنا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے اور اِس بات کا ثبوت ہے کہ اگر ہمارے بچے پروگرام کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کریں تو تعلیمی میدان میں بازی لے جا سکتے ہیں۔"[2]

شاہ صاحب کے دَور میں ملتان ڈویژن کے انسپکٹر آف سکولز سکول میں تشریف لائے اور اِس ادارہ کے بلند معیارِ علمی سے بہت متأثر ہوئے اور ریمارکس دئے کہ ہمارے نزدیک یہ سکول ایک مثالی سکول ہے جس میں بچّوں کی صحیح اور اسلامی رنگ میں تربیت کی جاتی ہے اور اس کے اساتذہ بھی محنتی اور فرض شناس ہیں۔[3]

تعلیم الاسلام ہائی سکول نے حضرت شاہ صاحبؓ کے عہد میں تعلیمی رنگ میں ہی نہیں اخلاقی اور دینی اعتبار سے بھی بہت ترقی کی۔ سکول میں فوجی ٹریننگ اور طلبہ کی طبّی امداد کے انتظامات ہوئے، ادبی اور علمی مجالس معرضِ وجود میں آئیں۔ بزرگانِ سلسلہ کی تقاریر کے علاوہ بیرونی ممالک سے آنے اور جانے والے مجاہدینِ احمدیت کے اعزاز میں تقاریب منعقد کی گئیں جن سے تحریکِ احمدیت کے بارہ میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہؤا اور قوم کے نونہالوں کو ایک پاکیزہ اور خالص اسلامی ماحول میں پروان چڑھنے کے مواقع میسّر آئے۔

آپ کے دَور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ سر پر ٹوپی رکھنا اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا طلبہ کا قومی شعار بن گیا تھا۔[4]

---

[1] الفضل ۱۷ ہجرت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۸، رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء صفحہ ۴۳، صفحہ ۴۴۔

[2] حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۵ ماہ ہجرت ۱۳۳۱ ہش/مئی ۱۹۵۲ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ایک ٹی پارٹی میں خطاب کیا۔ مندرجہ بالا الفاظ حضور نے اسی تقریب پر ارشاد فرمائے تھے (الفضل یکم احسان ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۴)

[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ سال ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء صفحہ ۴۳، صفحہ ۴۴۔

[4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ سال ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء صفحہ ۴۴، صفحہ ۴۵۔

انتظامی اور تدریسی کارناموں پر ایک نظر مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جمونی بی۔ اے (حال مبلغ امریکہ) نے آپ کی وفات پر آپ کے آٹھ سالہ کامیاب تدریسی دور کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔

"محترم سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ نے اکتوبر ۱۹۴۴ء[1] میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ایسے وقت میں چارج لیا جبکہ سکول کے سٹاف میں وہ یگانگت اور ہم آہنگی موجود نہ تھی جو ہمارے مرکزی سکول کا طرۂ امتیاز ہونی چاہیئے تعلیمی حالت اگر ناگفتہ بہ نہیں تو معیار سے گری ہوئی ضرور تھی۔ اساتذہ کو آپس میں مربوط کرنا، ان کی صلاحیتوں کو خالصۃً سکول کے لئے مخصوص کرنا، سکول کی گرتی ہوئی تعلیمی حالت کو سنبھالنا، سلسلہ سے طلباء اور اساتذہ کو کماحقہٗ وابستہ رکھنا، قوم کا ایک مفید اور کارآمد وجود بنانا اور اغیار کی نظروں میں باوقار بنانا یہ وہ امور تھے جن کی تکمیل کے لئے محترم سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ کا تقرر عمل میں لایا گیا اور اس سلسلہ میں محیّر العقول کامیابی آپ کو حاصل ہوئی۔ اس سات سال کے مختصر عرصہ میں آپ نے سکول کو جس قدر بلندی اور کمال تک پہنچا دیا وہ آپ کی خداداد قابلیت پر دال ہے۔ اسی پرانے سٹاف سے کام لے کر آپ نے سکول کو اس قدر اجاگر کیا کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا سکول پنجاب کے چوٹی کے سکولوں میں شمار ہوتا ہے بلکہ مقدار، فیصدی اور کیفیت کے لحاظ سے اپنے آپ کو بہترین ثابت کر چکا ہے۔ ننانوے فیصدی نتیجہ دکھلانا اور یونیورسٹی میں پہلے سات طلباء میں سے چار طلباء پیدا کر دینا آپ کی ہی اعلیٰ نگرانی اور خداداد قابلیت کا نتیجہ ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سکول میں کام کرتے ۲۳ سال ہو چکے ہیں۔ میرے سارے عرصۂ ملازمت میں افسرانِ تعلیم نے سکول کے متعلق ایسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا جس کا انہوں نے گذشتہ سال زبانی اپنی تقریروں میں اور تحریراً لاگ بک میں کیا اور یہ شاہ صاحبؓ کی مساعی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے"۔[2]

"ہجرت کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے جب ہم چنیوٹ میں آئے تو اساتذہ اور طلباء کی مجموعی تعداد صرف ۴۳ تھی ادھر اُدھر سے احمدی طلباء ملا کر ہم نے چنیوٹ میں سکول کو ۱۵ کی تعداد سے شروع کیا تھا جس میں اساتذہ بھی شامل تھے۔ ابتداء میں جس طرح خندہ پیشانی سے آپ نے

---

[1] یہاں سہواً نومبر ۱۹۴۵ء لکھا گیا تھا۔

[2] روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۴ فتح ۱۳۳۱ ہش/ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔

بے سروسامانی اور مشکلات کا مقابلہ کیا اور احباب اور طلباء کی رہبری فرمائی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ چنیوٹ میں ہمارے قدم جم گئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے سکول نے چنیوٹ کے پرانے سکولوں سے بھی زیادہ ناموری اور عزّت حاصل کر لی اور آپ کے حُسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر غیر احمدی افسران اور معززین نے اپنے بچّوں کو ہمارے سکول میں داخل کروا دیا اور یہ سلسلہ آج تک ربوہ میں بھی قائم ہے۔ غیروں میں مقبول ہو جانا اور ان پر اپنے اخلاق کا سکّہ بٹھا دینا شاہ صاحبؓ کا ہی خاصہ تھا۔ انسان کی زندگی کے بعد تو اخلاق کا تقاضا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ ہم ہر انسان کو اچھا ہی سمجھیں اور صرف اس کی خوبیوں کا ہی تذکرہ کریں اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے لیکن شاہ صاحبؓ کا وجود ایسا تھا کہ اپنے اور غیر سبھی آپ کی زندگی میں ہی آپ کے مدّاح تھے چنانچہ چنیوٹ کے غیر احمدی بھی جن کو آپ سے ملنے کا اتّفاق ہوا آپ کی تعریف میں رطب اللّسان تھے اور آپ کی زندگی میں ہی آپ سے نہایت تواضع اور محبّت سے ملتے تھے چنانچہ چوہدری عبدالرحیم صاحب کلرک[1] نے ذکر کیا کہ وہ ایک روز ایک کام کے سلسلہ میں چنیوٹ تحصیل میں گئے آپؓ کا ذکرِ خیر آیا تو وہاں کے خزانچی صاحب نے اپنے ایک غیر احمدی ساتھی سے کہا کہ یہ شاہ صاحب کی بات ہے۔ اس نے پوچھا کونسے شاہ صاحب! ان صاحب نے تعجب سے کہا سیّد محمود اللہ شاہ صاحب! آپ ان کو بھی نہیں جانتے وہ تو فرشتہ ہیں فرشتہ!!

الغرض کوئی شخص خواہ جماعت اور سلسلہ کا کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو آپ کے اخلاق اور اخلاص کا معترف بلکہ مدّاح تھا اور سلسلہ کی اِس طرح بلکہ بلا واسطہ تبلیغ جس خوبی اور احسن طور پر آپ کے وجود سے ہوئی اس کا اجر ہمیشہ آپ کو ملتا رہے گا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ بہت خوش گفتار اور جہاندیدہ تھے۔ ہر مجلس پر چھا جاتے محکمہ تعلیم کے انسپکٹر اور دیگر افسران جن سے تعلیم والے عام طور پر مرعوب ہوتے ہیں وہ خود شاہ صاحب کی مجلس میں بجائے باتیں سنانے اور مجلس پر چھانے کے ان کی طرف توجّہ کرتے اور ان سے باتیں سننے پر مجبور ہوتے۔ ایک دفعہ متّحدہ پنجاب کے زمانہ میں صوبہ کے ہیڈ ماسٹروں کی لدھیانہ میں ایک کانفرنس ہوئی آپ بھی اس میں شامل ہوئے محترم میاں عبدالحکیم صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول لاہور آپ کو طالبِ علمی کے زمانہ سے ہی جانتے تھے، باوجود غیر از جماعت ہونے (کے) آپ کو دیکھتے ہی صدارت کے لئے آپ کا نام

---

[1] اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور دار الصدر شرقی ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

تجویز کر دیا اور دوسروں نے تائید کی۔ آپ کی اسی لیاقت اور ہر دلعزیزی کا ہی نتیجہ تھا کہ اس ایسوسی ایشن کا اگلا اجلاس قادیان میں ہی منعقد ہوا اور صوبہ بھر کے ہیڈ ماسٹر اس میں شریک ہوئے اور سلسلہ کے مرکز اور اس کے عہدیداروں سے متعارف ہوئے۔[1]

باوجود اس کے طبیعت میں اِس قدر استغنیٰ اور بے نفسی تھی کہ کسی عہدہ یا اعزاز کو قطعاً قبول نہ کرتے جب تک کہ خود دُعا کر کے آپ کو اِس بات کا یقین نہ ہو جاتا کہ اِس میں سلسلہ کی بہتری ہو گی۔"[2]

اولاد

۱۔ سیّدہ رفیعہ بیگم صاحبہ مرحومہ[3] (زوجہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحبؓ سیال۔ ولادت ۱۹۱۵ء وفات ۲۱ مارچ ۱۹۴۳ء) ۲۔ سیّد مسعود مبارک شاہ صاحب (حال سیکرٹری مجلس کارپرداز بہشتی مقبرہ ربوہ۔ ولادت ۵ جون ۱۹۱۹ء) ۳۔ سیّد داؤد مظفر شاہ صاحب (داماد حضرت مصلح موعودؓ۔ ولادت ۲۱ نومبر ۱۹۲۱ء) ۴۔ سیّد مشہود احمد شاہ صاحب (ولادت دسمبر ۱۹۴۳ء غالباً) ۵۔ لیڈی ڈاکٹر سیّدہ مریم حنا صاحبہ (ولادت ۱۹۵۲ء غالباً)[4]

مندرجہ بالا جلیل القدر صحابہ کے علاوہ بعض اَور قیمتی وجود بھی داغِ مفارقت دے گئے مثلاً:۔

۱۔ محترمہ شہر بانو صاحبہ ہمشیرہ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہید رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۵ صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء بعمر ۹۸ سال) ۲۔ حضرت صاحبزادہ سیّد عبد السّلام صاحب فرزند اکبر حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۶ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش/فروری ۱۹۵۲ء بعمر ۵۸ سال) ۳۔ فاطمہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت میر عنایت علی صاحب لدھیانوی (وفات ۱۳۳۱ ہش/ ۱۹۵۲ء)

محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"انہوں نے ۱۹۰۰ء میں بیعت کی لیکن درحقیقت ان کا تعلق احمدیت سے بہت پرانا تھا۔ ان کے خاوند

---

[1] یہ پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن ۲۸ فروری تا ۲ مارچ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ ۶۴۴۔ صفحہ ۶۴۶)۔

[2] الفضل ۲۵ فتح ۱۳۳۱ ہش/دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔

[3] مدفون بہشتی مقبرہ قادیان (قطعہ نمبر ۱ حصہ نمبر ۲ قبر نمبر ۵)۔

[4] مندرجہ بالا تاریخیں سیّد مسعود مبارک شاہ صاحب کی ایک یادداشت سے اخذ کی گئی ہیں۔

میر عنایت علی صاحب لدھیانویؓ ان چالیس آدمیوں میں سے تھے جنہوں نے لدھیانہ کے مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پہلے دن بیعت کی۔ اُن کی بیوی بھی درحقیقت اسی دن سے احمدیت سے تعلّق رکھتی تھیں۔"

۴۔میر مرید احمد صاحب تالپور سندھ:۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر فرمایا:۔

"میر صاحب ریاست خیر پور کے شاہی خاندان میں سے تھے۔طالب علمی کی حالت میں قادیان آ گئے اور شاید وہیں سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور بعد میں ان کی شادی ہوئی۔ احمدی ہو جانے کی وجہ سے اپنے خاندان سے بہت تکالیف اُٹھائیں۔ ریاست خیر پور میں فارسٹ آفیسر تھے۔ نواب صاحب خیر پور کی والدہ نے انہیں میرے پاس بھیجا کہ باپ کے بعد میرے بیٹے کا نواب ہونے کا حق ہے لیکن باپ بیٹے پر خفا ہے آپ دعا کریں کہ میرا بیٹا نواب ہو جائے۔ مَیں نے کہا اچھا مَیں دعا کروں گا لیکن وہی بیٹا جب نواب بنا تو اس نے انہیں ڈسمس کر دیا۔ آپ موصی تھے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ ان کی اولاد بھی مخلص احمدی ہے۔" [1]

فصل ششم

۱۳۳۱ہش کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

اب اس سال کے بعض متفرق مگر اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت

حضرت مہدی موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں ؎

غموں کا ایک دن اور چار شادی

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات کے سال میں بھی خوشیوں کے کئی دن دکھا

---

[1] الفضل ۲۹ صلح ، یکم امان ، ۲ ظہور ، ۸ اخاء ۱۳۳۱ہش

کہ اپنے پاک وعدہ کو پورا فرمایا مثلاً :-

۱۔ ۷ ظہور ۱۳۳۱ ہش کو اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کو چوتھا بیٹا اور ۱۸/۱۹ اخاء کی درمیانی شب میں صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ کو پہلی بچی عطا فرمائی۔ بیٹے کا نام مظفر احمد اور بچی کا نام امۃ القیوم رکھا گیا۔ بچی کے کانوں میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اذان کہی اور شہد کی گھٹی دی۔

۲۔ ۱۶۔ اخاء ۱۳۳۱ ہش کو محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (قادیان) کی تقریب شادی منعقد ہوئی۔ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے انہیں ۲۷ اخاء کو والٹن کیمپ لاہور کے فضائی مستقر پر دعاؤں سے رخصت کیا۔ اس موقعہ پر افراد خاندانِ مہدیٔ موعودؑ، سٹاف تعلیم الاسلام ہائی سکول اور دیگر مقامی اصحاب بکثرت موجود تھے۔

دہلی کے ہوائی اڈہ پر مرزا برکت علی صاحب آف آبادان مع اہلیہ استقبال کے لئے موجود تھے اور انہوں نے جماعتِ ہندوستان کی طرف سے پھولوں کے ہار ڈالے۔

۳۔ ۲۶۔ فتح ۱۳۳۱ ہش کو حضرت مصلح موعودؓ نے صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کا نکاح سیدہ امۃ السمیع صاحبہ (بنت حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ) سے اور سیدہ آنسہ (بنت حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کا نکاح قاضی محمود شوکت صاحب سے پڑھا۔[۱]

مسجد مبارک ربوہ میں درس

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر وسط ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء میں قرآن مجید، حدیث اور فقہ کا درس مسجد مبارک ربوہ میں جاری ہوا۔ یہ درس مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ (حال مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ)، مکرم مولوی خورشید احمد صاحب شاد اور مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب فاضل باری باری بعد نماز عصر دیا کرتے تھے۔

قصرِ خلافت کی مستقل عمارت

اس سال قصرِ خلافت کی مستقل عمارت مسجد مبارک ربوہ کے عقب میں تعمیر ہوئی اور حضرت مصلح موعودؓ قریباً پونے تین برس تک ایک سادہ

---

[۱] الفضل ۹ ظہور، ۲۴ اخاء، ۲۶ اخاء، ۲۸ اخاء ۱۳۳۱ ہش۔ اصحابِ احمد جلد ششم صفحہ ۱۹۲۔ الفضل ۱۸ صلح ۱۳۳۲ ہش۔ بدر ۲۸ اخاء ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۱۔

ربوہ کا ایک یادگار فوٹو (ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو کعبے کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں)

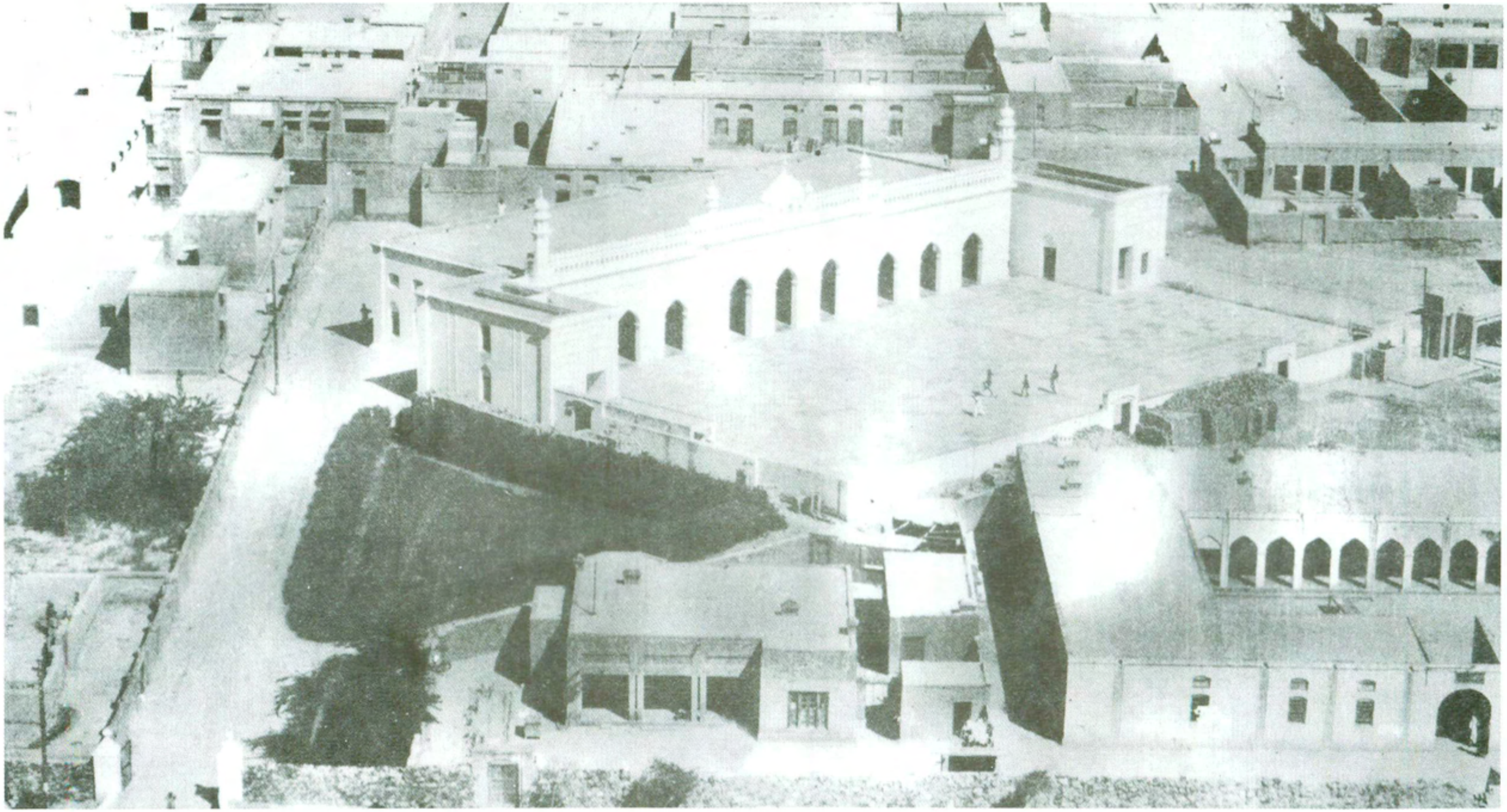

قصر خلافت، مسجد مبارک، خلافت لائبریری اور لنگر خانہ کی ابتدائی عمارتیں سامنے نظر آرہی ہیں)

سے مکان میں فروکش رہنے کے بعد ۳۰ ر احسان ۱۳۳۱ ہش / جون ۱۹۵۲ء کو قصرِ خلافت کی نئی عمارت میں منتقل ہو گئے۔

پہلی رہائش گاہ سے روانگی کے وقت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ، حضرت مولوی محمد الدین صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ، حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ اور دوسرے بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ تحریکِ جدید کے کارکنوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ حضور نے موٹر میں سوار ہونے سے قبل حاضرین سمیت دعا فرمائی۔ دُعا ختم ہوتے ہی بزرگانِ سلسلہ اور دوسرے احباب ایک مختصر راستے سے بغرضِ استقبال قصرِ خلافت پہنچ گئے۔ چند منٹ بعد حضور بھی تشریف لے آئے اور دوبارہ دُعا کرانے کے بعد قصرِ خلافت میں مبارک قدم رکھا۔ عین اس وقت جبکہ حضورؓ اس نئی عمارت میں رونق افروز ہوئے بارانِ رحمت کا بھی نزول ہوا[1]۔

خلافت لائبریری کا قیام

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے حکم سے ماہِ ہجرت ۱۳۳۲ ہش / مئی ۱۹۵۳ء میں حضورؓ کی ذاتی لائبریری اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی مرکزی لائبریری یکجا کر دی گئی اور اس کے انچارج مکرم مولوی محمد صدیق صاحب فاضل واقفِ زندگی مقرر کئے گئے۔

اِس لائبریری کے لئے قصرِ خلافت کے ساتھ ایک پختہ عمارت تعمیر کی گئی تھی جس کا جنوبی حصّہ مکمل ہونے پر اس میں سب سے پہلے حضرت اقدس کی ذاتی کتب دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے لائی گئیں اور ان کو حضور کی اجازت سے بعض قواعد کے مطابق پبلک کے استفادہ کے لئے عام کر دیا گیا۔ ازاں بعد ۱۳ ماہِ فتح ۱۳۳۲ ہش / دسمبر ۱۹۵۳ء کو مرکزی لائبریری کا لٹریچر بھی پختہ عمارت کے شمالی کمرہ میں رکھ دیا گیا اور ایک ہزار سے زائد انگریزی کتابیں جو اب تک ٹرنکوں میں بند تھیں الماریوں میں ایک عمدہ ترتیب اور قرینہ سے لگا دی گئیں[2] جس سے علماءِ سلسلہ اور دوسرے صاحبِ علم و قلم اصحاب کو مطالعہ کرنے اور تحقیق و تفحّص جاری رکھنے کی بہت سہولت پیدا ہو گئی۔ اِس طرح ربوہ میں اُس عظیم الشان لائبریری کی داغ بیل پڑی جس کا تخیل حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے مشاورت ۱۳۳۱ ہش /

---

[1] بدر (قادیان) ۷ ر ظہور ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲۔ [2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت سال ۱۹۵۲ء۔۱۹۵۳ء صفحہ ۳۱، صفحہ ۳۳ و ایضاً ۱۹۵۳ء۔۱۹۵۴ء صفحہ ۱، صفحہ ۱۱۔

۱۹۵۲ء کے دَوران پیش فرمایا تھا۔

الفضل میں شذرات کا دلچسپ سلسلہ

غیروں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے اور الفضل کو پہلے سے زیادہ مفید بنانے کے لئے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی ہدایت پر شذرات کا ایک دلچسپ علمی سلسلہ شروع کیا گیا جو ۲۰ ظہور ۱۳۳۱ ہش/ اگست ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲۷ ماہِ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش/ فروری ۱۹۵۳ء تک جاری رہا۔

اِس نئے کالم کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ حضور نہایت باقاعدگی اور التزام کے ساتھ اس پر نظر ثانی فرماتے حضور کے ملاحظہ کے بعد اس کا مسودہ روزانہ لاہور بھجوا دیا جاتا تھا جہاں سے اُن دنوں اخبار الفضل کی طباعت و اشاعت ہوتی تھی[۱]

اِس تعلق میں حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۲ ظہور ۱۳۳۱ ہش کو ایک ضروری مکتوب رقم فرمایا جس سے اس کے پس منظر کا پتہ چلتا ہے حضورؓ نے ایڈیٹر صاحب الفضل کو لکھا:۔

"آپ کو ہدایت جا چکی ہے کہ ایڈیٹوریل چھوٹا لکھا کریں اور موجودہ فتنوں کے متعلق اور قومی مسائل پر زیادہ لکھا کریں اور ایڈیٹوریل کے بعد مولوی دوست محمد صاحب کے لکھے ہوئے شذرات شائع کیا کریں۔۔۔ الفضل کے متعلق عام شکایت آرہی ہے کہ اس کا سٹینڈرڈ گر رہا ہے سوائے

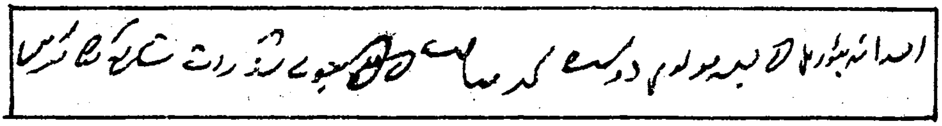

خاتم النّبیین نمبر کے کہ اُس کی بے شک بہت تعریف آئی ہے۔ کثرت سے اعتراض ہوتے ہیں جن کے کوئی جواب نہیں دیئے جاتے اور اسی لئے ہم نے شذرات لکھوانے شروع کئے ہیں۔"[۲]

سالار مسلم لیگ ربوہ کو انعامی کپ

ماہِ تبوک ۱۳۳۱ ہش/ستمبر ۱۹۵۲ء میں بمقام جھنگ مسلم لیگی رضاکاروں کی ریلی ہوئی جس میں سالار مسلم لیگ ربوہ خان شیر احمد خان صاحب[۳] اوّل آئے اور وزیر اعلیٰ پنجاب نے ان کو انعامی کپ دیا۔ اس موقعہ

---

[۱] مولوی مبارک احمد خان صاحب ایمن آبادی مدیر "تریاق" و "رفتارِ زمانہ" نے ان شذرات کا انتخاب ایک ٹریکٹ کی صورت میں بھی شائع کیا۔ [۲] اصل چٹھی دفتر شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ میں محفوظ ہے۔
[۳] آپ نے عمر کے آخری سال انگلستان میں بسر کئے اور وہیں انتقال کیا۔

کی تصویر اخبار "زمیندار" ۲۸ ستمبر ۱۹۵۲ء کے صفحہ اول پر شائع ہوئی۔

رسالہ خالد کا اجراء اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خصوصی پیغام

خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کی مجلس شوریٰ ۱۳۲۹ہش/ ۱۹۵۰ء میں یہ فیصلہ ہوا کہ مجلس کی طرف سے ساٹھ صفحے کا ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا جائے۔ ان دنوں مجلس کی مالی حالت اس کے گراں اخراجات کی متحمل نہ تھی اس لئے "الطارق" نام سے ۳۶ صفحات کے ایک ماہوار رسالہ کی تجویز ہوئی اور ۱۳۳۰ہش/ ۱۹۵۱ء سے اس کے ڈیکلریشن کی جدّوجہد شروع کر دی گئی۔ ابتدائی محکمانہ تحقیقات مکمّل ہوئی تو عین آخری مرحلہ پر یہ اطلاع ملی کہ اسی نام کا ایک اور رسالہ بھی جاری ہے اور ضروری ہے کہ کوئی اور نام تجویز کیا جائے مجلس مرکزیہ نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں نئے نام کے لئے درخواست کی حضور نے فرمایا "خالد نام رکھ دیں"۔ چنانچہ ۳۱۔امان ۱۳۳۱ہش/ مارچ ۱۹۵۲ء کو خالد کے ڈیکلریشن کی درخواست دی گئی۔

کئی ماہ کی یاددہانیوں اور دفتری پیچیدگیوں اور محکمانہ کارروائیوں کے بعد ۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو ڈیکلریشن کی باضابطہ منظوری ہوئی اور ساتھ ہی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت کا مطالبہ بھی ہوا جس کے داخل کرانے کی آخری تاریخ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۲ء تھی مجلس کے پاس اس قدر روپیہ نہیں تھا بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ۱۷ ستمبر کو روپیہ کا انتظام ہو سکا لیکن جھنگ پہنچ کر معلوم ہوا کہ وقت پر ضمانت داخل نہ کرنے پر ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا ہے اس پر دوبارہ درخواست دی گئی اور بالآخر ۲۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ڈیکلریشن ملا اور زرِ ضمانت داخل کرا دی گئی۔ اس طرح نہایت لمبی جدّوجہد اور صبر آزما حالات میں سے گزرنے کے بعد اکتوبر ۱۹۵۲ء میں رسالہ "خالد" جاری ہوا[1]

خالد کے پہلے دو پرچے مولوی غلام باری صاحب سیفؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ، مولوی خورشید احمد صاحب شادؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ اور مولوی محمد شفیع صاحب اشرفؔ کے زیر ادارت چھپے۔ اسکے بعد مولوی غلام باری صاحب سیفؔ مدیر مقرر ہوئے منیجر کی خدمت شروع ہی میں سید عبد الباسط صاحب نائب معتمد مرکزیہ کے سپرد کی گئی۔

اداریہ کے علاوہ مشعلِ راہ، جواہر پارے، روشن ستارے، ہماری مساعی دنیا کے کناروں تک،

---

[1] "خالد" اخاء ۱۳۳۱ہش/ اکتوبر ۱۹۵۲ء صـ۳ وصـ۳۱۔

کوائف ربوہ اور اطفال الاحمدیہ اس کے مستقل فیچر قرار پائے۔ اِس ابتدائی دَور میں پہلے سال رسالہ "خالد" کو جو قلمی معاونین میسّر آئے ان میں ملک سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ مفتی سلسلہ احمدیہ، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، جناب حسن محمد خاں صاحب عارف نائب وکیل التبشیر، مولوی نورالحق صاحب انور فاضل (مبلّغ امریکہ) بھی شامل تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کے اجراء پر حسبِ ذیل پیغام سپرد قلم فرمایا:-

"؎ بکوشید اے جواناں تا بہ دیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملّت شود پیدا [1]

مجھے مولوی غلام باری صاحب سیف معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے اطلاع دی ہے کہ انکی مجلس مرکزیہ کے زیر انتظام ایک ماہواری رسالہ "خالد" نامی جاری ہو رہا ہے اور سیف صاحب نے جنہیں "خالد" کے نام کے ساتھ ایک اہم تاریخی جوڑ حاصل ہے مجھ سے درخواست کی ہے کہ مَیں بھی اِس رسالہ کے پہلے نمبر کے لئے کوئی مختصر سا پیغام لکھ کر دوں جو جماعت کے نوجوانوں کی ہمتوں کو بڑھانے والا ہو اور ان میں کام کی رُوح پھُونکنے والا ہو۔ سو مجھے اِس پیغام کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا وہ فارسی شعر نظر آیا ہے جو میرے اِس نوٹ کا عنوان ہے اور جس کا اُردو زبان میں سلیس اور آزاد ترجمہ یہ ہے کہ اے احمدیت کے نوجوانو! دین کے رستہ میں اپنی کوششوں اپنی جدّوجہد کو اس اخلاص اور اس ذوق و شوق اور اس جذبۂ قربانی کے ساتھ جاری رکھو کہ تمہاری اِس مجاہدانہ مساعی کے نتیجہ میں دین کو غیر معمولی مضبوطی حاصل ہو جائے اور اسلام کا باغ و مرغزار پھر دوبارہ ایک نئی رونق و بہار کے ساتھ مخالفوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے۔ پس یہی وہ مقصد و منتہیٰ ہے جو ہمارے نوجوانوں کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ فاروق ہوں یا خالد اور قلم ہو یا سیف سب اپنے اپنے میدان میں اور اپنے اپنے وقت پر اسلام اور صداقت کے خادم ہیں۔ صرف مومن کی نیت پاک و صاف ہونی چاہیئے اور اس کے قلب میں سیمابی ولولہ، پھر اس کے آگے رستہ بالکل صاف ہے۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ [2] (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ)۔

یہ وقت خاص خدمت کا ہے کیونکہ احرار کی مخالفت نے جماعت کے لئے تبلیغ کا راستہ اِس طرح

---

[1] "آئینہ کمالاتِ اسلام" سرورق صٰ۲ مطبوعہ ۱۸۹۳ء؛ [2] المجادلہ رکوع ۳؛

کھول دیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح نہیں کھلا تھا۔ بے شک مخالفت بہت سخت اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن یہی وہ وقت ہے جبکہ سعید رُوحیں خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر تحقیق کی طرف مائل ہو رہی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ پورا ہو رہا ہے کہ الٰہی جماعتوں کے لئے مخالفت وہی کام دیا کرتی ہے جو ایک عمدہ کھیت کے لئے کھاد دیتی ہے۔

پس اے عزیزو اور بھائیو!! زندگی کی اِن قیمتی گھڑیوں کو غنیمت جانو تمہیں کیا معلوم ہے کہ ماحول کا یہ زرّیں موقعہ کب بدل جائے یا تمہاری اپنی زندگی کا یہ دَور کب ختم ہو جائے؟ اِسی لئے ہمارے آقا اور امام نے جہاں وہ شعر ارشاد فرمایا ہے جو اس نوٹ کے عنوان میں درج ہے وہاں دوسری جگہ یہ انتباہ بھی فرمایا ہے کہ

؎ اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند [۱]

اور اِسی پر میں اپنا یہ مختصر پیغام ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کی جملہ نیک مساعی میں آپ کا حافظ و ناصر رہے۔ آمین یا ارحم الرّاحمین۔

والسّلام

خاکسار مرزا بشیر احمد۔ ربوہ" [۲]

خدمتِ پاکستان کی خصوصی تحریک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خدّام الاحمدیہ کے بارھویں سالانہ اجتماع کے موقعہ پر نوجوانانِ احمدیت کو جہاں یہ قیمتی ہدایات دیں کہ مسابقت کی رُوح پیدا کرو، خدمتِ خلق کرو، ذکرِ الٰہی اور محاسبۂ نفس کے لئے مراقبہ کی عادت ڈالو وہاں خدمتِ پاکستان کی خصوصی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اپنے ملک کی سچی خدمت کرنے کی راہ میں اِس امر کو کبھی روک نہ بناؤ کہ ہماری مخالفت بہت ہوتی ہے۔ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ فرقہ دارانہ جذبات کو بھڑکا کر ہماری مخالفت کرنے والے ملک کے

---

[۱] اشتہار اہلِ اسلام کی فریاد بحوالہ درثمین فارسی صفحہ ۳۸۳ ناشر محمد احمد اکیڈمی رام گلی نمبر ۳۔ لاہور ÷

[۲] منقول از ماہنامہ "خالد" ماہِ اخاء ۱۳۳۱ ہش / اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ ÷

دشمن ہیں اور دوسری طرف ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہی ملک کے حقیقی خیر خواہ اور وفادار ہیں تو خود اندازہ لگاؤ کہ اس مخالفت کے نتیجہ میں ہمیں ملک کی خدمت میں کمزور ہونا چاہیئے یا پہلے سے بھی بڑھ کر اس میں حصّہ لینا چاہیئے؟ جس چیز کے لئے سچّی محبّت اور ہمدردی ہوتی ہے اسے خطرے میں دیکھ کر تو قربانی کا جذبہ تیز ہوا کرتا ہے نہ کہ کم۔" [1]

تیونس اور مراکش کی تحریکِ آزادی کی حمایت اور دعا

تیونس اور مراکش کے جانباز مسلمان ایک عرصہ سے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مؤتمر عالمِ اسلامی نے فیصلہ کیا کہ ۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء کو دُنیا بھر کے مسلمان یوم تیونس و مراکش منائیں۔

اِس فیصلہ کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر جماعتِ احمدیہ نے بھی ان مظلوم اسلامی ممالک کے مطالبۂ آزادی کی حمایت میں جلسے کئے اور دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی بخشے۔[2]

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیرِ خارجہ پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں اِن ممالک کے حق میں پُرزور آواز بلند کی جس کی تفصیل آپ کی خود نوشت سوانح "تحدیثِ نعمت" (طبع اوّل ۱۹۷۱ء) صفحہ ۵۶۹، ۵۷۳ میں ملتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کے دَوران مراکش اور تیونس کے مسئلے کو ایجنڈا میں شامل کرنے کا سوال پیش ہوا تو آپ ہی کی تقریر اس موقع پر سب سے نمایاں تھی۔ تقریر میں آپ نے امریکہ اور دیگر تمام ایسے ممالک کے طرزِ عمل کی مذمّت کی جو ان مسائل کو شاملِ ایجنڈا کرنے کے خلاف تھے۔ آپ نے جب دَورانِ اجلاس فرمایا کہ اگر ان مسائل پر غور کرنے سے انکار کیا گیا تو مراکش میں قتل وخون ہوگا اور اس کی تمام تر ذمّہ داری امریکی نمائندہ پر ہوگی تو امریکی مندوب کا رنگ زرد پڑ گیا۔[3]

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کی دعاؤں، چوہدری صاحب کی کوششوں اور اہلِ تیونس و مراکش کی قربانیوں کو شرفِ قبولیّت بخشا اور یہ دونوں ملک ۱۹۵۶ء میں آزاد ہو گئے۔[4]

---

[1] الفضل ۳ر نبوّت ۱۳۳۱ ہش صٓ ۔ [2] الفضل ۲۱۔۲۲ر ماہِ نبوّت ۱۳۳۱ ہش ۔

[3] ملّت (لاہور) ۲۲ر جنوری ۱۹۵۲ء صٓ ۔ [4] انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا ایڈیشن ۱۹۷۲ء زیرِ لفظ TUNISIA اور MOROCCO ۔

چودہ درویش خاندانوں کی واپسی

قادیان کی مقامی احمدی آبادی ہر سال بڑھ رہی تھی۔ یوپی کے بعض خاندان بطور مہاجر آباد ہو چکے تھے۔ ان کے بعد وسط ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں بارہ[12] درویش خاندان پاکستان سے واپس گئے۔ اِس سال کے آخر میں چودہ[14] خاندانوں کا اضافہ ہوا جو بذریعہ حسینی والا (ضلع فیروزپور) داخلِ ہندوستان ہوئے جس سے کُل احمدی آبادی کی تعداد ۴۷۹ تک جا پہنچی۔ اِس آبادی میں مرد ۲۷۰، خواتین ۸۶ اور بچے ۱۲۳ تھے۔[1]

مبلّغینِ اسلام کی آمد اور روانگی

اِس سال مندرجہ ذیل مبلّغینِ اسلام بیرونی دُنیا تک پیغامِ احمدیت پہنچانے کے لئے مرکزِ احمدیت ربوہ سے روانہ ہوئے:-

۱۔ مولانا شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ (۱۱ ماہ تبلیغ۔ مشرقی افریقہ) ۲۔ مولوی عبدالرشید صاحب ارشد (۱۱ ماہ تبلیغ۔ انڈونیشیا) ۳۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی[2] (۱۱ ماہ اخاء برائے نائجیریا) ۴۔ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری (۱۸ ماہ اخاء برائے سیرالیون)

۵۔ مولوی عبداللطیف صاحب پریمی (۱۸ ماہ اخاء برائے غانا) ۶۔ مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد (۱۸ ماہ اخاء برائے غانا)

علاوہ ازیں غیر ممالک یعنی بیرون پاکستان سے مولوی محمد عثمان صاحب صدیقی (۶؍ ماہِ تبوک) صوفی محمد اسحٰق صاحب مبلّغِ سیرالیون (۱۵؍ شہادت) مولوی امام الدین صاحب مبلّغِ انڈونیشیا اور مولوی بشارت احمد صاحب بشیر مبلّغِ مغربی افریقہ تبلیغِ اسلام کا فریضہ کامیابی سے بجالانے کے بعد واپس تشریف لائے۔

بیرونی احمدی جماعتوں میں مرکزِ سلسلہ میں اپنے بچّوں کو تعلیم دلانے کی ایک نئی رُوچل نکلی تھی یہی وجہ تھی کہ ربوہ واپس آنے والے اکثر مبلّغین کے ہمراہ مختلف ملکوں کے بعض احمدی طلباء بھی تھے مثلاً علی امین صاحب (مغربی افریقہ) محی الدین صاحب (انڈونیشیا) عبدالوہاب بن آدم صاحب، بشیر بن صالح صاحب (مغربی افریقہ)۔ اِن طلباء میں سے عبدالوہاب بن آدم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو آٹھ سال تک مرکزِ احمدیت میں تعلیم دین حاصل کرتے رہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر بحیثیت مبلّغ ۲۱؍ اخاء ۱۳۵۱ہش/۲۱؍ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو انگلستان پہنچے جہاں آپ ۴؍ فتح ۱۳۵۳ہش/۴؍ دسمبر ۱۹۷۴ء تک تبلیغِ اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے اور ۵؍ فتح ۱۳۵۳ہش/۵؍ دسمبر ۱۹۷۴ء سے احمدیہ مسلم مشن غانا کے انچارج اور امیر کی حیثیت سے اشاعتِ اسلام

---

[1] بدر (قادیان) ۲۱؍ اخاء ۱۳۳۱ہش صفحہ ۱، مصباح (ربوہ) ماہِ صلح ۱۳۳۲ہش صفحہ ۲۱۔

[2] محترم مبارک احمد صاحب ساقی جو ۱۱؍ اخاء/ اکتوبر کو روانہ ہوئے تھے کراچی میں موجود تھے کہ موخر الذکر تینوں مجاہدین بھی پہنچ گئے۔ سب بذریعہ بحری جہاز عازم لندن ہوئے۔

و احمدیت کے جہاد میں سرگرم عمل ہیں[1]

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

امریکہ:- ۱- اِس سال امریکن مشن نے اشاعتِ لٹریچر کے ضمن میں حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ ٹریکٹ کمیونزم اینڈ ڈیما کریسی کا چوتھا نمبر شائع کیا اور امریکہ کے صاحبِ اثر حلقہ میں اس کی بکثرت اشاعت کی گئی۔ امریکن سپریم کورٹ کے جج ڈگلس نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ آئندہ بھی انہیں لٹریچر دیا جائے۔ ۲- امریکہ کے ممتاز اور با اثر اخبار پٹس برگ کوائر کے نمائندہ نے چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج مبلغ سے مفصّل انٹرویو لیا اور اسے جلی عنوان کے ساتھ دو قسطوں میں شائع کیا۔ مضمون میں احمدیّت کے بنیادی عقائد اور امریکہ میں حبشی قوم کے مسئلہ پر احمدیوں کا نقطۂ نگاہ اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے جماعتی مساعی پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اِس مضمون کی اشاعت پر ملک کے مختلف اطراف سے بہت سے خطوط موصول ہوئے جن کے جواب میں مشن کی طرف سے سب کو لٹریچر بھجوایا گیا۔ ۳- اِس سال ایک امریکن نو مسلم عبدالشکور ریلش زندگی وقف کر کے دینی تعلیم کے لئے ربوہ میں تشریف لائے۔[2]

گولڈ کوسٹ:- اکرافو گاؤں جماعتِ احمدیہ گولڈ کوسٹ (غانا) کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ مشہور بستی ہے جس کے چیف مہدی آپا نے اپنے اور دوسرے فینٹی بھائیوں کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں مبلّغ بھجوانے کی درخواست کی جس پر حضور نے فروری ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّرؓ کو اِس تاریک برِّ اعظم میں نورِ اسلام پھیلانے کے لئے بھیجا اور کئی ہزار لوگ داخلِ احمدیت ہوئے۔[3]

اکرافو کی قدیم مسجد کچی تھی جسے اِس سال مقامی مخلص جماعت نے پانچ ہزار پونڈ کی لاگت سے ایک پختہ اور شاندار مسجد میں تبدیل کر دیا جس کا افتتاح مولانا نذیر احمد صاحب مبشّر مبلّغ انچارج نے ۷ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء کو کیا۔ اِس تقریب پر تین ہزار سے زیادہ نفوس جن میں چیفس اور پیراماونٹ چیفس بھی شامل تھے مدعو تھے۔ صدارت کے فرائض ریاست کے پیراماونٹ چیف نے ادا کئے ساڑھے چار سو پونڈ چندہ جمع ہوا۔[4]

---

[1] ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریک جدید ربوہ۔ [2] الفضل ۱۲-۱۳ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش۔ [3] تفصیل تاریخِ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۲۷۵، صفحہ ۲۷۶ میں گذر چکی ہے۔ [4] الفضل ۲۰ امان ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵۔

انڈونیشیا:۔ اِس سال انڈونیشیا کی احمدی جماعتوں میں بیداری کے نئے اثرات پیدا ہوئے جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے درج ذیل الفاظ میں اظہارِ خوشنودی فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے انڈونیشیا کی جماعتوں میں خاص بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اِس سال کے عام چندوں کا بجٹ ان کی طرف سے ایک لاکھ اسّی ہزار کا آچکا ہے۔ اب انہوں نے تار دی ہے کہ اسّی ہزار کے وعدے تحریکِ جدید کے ہو چکے ہیں اور ابھی سات جماعتوں کے وعدے باقی ہیں وہ بعد میں آئیں گے۔ گویا کُل وعدے اِس وقت تک دو لاکھ ساٹھ ہزار کے ہو چکے ہیں۔ امید ہے یہ رقم تین لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ جماعتہائے پاکستان کے لئے یہ ایک سبق اور عبرت ہے۔ اتنی دُور کی جماعتوں میں اتنا اخلاص پایا جاتا ہے جسے دیکھ کر پاکستان کے دوستوں کو اخلاص میں اَور ترقّی کرنی چاہیئے۔ انڈونیشین جماعتوں کے علاوہ مغربی افریقہ کے تینوں ملکوں کے چندے سال میں پونے دو لاکھ کے قریب کے ہوئے ہیں اور مشرقی افریقہ کا چندہ قریباً ایک لاکھ شلنگ سے زائد کا ہوتا ہے اور امریکہ کا چندہ قریباً ایک لاکھ روپیہ کا ہو جاتا ہے اور عرب ممالک کے چندے کم سے کم مبلّغین کے اخراجات برداشت کرنے لگ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ احمدیت کے مبلّغوں کے کاموں اور نتائج میں برکت دے۔ احباب تمام بیرونی جماعتوں اور وہاں کام کرنے والے مبلّغوں کے لئے خاص طور پر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان نہتے سپاہیوں کی مدد کرے اور ان کے ہاتھ پر اسلام اور احمدیت کو فتح عظیم اور کامل بخشے اور جلد سے جلد بخشے۔"[1]

انڈونیشیا کے مخلص احمدیوں اور مبلّغوں کی سالِ زیرِ نظر کی سرگرمیوں میں سے بعض کا ذکر مناسب ہوگا۔

۱۔ ایک احمدی وفد نے جن میں دیگر مقامی مخلص احمدیوں کے علاوہ مولوی عبدالواحد صاحب فاضل، میاں عبدالحی صاحب، حافظ قدرت اللہ صاحب بھی تھے سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا کی قیادت میں پریذیڈنٹ سکارنو سے ان کے محل میں ملاقات کی اور ان کو تفسیر القرآن انگریزی کی دوسری جلد کا رُوحانی تحفہ پیش کیا۔ ۲۔ مولوی محمد زہدی صاحب نے سرابایا میں متعین ہونے کے بعد ایک کامیاب پریس کانفرنس کی جس میں ۱۵ نمائندگان شامل ہوئے جن میں سے بعض

---

[1] الفضل ۱۱ شہادت ۱۳۳۱ ہش / اپریل ۱۹۵۲ء صـ ۲

نے احمدیت پر عمدہ نوٹ شائع کئے۔ سرابایا میں آپ کے زیر اہتمام ایک تبلیغی جلسہ بھی منعقد ہوا۔ ۳۔ پہلی ششماہی میں قریباً سو افراد احمدی ہوئے۔ ۴۔ مغربی جاوا کے شہر بوگیر میں نئی احمدیہ مسجد کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۵۔ ایک پاکستانی دوست ڈاکٹر عبدالغفور صاحب نے سرابایا میں ایک مکان جماعتی ضروریات کے لئے وقف کیا[1]۔ ۶۔ "شرکتِ اسلام" انڈونیشیا کی سب سے قدیم سیاسی پارٹی ہے جس نے آزادیٔ وطن کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس پارٹی کی چالیس سالہ سالگرہ میں سید شاہ محمد صاحب اور حافظ قدرت اللہ صاحب نے شرکت کی اور کئی معززین سے تبادلۂ خیالات کیا[2]۔ ۷۔ ۵۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا نے آزاد فوج قائم کی تھی۔ اِس یادگار قومی دن کی تقریب میں وزارتِ دفاع کے چیف آف دی سٹاف نے سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ اور نائب صدر جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا[3]۔ ۸۔ ماہِ اکتوبر میں ہی میاں عبدالحی صاحب کو جزیرۂ بالی کے ایک سابق راجہ سے ملاقات کرنے اور اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقعہ ملا۔ میاں صاحب نے انگریزی لٹریچر کی ایک نمائش میں حصہ لیا اور اسلامی لٹریچر رکھنے کے علاوہ "ہندوستان میں اُردو اور انگریزی کی ترویج" پر تقریر کی۔ ۹۔ انڈونیشیا مشن کا ایک اہم واقعہ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی چوتھی کامیاب سالانہ کانفرنس ہے جو بمقام تسکملایا (TASIKMALAYA) بتاریخ ۲۶-۲۷-۲۸ ماہِ فتح منعقد ہوئی[4]۔

شام مشن: مفتیٔ مصر کے رسوائے عالم فتویٰ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے السید منیر الحصنی امیر جماعتِ احمدیہ دمشق نے اخبار "العلم" (۱۱۔ جون ۱۹۵۲ء) میں ایک نوٹ دیا نیز ۷۔ جولائی ۱۹۵۲ء کو ایک استفتاء سائیکلوسٹائل کر کے علمی حلقوں میں تقسیم کیا[5]۔

---

[1] الفضل یکم ظہور ۱۳۳۱ہش صفحہ ۵، ۱۷۔ صلح ۱۳۳۲ہش صفحہ ۴۔
[2] الفضل ۲۔ نبوت ۱۳۳۱ہش صفحہ ۲۔
[3] الفضل ۷۔ فتح ۱۳۳۱ہش صفحہ ۵۔
[4] تفصیل الفضل ۲۴ تا ۲۷۔ تبلیغ ۱۳۳۲ہش میں چھپ چکی ہے۔
[5] کٹنگ رجسٹر خلافت لائبریری ربوہ۔

فصلِ ہفتم

● خطباتِ جمعہ میں روزہ رکھنے، دین پھیلانے، دُعا کرنے اور سچ بولنے کی تلقین ● پاکستان اور احمدیّت کے خلاف شورش کا آغاز
● حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے قیامِ امن کے لئے پُرحکمت ہدایات
● حضرت مصلح موعودؓ کی پریس کانفرنس اور پُرشوکت پیغام۔

(خلافتِ ثانیہ کا چالیسواں سال ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء)

۱۹۵۳ء (۱۳۳۲ہش) کا سال جماعتِ احمدیہ کا سنگِ میل (LAND MARK) اور اس کی ترقی کا نشان ہے جس میں مہدیٔ موعود کی اِس پیاری جماعت نے اپنی مظلومیّت کا کمال نمونہ دکھایا اور اس کے صبر و استقامت دُعا اور اخلاق کی بے پناہ قوّت نے صحابۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دَور کی یاد تازہ کر دی۔

سات روزے رکھنے کی تحریک

اِس سال کا آغاز چار اصلاحی تحریکات سے ہُوا۔ ۱۔ سات روزوں کی تحریک۔ ۲۔ اشاعتِ دین کی تحریک۔ ۳۔ دعا کی تحریک۔ ۴۔ سچ بولنے کی تحریک۔

حضرت مصلح موعودؓ نے سالانہ جلسہ پر ارشاد فرمایا کہ احمدی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کے شروع میں سات نفلی روزے رکھیں اور ہر روزہ سوموار کو رکھا جائے۔ حضور نے سال کے پہلے خطبہ میں

اس کی یاد دہانی کرائی اور نصیحت فرمائی کہ :-

"جو طاقتور ہیں، تندرست ہیں ان کے لئے سفر میں رمضان کے روزے جائز نہیں۔ نفلی روزے جائز ہیں کیونکہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جب مسافر کے لئے فرض روزے منع ہو گئے تو بھی بعض صحابہؓ سفر اور لڑائیوں میں نفلی روزے رکھ لیتے تھے۔ اِن ایام کو خصوصیّت کے ساتھ دعاؤں میں گذارو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔" لہ

احمدیوں نے جو ہمیشہ فتنوں اور آزمائشوں کے ایّام میں اِس رُوحانی مجاہدہ کے خوشکن اثرات و نتائج کو آزماتے آرہے تھے اِس تحریک پر بھی والہانہ لبیک کہا۔

اشاعتِ دین کی تحریک

دوسری تحریک اشاعتِ دین سے متعلق تھی جس کی طرف حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳ صلح ۱۳۳۲ ہش کے خطبہ جمعہ میں بڑے موثر پیرایہ میں توجہ دلائی اور نصیحت فرمائی کہ ہمارے ایمان و اخلاص کا تقاضا ہے کہ تحریکِ جدید ہمیشہ جاری رہے۔ اِس سلسلہ میں تبلیغی نقطہ نگاہ سے جماعتِ احمدیہ کی امتیازی شان پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا:-

"یاد رکھو کہ اِس وقت اشاعتِ دین کا کام تم ہی کر رہے ہو تمہارے سوا اور کوئی نہیں کر رہا۔ دُنیا میں صرف تم ہی ایک جماعت ہو جو خدا تعالیٰ کے دین کے جھنڈے کو اُٹھائے ہوئے ہو۔ تمہیں شکوہ ہو گا کہ تمہیں وہ لوگ ہو جنہیں خارج از اسلام کہا جاتا ہے تمہیں وہ لوگ ہو جن کے خلاف مولوی اکٹھے ہو کر کفر کے فتوے لگاتے ہیں لیکن یہ شکوہ کی بات نہیں اِس سے تو تمہارے کام کی عظمت اور شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایک شخص دین کی اِس لئے خدمت کرتا ہے کہ اسے اس کا بدلہ ملے گا۔ ایک شخص دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا بدلہ نہیں ملتا اور ایک شخص دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے نہ صرف اس کا بدلہ نہیں ملتا بلکہ اُلٹا اسے جھاڑیں پڑتی ہیں۔ اسے بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ گالیاں دی جاتی ہیں۔ تم دیکھ لو ان تینوں میں سے کس کا درجہ بڑا ہوتا ہے؟ آیا اُس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ ملتا ہے یا اُس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ نہیں ملتا یا اس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو دین کی خدمت کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اسے اس کا بدلہ ہی نہیں ملتا بلکہ اُلٹا اُسے جھاڑیں پڑتی

لہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۲ صلح ۱۳۳۲ ہش (مطبوعہ الفضل ۷ صلح ۱۳۳۲ ہش ص ۳)

ہیں۔ اسے گالیاں دی جاتی ہیں۔

صاف بات ہے کہ جو شخص اِن حالات میں خدمتِ دین کرتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسے اس خدمت کا معاوضہ نہیں ملتا بلکہ اسے اُلٹا جھاڑیں پڑتی ہیں، اسے گالیاں دی جاتی ہیں اس (کا) درجۂ ایمان اس شخص سے بلند ہے جو خدمتِ دین کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ ملتا ہے یا خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ نہیں ملتا لیکن جھاڑیں بھی نہیں پڑتیں۔ درحقیقت محبّتِ کامل کا معیار یہی ہونا ہے۔

اگر مَیں غلطی نہیں کرتا تو غالباً ابراہیم ادہمؒ[1] تھے جن سے دوزخ اور جنّت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا مجھے جنّت اور دوزخ سے کیا غرض ہے خدا تعالیٰ جہاں مجھے رکھنا پسند کرے گا مَیں رہوں گا۔ اگر وہ مجھے جنّت میں رکھنا پسند کرے گا تو مَیں جنّت کو پسند کروں گا اور اگر وہ مجھے دوزخ میں رکھنا پسند کرے گا تو مَیں دوزخ ہی کو پسند کروں گا۔

پس جو شخص قطع نظر کِسی معاوضہ کے دین کی خدمت کرتا ہے بلکہ اسے معلوم ہے کہ اسے بجائے کِسی معاوضہ کے اُلٹا جھاڑیں پڑیں گی اور اسے گالیاں کھانی پڑیں گی لیکن وہ پھر بھی خدمت سے باز نہیں آتا وہ یقیناً خدا تعالیٰ کی محبّت اور اس کے پیار کو جذب کرنے والا ہے۔ اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ جب قیامت کے دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو انبیاءؑ کے بعد سب سے مقدّم وہ شخص ہوگا جس کو دین کی خدمت کا نہ صرف یہ کہ معاوضہ نہ ملا بلکہ اسے جھاڑیں پڑیں، اسے گالیاں کھانی پڑیں لیکن وہ خدمت سے پھر بھی باز نہ آیا۔ اگر روزہ رکھنے والوں کے متعلق رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کہے گا کہ ان کا معاوضہ مَیں ہوں تو یقیناً وہ لوگ جنہوں نے دین کی خدمت کی اور اِس حالت میں خدمت کی کہ نہ صرف یہ کہ انہیں کوئی معاوضہ نہ ملا بلکہ انہیں جھاڑیں پڑیں، انہیں بُرا بھلا کہا گیا، انہیں گالیاں دی گئیں، انہیں واجب القتل قرار دیا گیا، انہیں اخراج عن الوطن کی دھمکیاں دی گئیں انہیں خدا تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ اگر انسانوں کے پاس تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں تو تمہاری جگہ میری گود میں ہے۔ اور اگر انسانوں کے

---

[1] حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے "تذکرۃ الاولیاء" (باب ۴۳) میں یہ بات حضرت جنید بغدادیؒ کی طرف منسوب کی ہے۔

نزدیک تم واجب القتل قرار دیئے گئے تھے لیکن تم نے دین کی خدمت پھر بھی نہ چھوڑی تو تمہیں ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنا مجھ پر فرض ہے۔

پس تمہارے لئے خدا تعالیٰ نے اِس نعمت کے دروازے کھولے ہیں جس کے دروازے سینکڑوں سال سے دوسروں پر نہیں کھولے گئے سینکڑوں سال گذر گئے اور دُنیا اِس نعمت سے محروم رہی جب اسلام ترقی پر تھا اس وقت اسلام کی خدمت کرنے والوں کی تعریف کی جاتی تھی ان کی قدر کی جاتی تھی لیکن آج جب اسلام نہ صرف باطنی لحاظ سے بلکہ ظاہری لحاظ سے بھی گر چکا ہے وہ نہ غیر مسلموں کے نزدیک مقبول ہے نہ مسلمانوں کے نزدیک مقبول ہے خدا تعالیٰ اپنی قبولیت اور اپنا دستِ محبت تمہاری طرف بڑھاتا ہے وہ تمہیں اپنی محبت اور پیار کی بشارت دیتا ہے۔

پس تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اپنے فرائض کو ادا کرو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو رحمتیں اور برکتیں تمہیں ملنی ہیں تم انہیں زیادہ سے زیادہ حاصل کر لو۔ ایسا زمانہ بہت کم آتا ہے اور مبارک ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہی لوگ نحوست سے دُور اور خدا تعالیٰ کی جنّت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ جو کہا ہے کہ اس دن جنّت قریب کر دی جائے گی اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ خدا تعالیٰ ایسی جماعت کھڑی کر دے گا جو دین کی خدمت کرے گی اور نہ صرف یہ کہ اسے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا بلکہ اسے جھاڑیں پڑیں گی اسے گالیاں دی جائیں گی، دُنیا اسے دھتکارے گی کہ وہ کیوں خدا تعالیٰ کی ہوگئی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے دین کی کیوں خدمت کر رہی ہے اِس لئے لازمی طور پر خدا تعالیٰ اسے قبول کرے گا۔

پس تم ان وقتوں کی قدر کرو اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر لو تا خدا تعالیٰ کے سامنے بھی تم سُرخرو ہو جاؤ اور آئندہ نسلوں کے سامنے بھی تمہارا نام عزّت سے لیا جائے۔"[1]

دُعاؤں کی تحریک

۳۰۔ ماہِ صلح ۱۳۳۲ہش کو حضرت مصلح موعودؓ نے دُعاؤں کی خصوصی تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

"جماعت آجکل سخت مشکلات میں سے گزر رہی ہے دشمن مختلف طریق سے جماعت کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جماعت نے خدا تعالیٰ کے فضل سے مٹنا تو نہیں لیکن جو شخص اس کے بچانے

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۳۰ تبلیغ ۱۳۳۲ہش صٓ ۳

کے لئے کوشش کرتا ہے یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں بڑا مقرّب ہے۔ چونکہ ہم میں کوئی طاقت نہیں اِس لئے ہمارے پاس یہی ذریعہ ہے کہ جس ہستی کو اس کی طاقت حاصل ہے ہم اس کے سامنے عرض کریں کہ حضور! جماعت کو دشمن کی زد سے محفوظ رکھئے۔ گویا ہمارا کام صرف مُنہ سے کہنا ہے اور رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص کی شفاعتِ حسنہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو بھی فائدہ سے محروم نہیں کرتا بلکہ اسے بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو جب ایک شخص کی شفاعتِ حسنہ کرنے سے انسان فائدہ سے محروم نہیں رہتا تو ایک جماعت کی شفاعت کرنے کے بعد وہ کیوں محروم رہے گا؟[1]

پس دوستوں کو خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ وہ جماعت کی حفاظت کرے، اِسلام کی ترقّی کے سامان بخشے، دشمن ناکام و نامراد ہوں ہم ان کی ناکامی اپنی آنکھوں سے دیکھیں تا ہمارے دِل اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے لذّت حاصل کریں یہ بہت بڑی چیز ہے اِس کے لئے دوست دعا کریں بار بار خدا تعالیٰ کے حضور جائیں، بار بار اس کے سامنے پیش ہوں اور اس سے دعا مانگیں۔ یہ ایسا کام نہیں جو دوبھر معلوم ہو یہ کام تو ایسا ہے جو جماعت کے ہر فرد کے لئے فائدہ مند ہے۔ اگر جماعت بچے گی تو اس کا ہر شخص بچے گا اگر جماعت ترقّی کرے گی تو اس کا ہر فرد ترقّی کرے گا۔ ہماری جماعت اگرچہ تعداد میں تھوڑی ہے مگر لیکن پھر بھی اس وجہ سے کہ جماعت مُنظّم ہے ہر سال ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں جو اس جتھہ کی وجہ سے بہت سی مشکلات سے بچ جاتے ہیں اگر وہ اِس جماعت سے باہر ہوتے تو ان مشکلات سے نہ بچتے۔ بے شک بعض ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی بداخلاقیوں اور سُستیوں کی وجہ سے نہیں بچتے لیکن جماعت کا ایک خاصہ حصّہ ایسا ہے جو جماعت کی تائید کی وجہ سے بچ جاتا ہے اور بعض اوقات گرے ہوئے لوگ دوبارہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابھی تو ہم تھوڑے ہیں لیکن پھر بھی جتھہ کی وجہ سے لوگ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں لیکن اگر جماعت بڑھ جائے اور اسے طاقت حاصل ہو جائے تو کمزوروں کو اِس وقت سے کہیں زیادہ فائدہ حاصل ہو گا اور وہ

---

[1] حدیثِ نبویؐ ہے "اِشْفَعُوْا تُوْجَرُوْا" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا۔ اللہ جلّشانہٗ بھی فرماتا ہے "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا" (النساء: ۸۶) جو شخص اچھی سفارش کرے اُس کے لئے اس میں سے ایک حصّہ ہو گا۔

ظالموں کے ظلموں سے بچ جائیں گے۔ دُنیوی طور پر بھی اور دینی طور پر بھی۔

پس جماعت کے لئے دعا درحقیقت اپنے لئے دعا ہے۔ اگر کوئی شخص جماعت کی ترقی کے لئے دعا کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے لئے دعا کرتا ہے۔ وہ کسی پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنے فائدہ کا کام کرتا ہے۔" [۱]

سچّائی اختیار کرنے کی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ کی چوتھی تحریک یہ تھی کہ سچّائی کو اختیار کرو کہ اس کے نتیجہ میں تمہیں دوسری بہت سی نیکیوں کی بھی توفیق مل جائے گی چنانچہ حضورؓ نے ۶ر فروری ۱۹۵۳ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"تم فیصلہ کر لو کہ ہم نے سچ بولنا ہے چاہے اس کے بدلہ میں ہم ذلیل ہوں، شرمندہ ہوں یا ہمیں کوئی اَور نقصان اُٹھانا پڑے پھر دیکھو تمہارے اخلاق کی کتنی جلدی درستی ہو جاتی ہے پس مَیں اِن مختصر الفاظ میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجّہ دلاتا ہوں کہ وہ سچّائی کو اختیار کریں۔ بات مختصر ہے لیکن ہے بہت بڑی۔ کہنے کو تو یہ ایک منٹ میں کہی جاسکتی ہے لیکن نتیجہ اس کا صدیوں کی بھلائی اور قومی ترقی ہے۔" [۲]

کراچی کنونشن اور ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ

احراری تحریک کے ہمنوا لیڈروں نے آل پاکستان مُسلم لیگ کے اجلاسِ ڈھاکہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر حکومتِ پاکستان نے ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء تک ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو وہ "ختمِ نبوت کی باغی حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کریں گے" [۳]۔ اِس سلسلہ میں راست اقدام کے متعدد راہنماؤں کی بے شمار تقاریر کے چند مختصر نمونے سپردِ قرطاس کئے جاتے ہیں۔

کفر و اِسلام کی جنگ

۱۔ جناب مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی صدر جمعیۃ العلماء کراچی و سندھ و رُکن کونسل آف ایکشن یہ نظریہ رکھتے تھے کہ "مَیں آئین ساز اسمبلی کو دین کے متعلق قوانین منظور کرنے کا اختیار نہیں دے سکتا۔" [۴]

---

[۱] روزنامہ الفضل ۸ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۴ ✣ [۲] الفضل ۱۴ر تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۲

[۳] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب اُردو صفحہ ۱۳۳، صفحہ ۱۳۹ ✣

[۴] روزنامہ "آفاق" ۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ ✣

مولانا صاحب نے ان دنوں اعلان کیا کہ :-

"ہم دیانتداری کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ اس محاذ پر ہماری لڑائی کفر اور اسلام کی لڑائی ہے"۔[1]

"محافظینِ ختمِ نبوّت کا بلند مقام"

۲۔ جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری" امیر شریعت احرار" نے ۲۲ر جولائی ۱۹۵۲ء کے ایک جلسۂ عام میں تقریر فرمائی کہ :-

"مَیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلین پر ایمان رکھنے والے مسلمان کی گلی کے کتّے کا بھی مُنہ چُومنے کو تیار ہوں"۔[2]

اِسی طرح مرکزی حکومت کو بھی مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

"تم ناموسِ مصطفےٰ کا تحفّظ کرو مَیں تمہارے کتّے پالنے کو تیار ہوں مَیں تمہارے سؤر چراؤں گا"۔[3]

پاکستان کی سربلندی کی لازمی شرط

۳۔ جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کنوینر آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن نے کراچی میں تقریر کے دَوران کہا :-

"جب تک مرزائیوں کو اقلیت قرار نہیں دیا جاتا پاکستان سربلند نہیں ہو سکتا"۔[4]

کشمیر دلانے کی ضمانت

۴۔ جناب مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی کی تقریر ۵ار جنوری ۱۹۵۳ء بمقام لاہور :-

"اگر ظفر اللہ کو آج وزارتِ خارجہ سے الگ کر دیا جائے تو علمائے کرام کشمیر حاصل کرنے کی گارنٹی دیتے ہیں"۔[5]

تکمیلِ پاکستان کی واحد صُورت

۵۔ جناب مولانا اختر علی خاں صاحب مدیر "زمیندار" نے شیخوپورہ کانفرنس (منعقدہ ۹۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء) کو خطاب کرتے ہوئے کہا :-

"جب تک ہم مرزائیت صفحۂ ہستی سے نہیں مٹا دیں گے اس وقت تک پاکستان صحیح معنوں میں

---

[1] زمیندار ۱۷ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱ ۞ [2] انجام (کراچی) ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

[3] آزاد ۱۸۔ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۴ ۞ [4] زمیندار بکم اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۸

[5] زمیندار ۱۷ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ ۞

پاکستان نہیں بنے گا"۔ ؎۱

احمدیّت ختم کرنے کا نُسخہ

۵۔جناب تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار مرکزیہ نے ستمبر ۱۹۵۲ء کی گوجرانوالہ کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"آج ظفر اللہ کو ہٹا دو اگر کل کو پچّاس فیصد مرزائی مسلمان نہ ہو جائیں تو میری گردن مار دو۔ اگر مرزائیوں کو اقلیّت قرار دے دو تو محمود ڈھونڈے گا کہ میرے باوا کی اُمّت کہاں ہے؟" ؎۲

جماعتِ احمدیّہ پر"احسان"

۶۔جناب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب گدّی نشین آلو مہار شریف نے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں تقریر کی کہ:۔

"مرزائیو! ہمارا احسان مانو کہ ہم تمہیں اقلیّت قرار دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں ورنہ قرآن کی زبان سے پُوچھا جائے تو وہ تو کہتا ہے کہ تمہیں انسانیّت کے دائرہ سے ہی خارج کر دیا جائے۔" ؎۳

؎۱ زمیندار ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء صہ۱ کالم ۲؎ ؎۲ آزاد ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء صہ۶ کالم ۲

؎۳ آزاد ۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء صہ۱ کالم ۳۔ خدائی تصرّف ملاحظہ ہو اِسی اخبار نے جناب الطاف پرواز کی ایک نظم شائع کی جس میں مطالبۂ اقلیّت کی نامعقولیّت واضح کی۔ اس نظم کے چند اشعار یہ تھے ؎

اقلیّت رواداری کی طالب بن کے آئے گی
کہو کیا پھر اجازت ہو گی انکارِ رسالت کی

مٹاؤ گے تم اِس فتنے کو کیونکر ملک و ملّت سے
چلے گی کِس طرح تحریک پھر ختمِ نبوّت کی

محمّد کی رسالت پر اگر ایمان رکھتے ہو
سیاست سے الگ رہ کر اصولِ دین سمجھاؤ

اگر ظلمت کا اندیشہ ہے تم کو بے خطر ہو کر
جہانِ آدمیّت میں ضیاءِ قرآں کی پھیلاؤ

اگر تبلیغِ دیں میں رنگ ہو اخلاص کا غالب
رہے "الحاد" کا کوئی نہ پاکستان میں طالب ؎۱

؎۱ آزاد ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء صہ۱ کالم ۱؎

۷۲ فرقوں کا "اجماع"

۷۔ جناب مولوی اختر علی خاں صاحب ابن مولوی ظفر علی خاں نے نومبر ۱۹۵۲ء میں کہا کہ:۔

"مجلسِ عمل نے گذشتہ تیرہ سو سال کی تاریخ میں دوسری مرتبہ اجماع اُمّت کا موقعہ مہیا کیا ہے۔ آج مرزائے قادیان کی مخالفت میں اُمّت کے ۷۲ فرقے متحد و متفق ہیں حنفی اور وہابی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی، اہلحدیث سب کے علماء، تمام پیر اور تمام صوفی اس مطالبہ پر متفق و متحد ہیں کہ مرزائی کافر ہیں انہیں مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دو۔" ؎۱

وزیرِ اعظم پاکستان کے احمدی ہونے کا پراپیگنڈا

۸۔ جناب سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور ان کے رفقاء نے یہ پراپیگنڈا کیا کہ:۔

"خواجہ ناظم الدین مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت کر کے قادیانی ہو گئے ہیں اور ان کے قادیانیوں کے درمیان کوئی رشتے بھی ہو چکے ہیں؟" ؎۲

مرکزی وزراء پر انتشار پھیلانے کا الزام

۹۔ "مجاہدِ ملّت" جناب مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے بھرے جلسوں میں یہ الزام لگایا کہ:۔

"ملک میں بدامنی اور انتشار پھیلانے کی ذمہ داری اُن لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو وزارتوں کی گدیوں پر فائز ہیں۔ آج ملک میں جو پریشانی پھیلی ہوئی ہے وہ صرف ان کُرسی نشینوں کی بدولت ہے جو اسلام کا نام لے کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔" ؎۳

"ریاست در ریاست"

۱۰۔ جناب مولانا مرتضیٰ احمد خاں صاحب میکش نے ناصحانہ انداز میں کہا:۔

"میں اربابِ اقتدار کو ایسی بات کی طرف توجّہ دلاتا ہوں جو پاکستان کے اندر پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے بنائی گئی ہے وہاں زمین دوز سُرنگیں ہیں، وہاں بم تیار ہوتے ہیں، وہاں مضبوط قلعہ بنایا جا رہا ہے۔۔۔ وہ ریاست جہاں ایسی تیاریاں ہو رہی ہیں وہ مرزائیوں کی ریاست ہے جس کا

؎۱ "زمیندار" ۵ر نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔

؎۲ ہفت روزہ "حکومت" ۱۴ر فروری ۱۹۵۳ء و "آزاد" ۳۰ر جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳ ۔

؎۳ "آزاد" ۷ر ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ ۔

نام ربوہ ہے"۔ [1]

حکومت کو دھمکی

۱۱۔ جناب مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے کہا:۔

" اگر حکومت نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو اسکا وہی حشر ہوگا جو مصر میں شاہ فاروق کا ہوا ہے"۔ [2]

حکومتِ پاکستان کے خلاف فرضیتِ جہاد کا فتویٰ

۱۲۔ پاکستان کے ممتاز علماء میں سے مولانا عارف اللہ صاحب، مولانا غلام اللہ خاں صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح، مولانا عبدالحکیم صاحب، مولانا محمد مسکین صاحب، مولانا محمد انیس صاحب، مولانا عبدالستار صاحب اور دیگر علماء وخطباء نے پوری شرح وبسط سے تقاریر کیں کہ " ہم مجلسِ عمل کے حکم کے منتظر ہیں ورنہ یہ قید وبند اور ہتھکڑیاں و بیڑیاں ہمارے لئے نئی نہیں ہیں یہ تو حق کی حمایت میں اُسوۂ یوسف وسُنتِ سجاد کے درجہ میں ہیں اگر حکومت نے مرزائیت نوازی ترک نہ کی تو خدا کے نام پر قائم کیا ہوا پاک ملک کافرستان بن جائیگا اور ہم پر جہاد فرض ہو جائے گا"۔ [3]

خوفناک ردِّعمل کا انتباہ

۱۳۔ اخبار" زمیندار" نے ۱۶ر فروری ۱۹۵۳ء کو اداریہ میں لکھا:۔

" اگر الحاج خواجہ ناظم الدین نے اِس قومی مطالبہ کو اَب بھی تساہل و بے پروائی کی نگاہوں سے دیکھا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ جو صُورتِ حال رُونما ہوگی اُس پر قابو پانے میں حکومت کی اجتماعی قوّت بھی کامیاب نہ ہوسکے گی"۔ [4]

احکامِ مملکت ماننے سے انکار

۱۴۔ جناب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہار شریف " رضاکارانِ مجلسِ عمل کے کمانڈر انچیف" نے ۲۳ر فروری ۱۹۵۳ء کو حسبِ ذیل بیان جاری کیا:۔

" آج خواجہ ناظم الدین باغیان محمد عربی کی حمایت کر رہے ہیں۔ جو محمدِ عربی کا باغی ہم اُس کے باغی

---

[1] " آزاد" ۱۳ر اگست ۱۹۵۲ء صہ۶ کالم ۱،۲۔ [2] " زمیندار" یکم اگست ۱۹۵۲ء صہ۱ کالم ۵

[3] " دعوت" لاہور ۱۹۔ فروری ۱۹۵۳ء بحوالہ " الفضل" لاہور ۲۵ر فروری ۱۹۵۳ء/ ۲۵ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش

[4] " زمیندار" ۱۶ر فروری ۱۹۵۳ء صہ۳ (اداریہ)

ہیں اس کے احکام کی ہم قطعاً پابندی نہ کریں گے"۔ [1]

الٹی میٹم

۱۵۔ "خطیبِ پاکستان" جناب قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کی تقریر بہاول پور (دسمبر ۱۹۵۲ء) :-

"ہمارے ذمہ دارانِ حکومت ختم نبوت سے بے اعتنائی کر کے اپنے خلاف بغاوت پر مجبور نہ کریں"۔ [2]

محمد عربی کے باغی حکمران

۱۶۔ "امیر شریعتِ احرار" جناب سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مسجد نور کراچی میں تقریر کی کہ :-

"ایک مسلمان سلطنت اور مسلمان قوم کے حکمران وہی ہو سکتے ہیں جو مسلمان ہوں اور محمد عربی کے غلام محمدِ عربی کے باغی اور کافر و مرتد مسلمان قوم کے حکمران نہیں رہ سکتے"۔ [3]

جناب سید مظفر علی صاحب شمسی نے کہا :-

"خواجہ ناظم الدین اور اس کی حکومت پر ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ہم محمد عربی صلعم کے باغیوں کو اس اسلامی ملک کی مسندِ وزارت پر قابض ہوتے برداشت نہیں کریں گے۔ کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں محمدِ عربی صلعم کے دشمن اور ان کی توہین کرنے والے دندناتے پھریں؟" [4]

پاکستان کا سب سے بڑا باغی ہونا عبادت

۱۷۔ جناب حافظ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف نے ۱۳ر نومبر ۱۹۵۲ء کو کہا :-

"اب پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ ہم تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ دیر توہین برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔ حکومت تاجدارِ مدینہ کی عزت و عظمت کی حفاظت کرے ورنہ میں اس مملکت کا سب سے بڑا باغی ہوں اور یہ بغاوت میرے ہاں کوئی جرم نہیں بلکہ میں اس بغاوت کو عبادت خیال کرتا ہوں"۔ [5]

حکومتِ پاکستان کی حمایت حرام

۱۸۔ جناب مولانا سید ابو الحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلسِ عمل پنجاب نے ۱۵ر فروری ۱۹۵۳ء کو ایک جلسہ میں فرمایا :-

---

[1] آزاد ۲۵ر فروری ۱۹۵۳ء صہ کالم ۶ ÷ [2] آزاد ۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء صہ کالم ۵

[3] ہفت روزہ "حکومت" کراچی ۴ر فروری ۱۹۵۳ء صہ کالم ۲-۳ ÷ [4] آزاد ۶ر فروری ۱۹۵۳ء صہ کالم ۵-۶ ÷ [5] آزاد ۱۶ر نومبر ۱۹۵۲ء صہ کالم ۱-۲ ÷

"میں پولیس، فوج تمام سرکاری ملازموں، افسروں اور حکمرانوں کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ ایک دن آنے والا ہے جس کی خبر قرآن دے چکا ہے وہ دن قیامت کا ہے بہشت اور دوزخ میں سے ایک ٹھکانا منتخب کرنے کا ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ اگر تم نے ختمِ نبوّت کے علمبرداروں پر گولیاں چلائیں تو تمہارا ٹھکانا کہاں ہوگا۔"

"میں اس فتویٰ کا اعلان کرتا ہوں کہ ایسی حکومت کی حمایت حرام ہے جو ختمِ نبوّت کے محافظوں پر گولی چلائے۔" [۱]

خواجہ ناظم الدین کا گریبان پکڑ لیں گے

۱۹۔ جناب ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مرکزیہ مجلس احرار اسلام نے "ختمِ نبوّت کانفرنس" چنیوٹ (منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۲ء) کو دھمکی دی کہ:-

"اب جو دستوریہ کی رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں مرزائیوں کو اقلیتوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ ہم نے حکومت کو ایک ماہ کی مُہلت دی ہے اگر ایک ماہ کے بعد بھی حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا تو پھر ہم خود ہاتھ پاؤں ماریں گے اور جس طرح ڈوبنے والا سہارا دینے والے کی ہر وہ پہلی چیز مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے جو اس کے ہاتھ میں آتی ہے ہم بھی جہاں ہمارا ہاتھ پہنچے گا اسی چیز کو پکڑ لیں گے خواہ وہ ناظم الدین کا گریبان ہو یا کسی اَور کا۔" [۲]

نوٹس کی آخری میعاد قطعی ہے

۲۰۔ جناب مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد صاحب قادری صدر مجلسِ عمل پنجاب نے ۲۰ر فروری ۱۹۵۳ء کو واضح کیا:-

"بائیس فروری کے بعد حکومتِ پاکستان کو ایک دن کی بھی مُہلت نہیں دی جائے گی۔"

"مجلسِ عمل کے نوٹس کی میعاد آخری ہے اور اس میں مزید توسیع قوم کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔" [۳]

---

[۱] "آزاد" ۱۸ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

[۲] "آزاد" لاہور ۱۶ر جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳۔

[۳] "آزاد" ۲۳ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۔

مطالبات منظور کرائے بغیر باہر نہ آئیں گے

۲۱۔ جناب سید ابو الحسنات محمد احمد صاحب قادری صدر جمعیۃ علمائے پاکستان نے اس عزم کا اظہار کیا :۔

"اگر ہمیں گرفتار کر لیا گیا تو ہم الحمد للہ کہہ کر آپ کی جیلوں میں ڈیرے ڈالیں گے اور اس وقت تک باہر نہیں آئیں گے جب تک ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کر لئے جاتے ہم جب باہر آئیں گے تو چوہدری ظفر اللہ ہمیں وزارتی گدی پر نظر نہیں آئیں گے۔" [۱]

ہر طاقت کو پاش پاش کر دینے کا عزم

۲۲۔ جناب ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار نے موچی دروازہ کے ایک جلسہ میں کہا۔

"مجلس عمل اپنا پروگرام مرتب کر چکی ہے اور اب دُنیا کی کوئی طاقت اسے آگے قدم بڑھانے سے روک نہیں سکتی اور ہمارا ایمان ہے کہ مرزائیوں کو شکست ہوگی اور جو طاقت بھی ہمارے اس پروگرام میں حائل ہوگی ہم اسے بھی ہٹا دیں گے۔" [۲]

پیشگوئیاں

۲۳۔ جناب مولانا اختر علی خاں صاحب مدیر "زمیندار" نے نومبر ۱۹۵۲ء میں جلسہ پنڈی بھٹیاں سے خطاب کرتے ہوئے کہا :۔

"مَیں اس پلیٹ فارم سے یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ قادیانیت بھی اسی طرح ختم ہوگی جس طرح انگریز یہاں سے گیا۔" [۳]

ازاں بعد ۱۶ر فروری ۱۹۵۳ء کو کہا :۔

۲۴۔ "مَیں اس ملک کے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت تک یہ آواز پہنچانا چاہتا ہوں کہ اب اس ملک میں مسلمان رہیں گے یا مرزائی۔" [۴]

۲۵۔ جناب تاج الدین صاحب انصاری نے موچی دروازہ کے جلسہ (منعقدہ یکم فروری ۱۹۵۲ء) میں کہا :۔

"مجلس عمل اپنا پروگرام مرتب کر چکی ہے اور اب دُنیا کی کوئی طاقت اسے آگے قدم بڑھانے

---

[۱] زمیندار ۳ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲ ☆ [۲] آزاد ۶ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲

[۳] زمیندار ۲۳ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۵ ☆ [۴] زمیندار ۱۸ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۳

سے روک نہیں سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ حکومت جس قدر عجلت کے ساتھ ہم پر ہاتھ ڈالے گی اُسی عجلت کے ساتھ ہماری کامیابی ہمارے قدم چُومے گی۔" لہ

۲۶۔ جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے "ختم نبوّت کانفرنس" چنیوٹ (منعقدہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۵۲ء) کو خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"مرزا محمود کو آگاہ رہنا چاہیئے کہ اس کی بڑ کا ۵۲ء گزر گیا ہے۔۔۔ لو اب ۵۳ء بخاری کا ہے اور مَیں اپنے مولا کریم کے فضل و کرم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہوشیار ہو جاؤ آخری فتح میری ہوگی۔" ٢ه

"قادیانی مسلم" فسادات کی دھمکی

۲۷۔ راست اقدام کے نامور لیڈروں نے دستوری سفارشات کے متعلق جنوری ۱۹۵۳ء میں ایک مفصّل بیان دیا جس میں انہوں نے حکومتِ پاکستان کو مخاطب کرتے ہوئے یہ زبردست انتباہ کیا:۔

"ان کو پچھلے دَور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہ ہونا چاہیئے جنہوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو اس وقت تک محسوس کرنے ہی نہ دیا جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلودہ نہ ہو گیا جو دستور ساز حضرات خود اِس ملک کے رہنے والے ہیں ان کی غلطی بڑی افسوسناک ہوگی کہ وہ جب تک پاکستان میں قادیانی مُسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں اس وقت تک انہیں اِس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مُسلم مسئلہ بھی موجود ہے۔" ٣ه

بانیٔ جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے موچی دروازہ کے ایک جلسۂ عام میں علماء کے اِس بیان کی مکمل حمایت میں تقریر کی اور کہا:۔

"قوم کے متفقہ مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو بہت ممکن ہے یہ مسئلہ ہندو مُسلم فسادات سے بھی نازک صُورت اختیار کر جائے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ "مسلمان" اور "مرزائی" سوال پیدا ہونے اور

لہ زمیندار ۳رفروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۲ ٭ ٢ه آزاد ۱۶رجنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱

٣ه اخبار "کوثر" ۲۵رجنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔ جناب مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے انہی دنوں کہا "کیا ہماری حکومت بھی مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور مسلمانوں کے دوسرے مطالبات اس وقت تسلیم کرے گی جب خون کی ندیاں بہہ نکلیں گی۔" (آزاد ۱۸رفروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳) ٭

اس سے رُونما ہونے والے حالات سے پہلے ہی قوم کے مطالبات تسلیم کرلے۔" [1]

اخبار زمیندار (یکم فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱) میں یہی بیان درج ذیل الفاظ میں شائع ہوا۔

"اگر قوم کے متفقہ مطالبہ کو نظر انداز کیا گیا اور اس فرقہ کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کا اعلان نہ کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ اِس ملک میں ہندو مُسلم فسادات کی طرح قادیانی اور مسلم فسادات کا سِلسلہ شروع ہو جائے۔ یہ وہ نازک صُورتِ حال ہو گی جسے شاید ہماری حکومت برداشت نہ کر سکے گی۔" [2]

جماعتِ اسلامی کے کردار پر ایک نظر

اِس مرحلہ پر یہ بتانا ضروری ہے کہ احمدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن کی بُنیاد تو احراری علماء نے رکھی تھی جیسا کہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے تھے:-

"اِس ایجی ٹیشن کی ابتداء کرنے والے بلاشبہ احرار تھے۔" [3]

مگر جب فسادات کے لئے ماحول سازگار ہو گیا تو جماعتِ اسلامی بھی پیش پیش نظر آنے لگی حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُس نے شروع ۱۹۵۲ء میں دستور ساز اسمبلی پاکستان سے دستور کو خالص اسلامی بنانے کے لئے جن آٹھ مطالبات کی قطعی صراحت کا مطالبہ کیا تھا اور جس کے لئے اس نے ایک وسیع مہم چلا کر بہت سے مسلمانوں سے دستخط کرائے تھے اُن میں جماعتِ احمدیہ کو اقلیت قرار دینے کا ذکر تک نہیں تھا۔ یہ مطالبہ دستخط کرانے کے بعد پُر اسرار طریق سے از خود شامل کیا گیا [4] جس پر راولپنڈی کے معززین و زعماء نے کھلا احتجاج کیا۔

اِس غیر اسلامی اقدام کے نتیجہ میں جماعتِ اسلامی کی عملی پالیسی کے متعدد ایسے پہلو نمایاں ہو کر سامنے آ گئے جو حد درجہ افسوسناک اور ناقابلِ فہم تھے۔ مثلاً:-

اوّل۔ جماعتِ اسلامی نے سات برس قبل تحریکِ پاکستان کی مخالفت کا شرعی جواز ہی یہ پیش کیا تھا کہ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت مطالبۂ پاکستان پر متفق و متحد ہے مگر حدیثِ نبوی

---

[1] آزاد ۳۱ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲ ÷ [2] زمیندار یکم فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱

[3] روزنامہ آفاق (لاہور) ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ ÷ [4] ملاحظہ ہو اشتہار "ہم مطالبہ کرتے ہیں" مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور۔ شائع کردہ جماعتِ اسلامی پاکستان نیز "دستوری تجاویز" سرورق صفحہ ۲ از سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی طبع اوّل ۱۴ اگست ۱۹۵۲ء۔ ناشر مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی اچھرہ ÷

کے مطابق اکثریت باطل پر ہے[1] اور ۷۲ فرقوں میں سے صرف وہ فرقہ ناجی ہے جو اقلیت میں ہوگا چنانچہ جماعتِ اسلامی کے ترجمان رسالہ "ترجمان القرآن" ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۵ء نے لکھا:۔

"اسلام میں نہ اکثریت کا کسی بات پر متفق ہو جانا اس کے حق پر ہونے کی دلیل ہے، نہ اکثریت کا نام سوادِ اعظم ہے، نہ ہر بھیڑ جماعت کے حکم میں داخل ہے اور نہ کسی مقام کے مولویوں کی کسی جماعت کا کسی رائے کو اختیار کر لینا اجماع ہے۔ ان ساری غلط فہمیوں سے تعرض کرنے کا یہ موقع نہیں ہے البتہ مذکورہ بالا حدیث کا مطلب ہم بیان کئے دیتے ہیں۔

---

[1] بالکل اسی نظریہ پر احرار نے مخالفتِ پاکستان کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ایک بار سید عطاء اللہ شاہ صاحب نے کہا "ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدھر اکثریت ہو ادھر تم بھی چلو اور اکثریت کا ساتھ (دو) ہم اکثریت نہیں چاہتے ہمیشہ اقلیت حق پر ہوتی ہے۔۔۔ ہم نام نہاد اکثریت کی تابعداری نہیں کریں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثریت باطل پر ہے۔" (اخبار زمزم ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء بحوالہ "سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص۱۱۶ مؤلفہ خان حبیب الرحمٰن صاحب کابلی" طبع اوّل جون ۱۹۴۰ء)

آپ نے ایک اور موقعہ پر تقریر کے دوران کہا "اگر اکثریت کا لحاظ ہے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر درود کیوں بھیجتے ہو یزید پر درود پڑھو" (فرمودات امیرِ شریعت" ص۹۵ مرتب جناب حکیم مختار احمد الحسینی صاحب مکتبہ تعمیرِ حیات چوک رنگ محل لاہور)

شاہ صاحب نے قیامِ پاکستان کے بعد یہ بھی کہا: "کمیونسٹوں سے ہماری جنگ کیسی، اسلام و اشتراکیت کا جھگڑا کیسا۔ میں تو پوچھتا ہوں کہ اسلام ہے کہاں جس سے کمیونزم کی جنگ ہو گی" (خطباتِ امیرِ شریعت" ص۵۹ مرتبہ جانباز مرزا طبع اوّل پنجاب پریس لاہور)

نیز کہا:۔

"کعبہ سے کراچی تک ہر جگہ قانونِ کفر ہی مسلط ہے" ؎

"زکافِ کعبہ تا کافِ کراچی
سراسر کفر و کفر دوں کفر"

(حیاتِ امیرِ شریعت" ص۵۲۵، ص۵۲۶ مرتبہ جانباز مرزا۔ ناشر مکتبہ تبصرہ ۱/۷ گلشن کالونی شادباغ لاہور)

مذکورہ بالا حدیث ترمذی میں اِن الفاظ کے ساتھ وارد ہے: "انّ اللّٰہ لا یجمع امّتی اَوقال امّۃ محمّد علی ضلالۃ ویداللّٰہ علی الجماعۃ ومن شذّ شذّ فی النّار" (اللہ تعالیٰ میری اُمّت کو یا یوں فرمایا کہ محمد کی اُمّت کو ضلالت پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہُوا وہ جہنم میں پڑا) اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس اُمّت پر کوئی ایسا دَور نہیں آئے گا کہ یہ پُوری اُمّت گمراہی میں پڑجائے بلکہ اس میں ایک گروہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور وہی جماعت ہے اور اللہ کا ہاتھ اس جماعت پر ہے۔ اور جو اس جماعت سے الگ ہُوا وہ جہنّم میں گرا۔ اِس مطلب کی تائید اس حدیثِ نبویؐ سے ہوتی ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے بایں الفاظ مروی ہے: "انّ بنی اسرائیل تفرّقت علی اثنتین وسبعین ملّۃ وتفترق امّتی علی ثلاث وسبعین ملّۃ کلّھم فی النّار الّا ملّۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللّٰہ؟ قال ما انا علیہ واصحابی!" بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی جو سب کے سب جہنّم میں پڑجائیں گے بجز ایک کے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون لوگ ہوں گے یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا وہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے۔

احمد اور ابوداؤد کے یہاں پہلی روایت کسی قدر مختلف الفاظ میں ہے اور ان میں اِس بات کی تصریح ہے کہ یہی فرقہ جو آپ کے اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگا، جماعت ہے اور اس کے اُوپر اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہے۔ عن معاویۃ ثنتان وسبعون فی النّار وواحدۃ فی الجنّۃ وھی الجماعۃ (معاویہؓ سے روایت ہے کہ بہتّر فرقے جہنّم میں ہوں گے ایک جنّت میں ہوگا اور وہی جماعت ہے) اِس سے معلوم ہوُا کہ ایک زمانہ اس اُمّت پر ایسا آئے گا کہ اس کے بڑے حصّہ میں ضلالت کا اثر اسی طرح سرایت کرجائے گا جس طرح باؤلے کُتّے کے کاٹنے سے اس کا زہر آدمی کی رگ رگ میں سرایت کرجاتا ہے صرف تھوڑے لوگ بچ رہیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوں گے اور وہی لوگ جماعت کے حکم میں ہوں گے۔ بعینہٖ اسی مضمون کی ایک حدیث اور بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

لا تزال طائفۃ من اُمّتی علی الحق... الخ۔ میری اُمّت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر

قائم رہے گا اور جو لوگ انہیں چھوڑیں گے ان کو کچھ ضرر نہ پہنچائیں گے۔

اِن احادیث کی روشنی میں زیرِ بحث حدیث کا مطلب یہ نکلا کہ یہ پُوری اُمّت کبھی گمراہ نہ ہوگی بلکہ ایک جماعت خواہ وہ کتنی ہی مختصر ہو حق پر قائم رہے گی اور وہی جماعت ناجی ہے۔ اسی کے اُوپر اللہ کا ہاتھ ہے بقیہ سب جہنّم میں پڑیں گی۔ اِن احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ یہ گروہ نہ کثرت میں ہوگا نہ اپنی کثرت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرائے گا بلکہ اس اُمّت کے ۷۳ فرقوں میں سے ایک ہوگا اور اس معمور دُنیا میں ان کی حیثیت اجنبی اور بیگانہ لوگوں کی ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے "بدء الاسلام غریبًا وسیعود کما بدء، فطوبی للغرباء ھم الذین یصلحون ما افسد الناس بعدی من شئ" (اسلام غربت میں شروع ہوُا اور اسی غربت میں پھر مُبتلا ہوگا پس مبارکباد ہے ان "اجنبیوں" کے لئے جو دوسروں کے بگاڑے ہوئے دین کی اصلاح کریں گے)۔

پس جو جماعت محض اپنی کثرتِ تعداد کی بناء پر اپنے آپ کو وہ جماعت قرار دے رہی ہے جس پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جس سے علیحدہ ہونا جہنّم میں داخل ہونے کے مترادف ہے اس کے لئے تو اس حدیث میں اُمّید کی کوئی کرن نہیں کیونکہ اس حدیث میں اس جماعت کی دو علامتیں نمایاں طریقہ پر بیان کردی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگی، دوسری یہ کہ نہایت اقلیت میں ہوگی۔" [1] [2]

---

[1] رسالہ "ترجمان القرآن" ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۹، صفحہ ۸

[2] جناب مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور نے ایک بار خطبۂ جمعہ کے دوران بتایا "اس حدیث شریف کا حاصل یہ نکلا کہ آپ کی اُمّت کہلانے والوں میں ۷۲ فرقے ہوں گے اور فقط ایک فرقہ صحیح معنوں میں آپ کی اُمّت کہلانے کا مستحق ہوگا اس سے معلوم ہوُا کہ کھری اُمّت کمیاب ہوگی اور کھوٹی اُمّت کی بہتات ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوُا کہ کھوٹی اُمّت کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کھری اُمّت بہشت میں جائیگی۔ نیز معلوم ہوُا کہ کھری اُمّت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہو اور کھوٹی اُمّت وہ ہے جو نام تو اسلام کا لے اور مسلمان کہلائے مگر اُن کا دین رسول اللہ والا نہ ہو بلکہ بعد کی ایجاد شدہ چیزیں ہوں۔"

("آزاد" لاہور ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۴)

دوم - جماعتِ احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ صرف پاکستان کے اقلیتی طبقوں کا مطالبہ تھا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی مسئلہ[1]" میں بھی لکھا کہ :-

"تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ابھی تک اس کی صحت و معقولیت کی قائل نہیں ہو سکی ہے اور پنجاب و بہاولپور کے سوا دوسرے علاقوں خصوصاً بنگال میں ابھی عوام الناس بھی پوری طرح اُسکا

---

[1] یہ رسالہ مودودی صاحب نے مارچ ۱۹۵۳ء میں عین اُس وقت شائع کیا جبکہ علماء کی شعلہ افشانیوں نے ملک کو فرقہ دارانہ فسادات کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ جناب غلام احمد صاحب پرویز مدیر "طلوعِ اسلام" لکھتے ہیں: "سب سے زیادہ اہمیت مودودی صاحب کے رسالہ قادیانی مسئلہ کو دی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اِس رسالہ کے دلائل اِس قدر پوچھے ہیں کہ ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ خود احمدیوں کے حق میں چلے جاتے ہیں۔" ("مزاج شناسِ رسول" صفحہ ۴۴۳ طبع اوّل ناشر ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی)

امریکہ کی ٹفٹس یونیورسٹی (TUFTS UNIVERSITY) میں تاریخ کے پروفیسر مسٹر فری لینڈ ایبٹ (FREELAND ABBOT) نے مڈل ایسٹ جرنل کی سرمائی اشاعت ۱۹۵۷ء میں "قادیانی مسئلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "اِس پمفلٹ میں خواہ علمی لحاظ سے کیسے ہی عمدہ دلائل کیوں نہ دیئے گئے ہوں بہرحال ایک کشیدگی کی موجودگی میں اس کی اشاعت یقیناً کھچاؤ میں اضافہ کا باعث ہوئی۔ احمدی قبل ازیں ایک مدت سے جماعتِ اسلامی کی مخالفت میں بہت سرگرم رہے تھے عین ممکن ہے کہ مولانا مودودی اس مخالفت سے سرگرداں ہو چکے ہوں اور مولانا موصوف نے مسلم سوسائٹی سے ان لوگوں کے اخراج کا موقعہ غنیمت جان کر یہ پمفلٹ لکھا ہو اور انہیں اِس بات کا خیال نہ آیا ہو کہ یہ پمفلٹ بھی کشیدگی میں اضافہ ہی کرے گا۔۔۔ مولانا مودودی کو اس وقت معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ وہ درحقیقت ایک بہت بڑے آتشگیر بم سے کھیل رہے ہیں۔ ان کا یہ عدم احساس درحقیقت ایک زبردست غیر ذمہ داری کے مترادف ہے۔" (ترجمہ)

(بحوالہ رسالہ "چراغِ راہ" "تحریکِ اسلامی نمبر" صفحہ ۳۶۸
تاریخ اشاعت نومبر ۱۹۶۳ء ناشر ادارہ چراغِ راہ
کراچی)

وزن نہیں محسوس کر رہے ہیں۔" (صفحہ ۱۱-۱۰)

قبل ازیں انہوں نے ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء کو ایک خط میں لکھا:-

"پنجاب سمیت پورے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کو قادیانیوں کے بارے میں ہمارے مطالبے کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جا سکا ہے۔ دوم یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اس مطالبے کی حمایت کے لئے تیار کئے جا سکے ہیں باقی دوسرے تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔" ؎۱

نیز لکھا:-

"ہمارے نزدیک یہ سخت غلط اور غیر مدبرانہ کارروائی ہے۔ اس طرح کے اگر چند مظاہرے اور کر ڈالے گئے تو بعید نہیں کہ بنگال میں اس کا بالکل الٹا ردِّ عمل پیدا ہو جائے اور ہم قادیانیوں کے مسئلے میں بنگال کی تائید حاصل کرنے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ خود پنجاب میں بکثرت لوگ ان مظاہرات کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ دراصل دولتانہ صاحب کے اشارے سے مجلسِ عمل والوں نے کئے ہیں کیونکہ دولتانہ صاحب اس وقت خواجہ ناظم الدین پر دھونس جمانا چاہتے ہیں۔" ؎۲

یہ ایسی واضح حقیقت تھی کہ اس کی تائید میں جماعتِ اسلامی کے ایک راہنما جناب نصراللہ خاں عزیز (مدیر "کوثر") کو مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد یہ بیان دینا پڑا کہ:-

"جب ہم قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے نکتے کا تذکرہ کرتے تو جواب ملتا یہ تو فرقہ بندی ہے فتنۂ تکفیر ہے۔ مولوی تو اس سے پہلے اسی طرح ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے آئے ہیں قادیانی گمراہ سہی مگر ان کو کافر کہنے سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا۔ بعض کہتے وہ تو اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ قرآنِ مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں انہوں نے کیا ہے اور ان کے مشن ممالکِ غیر میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔" ؎۳

اس حقیقت کے باوجود حکومت کو اس غیر جمہوری مطالبہ کے سامنے سپر انداز ہونے کی دھمکی دینا

؎۱ "یہ گرفتاریاں کیوں؟" صفحہ ۲۹ ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان۔ اشاعت اول اپریل ۱۹۵۳ء مطبوعہ ناظر پرنٹنگ پریس اخبار بلڈنگ میکلوڈ روڈ کراچی۔ ؎۲ ایضاً صفحہ ۲۸۔

؎۳ اخبار "کوثر" لاہور ۴ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۔

عقل وفہم کے منافی تھا۔

سوم ۔ بفرضِ محال اِس مطالبہ کو ملک کے دونوں حصّوں کے اکثر باشندوں کی حمایت بھی[1] حاصل ہوتی تب بھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا فرض تھا کہ وہ عوام کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سپریم کورٹ کے اِس واضح آئینی و قانونی فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کو اپنے لئے موجبِ سعادت سمجھتی جو مولانا مودودی صاحب نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو موچی دروازہ لاہور کے ایک جلسۂ عام میں سُنایا تھا اور جو انہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔

"اسلامی حکومت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ اس میں لوگوں کو جان، مال اور عزّت کے تحفّظ کی جو ضمانت دی جائے گی وہ کسی شخص یا گروہ کی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کی طرف سے دی جائیگی اور قانونِ خداوندی کے سوا کسی دوسرے قانون کے تحت کسی شخص کے ان بنیادی حقوق پر ہاتھ نہ ڈالا جاسکے گا۔ اِس دستوری قاعدے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

"جس شخص نے وہ نماز ادا کی جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اس قبلہ کی طرف رُخ کیا جس کی طرف ہم رُخ

---

[1] یہاں یہ بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسلمانانِ ہند و پاکستان کی اکثریت کی نسبت مودودی صاحب کی حتمی رائے یہ تھی کہ "ایک قوم کے تمام افراد کو محض اِس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ اُن کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول پر ہی ہوگا پہلی اور بُنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ اُن کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہُوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اِس لئے مسلمان ہیں۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۱۳۲، ص۱۳۳۔ طبع ہفتم ۱۹۵۵ء۔ ناشر مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی پاکستان اچھرہ لاہور)۔ "قرآن میں جن کو اہلِ کتاب کہا گیا ہے وہ آخر نسل مسلمان ہی تو تھے" (ایضاً ص۱۹۹) پھر عہدِ حاضر کے مسلمان فرقوں کی نسبت فرماتے ہیں: "خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر اہلحدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی وغیرہ الگ الگ اُمتیں بن سکیں۔ یہ اُمتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔" (خطبات طبع چہارم ص۳۲۷ ناشر مکتبہ جماعتِ اسلامی دارالاسلام جمالپور پٹھانکوٹ)

کرتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے پس تم اللہ کے دئے ہوئے ذمے میں اس کے ساتھ دغا بازی نہ کرو۔"

اِس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ اسلامی حکومت میں شہریوں کو بنیادی حقوق کی جو ضمانت دی جاتی ہے وہ دراصل خدا اور رسول کی طرف سے نیابۃً دی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی حکومت یہ ضمانت دینے کے بعد قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے طریقے پر شہریوں کے اس حق کو چھینے تو وہ دراصل خدا کے ساتھ دغابازی کی مجرم ہے۔" ؎۱

چہارم۔ جناب مودودی صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ احراری تحریک کا ختمِ نبوّت کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں مگر اس کے باوجود انہوں نے جماعتِ اسلامی کی پوری مشینری اس کی حمایت میں لگا دی۔ خود لکھتے ہیں:۔

"اِس کارروائی سے دو باتیں میرے سامنے بالکل عیاں ہوگئیں۔ ایک یہ کہ احرار کے سامنے اصل سوال تحفّظِ ختمِ نبوّت کا نہیں بلکہ نام اور سہرے کا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے جان و مال کو اپنی اغراض کے لئے جوئے کے داؤ پر لگانا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رات کو بالاتفاق ایک قرارداد طے کرنے کے بعد چند آدمیوں نے الگ بیٹھ کر ساز باز کی ہے اور ایک دوسرا ریزولیوشن بطور خود لکھ لائے ہیں۔ مَیں نے محسوس کیا کہ جو کام اس نیت اور طریقوں سے کیا جائے اس میں کبھی خیر نہیں ہو سکتی اور اپنی اغراض کے لئے خدا اور رسول کے نام سے کھیلنے والے جو مسلمانوں کے سروں کو شطرنج کے مُہروں کی طرح استعمال کریں اللہ کی تائید سے کبھی سرفراز نہیں ہوسکتے۔" ؎۲

انہوں نے ایک تقریر میں یہ بھی بتایا کہ:۔

"مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ ختمِ نبوّت کی تحریک اٹھوائی ہی اس غرض کے لئے گئی تھی کہ مطالبۂ نظامِ اسلامی کو روکا جائے۔ اِس موقع پر ختمِ نبوّت کی تحریک کے لیڈروں کو بہتیرا سمجھایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ خدا کے لئے ایک مرتبہ دستور پاس ہو جانے دو اس کے بعد تم اس مسئلے کو اُٹھا سکتے ہو۔ خواجہ ناظم الدین

؎۱ "دستوری سفارشات پر تنقید اسلامی اور جمہوری نقطۂ نظر سے" مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ص۱۴، ص۱۵۔ ناشر شعبہ نشرو اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان۔

؎۲ روزنامہ "تسنیم" لاہور ۲ جولائی ۱۹۵۵ء (جماعتِ اسلامی کا آرگن)

کی رپورٹ تیار ہو چکی تھی۔ دستور پاس ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہیں تھی صرف اتنا کام باقی تھا کہ دستور ساز اسمبلی میں بنیادی اصولوں کی رپورٹ پیش ہوا اور دستور پاس ہو جائے لیکن عین وقت پر ہنگامہ برپا کر دیا گیا۔۔۔ اور بیوروکریسی اس طرح ملک کے سینے پر سوار ہوئی کہ آج تک اس سے پیچھا نہیں چھڑایا جا سکا ہے۔" لہ

پنجم۔ جناب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے نزدیک ملک کے سب علمائے دین اور مسلمان سیاسی جماعتیں خصوصاً مسلم لیگ گم کردہ راہ اور پاکستان دراصل ناپاکستان بلکہ کافرانہ ریاست تھی چنانچہ وہ برملا برسوں سے اس عقیدہ کا پُرزور اعلان کر رہے تھے کہ:۔

"خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیانِ شرع مبین دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریے اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔"

"یہ ویسا ہی ناپاکستان ہوگا جیسا ملک کا وہ حصّہ جہاں آپ کی اسکیم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک اس سے زیادہ مبغوض و ملعون ہوگا۔"

"اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔" ٢ہ

اِس نظریہ و مسلک کی موجودگی میں مودودی صاحب جیسے "مفکرِ اسلام" کا علماء سے گٹھ جوڑ کر کے پاکستان اسمبلی کے سامنے مطالبۂ اقلیت پیش کرنا اُن کی اصطلاح میں حاکمیّتِ طاغوت کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔

ششم۔ مولانا مودودی صاحب یہ حقیقت بھی برسوں سے ببانگِ دہل پیش کرتے آرہے تھے کہ عہدِ حاضر میں صرف اُسی شخصیت سے نظامِ اسلامی کی تشکیل ممکن ہے جو نبی کی نظر رکھتا ہو چنانچہ آپ نے لکھا:۔

"علماء (اِلّا ماشاءاللہ) خود اسلام کی حقیقی رُوح سے خالی ہو چکے تھے۔۔۔۔ ان پر تو اسلاف کی اندھی

لہ "جماعتِ اسلامی کے ۲۹ سال" ص۶۱ (تقریر سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعتِ اسلامی مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۷۰ء) شعبۂ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان لاہور طبع اوّل ستمبر ۱۹۷۰ء۔

٢ہ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصّہ سوم ص۱۲۶، ص۱۲۸، ص۱۷۶۔

اور جامد تقلید کا مرض پوری طرح مسلط ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کو ان کتابوں میں تلاش کرتے تھے جو خدا کی کتابیں نہ تھیں کہ زمانے کی قیود سے بالاتر ہوتیں۔ وہ ہر معاملہ میں اُن انسانوں کی طرف رجوع کرتے تھے جو خدا کے نبی نہ تھے کہ ان کی بصیرت اوقات اور حالات کی بندشوں سے بالکل آزاد ہوتی۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی کامیاب رہنمائی کر سکتے جبکہ زمانہ بالکل بدل چکا تھا اور علم و عمل کی دُنیا میں ایسا عظیم تغیّر واقع ہو چکا تھا جس کو خدا کی نظر تو دیکھ سکتی تھی مگر کسی غیر نبی انسان کی نظر میں یہ طاقت نہ تھی کہ قرنوں اور صدیوں کے پردے اُٹھا کر ان تک پہنچ سکتی۔" [1]

جماعتِ اسلامی کا مقصد

مندرجہ بالا چار امور کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنا چنداں مشکل نہ تھا کہ جماعتِ اسلامی اس شورش میں دینی نہیں خالص سیاسی مقصد کے لئے شامل ہوئی اور وہ مقصد جس کا اعلان جماعتِ اسلامی کے رہنما ۱۹۵۰ء میں کر چکے تھے صرف یہ تھا کہ :۔

"جب صالحین کا گروہ منظّم ہو، ان کے پاس طاقت موجود ہو۔ اہلِ ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو یا کم از کم اس بات کا ظنِّ غالب ہو کہ عملی جدّوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت اُن کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی اور خون ریزی کے بغیر مُفسدین کے اقتدار کو مٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اُوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظّم کر کے ملک کے اندر بزورِ شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔" [2]

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) کا تبصرہ

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے جناب مودودی صاحب کی موچی دروازے کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :۔

"گذشتہ جمعہ کو ایک پبلک جلسے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے لوگوں کو قادیانیوں کے خلاف تشدّد استعمال کرنے پر علی الاعلان اُبھارا ہے تشدّد کا یہ علی الاعلان پرچار اہلِ فہم حضرات کی نگاہ میں

---

[1] "تنقیحات" ص۱۳، ص۱۴ طبع اوّل ۱۹۳۹ء۔ طبع ہفتم ۱۹۶۳ء۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۱۔ سی شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ [2] "اسلامی ریاست" ص۲، ص۲۲ شائع کردہ مکتبہ جماعتِ اسلامی ذیلدار پارک اچھرہ لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۵۰ء۔

مولانا کی قدر و منزلت بڑھانے کا موجب نہیں بن سکتا ۔۔ اس روز تقریر کرتے ہوئے مولانا نے اعلان کیا کہ اگر حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا تو عین ممکن ہے کہ ملک میں اسی طرح قادیانی غیر قادیانی فسادات شروع ہو جائیں جس طرح پہلے ہندو مسلم فساد ہوا کرتے تھے۔ یہ افسوسناک بات ہے کہ ایک تحریک کا سربراہ جو آزاد خیالی اور روشن ضمیری کا مدعی ہو جیسا کہ جماعتِ اسلامی دعویٰ کرتی ہے اور وہ غیر ذمہ دارانہ باتیں زبان سے ادا کرنے میں احراریوں اور دوسرے علماء کو بھی مات کر دکھائے قادیانیوں کے خلاف نفرت و حقارت کا پرچار کرنے کے باوجود یہ لیڈر بظاہر اپنی طرف سے سامعین پر یہی اثر ڈالتے رہے ہیں کہ وہ اس تحریک کو پُرامن ذرائع تک ہی محدود رکھیں گے اور تشدد کی جانب خفیف سے خفیف میلان کو بھی پنپنے نہ دیں گے لیکن مولانا مودودی نے حکومت کی مشکلات میں ایک اور اضافہ کرنے کی خاطر اور کچھ نہیں تو قادیانیوں کے خلاف ہی سامعین کو فساد برپا کرنے پر اُکسانا شروع کر دیا ۔۔۔ مولانا صاحب موصوف ایک گھٹیا سیاستدان کا کردار ادا کر کے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بٹہ لگا رہے ہیں۔ ان جیسے عالم سے بہتر اور کون جان سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک لاقانونیت سے بڑھ کر اور کوئی جُرم نہیں۔ یہ جُرم اپنی نوعیت کے اعتبار سے مملکت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں ہدایت فرماتا ہے لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ یعنی زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ مولانا نے تشدد کے علی الاعلان پرچار کے ذریعہ اس قرآنی ہدایت کا تمسخر اُڑانے میں نہ صرف کوئی مضائقہ نہ سمجھا بلکہ ایک گُونہ خوشی محسوس کی۔ فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانا قوم و ملک میں انتشار پھیلانے کے مترادف ہے۔ ملک کا کوئی سچا بہی خواہ ایسا خطرناک کھیل نہیں کھیل سکتا۔ اِسلام ایک قوت ہے جس کا مقصد تخریب نہیں تعمیر ہے۔ وہ لوگوں کو باہم متحد بنانے اور انہیں ایک رشتہ میں مُنسلک کرنے آیا ہے۔ ہمارے علماء کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اختلافات مٹیں اور لوگوں میں اتنی فراخدلی پیدا ہو کہ وہ ٹھنڈے دِل سے دوسروں کے نقطہ ہائے نظر بھی سُن سکیں۔ اختلافی مسائل کے باوجود تمام فرقے سُنّی، شیعہ، اہلحدیث، اہلِ قرآن، اہلِ سُنّت والجماعت وغیرہ سب یکساں طور پر اسلام سے وابستہ ہیں۔ قادیانی بھی اِس بارے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی دوسروں کی طرح اظہر من الشمس ہے۔ باہمی اختلافات خواہ کچھ ہی ہوں یہ حقیقت کہ تمام فرقے اسلام کے ساتھ وابستہ ہیں ہم سب کو متحد

رکھنے کا موجب ہونی چاہیئے۔

اختلافات ہمیشہ رہیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے رواداری سے کام لیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر میں جو باتیں مشترک ہوں ان کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کرنے کی کوشش کریں۔ خود اسلام کے متعلق مولانا مودودی کے اپنے نظریات دوسرے لوگوں کے نزدیک سخت قابلِ اعتراض ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا اعتقاد ہے کہ جو شخص اسلام سے ارتداد اختیار کرتا ہے اسے قتل کر دینا چاہیئے۔ ایسا اعتقاد رکھنا اس قرآنی آیت کی واضح نفی پر دلالت کرتا ہے کہ لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ یعنی دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر و دباؤ جائز نہیں ہے۔ کیا قرآن مجید کی اِس غلط توجیہہ کے پیشِ نظر یہ کہنا درست ہوگا کہ مولانا اور ان کی جماعت قرآن سے پھر گئی ہے لہذا اسے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے؟ کبھی نہیں۔ ان کی بعض توجیہات کتنی ہی غلط کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ قرآن کو حَکم مانتے ہیں دُنیا کی کوئی طاقت انہیں اسلام سے خارج نہیں کر سکتی۔ یہی اصول قادیانیوں کے حق میں ناطق ہونا چاہیئے۔ جب تک کوئی شخص قرآن اور رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقراری ہے وہ اِس بات کا حقدار ہے کہ اسے مسلمان قرار دیا جائے۔ اس سے اُتر کر کوئی غلط توجیہہ کسی شخص کو خارج از اسلام کا سزاوار نہیں ٹھہرا سکتی۔ ہم علماء سے اپیل کریں گے کہ وہ سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے اسلام کو آلۂ کار بنا کر خدارا اسے بدنام نہ کریں۔ بُنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ نے ملک میں ایک سو فیصدی اسلامی دستور کے نفاذ کی ضمانت دے دی ہے اور اِس لحاظ سے علماء اب تک رپورٹ میں کوئی نقص نہیں نکال سکتے ہیں اب اُور کچھ نہیں تو وہ قادیانیت کا نعرہ ہی وہ آخری سہارا رہ گیا ہے کہ جس کی مدد سے وہ حکومت کی دُرگت بنانا چاہتے ہیں۔ یہ طریق نہ وطن دوستی کے موافق ہے اور نہ اسلام کے مطابق۔ مُلک کا کوئی سچا ہی خواہ قوم کے اتحّاد اور یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے کا خیال بھی دِل میں نہیں لائے گا کیونکہ اتحّاد اور یکجہتی ہی پاکستان کے بقاء واستحکام کے اصل ضامن ہیں۔ علاوہ ازیں مذہب کے معاملات میں تشدّد کی تعلیم دینا اِسلام کے بھی سراسر منافی ہے کیونکہ اسلام مذہبی اختلافات طے کرنے کے لئے ایک ہی ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ دلائل و براہین کا ہتھیار ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم قادیانیوں کو دلائل سے سمجھائیں کہ ختمِ نبوّت کے متعلق ان کی پیشکردہ توجیہہ درست نہیں ہے

اور اِس طرح انہیں اپنے مسلک پر لانے کی کوشش کریں[1] (ترجمہ)

ایک روسی مورّخ کا نظریہ

سوویٹ روس کے ایک مورّخ (YU. V. GANKOVSKY) L. R. GORDON POLONSKAYA) اپنی کتاب "A HISTORY OF PAKISTAN" میں ۱۹۵۳ء کی شورش کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

مخالف بورژوا اور جاگیردار عناصر کے نزدیک احمدیوں کی ترقی ان کے حقوق اور مراعات پر ایک خطرے کا رنگ رکھتی تھی چنانچہ ۱۹۵۲-۱۹۵۳ء میں مذہبی بدعات کا قلع قمع کرنے کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا۔۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ قادیانی جماعت مسلمانوں کی حکومت، تجارت اور زراعت میں ایک آزاد پارٹی کی طرح ہر جگہ مخالفت کرتی تھی (قادیانی مسئلہ ص۱۷) اور حقیقت میں یہی وجہ تھی جو مودودی صاحب کے لئے سردردی کا موجب تھی۔

شہنشاہیت (سرمایہ داری) کے مابین حریفانہ سرگرمیاں بھی احمدیہ جماعت کی مخالفت میں پیش پیش تھیں۔ مثال کے طور پر جماعتِ اسلامی پاکستان سے امریکہ کے قریبی تعلق کی حامی تھی اور اب وہ احمدیوں کے برطانیہ سے پرانے تعلقات کی شاکی تھی۔

احمدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن اونچے بورژوا کی اس بے چینی کا اظہار بھی تھا کہ یہ جماعت انگریزوں سے پرانے تعلقات کو نباہے چلی جاتی ہے۔ اور یہ وہ طبقہ تھا جو امریکہ کی طرف مائل تھا۔ امریکہ کی کوشش بھی یہ تھی کہ برطانیہ نواز حلقے کی جگہ ایسے لوگ برسرِ اقتدار آجائیں جو اُس کی طرف زیادہ مائل ہوں[2]

(ترجمہ وتلخیص)

اربابِ حل وعقد سے براہِ راست رابطہ اور ملاقاتیں

جماعتِ اسلامی کے رُخِ کردار پر ضمناً روشنی ڈالنے کے بعد ہم بتاتے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ پاکستان کا مرکز، اس کی صوبائی شاخوں کے امراء اور دیگر ذمہ دار احمدی (جو حُبّ الوطنی کے ناقابلِ تسخیر جذبہ سے سرشار تھے) شورش کے ابتدائی دنوں ہی سے افسرانِ حکومت کو خطوں اور تاروں کے ذریعہ صورتِ حال سے باخبر رکھنا اپنا قومی اور ملّی فرض سمجھتے تھے۔

---

[1] روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲ فروری ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۵ فروری ۱۹۵۳ء ص۸

[2] صفحہ ۱۸۴ (ناشر PEOPELS PUBLISHING HOUSE LAHORE)

اِس سلسلہ میں جماعتِ احمدیہ کے مرکزی نمائندوں نے چوٹی کے سرکاری افسروں سے ملاقاتیں بھی کیں چنانچہ ۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو علمائے سلسلہ کے تبلیغی وفد کی وزیرِاعظم پاکستان سے ملاقات کا ذکر آ چکا ہے اس کے بعد جماعت کے سربرآوردہ حضرات اور بزرگ، گورنر صاحب پنجاب (۲۳ر اگست ۱۹۵۲ء و ۲۰-۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء) چیف سیکرٹری صاحب پنجاب (۱۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء) ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب (۱۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء۔ ۱۳ر جنوری و ۲ر فروری ۱۹۵۳ء) اور وزیرِاعلیٰ صاحب پنجاب (۲۰-۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء) سے بھی ملے۔

اُس دَور کے جماعتی ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ پنجاب کے افسران سے ملاقات کرنے والوں میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور چوہدری اسد اللہ خاں صاحب جیسی ممتاز اور اہم شخصیات بھی تھیں۔

حقائق و واقعات سے باخبر ہونے کے باوجود پنجاب کی مسلم لیگی وزارت نے جس قسم کا سلوک احمدیوں سے روا رکھا اس کا خلاصہ جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کے الفاظ میں یہ ہے کہ:-

"احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔" [1]

حالانکہ چیف سیکرٹری پنجاب جناب عبدالحمید صاحب تک بھی بخوبی جانتے تھے کہ:-

"احرار اِس نزاع میں جارحانہ انداز لئے ہوئے تھے اور احمدی صرف مدافعت کر رہے تھے۔" [2]

اور مطالبہ اقلیت کی نسبت تو اُن کی دوٹوک رائے یہ تھی کہ:-

"جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اسے مسلمان ہی تصور کرنا چاہیئے۔ اگر پاکستان کو ایک زندہ قوم رہنا ہے تو میری رائے میں مسئلہ کا یہی واحد حل ہے۔ اِس رائے کو دوسرے لفظوں میں یُوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص کلمۂ طیّبہ پڑھے اُسے مسلمان سمجھنا چاہیئے۔ کلمہ گو افراد اور مسلمان ہونے کے

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۲۲۔

[2] روزنامہ "ملت" لاہور ۹ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

مدعیوں کے درمیان خلیج حائل کرنا معاشرہ پر دشمنی پر مبنی اقدام ہے "۔ [1]

پنجاب مسلم لیگی وزارت کی سیاسی پالیسی

جناب چوہدری فضل الٰہی صاحبؒ [2] اُس دَور کی مسلم لیگی وزارتِ پنجاب کی سیاسی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

۱۔" قادیانیوں کے خلاف تین مطالبات کی منظوری کے لئے جو ایجی ٹیشن شروع کی گئی تھی اسکی اصلیت پر پردہ ڈالنے کے لئے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے ایک " آئینی ڈھونگ " رچایا تھا حکومتِ پنجاب نے عدالت کو بتایا ۱۹۴۸ء میں پہلی بار جب یہ مطالبات پیش کئے گئے تھے اس وقت سے ہی صوبے میں احرار، احمدی تنازعہ کو ہمیشہ امن و امان کا ایک مسئلہ سمجھا گیا تھا اور اسی نقطۂ نظر سے اِس مسئلہ سے نپٹا گیا تھا اور جولائی ۱۹۵۲ء تک اِس مسئلہ کو امنِ عامہ کا ہی مسئلہ سمجھا جاتا رہا لیکن جولائی ۱۹۵۳ء تک میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے اچانک ان مطالبات کی " آئینی نوعیت "

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۸ رجنوری ۱۹۵۴ء صـ ۲ ۔

[2] پاکستان کے موجودہ صدرِ مملکت —— آپ زراعتی کالج لائلپور کے فارغ التحصیل ہیں علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ ایل ایل بی کیا اور اپنے وطنِ مالوف گجرات (پنجاب) سے وکالت کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگی امیدوار کی حیثیت سے رُکنِ اسمبلی منتخب ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ممدوٹ وزارت کے زمانہ میں میاں محمد ممتاز خاں دولتانہ کے پارلیمنٹری سیکرٹری رہے۔ مئی ۱۹۴۸ء میں میاں صاحب ممدوٹ وزارت سے الگ ہو گئے تو آپ بھی مستعفی ہو گئے۔ پھر تھوڑے عرصہ کے لئے ممدوٹ وزارت میں وزیرِ تعلیم رہے۔ ممدوٹ وزارت اور پنجاب اسمبلی برخاست کر دی گئی تو آپ دوبارہ وکالت کرنے لگے۔ ایک یونٹ کے قیام کے بعد گجرات سے مغربی پاکستان اسمبلی کے رُکن چُنے گئے۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں پاکستان مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب کئے گئے اور مغربی پاکستان اسمبلی کے سپیکر رہے۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا صـ ۱۱۴۹ ناشر فیروز سنز لاہور طبع اوّل ۱۹۶۲ء)

" قائدِ عوام " جناب ذوالفقار علی بھٹو کے عہدِ حکومت میں سپیکر پاکستان اسمبلی کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۴ راگست ۱۹۷۳ء کو صدرِ مملکت کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے ۔

"دریافت" کرلی۔

مغرب کے تعلیم یافتہ مسٹر دولتانہ جو "ترقی پسندانہ زرعی اصطلاحات" کے مصنف بھی ہیں ان کے اور احراریوں اور مذہبی رہنماؤں کے درمیان کوئی بات مشترک تو نہ تھی البتہ سابق وزیر اعلیٰ (میاں دولتانہ) اس ایجی ٹیشن کو مرکز کے خلاف اپنے سیاسی فائدہ کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔" [1]

۲۔ "اس دوران میں جو پالیسی اختیار کی گئی تھی وہ کمزور، اُلجھی ہوئی اور تذبذب پر مبنی تھی حالانکہ کراچی کے فیصلوں نے گول مول بات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی اور لاقانونی کو سختی کے ساتھ روکنا تھا۔"

"میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو ۱۶ر فروری ہی کو معلوم ہو گیا تھا کہ قادیانیوں کے خلاف مطالبات کے سلسلہ میں خواجہ ناظم الدین کا موقف کیا ہے، جب وزیر اعظم نے مسٹر دولتانہ سے کہا تھا کہ وہ مطالبات کو منظور نہیں کر سکتے لیکن مسٹر دولتانہ کے ہاتھ میں دو پتے تھے اور وہ دو طرح کی باتیں کرتے تھے اور اب بھی انہوں نے کوئی قطعی موقف قائم نہیں کیا۔"

۳۔ "مطالبات اگر منظور کر لئے جائیں تو مسٹر دولتانہ اپنی حضوری باغ کی تقریر کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ انہیں ان کے مطالبات سے ہمدردی تھی اور اگر وہ مسترد کر دیئے جائیں تو وہ اپنے دوسرے بیانوں کا حوالہ دے سکتے ہیں۔" [2]

۴۔ "سابق وزیر اعلیٰ نے ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائڈ کا پارٹ ادا کیا اور پنجاب میں حکومت کے حامی اخباروں نے نفرت کی تبلیغ کی۔ مسٹر دولتانہ چاہتے تھے کہ مرکز قادیانیوں کے خلاف مطالبات کو رد کر دے تاکہ وہ تحریک والوں کے غیض و غضب کا رُخ مرکز کی طرف موڑ سکیں اور احرار سے اپنے تعلق کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کر سکیں۔ یہ دعویٰ حقائق پر مبنی ہے کہ خواجہ ناظم الدین جو اس وقت وزیر اعظم تھے علماء سے ملاقاتیں کر کے کچھ اس قسم کا تاثر پیدا کر رہے تھے کہ تحریک پر مہربان ہیں۔

جون ۱۹۵۲ء تک تحریک احرار تک محدود تھی اور یہ کہ ۱۳ر جولائی سے ۱۰ر اگست تک ختم نبوت

---

[1] روزنامہ "آفاق" لاہور ۴ر فروری ۱۹۵۴ء ص۵۔

[2] روزنامہ "ملت" لاہور ۵ر فروری ۱۹۵۴ء ص۲۔

تحریک کے سلسلہ میں کوئی جلسہ نہیں ہوا۔ یہ بتاتے ہوئے وکیل موصوف نے کہا کہ مسٹر دولتانہ نے ۲۶ر جولائی کو ایک قرارداد منظور کرنے کے لئے صوبائی مسلم لیگ کا جلسہ بلایا۔ قرارداد کے پہلے حصہ میں ختم نبوت کے اصول سے گہرے لگاؤ کا اظہار کیا گیا اور صورتِ حال کا الزام قادیانیوں کو دیا گیا۔ دوسرے حصہ میں تحریک کو ایک راستے پر ڈالنے کی اس طرح کوشش کی گئی تھی کہ عام لوگوں سے اپیل کی گئی کہ صوبے میں امن اور قانون کو قائم رکھئے اور مرکز سے رجوع کیجئے کہ وہی اس مسئلہ کو طے کر سکتا ہے۔

متذکرہ بالا قرارداد نے کراچی کا رستہ دکھایا اور وفود خواجہ ناظم الدین سے ملنے روانہ ہونے لگے۔ جب علماء واپس آئے تو انہوں نے سابق وزیرِ اعظم کے طرزِ عمل پر بے اطمینانی کا اظہار کیا۔" لہ

جناب خواجہ ناظم الدین صاحب (وزیرِ اعظم پاکستان) اور جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ (وزیرِ اعلیٰ پنجاب) کی اس رسّہ کشی کی حقیقی وجہ مشہور احراری لیڈر جناب مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے الفاظ میں یہ تھی کہ:۔

"مسٹر دولتانہ چاہتے تھے کہ مرکزی کابینہ میں ان کے چنے ہوئے وزراء پنجاب کی نمائندگی کریں لیکن یہ بات خواجہ ناظم الدین کے لئے ناقابلِ قبول تھی۔ خواجہ ناظم الدین کو مسٹر دولتانہ سے شکایت تھی کیونکہ انہوں نے مساوی نمائندگی کے مسئلہ پر ان کی مخالفت کی تھی۔" ٢ه

جناب میاں ممتاز محمد خاں صاحب دولتانہ نے بھی اپنے ایک بیان میں یہ تسلیم کیا کہ:۔

"خواجہ ناظم الدین... کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ آئینی ڈھانچہ کے سوال پر ہمارے درمیان اختلاف تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پیرٹی کے سوال پر میں ان کے فیصلہ کی راہ میں حائل ہو رہا ہوں۔" ٣ه

نیز بتایا کہ:۔

"کراچی میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے اجلاس میں میں نے وزیرِ اعظم اور دوسرے اصحاب پر یہ واضح کر دیا تھا کہ پنجاب کے عوام مساوات کے خلاف ہیں۔" ۴ه

(اس موقف نے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں میں پنجاب کے خلاف جو زہر پھیلا دی ہوگی)

لہ روزنامہ "آفاق" لاہور ۴ر فروری ۱۹۵۴ء صا ÷ ٢ه روزنامہ "ملت" ۴ر فروری ۱۹۵۴ء ص۳

٣ه روزنامہ "آفاق" لاہور ۲۴ر جنوری ۱۹۵۴ء ص۲-۶ ÷ ۴ه روزنامہ "آفاق" ۲۳ر جنوری ۱۹۵۴ء ص۵

اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے)

خالص سیاسی تحریک تحریک راست اقدام کا خالص سیاسی ہونا حکومت کے ذمہ دار افسروں پر روزِ روشن کی طرح واضح تھا چنانچہ میاں انور علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی نے اپنے ایک بیان میں کہا:۔

"احرار پارٹی اپنی پرانی سیاسی پوزیشن حاصل کرنا چاہتی تھی اور احرار کا خیال تھا کہ مطالبات پر زور دینے سے حکومت پریشان ہوگی اور احرار کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا" [1]

"یہ مطالبات کہنے کو تو مذہب کے نام پر پیش کئے جا رہے تھے لیکن بہت سی جماعتیں جانتی تھیں کہ یہ بنیادی طور پر سیاسی جھگڑے ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ ان مطالبات کو چونکہ مذہبی رنگ دے کر پیش کیا جا رہا تھا اس لئے سرکاری ملازموں کے لئے یہ ایک نازک و پیچیدہ مسئلہ بن گیا تھا کہ وہ کارروائی کریں تو اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ مطالبات کی مخالفت کر رہے ہیں" [2]

تحریک کے ایک مشہور لیڈر مولانا اختر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار نے بھی اپنے ایک بیان میں یہ اعتراف کیا کہ :۔

"تحریکِ ختمِ نبوت میں احرار پیش پیش تھے کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی شہرت بحال کرنا چاہتے تھے" [3]

اِس سلسلہ میں احرار نے جناب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ وزیراعلیٰ پنجاب سے ایک خفیہ سمجھوتہ کیا تھا جس کا سراغ ہمیں جناب "غازی" سراج دین صاحب منیر کے ایک تحریری بیان سے ملتا ہے جو انہوں نے تحقیقاتی عدالت پنجاب میں دیا تھا۔[4] اِس سمجھوتہ کی بعض تفصیلات محمد نور الحق قریشی ایم۔اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ملتان کی کتاب "سوانح حیات خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی" کے صفحہ ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷ میں بھی درج ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص معاہدہ کے تحت احراری لیڈروں نے انتخاب ۱۹۵۱ء کے دوران حلقہ بوریوالہ میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے حق میں کنویسنگ

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء صک ÷ [2] روزنامہ "ملت" لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۳ء ص۲
[3] روزنامہ "آفاق" لاہور ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۳ء ص۲ ÷ [4] روزنامہ "آفاق" لاہور ۲۸ر اگست ۱۹۵۳ء ص۱

کی اور میاں صاحب انتخاب جیت گئے جس سے احرار دولتانہ پیکٹ کی بنیاد پڑی۔ انہی حقائق کی بناء پر جناب حمید نظامی صاحب مدیر "نوائے وقت" نے قطعی طور پر یہ رائے قائم کی کہ احراری مطالبات ہرگز قبول نہیں کئے جانے چاہیئے تھے اور "یہ مطالبات بعض سیاسی طالع آزماؤں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کئے تھے"۔ [1]

گٹھ جوڑ کے مقاصد؟ یہ سیاسی طالع آزما کیا چاہتے تھے اور ان کے گٹھ جوڑ کے بنیادی مقاصد کیا تھے؟ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے سربراہ جناب خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی کا بیان ہے کہ "پاکستان کی ایک یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ ایک ملائے اعظم اور عالم مقتدر سے جو کچھ عرصہ ہوا بہت تذبذب اور سوچ بچار کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے ہیں میں نے ایک اسلامی فرقے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ ان میں جو غالی ہیں وہ واجب القتل ہیں اور جو غالی نہیں وہ واجب التعزیر ہیں۔ ایک اور فرقہ کی نسبت پوچھا جس میں کروڑپتی تاجر بہت ہیں۔ فرمایا کہ وہ سب واجب القتل ہیں۔ یہی عالم ان تیس بتیس علماء میں پیش پیش اور کرتا دھرتا تھے جنہوں نے اپنے اسلامی مجوزہ دستور میں یہ لازمی قرار دیا کہ ہر اسلامی فرقے کو تسلیم کر لیا جائے سوا ایک کے جس کو اسلام سے خارج سمجھا جائے ہیں تو وہ بھی واجب القتل مگر اس وقت علی الاعلان کہنے کی بات نہیں موقع آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ انہیں میں سے ایک دوسرے سربراہ عالمِ دین نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ ایک فرقے کے خلاف شروع کیا ہے اس میں کامیابی کے بعد انشاء اللہ دوسروں کی خبر لی جائے گی"۔ [2]

مسٹر عبدالرحیم شبلی بی کام سابق چیف ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" کا بیان ہے کہ:۔

"اس زمانے میں یہ خیال تھا کہ صوبہ میں گڑبڑ ہو گی اور دفعہ ۹۲ الف کے تحت صوبائی اسمبلی توڑ دی جائے گی جس کے بعد نئے انتخابات کی ضرورت پڑے گی۔ ایسی ہنگامی صورتِ حال کے لئے یہ انتظام

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۲۵ ۔ دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۔

[2] "اقبال اور ملا" صفحہ ۱۹ مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی۔ ناشر بزمِ اقبال نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ۔ لاہور۔

کیا گیا تھا کہ میاں ممتاز دولتانہ ختمِ نبوت کے ٹکٹ پر انتخاب لڑیں گے۔"[1]

حیرت انگیز انکشاف

لیکن جناب چوہدری فضل الٰہی صاحب نے پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ :۔

"مسٹر دولتانہ کی اِس سیاست بازی کا مقصد صرف داخلی نہ تھا بلکہ بین الاقوامی سیاسیات سے بھی متعلق تھا۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کو اقتدار کی کرسی سے اُتار پھینکیں، خود اپنی قیادت میں ایک مرکزی حکومت قائم کریں اور پاکستان کو ایک کمیونسٹ مملکت بنا دیں۔"[2]

پنجاب سول سیکرٹریٹ کا خط مرکزی وزارتِ داخلہ کے نام

جوں جوں ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء کی میعاد کے اختتام کا وقت قریب تر آتا گیا سول وار کی تیاریاں زیادہ زور شور سے ہونے لگیں۔ اِس پُرآشوب دَور کی کیفیت پر پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور کا مندرجہ ذیل خط خوب روشنی ڈالتا ہے۔ یہ خط ۲۱ر فروری ۱۹۵۳ء کو وزیرِ اعلیٰ پنجاب کی منظوری سے سیکرٹری حکومتِ پاکستان وزارتِ داخلہ کراچی کو لکھا گیا تھا :۔

"نمبر 2249 - BDSB

پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور

۲۱ر فروری ۱۹۵۳ء

مکرمی احمد صاحب

از راہِ کرم غیاث الدین احمد کی ڈی او چٹھی نمبر BDSB - 2682 مورخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۲ء بنام حمید الدین احمد جو احمدی احرار شورش کے موضوع پر لکھی گئی تھی بغرض حوالہ پیشِ نظر رکھ لیجئے۔

۲۔ کچھ وقت کے لئے شورش کی رفتار نرم پڑ گئی تھی لیکن حال ہی میں عوام کی دلچسپی کو تیز کرنے کی کوششیں خاصی شدّت کے ساتھ دوبارہ جاری کر دی گئی ہیں۔ صوبے بھر میں بے شمار کانفرنسیں اور جلسے منعقد کئے گئے ہیں اور آتش ریز تقریریں کی گئی ہیں۔ مُلّاؤں کی تائید و حمایت حاصل کر لی گئی ہے اور احمدیوں کے خلاف زہر اُگلا جا رہا ہے۔ گوجرانوالہ میں مطبوعہ اشتہارات نشر کئے گئے جن میں

---

[1] روزنامہ "ملت" ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب صفحہ ۳۰۴۔

یہ مطالبہ کیا گیا کہ احمدیوں سے اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے اور کھانے پینے کی چیزوں کی دکانوں پر ان کے لئے علیحدہ برتن رکھے جائیں۔ کچھ مدت تک ضلع گوجرانوالہ میں اِس امر پر بھی زور دیا گیا ہے کہ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ صرف پولیس کی مداخلت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے واقعات نہ ہونے پائے۔ احمدیوں نے جو اس نئی حرکت سے بہت زیادہ مضطرب ہو گئے تھے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو درخواست دی کہ انہیں اپنا علیحدہ قبرستان بنانے کے لئے زمین الاٹ کی جائے۔ یکم فروری ۱۹۵۳ء کو سرگودھا میں مسلمانوں کے قبرستان میں ایک احمدی میت کی تدفین کے خلاف مزاحمت کی گئی۔ پولیس موقعہ پر پہنچ گئی جس سے صورتِ حالات پر قابو پا لیا گیا۔ احمدیوں کے مجلسی مقاطعہ کی تلقین کھلم کھلا کی جا رہی ہے۔ منٹگمری میں ایک مقرر نے کہا کہ احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کیا جائے اور اُن کو عوامی کنوؤں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ شورش کا لہجہ قطعی طور پر نہایت پست اور مبتذل صورت اختیار کر گیا ہے۔ صوبے بھر میں رضا کاروں کی بھرتی کے لئے ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے اور صاحبزادہ فیض الحسن پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا ہے۔ رضا کاروں سے ایک حلف نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں کہ اگر رسولِ پاک کی عزت کے لئے جان دینے کی ضرورت پڑے گی تو وہ اُس میں دریغ نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض رضا کاروں نے حلف نامہ اپنے خون سے لکھ کر پیش کیا ہے۔ لاہور میں کوئی ڈیڑھ سو اشخاص بھرتی ہوئے ہیں۔ صوبے کے دوسرے حصوں میں اب تک جو رضا کار بھرتی ہوئے ہیں اُن کی تعداد کا اندازہ پانچ سو کے قریب کیا جاتا ہے۔ صوبے بھر میں پچاس ہزار رضا کاروں کو بھرتی کرنا مقصود ہے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری (صدر آل پاکستان مجلس احرار) سید مظفر علی شمسی (سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوقِ شیعہ) اور صاحبزادہ فیض الحسن کا رویہ خصوصاً جارحانہ ہو رہا ہے۔

۳۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن جو گذشتہ ماہ جولائی میں احراریوں نے مرتب کی تھی اُس کا ایک اجلاس ۱۶ جنوری سے ۱۸ جنوری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں حسبِ معمول مطالبات کی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اِس کنونشن کے مندوب جب سے پنجاب واپس آئے ہیں اُن کا طرزِ عمل پہلے کی نسبت زیادہ سرکشانہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کراچی میں علماء کی کانفرنس نے احمدیوں کو ایک اقلیت قرار دینے کی جو حمایت کی اُس سے اُن لوگوں کو بہت تقویت پہنچی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ وزیرِ اعظم نے جن سے وہ

ملاقات کر چکے ہیں اُن کے مطالبات سے ہمدردی نہیں کی۔ لہٰذا انہوں نے صاحب موصوف کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ وہ ۲۳ر فروری کو راست اقدام کریں گے۔ وہ ظاہر کر رہے ہیں کہ کراچی کے عوام اُنکے حامی ہیں اور اگر تحریک شروع کی گئی تو وہ جوق در جوق اُس کی حمایت کریں گے۔ وہ مرکزی حکومت کے ارکان پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ انہوں نے وعدے کئے لیکن اُن کا ایفاء نہ کیا۔ کراچی سے مندوبین کی واپسی کے بعد اس شورش میں ایک نئے پہلو کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی عزت مآب وزیر اعظم پاکستان کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ شورش کے ابتدائی مرحلوں میں سر ظفراللہ خاں کی موقوفی کا مطالبہ کیا جاتا تھا لیکن اَب بعض مقررین یہ کہہ رہے ہیں کہ عزت مآب وزیر اعظم کو اپنے عہدے سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ ’ڈائریکٹ ایکشن‘ کراچی میں شروع کیا جائے گا اور اُس کے لئے رضا کار پنجاب اور دوسرے صوبوں سے بھیجے جائیں گے۔ ’ڈائریکٹ ایکشن‘ احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی شکل اختیار کرے گا۔ یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر دفعہ ۱۴۴ کے تحت احکام جاری کئے گئے تو اُن کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ مطالبات حسب ذیل ہیں:۔

(i) سر ظفراللہ خاں کو وزیرِ خارجہ کے عہدہ سے برطرف کیا جائے۔

(ii) احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(iii) جو احمدی حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض ہیں اُن کو اُن عہدوں سے موقوف کیا جائے۔

۵۔ اِس شورش کو جماعتِ اسلامی، اہلِ سُنّت والجماعت، اہلِ حدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل ہے۔ پیر صاحب گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) پیر صاحب سیال شریف (ضلع سرگودہا) پیر صاحب علی پور سیّداں (ضلع سیالکوٹ) پیر شوکت حسین (سجادہ نشین پیر صاحب ملتان) اور بعض دیگر حضرات نے اِس شورش کو برکت کی دعا دی ہے۔ سرمایہ جمع کیا جا رہا ہے اور ایک روپے کے نوٹ چھاپ کر فروخت کئے جا رہے ہیں۔ بازاری اور غنڈہ عناصر نے بھی شورش پسندوں کی تائید وحمایت اختیار کر لی ہے۔ آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور نے شورش پسندوں کو ایک ہزار روپے کی رقم عطا کی ہے۔

۶۔ جب یہ معلوم ہُوا کہ عزت مآب وزیر اعظم ۱۶ تاریخ کو لاہور آ رہے ہیں تو ایک جلسۂ عام منعقد

کیا گیا جس میں اعلان کیا گیا کہ وزیرِ اعظم کے ورود کی تاریخ کو ہڑتال کی جائے اور مکانوں کی چھتوں پر کالی جھنڈیاں لگائی جائیں۔ مقررین نے احتیاطاً اِس بات پر زور دیا کہ تشدّد سے کام نہ لیا جائے لیکن عملاً وہ عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے میں برابر مصروف رہے۔ بعض مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا کہ نافرمانی شروع ہونے کی حالت میں پولیس کے جن ملازموں کو گرفتاریاں کرنے کا حکم دیا جائے انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ روزِ قیامت انہیں ان افعال کے لئے جواب دہی کرنی پڑے گی جو اُن کے فرائضِ مذہبی کے منافی ہوں گے۔ ۱۶ تاریخ کی صبح کو سکولوں کے لڑکوں اور بازار کے لونڈوں کے دستے اِدھر اُدھر بھیج دیئے گئے اور دکانداروں کو دکانیں بند کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بہت سے لوگ اپنی دکانیں کھلی رکھنا چاہتے تھے لیکن ان کو دھمکایا گیا اور وہ غریب ان لڑکوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے جو بازاروں میں چکّر کاٹ رہے تھے عاجز آ کر دکانیں بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چند سکول بھی بند کر دیئے گئے۔ دو ایسے واقعات بھی ہوئے جن میں تشدّد اور خونریزی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک واقعہ دیال سنگھ کالج کے باہر اور دوسرا تعلیم الاسلام کالج (احمدیوں کی درسگاہ) میں رونما ہوا۔ جب ان کالجوں کے طلبہ نے ہڑتال کرنے سے انکار کیا تو طرفین کی طرف سے خشت باری ہوئی اور لوگ زخمی ہوئے۔ سر ظفر اللہ خاں کا ایک جنازہ بھی نکالا گیا اور متعدد چھوٹے چھوٹے جلوس بازاروں میں چکّر لگانے لگے پابندِ قانون شہری ان مظاہروں کو پسند نہ کرتے تھے لیکن محض اِس خوف سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرتے تھے کہ مبادا اُن کو بھی احمدی قرار دے دیا جائے۔

۷۔ کہا گیا ہے کہ کراچی میں 'ڈائریکٹ ایکشن' شروع کرنے کے لئے آخری تاریخ ۲۳ مقرر کی گئی تھی۔ احراری لیڈروں نے عوام کے غیظ و غضب کو اِس حد تک مشتعل کر دیا ہے کہ اب اُن کے لئے پیچھے ہٹنا بے حد مشکل ہے۔ وہ بڑی تیز و تند اور جنگجویانہ تقریریں کرتے رہے ہیں اور انہیں محض اپنی عزّت سلامت رکھنے کی خاطر بھی ۲۳ تاریخ کو کوئی نہ کوئی ڈرامائی اقدام کرنا پڑے گا۔

۸۔ لاہور میں قریب قریب ہر شب کو جلسے ہو رہے ہیں جن میں احمدیوں کے خلاف عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے کے لئے تقریریں کی جاتی ہیں۔ ۱۶ تاریخ کو بعض دکانداروں کے مُنہ کالے کر دیئے گئے کیونکہ انہوں نے دکانیں بند کرنے سے انکار کیا تھا۔ دیال سنگھ کالج کے قریب مظاہرین نے ایک موٹر کار کو بھی کسی قدر نقصان پہنچایا۔ ۱۸ تاریخ کو نارتھ ویسٹرن ریلوے کی ورکشاپ میں ایک

احمدی جو کئی روز سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا تھا غصّہ میں بھر گیا تھا اور اس نے ایک غیر احمدی کو لوہے کی ایک سلاخ مار کر بے ہوش کر دیا۔ اس وقت سے یہ احمدی مفرور ہے اور اس کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں۔ لاہور میں ایک ڈپو ہولڈر نے ایک احمدی عورت کے ہاتھ گیہوں فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور آخر اُس وقت مہربان ہُوا جب عورت نے یہ وعدہ کر لیا کہ احمدیوں کے خلاف جو تحریک شروع کی جائے گی وہ اس میں شامل ہو گی۔ سنت نگر کے پرائمری سکول کے ایک طالبِ علم کو اس کے ہم جماعتوں نے گھیر لیا۔ اس کو تھپڑ مارے اور "مرزائی کُتّا" کے نعرے لگائے۔

۹۔ یہ شورش صرف اِسی صوبہ تک محدود نہیں۔ نہ وہ مطالبات جن پر بظاہر یہ شورش مبنی ہے صوبائی حکومت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں اِس لئے حکومت کو اس صورتِ حالات کا مداوا کرنے میں سخت دِقّت محسوس ہو رہی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر مرکزی حکومت ان مطالبات کے متعلق ایک مضبوط پالیسی اختیار کرنے کا اعلان کرے تو صوبائی حکومت کے ہاتھ کافی مضبوط ہو جائیں گے۔ وہ پالیسی کچھ بھی ہو لیکن اس کے اعلان کے بعد کسی کو اس بارے میں کوئی شُبہ باقی نہ رہے گا کہ حکومتِ پاکستان کا ارادہ کیا ہے اور وہ کیا رویّہ اختیار کرنا چاہتی ہے۔ صوبائی حکومت محسوس کرتی ہے کہ وہ صوبے کے اندر اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے لئے کافی طاقتور ہے۔

آپ کا مخلص

(دستخط) ایچ۔ اے۔ مجید

انسپکٹر جنرل صاحب پولیس پنجاب کا مراسلہ بنام چیف سیکرٹری پنجاب

اسی دن مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے چیف سیکرٹری صاحب پنجاب کو حسبِ ذیل یادداشت بھجوائی:۔

"حکومت غالباً اس تقریر کی روداد پر مطلع ہونے کی خواہاں ہو گی جو مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۸ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور کے ایک جلسہ میں کی۔ ایک بات خاص طور پر قابلِ ملاحظہ ہے کہ ایک دفعہ زورِ فصاحت میں اس مقرر نے اعتراف کیا کہ وہ اور ان کی جماعت تقسیمِ ملک کے مخالف تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جن وجوہ کی بناء پر وہ تقسیم کے خلاف تھے وہ لوگوں پر ظاہر ہونے چاہئیں لیکن اگر اب تک انہیں ان کا شعور حاصل نہیں ہُوا تو ایک یا دو سال کے اندر انہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ اسنے

حکومت کی شدید مذمّت کی۔ اور اس کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف وزیرِ اعظم پاکستان تھے۔ اِس جلسہ میں مقرّرین نے پنجاب اور صوبہ سرحد کے چیف منسٹروں کو بھی بُرا بھلا کہا۔ وزیرِ اعظم پاکستان کو کھلم کھلا مرزائی کہا جا رہا ہے۔ ایک اور جلسہ میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے ان کو "بدھو الذین احمقون" کہا۔ ان تقریروں کی خصوصیّت صرف تخفیر تھی۔

۲۔ جس زمانہ میں غذا کی کمی ہو، بیروزگاری عام ہو، کاروبار کی کساد بازاری ہو اور کشمیر کے متعلق عام خیال یہ ہو کہ اس کو ہم کھو چکے ہیں۔ جو شخص بدنظمی اور ابتری پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دوست نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ احرار اور دیگر علماء جو ان کی پُشت پناہی کر رہے ہیں عوام کی توجّہ کو ان سنگین مسائل کی طرف سے آج جو ملک کو درپیش ہیں مُنحرف کرنے میں خاص طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس ابتری کی وجہ سے عوام کا وہ عزم کمزور ہو جائے گا جو ان مسائل کا مقابلہ اور ان کا مداوا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے پاس اِس امر کی شہادت موجود ہے کہ احرار نے آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور سے روپیہ لیا۔ یہ لوگ پاکستان کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ حکومت کو کمرِ ہمّت باندھ کر اس خطرہ کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ حکومت پڑھے لکھے طبقے کی ہمدردی کھو چکی ہے۔ اور اب غیر ملکی لوگ بھی یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ حکومت غالباً اس بُحران کا مقابلہ کرنے کی اہلیّت نہیں رکھتی جو علماء نے پیدا کر رکھا ہے۔ لندن ٹائمز، کے نمائندہ نے حکومتِ پنجاب کے ایک افسر سے یہ کہا کہ مرکزی حکومت کمزور ہے اور موجودہ مسائل کے مؤثر مداوا کی قوّت نہیں رکھتی۔ رات لاہور کے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی صورتِ حالات بے حد تشویش انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ حسین شہید سہروردی، ملک خضر حیات خاں اور نواب ممدوٹ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم نے مرکزی حکومت کو صورتِ حالات کی نزاکت سے مطلع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ کوئی مضبوط طرزِ عمل اختیار کرے گی۔" ؎

اخبار "نگہبان" کراچی کا بروقت انتباہ

اخبار "نگہبان" کراچی (۲۵ فروری ۱۹۵۳ء) نے سِول نافرمانی کی دھمکی دینے والوں کو انتباہ کیا کہ:-

؎ رپورٹ تحقیقاتی عدالت صد ۱۴۲ تا صد ۱۴۶ مطبوعہ الصاف پریس۔ لاہور۔

"مولویوں کا ڈائریکٹ الیکشن ملک اور قوم کے لئے خطرناک ہوگا۔ اگر ڈائریکٹ الیکشن سے بدامنی یا خونریزی ہوئی تو اس کے ذمہ دار صرف مولوی ہوں گے۔ حال ہی میں آرام باغ میں چند مولویوں کا ایک جلسہ ہؤا جس میں حکومتِ پاکستان کو ڈائریکٹ الیکشن شروع کرنے کی دھمکی دی ہے۔ مولویوں کے مطالبات یہ ہیں کہ (۱) چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے علیحدہ کیا جائے (۲) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے (۳) قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔ ان تمام مطالبات کے جواز میں انہوں نے ایک قرارداد میں کہا کہ اس جماعت نے اسلام کے عظیم ترین رُکن جہاد کی رُوح کو ختم کرنے کی کوششیں کیں۔ پاکستان کے قیام کی بھی شدید مخالفتیں کیں اور پاکستان بننے کے بعد سے اب تک ربوہ میں حکومتِ پاکستان کے بالمقابل ایک متوازی نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ ہم پہلے بھی ایک مرتبہ تحریر کر چکے ہیں کہ ہمیں قادیانیوں یا ان کے عقائد سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور ہم پھر ایک بار اعلان کرتے ہیں کہ ہم نہ تو قادیانی ہیں اور نہ قادیانیوں کے عقائد سے ہمیں کوئی ہمدردی ہے لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہیں گے کہ چند مولوی جو کھیل کھیل رہے ہیں وہ نہ ختم ہونے والا ایک تنازعہ ہو کر رہ جائے گا اور ملّتِ اسلامیہ مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر رہ جائیگی اور جس لئے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا ایک خواب ہو کر رہ جائے گا۔

آج قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جا رہا ہے تو کل شیعوں کو اور پھر حنفیوں کو اقلیت قرار دینے کے مطالبے ہو سکتے ہیں اور یہ سلسلہ اگر چل نکلا تو ملّتِ اسلامیہ سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی اور ہر مولوی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کرنا شروع کرے گا۔ ہم ان مولویوں سے جو چاہتے ہیں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے پُوچھتے ہیں کہ کیا تم قادیانیوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے روک سکتے ہو؟ یا تم ان کو قرآن شریف کی تلاوت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے منع کر سکتے ہو؟ کیا کوئی مسلمان یہ گوارا کر سکتا ہے کہ وہ کسی شخص کو کلمہ پڑھنے، روزہ، نماز، زکوٰۃ اور اِسی قسم کے دوسرے ارکان کو ادا کرنے سے روکے؟ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ احکامات کی ادائیگی کرنے والوں کو مسلمان کہا جاتا ہے اِس لئے مولوی قادیانیوں کو کس طرح غیر مسلم کہہ سکتے ہیں؟ اب رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قادیانی آخری نبی نہیں مانتے بلکہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود مانتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کی رُوح کو کچل رہے

ہیں تو جناب آپ مولوی کس مرض کی دوا ہیں؟ آپ کیوں نہیں یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے اور مسلمان پر جہاد فرض ہے اور ان گمراہوں کو کیوں صحیح راستہ پر چلنے کی تلقین نہیں کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانیوں نے قیامِ پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی لیکن ہم مولویوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ بتائیں کہ کیا انھوں نے پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی؟ کیا انھوں نے قائدِ اعظم اور دوسرے مخلص مسلمان لیڈروں کے خلاف فتوے نہیں دیئے تھے؟ جب مولویوں کا دامن پاک نہیں ہے تو وہ کس منہ سے یہ ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی دیتے ہیں۔ کیا وہ ڈائریکٹ ایکشن کے نتائج سے واقف ہیں۔ کیا مسٹر سہروردی کی سول نافرمانی اور مولویوں کا ڈائریکٹ ایکشن ایک ہی چیز کی دو شاخیں ہیں؟ ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے سے پہلے جذباتی مولوی اچھی طرح سوچ لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ قدم کسی آنے والی تباہی کا پیش خیمہ ہو۔ اگر ڈائریکٹ ایکشن سے پاکستان میں خونریزی اور بدامنی پھیلی تو اس کی ساری ذمہ داری حکومتِ پاکستان پر نہیں بلکہ ان مولویوں پر عائد ہوگی۔ مولویوں کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ سارے ملک میں دینِ حق کی تبلیغ کریں اور گمراہ مسلمانوں کو راہِ راست پر لائیں۔ اِن مولویوں پر مولانا حالی مرحوم کا یہ شعر صادق آ رہا ہے ؎

رہے اہلِ قبلہ میں جنگ ایسی باہم ؎ کہ دینِ خدا پر ہنسے سارا عالم" [1]

پاکستان کی مرکزی کابینہ کی نظر میں مطالبات اور ڈائریکٹ ایکشن

پاکستان کی مرکزی کابینہ ڈائریکٹ ایکشن کو کس نگاہ سے دیکھتی تھی؟ اور مطالبۂ اقلیت سے متعلق اُس کا اندازِ فکر کیا تھا؟ اِن سوالات کا واضح جواب ہمیں اُن بیانات کی روشنی میں "تلاش کرنا چاہیئے جو مرکزی حکومت کے تین وزراء کی طرف سے فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت میں دیئے گئے اور جن کا ملخص انہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:۔

جنابِ خواجہ ناظم الدین صاحب وزیرِ اعظم پاکستان:۔

مَیں نے علماء سے کہا تھا کہ ان کے مطالبات کو منظور کرنا بہت مشکل ہے اور آئین میں اگر اس کی

---

[1] ہفت روزہ نگہبان (کراچی) ۲۵ر فروری ۱۹۵۳ء

گنجائش رکھ بھی دی گئی تو مسلمان کی صحیح تعریف پر اتّفاقِ رائے مشکل ہو جائے گا۔ جب مَیں نے مسلمانوں کی تعریف کا ذکر کیا تھا تو میرے ذہن میں ایک ایسی تعریف تھی جس کے مطابق احمدیوں پر پابندی لگادی جائے لیکن مسلمانوں کے دوسرے طبقوں پر اس کا اطلاق نہ ہو۔ ختمِ نبوّت کے مسئلہ پر مجھے علماء سے پورا پورا اتفاق ہے لیکن علماء کے اس بیان سے مجھے اتفاق نہیں کہ اس معاملہ میں ناموسِ پیغمبر علیہ السّلام شامل ہے۔ پچھلے تجربات خاص طور پر تقسیم ملک سے پہلے کے تجربات نے بتایا ہے کہ سول نافرمانی کی تمام تحریکیں اس اعلان کے ساتھ شروع ہوئیں کہ یہ پُرامن رہیں گی لیکن ان تمام تحریکوں کا خاتمہ تشدّد پر ہوا اور یہی چیز پنجاب میں ہوئی۔ اس تحریک کے پسِ پردہ وہ لوگ ہیں جو سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میری مراد صوبہ پنجاب کے اُن لیڈروں سے تھی جن کے ہاتھ میں صوبائی حکومت کی باگ ڈور تھی۔ مجھے برابر اطلاع مل رہی تھی کہ خود وزیرِ اعلیٰ اور اُن کے افسر خود تحریک کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

مَیں نے اعلیٰ اختیارات والی سہ روزہ کانفرنس میں (جو ١٣ر فروری ١٩٥٣ء کو شروع ہوئی اور جس میں گورنر مشرقی پاکستان کے سوا پاکستان کے باقی صوبوں کے گورنروں اور وزرائے اعلیٰ نے شرکت کی تھی) کہا تھا کہ یہ درست ہے کہ احمدیوں کو اپنے عقیدے کے مطابق دوسروں کو اپنے مذہب میں شامل کرنا چاہیئے لیکن اس وقت کروڑوں غیر مسلم دائرۂ اسلام سے باہر ہیں ان کا فرض اِسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو احمدی بنانے کی بجائے غیر مسلموں کو مسلمان بنائیں۔ اس سلسلے میں سر ظفر اللہ خاں نے دو سوالات کئے تھے (١) کیا احمدیوں کو نجی کانفرنسیں کرنے کی اجازت ہو گی (٢) اگر کوئی مسلمان احمدیوں کا لٹریچر مانگے اور اگر اس کے لئے لٹریچر فراہم کر دیا جائے تو کیا اس مسلمان پر کوئی اعتراض ہو گا۔ مَیں نے پہلے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اگر احمدی کسی مسلمان کو مدعو نہ کریں اور وہ مسلمان اُن کی مجلس میں شریک ہو جائے تو اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ اگر احمدی اپنا لٹریچر مسلمانوں میں خود تقسیم نہ کریں اور کوئی مسلمان اُن کا لٹریچر مانگے تو اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اسی قسم کے دو ایک اَور سوالات تھے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ گورنر پنجاب امیر جماعتِ احمدیہ پنجاب کو سہولت دیں گے کہ وہ اپنی جماعت کی کونسل کو بُلا کر ان سے اس سوال پر بحث کریں گے۔

عدالت نے پوچھا کیا یہ درست نہیں ہے کہ یہ تینوں مطالبات اس فیصلہ کا نتیجہ تھے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا چاہیئے۔

خواجہ ناظم الدین صاحب نے اصرار کیا کہ کفر کے فتوے کا مطلب لازماً یہ نہیں کہ ایک فرقہ کو غیر مسلم اقلیت سے بدل دیا جائے خلفاءِ راشدین کے عین بعد سے موجودہ وقت تک متعدد افراد اور جماعتوں کے خلاف کفر کے فتوے دیئے جاتے رہے ہیں لیکن تاریخ اِس بات کی کوئی شہادت نہیں دیتی کہ ایسی جماعت کو کبھی مسلمان کی حیثیت سے شہری حقوق سے بھی محروم کیا گیا ہو۔ ایک مسلمان کے شہری حقوق فتویٰ نہیں چھین سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر پاکستان کو غیر مذہبی مملکت قرار دیا جاتا تب بھی یہ تینوں مطالبات اپنی جگہ قائم رہتے اور انہیں منوانے کے لئے اسی طرح زور دیا جاتا جس طرح اب دیا گیا ہے۔

سوال کیا گیا آپ نے علماء کو کیوں نہیں بتایا کہ آپ احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کے حق میں نہیں تھے؟

جواب۔ اس کا نتیجہ علماء سے کھلی ٹکر لینے کے مترادف ہوتا جس سے مَیں اجتناب کرنا چاہتا تھا۔ مَیں نے محسوس کیا اگر مَیں علماء کو قائل کر سکا تو تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی کیونکہ صرف علماء ہی تحریک کو ہوا دے رہے تھے۔ جہاں تک میری اطلاع کا تعلق ہے شیعہ ایک فرقہ کی حیثیت سے اس الٹی میٹم کے خلاف تھے۔ خود ساختہ نمائندہ سید مظفر علی شمسی نجی حیثیت سے موجود تھے۔ اہلحدیث اور دیوبندی گروہوں کی نمائندگی تو صحیح تھی لیکن یہ دونوں گروپ ڈائریکٹ ایکشن کے خلاف تھے۔ پنجاب کے

لے ممتاز محمد خاں دولتانہ سے تحقیقاتی عدالت میں دریافت کیا گیا کہ

"جو علماء اِس وقت ایجی ٹیشن چلا رہے تھے۔ ان کے متعلق خواجہ ناظم الدین کی روش کیا تھی؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا ان کی طرف خواجہ ناظم الدین صاحب کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ملک کے سامنے آئین سازی کا مسئلہ درپیش تھا اور وہ برسرِ اقتدار پارٹی کے لیڈر تھے اور آئین سازی کے دوران میں انہوں نے علماء کے نقطہ نگاہ کا بہت لحاظ کیا تھا۔ اور جہاں تک مَیں نے اندازہ لگایا خواجہ صاحب نے مذہبی رہنماؤں کے نقطہ نظر کو قبول بھی کر لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی پالیسی یہ تھی کہ آئین کے صرف مذہبی مسائل پر پوری توجہ دی جائے تاکہ اس طرح ملک میں عام مقبولیت حاصل کر لی جائے اور پھر اسکے ذریعہ سے غیر مذہبی نوعیت کے مسائل مساویانہ نمائندگی اور قومی زبان کے مسائل کو حل کرنے میں مدد لی جائے۔" (اخبار ملت ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۹)

وزیر اعلیٰ کو چاہیئے تھا کہ وہ چند سرغنوں کو منتخب کر کے اُن کے خلاف کارروائی کرے۔ احمدیوں بالخصوص چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف تحریک کو چلایا گیا۔ لاہور میں اور پنجاب کے بعض اضلاع میں چوہدری ظفر اللہ خاں کو گدھے یا گُتّے کی صورت میں دکھایا گیا۔ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں مُردے دفن کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا اور ان کی دُکانوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اگر علماء نے احمدیوں کو محض کافر یا مرتد کہا ہوتا اور مَیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ ہوتا تو مَیں ان کو اِس بناء پر سزا نہ دیتا لیکن اگر علماء ایسی باتیں کہتے جن سے احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی تو مَیں ضرور کارروائی کرتا۔ اگر قابلِ اعتراض ذرائع اختیار نہ کئے جائیں تو ایک جمہوری ملک میں حکومت کے سامنے ہر مطالبہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ [1] [2]

جناب سردار عبد الرّب صاحب نشتر مرکزی وزیر صنعت و حرفت:۔

میری رائے یہ تھی کہ احرار کی سرگرمیوں کا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ تقسیم کے بعد اپنی پوزیشن سے محروم ہو جانے کے بعد وہ عوام میں اپنی جگہ دوبارہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد احرار نے پاکستان کی وفاداری کا اعلان کر دیا تھا لیکن احرار کی گذشتہ تاریخ کے پیشِ نظر مسلم لیگ بدستور اُن کے بارے میں محتاط رہی۔ میری یہ رائے تھی کہ مسلم لیگ اگر احرار کے خلاف پراپیگنڈا کرے

---

[1] روزنامہ ملت ۲ تا ۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء ؁

[2] تحقیقاتی عدالت میں جماعتِ اسلامی کے وکیل چوہدری نذیر احمد صاحب نے بھی کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو نہایت ناپاک اور گندے الفاظ میں علانیہ طور پر گالی دی جا رہی تھی جس کی اجازت کسی متمدّن ملک کی متمدّن حکومت نہیں دے سکتی۔ انہوں نے کہا کہ مرکزی حکومت کے ایک سینئر رکن کو گالیاں دینے کا سلسلہ شدّت کے ساتھ جاری رہا لیکن اس انتہائی شرمناک اور حوصلہ فرسا اقدام پر ان کے رفقائے کابینہ یا ملک کے رہنماؤں نے اس کو ختم کرنے کے لئے ذرّہ بھر بھی آواز نہیں اُٹھائی۔

چوہدری نذیر احمد نے کہا۔ گندے دشنام آمیز اور زہریلے نعروں کے باوجود جب ملک کے صحیح الخیال لوگوں نے دیکھا کہ یہ بظاہر سرکاری افسروں کی جانب سے کسی روک ٹوک یا پابندی کے بغیر جاری ہیں تو ان میں شکست خوردگی کی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ اِس طرح کی حرکتوں کی مذمت میں نام نہاد مجلسِ عمل کے کسی رہنما نے بھی کوئی بیان جاری نہیں کیا۔ (ملت ۷ر فروری ۱۹۵۴ء صٓ۳)

اور پاکستان کے عوام کو احرار کا ماضی یاد دلا دے تو احرار ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو جائیں گے۔ احرار نے یقیناً پاکستان کے خلاف کام کیا تھا۔

سوال کیا گیا آپ نے کسی احمدی لیڈر یا احمدی مقرر کو بھی انتباہ کیا تھا؟

جواب۔ نہیں مجھے فرقہ احمدیہ سے کسی بدامنی کا خدشہ نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا فرقہ ہے۔ ریاست کی بنیاد اگر قرآن اور سُنّت پر ہوئی تو احمدیوں اور غیر مسلموں کو اپنے عقائد کی علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کی اجازت ہوگی۔ بنیادی حقوق ہیں اس کے متعلق ایک دفعہ پہلے ہی موجود ہے۔ پاکستان میں غیر مسلموں کی حیثیت ذمّیوں کی نہیں بلکہ معہدوں کی ہوگی کیونکہ وہ لوگ مفتوح نہیں ہیں۔

اِن تینوں مطالبات میں سے کوئی مطالبہ قرارداد مقاصد یا بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات سے پیدا نہیں ہوتا۔

جس مکتبِ خیال کی میں پیروی کرتا ہوں وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کوئی مہدی یا مسیحا آئے گا۔

سوال۔ کوئی شخص اگر غلطی سے لیکن دیانتداری کے ساتھ کسی کا یہ دعویٰ تسلیم کرے کہ وہ مہدی یا مسیحا ہے تو آپ کے مکتبِ خیال کے مطابق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟

جواب۔ میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا[1]

جناب مشتاق احمد صاحب گورمانی وزیر داخلہ :۔

حکومتِ پاکستان سمجھتی ہے ہر چند کسی فرقے یا طبقے کے جائز حقوق پر کوئی ناروا پابندی عائد نہیں ہونی چاہیئے اور مختلف نظریات کے حامیوں میں کوئی امتیاز بھی روا نہیں رکھنا چاہیئے تاہم مذہبی فرقہ بندی سے پیدا ہونے والے تنازعات کو اِس حد تک بڑھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے جہاں امن و امان ہی خطرے میں پڑ جائے۔ اس کے علاوہ جنگجویانہ اور جارحانہ نوعیت کی مذہبی فرقہ بندی کے خلاف غیر جانبداری اور سختی سے قدم اُٹھایا جائے۔[2]

جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ :۔

جہاں تک اپنے عہدہ کے متعلق میرے رویہ کا تعلق ہے میں اسے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں جو خداوند تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔ یہ چیز قابلیت اور صلاحیت کی بناء پر نہیں میں اسے ایک امانت

---

[1] اخبار "ملت" لاہور ۲۸، ۲۹ نومبر ۱۹۵۳ء ؛ [2] اخبار "ملت" لاہور ۶ دسمبر ۱۹۵۳ء صٓ

تصوّر کرتا ہوں اور ذمّہ داری بھی جسے مَیں معمولی نہیں سمجھتا اور دوسری طرف یہ بالکل واضح ہے کہ وزیرِ اعظم اپنے کسی ساتھی سے استعفاء طلب کرسکتے ہیں۔ جب یہ تحریک شروع ہوئی تو مَیں نے نہایت واضح لفظوں میں اُس وقت وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین کو یہ بتایا تھا کہ اگر وہ بار سمجھیں تو مَیں علیحدہ ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ [1]

حکومتِ پاکستان کا اعلامیہ

حکومتِ پاکستان کی طرف سے فروری ۱۹۵۳ء کے آخر میں حسبِ ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا:۔

"ملک کے بعض حصّوں میں جماعتِ احمدیہ کے متعلق جو فرقہ وار تحریک جاری ہے اس کے ارتقاء کی نمایاں خصوصیات سے عوام بے خبر نہیں ہیں۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے اب حکومت کو تحکّمانہ چیلنج دیا ہے کہ اگر ان کے مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو وہ "ڈائریکٹ ایکشن" کریں گے۔ اِس تحریک کا آغاز احرار نے کیا تھا اور اگرچہ بعد میں اِس کی تائید بعض دوسرے عناصر نے بھی کی لیکن اسے چلانے والے اب بھی احرار ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے احرار مسلمانوں کی جدّوجہدِ آزادی کے شدید ترین اور پیہم مخالف تھے اور انہوں نے ان جماعتوں سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا جو حصولِ پاکستان کے لئے کوشاں تھیں بلکہ بہت سے احرار لیڈر کانگرس میں شامل ہو کر یا ایسی جماعتوں سے مل کر کام کرتے رہے جو قائدِ اعظم کی تحریکِ آزادی کی دشمن تھیں۔ احرار نے اپنی تخریب پسندانہ سرگرمیوں کو قیامِ پاکستان کے بعد ترک نہیں کیا بلکہ اِس بات کا حتمی ثبوت موجود ہے کہ احرار نے اب تک پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا اور وہ ملک کے دشمنوں سے مل کر نہ صرف مسلمانوں میں افتراق و نفاق پھیلا رہے ہیں بلکہ پاکستان کے استحکام پر عوام کے اعتماد کو بھی متزلزل کرنے کے درپے ہیں۔ احرار کی موجودہ ایجی ٹیشن کا مقصد بھی ایک مذہبی تحریک کے پردے میں ملّتِ اسلامیہ کی وحدت و سالمیّت کو پارہ پارہ کرنے اور پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اب تک یہ ایجی ٹیشن عام جلسوں میں اشتعال انگیز تقریروں اور بعض اخبارات میں تحریروں کے ذریعے سے جاری رہی جس کے نتیجہ میں بعض مقامات پر امن شکنی اور لاقانونی کے واقعات بھی رُونما ہوئے لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اِس تحریک کے علمبرداروں نے پُورے ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کا تہیّہ کر لیا

---

[1] اخبار ملّت (لاہور) ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء صث

ہے تاکہ حکومت اور عوام کو اپنے تحکمانہ مطالبات کے سامنے جُھکنے پر مجبور کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اعلان کیا ہے کہ اگر ہمارے مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ براہِ راست قدم اُٹھائیں گے۔

دُنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو "ڈائریکٹ ایکشن" کی دھمکی سے مرعوب ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی لہذا حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے تمام [illegible] استعمال کرے گی۔ حکومت تمام متعلقہ عناصر کو متنبّہ کر دینا چاہتی ہے کہ اگر اِس تحریک کے علمبردار [illegible] الٹی میٹم کے نتیجہ میں امنِ عامہ میں کوئی خلل واقع ہوا تو قانون یقیناً حرکت میں آئے گا اور جو لوگ [illegible] شکنی کے مرتکب ہوں گے ان کو اس کا خمیازہ بُھگتنا پڑے گا۔

بایں ہمہ حکومت کو امید ہے کہ اِس تحریک کے علمبردار ہوش مندی سے کام لیں گے اور وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے امنِ عامہ میں خلل پڑتا ہو یا اُن تخریب پسند عناصر کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو جو عوام کے اعتماد کو ایک ایسے وقت میں متزلزل کرنے کے درپے ہیں جب پاکستان کو بعض اہم ترین اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا ہے۔ حکومت عوام کے ہر طبقہ سے اپیل کرتی ہے کہ وہ کسی غیر آئینی حرکت کو برداشت نہ کرے اور اِس بات کا خیال رکھے کہ کوئی ایسی سرگرمی نہ دکھائی جائے جس سے پاکستان کی وحدت اور سالمیّت کے خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔" [1]

اعلامیہ کی ضرورت و اہمیّت بھارتی لیڈروں کے بیانات کی روشنی میں

حکومتِ پاکستان کے اِس اعلامیہ کا تجزیہ اگر بھارتی لیڈروں کے بیانات کی روشنی میں کیا جائے تو اس کی ضرورت و اہمیّت بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔

اِس سلسلہ میں چند مشہور ہندوستانی زعماء کے بعض ضروری اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ [2]

ا۔ "۱۹۴۵ء میں پنڈت نہرو نے ایک سینئر برطانوی افسر سے کہا تھا کہ اُن کا اصل منصوبہ یہ ہے کہ وہ جناح کو اُن کا پاکستان دے دیں گے اور پھر بتدریج پاکستان کے لئے معاشی طور پر اور دیگر لحاظ

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور یکم مارچ ۱۹۵۳ء ص ۳ ۔ [2] یہ سب اقتباسات جناب ممتاز احمد صاحب کی کتاب "مسئلہ کشمیر" سے لئے گئے ہیں۔ یہ کتاب المحراب سمن آباد لاہور نے شائع کی ہے اور دیباچہ بانی جماعت اسلامی جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے لکھا ہے۔

سے بھی ایسے حالات پیدا کر دیں گے جن میں پاکستان کا وجود ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔ پھر ان (پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں) کو جھک کر ہمارے سامنے آنا ہوگا اور یہ درخواست کرنی ہوگی کہ ہمیں ہندوستان میں دوبارہ شامل ہونے کی اجازت عطا کی جائے۔" [۱]

۲۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ۶ر جون کے پلان کی توثیق کرتے ہوئے حسبِ ذیل قرارداد منظور کی تھی:۔

"جغرافیائی حالات نے، پہاڑوں نے اور سمندروں نے ہندوستان کو ویسا ہی بنایا ہے جیسا کہ وہ اس وقت ہے، اور کوئی انسانی طاقت نہ تو اس صورت و ہیئت کو تبدیل کر سکتی ہے اور نہ ہی اس آخری صورت کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی ہے . . . آل انڈیا کانگریس کمیٹی اس بات پر پورا پورا یقین رکھتی ہے کہ جب موجودہ جذباتی شدت میں کمی آجائے گی تو ہندوستان کا مسئلہ اسی حقیقی تناظر میں دیکھا جائے گا اور دو قوموں کے مصنوعی نظریے کو تمام لوگ ساقط اور ترک کر دیں گے۔" [۲]

۳۔ ہندو مہا سبھا کی مجلس عاملہ کی قرارداد کے الفاظ یہ تھے:۔

"ہندوستان ایک وحدت ہے — اور ناقابل تقسیم وحدت — ہندوستان میں اس وقت تک امن قائم ہی نہیں رہ سکتا جب تک کہ الگ ہونے والے علاقوں کو انڈین یونین میں واپس نہ لایا جائے اور انہیں ہندوستان کا لازمی حصہ نہ بنایا جائے۔" [۳]

۴۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو — قیامِ پاکستان کے چھ ہفتے بعد — فیلڈ مارشل آکنلک نے لندن میں اپنے افسرانِ بالا کو ایک خفیہ پیغام میں لکھا:۔

"اس امر کی تصدیق میں میرے پاس شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ موجودہ انڈین کابینہ اپنی ہر ممکن کوشش اور طاقت کے ذریعے پاکستان کی مملکت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہونے سے

---

[۱] (VIDE KHALID BIN SAEED "PAKISTAN FORMATIVE PHASE." (KARACHI, 1960) P. 283) بحوالہ "مسئلہ کشمیر" مولفہ ممتاز احمد صاحب (صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷)

[۲] VIDE V.P. MENON, "THE TRANSFER OF POWER IN INDIA", (CALCUTTA, 1957), P.384

[۳] V.P. MENON, OP. CIT. P. 382

روکنے کا مصمم ارادہ کر چکی ہے میری اس رائے سے میرے تمام سینئر افسر بھی متفق ہیں بلکہ اس کی تائید ہر وہ ذمہ دار برٹش افسر کر رہا ہے جو حالات سے ذرہ برابر بھی آگاہ ہے۔" [۱]

۵۔ ایک بھارتی مصنف ستیا ورتا رامداس پٹیل لکھتا ہے:۔

"پاکستان کا قیام بھارت کی سلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ پاکستان نے بھارت کی جغرافیائی وحدت کو پاش پاش کر دیا ہے ... اس مصنوعی تقسیم سے ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر زد پڑی ہے جس سے نہ صرف بھارت کمزور ہو کر رہ گیا ہے بلکہ اس کی آزادی کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ ایک تعمیری ڈپلومیسی کا تقاضا یہ ہوگا کہ اس تقسیم کو ختم کیا جائے۔ یہی ایک صورت ہے جس سے بھارت ایک عظیم طاقت کی حیثیت سے اُبھر سکتا ہے۔" [۲]

۶۔ ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"ہمیں پاکستان کو بھی ختم کرنے کی ویسی ہی کوشش کرنی چاہیئے جس طرح ہم نے پرتگال کا گوا سے قبضہ ختم کرنے کی کوشش کی ہے جس قدر ہم گوا کی آزادی کے خواہاں تھے اسی قدر ہمیں پاکستان کو بھی آزاد کرانے کی خواہش کرنی چاہیئے۔"

بھارتی پریس اور ایجی ٹیشن

اُن دنوں بھارتی پریس ایجی ٹیشن کی خبریں جس رنگ میں شائع کر رہا تھا اس کا ایک نمونہ دہلی کے اخبار تیج سے ملتا ہے۔

اس اخبار نے اپنی ۱۱ ؍ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت کے صفحہ اوّل پر جلی قلم سے جو نمایاں ترین خبر شائع کی وہ یہ تھی کہ :۔

"لاہور میں ڈائریکٹ ایکشن کرنے والوں نے متوازی حکومت قائم کر لی۔"

بھارتی ایجنٹوں کی گرفتاری

پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ ڈ نائک میاں غلام نبی صاحب کا بیان ہے کہ :۔

---

[۱] JOHN CONNELL, "AUCHINLECK" (LONDON 1959), P. 920 بحوالہ "مسئلہ کشمیر" ص۳۵۸

[۲] SATYAVARATA RAMDAS PATEL, "FOREIGN POLICY OF INDIA: ENQUIRY AND CRITICISM" (BOMBAY, 1960) P. 19 بحوالہ "مسئلہ کشمیر" ص۳۵۹

"ہمارے ختمِ نبوت کے فسادات کے موقع پر ان (بھارت) کی افواج کی تیز نقل وحرکت اور بارڈر سے ذراہٹ کر پوزیشن سیٹ کرنا (مشقوں کے بہانے) نیز فسادات کے مرکز لاہور اور گردونواح میں اُن کی جاسوسی اور مخالفانہ پراپیگنڈے کی زبردست سرگرمیاں یہ کیا تھا حتیٰ کہ جب ختمِ نبوت کا جھگڑا ختم ہؤا تو جاسوسوں کے چرچا کی وجہ سے شہر میں بھارتی جاسوسوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا (اُن دنوں ہم نے بھی علاقہ بارڈر کے قصبہ ہڈیارہ و دیگر دیہات اور کھیتوں سے متعدد جاسوس گرفتار کرائے) تو تقریباً چالیس ہمارے مقامی مسلمان صاحبان بھی بھارتی جاسوسوں کے دستِ راست بنے ہوئے پائے گئے جن میں (بڑے افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ) چند ہمارے امام مسجد مولوی صاحبان بھی تھے مگر اِس کیس کو مصلحتاً ڈراپ کر دیا گیا۔ حاصل یہ کہ ہمارے اندرونی اور داخلی جھگڑے کے اس موقع پر بھی دشمن جو ہر وقت تاک میں تھا حملے کے لئے تیار ہو کر امڈ آیا۔" [1]

ایک امریکی سکالر کی رائے

امریکہ (U.S.A) کے ایک ممتاز ادیب اور سکالر مسٹر ڈانلڈ این۔ ولبر (DONALD . N. WILBER) نے ۱۹۵۳ء کی شورشِ پنجاب کی نسبت لکھا ہے:-

"BUT IN 1953 AGITATION DIRECTED AGAINST THEM BY OTHER MOSLEMS BECAME SO VIOLENT THAT IT SHOOK THE VERY FOUNDATIONS OF THE NEW STATE." [2]

دوسرے مسلمانوں کی طرف سے ان کے خلاف ۱۹۵۳ء میں جو شدید ایجی ٹیشن برپا کی گئی اس نے اس نوزائیدہ مملکت کی بنیادیں تک ہلا دیں۔

---

[1] رسالہ "سیّارہ ڈائجسٹ" مئی ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۳۷، صفحہ ۱۳۸۔

[2] "PAKISTAN"
ITS PEOPLE ITS SOCIETY ITS CULTURE P. 95
(HRAF PRESS NEW HAVEN) دسمبر ۱۹۶۳ء

مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے راست اقدام کی مذمت اور اس کا پس منظر

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تحریکِ پاکستان سے متعلق خدمات ہمیشہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔ یہ فخر و امتیاز اسی خطہ کو حاصل ہے کہ اُسکے ایک بہادر سپوت نواب سلیم اللہ خاں کی تحریک اور دعوت پر ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ آل انڈیا مسلم لیگ کی بُنیاد رکھی گئی۔ اور دوسرے مایہ ناز فرزند آنریبل مولوی فضل الحق وزیرِ اعظم بنگال نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس لاہور میں قرار دادِ پاکستان پیش کی جس کے بعد بنگالی مسلمانوں نے پاکستان کو قائم کرنے کے لئے لاتعداد قربانیاں دیں اور باوجودیکہ احرار کے ہم خیال کانگرسی اور نیشلسٹ علماء نے بنگال میں بھی پاکستان کی زبردست مخالفت کی حتیّٰ کہ پاکستانی خیال کے مسلمانوں پر کفر و ارتداد اور فسخ نکاح تک کے فتوے بھی لگائے مگر انہوں نے ۱۹۴۵ء۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالے۔

اُس زمانہ میں نیشلسٹ اور کانگرسی علماء کے ہاتھوں بنگالی مسلمانوں پر کیا بیتی؟ اور پھر کس طرح یہ نام نہاد علماء اپنے سیاسی اور مذہبی حربوں میں ناکام ہوئے؟ اِس کی تفصیل میں رسالہ ”طلوعِ اِسلام“ (کراچی) لکھتا ہے کہ:۔

”مولویوں کا بہت بڑا طبقہ پاکستان کا دشمن تھا اور قیامِ پاکستان کے راستے میں ہر قسم کے روڑے اٹکا رہا تھا۔ انہوں نے ہندو زمینداروں اور ہندو ساہوکاروں سے ساز باز کر رکھا تھا اور کسی طرح سے بھی مشرقی بنگال کے عوام تک ”پاکستان“ کی آواز نہیں پہنچنے دیتے تھے لیکن پاکستان کی تحریک میں کچھ اس قسم کی جاذبیّت تھی کہ مولویوں کی سازشوں اور رکاوٹوں کے باوجود مشرقی بنگال کے عوام تک یہ تحریک پہنچ ہی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہاں کے عوام کو انگریزوں اور ہندوؤں نے اِس طرح دبا رکھا تھا کہ وہ اُن کی مرضی کے خلاف ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکال سکتے تھے۔ وہاں کے سیدھے سادے عوام پر بیک وقت تین جگر سوز عذاب مسلّط تھے۔ انگریز، ہندو اور مولوی جس طرح مظلوم بنی اسرائیل کے سر پر فرعون، قارون اور ہامان سوار تھے۔

عوام کا ایک طبقہ کسی نہ کسی طرح انگریزوں اور ہندوؤں کے شکنجہ سے تو نکل آیا لیکن وہ مولوی کے آہنی پنجوں سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ یہی نہیں بلکہ اِس سے بھی زیادہ تاسف انگیز بات یہ تھی کہ عوام

اپنے سب سے بڑے دشمن مولوی کو اپنا دوست سمجھ رہے تھے حالانکہ یہ اُسی کی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ وہ اِس قدر بُری حالت تک پہنچ گئے تھے عوام کی سادہ دلی اور شدید مذہبی رُجحانات کی وجہ سے نہ صرف مقامی مولوی عوام کو لُوٹ رہا تھا اور اپنی من مانی کارروائی کر رہا تھا بلکہ ہندوستان کے تقریباً ہر گوشہ سے بڑا بڑا اجھاوری مولوی اور پیر ہر سال مشرقی بنگال پہنچ جاتا اور تبلیغ دین کے نام سے اپنی اپنی جھولیاں بھر بھر کر واپس آیا کرتا تھا مولویوں کی آمدورفت اور لُوٹ کھسوٹ کا سلسلہ اِس طرح جاری تھا کہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن کا اعلان ہو گیا جو پاکستان کے نام پر لڑا جا رہا تھا۔ الیکشن کے سلسلہ میں کلکتہ اور بھارت کے دوسرے مقامات کے بہت سے مسلم لیگی لیڈروں نے مشرقی بنگال کا دَورہ کیا اور لوگوں پر پاکستان کی اہمیت واضح کرنی شروع کر دی مسلم لیگی لیڈروں کا اثر اور عوام کو پاکستان کی حمایت پر آمادہ دیکھ کر ہندوؤں نے اپنے اجیر مولویوں کو مسلم لیگی لیڈروں کا زور توڑنے کے لئے بھیجا "رُوحِ جعفر" کے ان تازہ پیکروں نے اپنی تقریروں میں مسلم لیگی لیڈروں پر کُفر کے فتوے لگائے۔ پاکستان کی تحریک کو انگریزوں کا شگوفہ بتایا اور ہر ممکن کوشش کی کہ یہ تحریک مقبولِ عام نہ ہونے پائے لیکن جناح کے خلوص اور پاکستان کے نام میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ ہندوؤں اور انگریزوں اور مولویوں کے علی الرغم مسلم عوام نے مسلم لیگ کو ووٹ دئے اور ۱۹۴۶ء کے مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں بنگال کے تمام کے تمام ممبر نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ ان کے حریفوں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔

الیکشن کے نتائج کے اعلان کے بعد مولویوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہیں ایسا معلوم ہوُا کہ عوام نے ان سے بغاوت کر دی ہے۔ ان کو اپنی شکست سے بڑا دھچکا لگا۔ بنگال کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ عوام نے مولویوں کی خواہش بلکہ حکم کے خلاف مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب بنایا تھا۔ انہیں اپنی ناکامیابی کا بڑا قلق تھا۔ پھر ان مولویوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ انہوں نے جن ہندو ساہوکاروں اور زمینداروں سے روپے لے کر عیش کئے تھے وہ ہندو بھی ان سے ناخوش تھے اور انہیں ناخوش ہونا بھی چاہیئے تھا چنانچہ انہوں نے ان مولویوں کو دھمکی دی کہ اب ہم تمہاری کسی قسم کی کوئی مدد کرنے کو تیار نہیں۔ تم نے ہمارے لاکھوں روپے مُفت میں ضائع کر دئے۔ ان مولویوں نے ہندوؤں کو سمجھایا کہ اس الیکشن میں اتّفاقی طور سے شکست ہو گئی ہے ورنہ عوام کے دِلوں پر اب بھی ہمارا راج ہے۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم قیامِ پاکستان کے روکنے کے لئے سارے مشرقی پاکستان کے عوام

کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیں گے۔ ہندوؤں کی تو یہ دلی خواہش تھی ہی کہ جس طرح بھی ہو سکے قیامِ پاکستان کو روکا جائے چنانچہ انہوں نے دوبارہ اپنی تجوریوں کے پٹ کھول دئیے اور ان مولویوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے شروع کر دئیے۔ جب مولوی کو روپے کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اب منظم طریقے سے مشرقی بنگال پر دھاوا بول دیا۔

سب سے پہلے مولویوں کا گروہ مشرقی بنگال کے ایک بہت بڑے ضلع نواکھالی پہنچا۔ پورے بنگال میں نواکھالی مولویوں کا گڑھ شمار ہوتا تھا (بنگال میں یہ عام طور پر مشہور ہے کہ نواکھالی کے ضلع میں مولویوں کی تعداد چار لاکھ کے لگ بھگ ہے)

یہاں ان مولویوں نے مقامی مولویوں کے تعاون سے ایک بہت بڑا جلسہ کیا اور متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ مسلم لیگ میں شریک ہونے والے، مسلم لیگ کو ووٹ دینے والے اور مسلم لیگ کی تحریکِ پاکستان کا ساتھ دینے والے فاسق، فاجر، کافر اور منافق ہیں۔ ان مولویوں نے اِسی فتویٰ پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں جن لوگوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دئیے تھے وہ سب کے سب کافر ہیں اور دین سے خارج ہو چکے ہیں لہٰذا ان کی بیویاں ان پر حرام ہو چکی ہیں اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان نہ ہو جائیں تو ایسے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے۔

مولویوں کے اِس جلسہ میں شرکت کرنے والوں کا بیان ہے کہ کئی آدمی جلسہ ہی میں مولویوں کے "دستِ حق پرست" پر توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہوئے اور مولوی صاحب نے ان کی بیویوں سے دوبارہ ان کا نکاح پڑھایا۔ نواکھالی کے اِس جلسہ کو مولوی نے اپنی کامیابیوں کا پیش خیمہ قرار دے کر بڑے پیمانہ پر پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیا۔

جمعیۃ علمائے ہند کے سربراہ مولوی حسین احمد مدنی اور ان کے شاگرد اِن رشید، مریدانِ حق پرست اور دیگر حوارین پورے مشرقی بنگال میں پھیل گئے۔ مدنی صاحب ہر سال رمضان کے مہینہ میں سلہٹ آ جایا کرتے تھے اور عید کے بعد دیوبند واپس جایا کرتے تھے۔ سلہٹ اور اس کے پاس مولوی صاحب کا کافی اثر تھا اسی لئے انہوں نے سلہٹ کو اپنا ہیڈ کوارٹر قرار دے کر اپنے آدمیوں کو بنگال کے مختلف علاقوں میں بھیجنا شروع کیا۔ مولوی صاحب کی امداد کے لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہندوؤں

نے ہوائی جہازوں اور ریلوں سے مولویوں کی کھیپ کی کھیپ بھیجنی شروع کی مگر تحریکِ پاکستان کچھ اِس قدر سخت جان تھی کہ ان مولویوں کی ایک نہ چلی اور آخرکار ۳ جون کو تقسیمِ ہند کے فیصلہ کا اعلان ہو ہی گیا۔ اب ہندوؤں کو مولویوں کی بالکل ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہو چکی تھیں لیکن تقسیمِ ہند کے اعلان کے چند دنوں بعد مولویوں کا نصیبہ پھر جاگا اور آسام کے ضلع سلہٹ اور تھانوں میں رائے شماری کا اعلان ہوا۔ ہندوؤں نے پھر مولویوں کی خدمات حاصل کیں اور مولوی حسین احمد مدنی کی سرکردگی میں ہزاروں مولویوں کو سلہٹ بھیجا تاکہ وہ مسلم اکثریت کے شہر سلہٹ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کو پاکستان سے کاٹ کر ہندوستان میں شامل کرا سکیں۔ ان مولویوں نے اپنی جانیں لڑا دیں مگر انہیں اس مرتبہ بھی مُنہ کی کھانی پڑی اور مولوی حسین احمد مدنی معہ حواریوں کے اپنا سا مُنہ لے کر مشرقی بنگال سے تشریف لے گئے۔ سلہٹ میں ان حضرات کی عبرت ناک شکست سے ایک بات تو بہرحال ثابت ہوگئی کہ مشرقی بنگال سے مولویوں کا اثر ختم ہو چکا ہے سلہٹ ریفرنڈم میں مولویوں کی شکست اصل میں ان کے اقتدار کا آخری دن تھا۔ جب مولویوں کی مخالفتوں کے علی الرغم پاکستان بن ہی گیا تو وہ مولوی جنہوں نے ہر ہر قدم پر پاکستان کے قیام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور جنہوں نے قیامِ پاکستان کے راستے میں ہر قسم کی روکاوٹیں کھڑی کی تھیں وہ پاکستان کے زبردست دوست بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے یہ سوچا کہ اگر تمام مولوی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں تو اِس طرح ایک متحدہ محاذ بن سکتا ہے۔"[1]

مشرقی پاکستان کے مظلوم مسلمانوں نے جو احرار کے ہم مشرب کانگرسی علماء کے فتاویٰ تکفیر کی شمشیرِ بے نیام سے پہلے ہی زخم رسیدہ تھے اِسلام کے نام پر سول نافرمانی کی دھمکی دینے والے احراری علماء کی شدید مذمت کی[2] اور مسلم پریس نے ان کے خلاف پُرزور نوٹ لکھے۔

---

[1] رسالہ "طلوعِ اسلام" کراچی ۲۶ مارچ ۱۹۵۵ء صـ۱۱، صـ۱۲۔

[2] یاد رہے احراری علماء اُن دنوں صاف لفظوں میں کہہ رہے تھے کہ "ہمیں صرف چوہدری سر ظفر اللہ کو اسکی کرسی سے علیحدہ کرنا نہیں ہے خواجہ ناظم الدین کو بھی یہی عزت دینا ہے۔" (زمیندار ۳ فروری ۱۹۵۳ء صـ۱ کالم ۶، ۷ بیان ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار مرکزیہ)

اخبار شنگھا

۱۔ چنانچہ اخبار شنگھا (ڈھاکہ) نے یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو "مذہبی عصبیت" کے عنوان سے حسبِ ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

بعض عناصر نے جو قادیانی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتے آرہے ہیں چونکہ گذشتہ جمعہ کو کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کر کے فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی اس لئے حکومتِ پاکستان نے جمعہ کی صبح ہی گیارہ سرکردہ علماء کو گرفتار کر لیا۔ حکومت کے اِس بروقت اقدام سے ان لوگوں کا منصوبہ پیوندِ خاک ہو گیا۔

قارئین جانتے ہیں کہ بعض فرقے کچھ عرصہ سے بے وجہ مذہبی منافرت پھیلاتے چلے آرہے ہیں حالانکہ محض اپنے سیاسی مفاد کی خاطر کسی کے مذہبی عقائد کے خلاف عوام کو مشتعل کرنا انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ مذہب کے نام پر اختلاف کے ہم قائل نہیں۔ اتحاد اور نظام ہی اسلام کا بنیادی اصول ہے، اور اسی اصول پر پاکستان قائم ہوا۔

جن لوگوں نے کراچی میں جمعہ کے دن اپنے سیاسی اغراض کے لئے فتنہ اُٹھانے کی کوشش کی ان کی سیاست سے پورا ملک باخبر ہے کہ وہ پاکستان کے ہرگز خیر خواہ نہیں ہیں جیسا کہ سرکاری اعلامیہ سے بھی ظاہر ہے۔

پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ اِس فتنہ کے بانی مبانی احرار تھے گو بعد میں بعض اور فرقے بھی اُن کی تائید میں شامل ہو گئے۔ احرار تقسیمِ ملک سے قبل قیامِ پاکستان کے مخالف اور کانگرس کے ساتھی تھے احرار اب عوام کو مذہبی عقائد کی آڑ میں اشتعال دلا کر سیاسی طور پر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ہمارا ملک اِس امر کو سمجھنے کے لئے دماغ رکھتا ہے۔

اِس فرقہ نے ملکی بٹوارہ کے وقت جو گھناؤنا کردار ادا کیا ہے اُس کو دیکھ کر کوئی بھی پاکستانی اس کی موجودہ سرگرمیاں برداشت نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے عوام مذہبی عصبیت کی تنگ نظری پسند نہیں کرتے اور نہ وہ ملک کے کسی مسلم یا غیر مسلم طبقہ یا فرد کے جمہوری حقوق کو نظر انداز کر سکتے ہیں لہذا ملک کو احراری طائفہ کی سازش سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ قادیانیوں کے خلاف خواہ مخواہ اشتعال پیدا کرنا پاکستان کے لئے مفید نہیں ہے۔ (ترجمہ)

اخبار "آزاد"

۲۔ اخبار "آزاد" (ڈھاکہ) نے "اتحاد اور مذہبی عصبیت" کے عنوان سے حسبِ ذیل

اداریہ لکھا:۔

۱۷ر فروری بوقت صبح کراچی میں گیارہ مشہور مولویوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتار شدگان میں مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی بھی شامل ہیں۔

۱۶ر فروری کو ایک جلسۂ عام میں مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دیا جائے ورنہ ڈائریکٹ ایکشن تجویز کیا جائے گا۔ حکومتِ پاکستان کے ایک پریس کمیونک میں ان گرفتار شدگان کے متعلق کہا گیا ہے کہ چند روز سے احمدیوں کے خلاف ایک تحریک چل رہی ہے۔ تحریک کرنے والوں نے کہا ہے کہ اگر ان کے دعویٰ کو حکومت تسلیم نہ کرے گی تو ڈائریکٹ ایکشن عمل میں لایا جائے گا۔ قیامِ پاکستان سے قبل احراری جماعت جو مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کے مخالف تھی اسی ٹولہ نے اب یہ تحریک شروع کر رکھی ہے احراری قائدِاعظم کے خلاف کانگریس کے ساتھ تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی ان لوگوں کو پاکستان پسند نہیں۔ اور وہ پاکستان کے دشمنوں کی سازش اور امداد سے قومی اتحّاد کو درہم برہم اور پاکستان کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پہلے یہ لوگ اشتعال انگیز تقاریر اور اخباروں کے ذریعہ مخالفانہ پراپیگنڈا کر رہے تھے مگر اب وہ تخریبی کارروائی پر اُتر آئے ہیں۔ کوئی حکومت ایسی دھمکیوں کے سامنے جھک نہیں سکتی۔

یہاں پاکستان کے اتحّاد اور استحکام کے خلاف تخریبی کارروائی کرنے والے فرقوں کی کوئی کمی نہیں۔ احراری ٹولی آج بھی اسی طرح پاکستان کی مخالف ہے جس طرح وہ گذشتہ زمانہ میں مخالفت کر رہی تھی۔ اب یہی فرقہ مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے مسلمانوں میں فتنہ وفساد پھیلانے کے درپے ہے اور چند ماہ سے احمدیوں کے خلاف منافرت پھیلا رہا ہے۔ اِس فرقہ نے طرح طرح کی سازشیں کیں اور بالآخر خون خرابہ تک نوبت پہنچی۔ حکومتِ پاکستان اب سختی کے ساتھ اِس تحریک کو دبانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اِس شورش کو بہت عرصہ قبل پُوری قوّت سے دبا دیا جانا چاہیئے تھا لیکن حکومت نے تغافل برت کر اس کو تخریبی کارروائی کا موقع دے دیا ہے۔ اِس فرقہ کو جو پاکستان کے اتحّاد و استحکام کا دشمن ہے اور مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے ہے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا وجود ہی ملک کے لئے ناقابلِ برداشت ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح صُلح نہیں ہو سکتی۔ افسوس!! حکومتِ پاکستان اس فرقہ کے معاملہ میں خوشامدانہ طرزِ عمل اختیار کرتی چلی آ رہی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ حکومت اب اپنی گذشتہ پالیسی کو بدل دے گی اور اس کو اپنے فولادی ہاتھوں سے دبا دینے اور کیفر کردار تک پہنچانے میں ذرّہ برابر تامّل نہ کرے گی۔ اس صورت میں حکومت نے جو بھی قدم اُٹھایا اسے عوام کی حمایت حاصل ہوگی۔ (ترجمہ) لہ

اخبار "انصاف"

۳۔ روزنامہ "انصاف" نے اپنی ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں "ناقابلِ برداشت" کے زیرِ عنوان لکھا:۔

احرار نے قادیانیوں کے خلاف کیوں سر اُٹھایا؟؟ کیا یہ مذہبی مفاد ہے یا کچھ اور؟... احرار تقسیمِ ملک سے قبل ہمیشہ سیاست سے وابستہ رہے اور مذہب سے ان کو چنداں دلچسپی نہ تھی۔ اور یہ تو مشہور بات ہے کہ ہندو کانگریس کے مسلم کُش لائحہ عمل کو دیکھ کر سب مسلمان زعماء یکے بعد دیگرے کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو کر اپنے حقوق کے تحفّظ کی جدّوجہد کرنے لگے ان دنوں احرار نے کانگریس کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی لیکن ان کی ساری کوششیں اکارت گئیں۔

پاکستان اس وقت مسلم لیگ کی قیادت میں تیزی کے ساتھ شاہراہِ ترقّی پر گامزن ہے خصوصاً چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ہاتھوں اسے نہ صرف شہرت نصیب ہوئی بلکہ بین الاقوامی برادری میں اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہو چکا ہے۔ ایسے مرحلہ پر چوہدری صاحب کو وزارتِ خارجہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ حکومت کے خلاف بغاوت نہیں تو اَور کیا ہے؟

ہم ہر پاکستانی سے پُوچھتے ہیں کہ کیا یہ وقت اختلاف کا ہے؟ ایسے وقت میں جبکہ ہمارا وطن مختلف مسائل میں اُلجھا ہوا ہے دارالسّلطنت کے امن اور سرکاری نظم ونسق کو درہم برہم کرنے کا معمولی خیال رکھنے والے ہر شخص کو ہم مشکوک سمجھتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسے لوگ پاکستان اور اسلام دونوں کے دشمن ہیں ان کی یہ حرکت ہرگز برداشت نہیں کی جاسکتی انہیں پُوری قوت سے دبا دینے کی ضرورت ہے ورنہ آنے والی نسلوں کی نظر میں ہم قصوروار ٹھہریں گے۔ (ترجمہ)

راست اقدام کی دھمکی اور بھارتی مسلمان

بنگالی مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے متدیّن اور ملّتِ اسلامیہ کا درد رکھنے والے مسلمانوں

لہ "آزاد" یکم مارچ ۱۹۵۳ء

نے بھی علماء کے راست اقدام کے فیصلہ کو انتہائی نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا۔

چنانچہ بمبئی کے مسلمان اخبار "انقلاب" نے احراری احمدی کشمکش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"فتنۂ عظیم"

"پاکستانی علماء کدھر جا رہے ہیں"

"پاکستان میں احراریوں نے احمدیوں کے خلاف جو ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے اس کی ہر سلیم العقل انسان مذمت کرنے پر مجبور ہے ہمیں قادیانیوں کے مذہبی تصوّرات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ختمِ نبوّت کے باب میں ان کے عقائد کو ہم قطعاً غلط تصوّر کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اس ہنگامہ کی ہرگز تائید نہیں کر سکتے جو کراچی اور لاہور میں برپا ہے اور جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ مملکتِ پاکستان کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منافرتِ باہمی پھیلانے کا بھی شدید اندیشہ ہے۔ آج کے حالات میں جب کہ دُنیا کے گوشہ گوشہ سے اتحادِ اسلامی کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کا صاحبِ شعور طبقہ فروعی اختلافات کو ختم کرتے ہوئے اپنی متحدہ طاقت کے بَل پر اسلامی نشأۃِ ثانیہ کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اختلافِ عقائد کی بُنیاد پر ایک تحریک کا شروع کر دیا جانا ایک ایسی مذموم اور تکلیف دہ حرکت ہے جسے سنجیدہ مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اور ہم انتہائی رنج و افسوس کے ساتھ ایک ایسی تحریک کی مذمت کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں جس کی قیادت کا فریضہ ممتاز علماءِ اسلام انجام دے رہے ہیں۔

جہاں تک ان مطالبات کا تعلّق ہے جو احراریوں کی طرف سے پیش کئے جا رہے ہیں ہم کسی حالت میں ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ اگر مولوی صاحبان کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ جس فرقہ کو چاہیں ایک ذرا سا شور و شغب برپا کر کے غیر مسلم اقلیّت قرار دلا دیں تو پاکستان میں اسلام کا مُستقبل تاریک ہو جائے گا۔ آج چند مولویوں کے مطالبہ پر قادیانیوں کو غیر مُسلم اقلیّت قرار دیا جا سکتا ہے تو کل شیعوں، دیوبندیوں، شافعیوں، مالکیوں، حنفیوں، مقلّدوں، غیر مقلّدوں، بوہروں، آغا خانیوں اور دوسروں پر بھی یہی مصیبت طاری کی جا سکتی ہے۔ ہر فرقہ کے مولوی صاحبان دوسرے فرقہ کے لوگوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر حکومت اِن سب کے مطالبات قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کر دے تو وہ وقت دُور نہیں جب پاکستان میں سرے سے کوئی "مسلمان باقی نہیں رہے گا اور وہ ایسی غیر مسلم

اقلیت کا ملک بن جائے گا جس پر یہ شعر سو فیصدی صادق آئے گا کہ ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا ✿ اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

رہا احمدیوں کا سرکاری ملازمتوں سے اخراج کا مسئلہ تو یہ بھی ایک قطعاً مہمل مطالبہ ہے۔ سرکاری مناصب کا تعلق اہلیت اور قابلیت سے ہوتا ہے مذہب سے نہیں۔ اگر کوئی قادیانی لائق ہے تو اسے ایک نالائق غیر احمدی کے مقابلہ میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا یقیناً زیادہ حق ہے کسی شخص کو محض اختلافِ عقائد کی بُنیاد پر سرکاری ملازمت سے محروم کرنا قطعاً غلط اور احمقانہ بات ہے اور ہم کسی حالت میں اس کی تائید نہیں کر سکتے اور پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ آج جو مطالبہ قادیانیوں کے سلسلہ میں کیا جا رہا ہے وہی کل دوسرے فرقوں کے متعلق نہیں کیا جانے لگے گا؟ آج اگر ظفر اللہ خاں کو قادیانی ہونے کی بُنیاد پر وزارت سے مستعفی کیا جا سکتا ہے تو کل مسٹر غلام محمد کو پیر وارث علی شاہ سے گہری عقیدت کے جُرم میں ان کے عہدہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ وجود میں آسکتا ہے یہ ایک ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جس پر کوئی روک نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر حکومتِ پاکستان آج اِس احمقانہ مطالبہ کو مان لے تو کل ایسا وقت آسکتا ہے جب اُسے سرکاری ملازمتوں کے لئے ایک شخص بھی نصیب نہ ہو اِس لئے کہ بہرحال ہر مسلمان کسی نہ کسی فرقہ سے ضرور متعلق ہو گا اور بدقسمتی سے دوسرے فرقہ کے لوگوں کے نزدیک اس کا "کفر" اتنا گہرا اور اتنا شدید ضرور ہو گا کہ اسے وہ کسی حالت میں سرکاری ملازمت کا اہل نہیں قرار دے سکیں گے۔

جہاں تک احراری حضرات کا تعلق ہے ان کی پُوری تاریخ ہنگامہ پسندی اور فتنہ انگیزی پر مشتمل رہی ہے انہوں نے کبھی کشمیر میں تحریک چلا کے مسلمانوں کو بیوقوف بنایا اور کبھی اور ایجی ٹیشن کا قصہ کھڑا کر کے میواتی مسلمانوں کو مُبتلائے مصائب کیا کبھی لکھنؤ میں شیعہ وسُنی جھگڑا کھڑا کیا تو کبھی مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں ملّتِ اِسلامیہ کو کھلا ہوُا نقصان پہنچایا۔ یہ قطعاً تخریبی ذہنیت رکھنے والے لوگ ہیں جو صرف ہنگاموں اور فسادات کی فضا میں زندہ رہنے کے قائل ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد سے یہ لوگ خاموش بیٹھے اِس لئے کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ان کے سابقہ کردار سے بخوبی واقف تھا اور وہ ان کو کسی حالت میں اُبھرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا عوام میں بھی ان کی ساکھ گری ہوئی تھی اِس لئے کہ اِن لوگوں نے قیامِ پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو مجبوراً پانچ سال تک

خاموشی کی زندگی گذارنی پڑی لیکن ان کی خوش قسمتی کہ چند "مہاجرین مولوی صاحبان" جو یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کو قیامِ پاکستان سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا ہے جتنا کہ وہ خود کو تصوّر فرماتے تھے ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان کو اس کا موقع مِل گیا کہ وہ احمدی اور غیر احمدی کا فتنہ کھڑا کرکے اس پردہ میں دوبارہ سیاست کے میدان میں آجائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ احراریوں نے یہ تحریک کسی دینی جذبہ کے ماتحت شروع نہیں کی ہے بلکہ وہ مذہب کے پردہ میں دوبارہ سیاسی عُروج حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی اس خود غرضی اور مطلب پرستی کے متعلق ہمیں کچھ عرض نہیں کرنا ہے وہ ہمیشہ اِس ذہنیت کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور آج بھی اپنی سابقہ روایات پر عمل کر رہے ہیں ہمیں افسوس تو ان دوسرے علماء کرام پر ہے جو اِس فتنہ میں شریک ہو گئے ہیں اور اِس طرح نادانستہ طور پر نہ صرف اپنے وطن کو بلکہ درحقیقت اسلام کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آج سارے اسلام کے علماء اِس اجتہاد و تبدیلی کے شاکی ہیں جو مسلمانوں کے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ میں عام ہوتی جارہی ہے لیکن وہ یہ بھُولتے ہیں کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو مذہب سے دُور کرنے میں مغربی تعلیم کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ ان اجارہ دارانِ دین و ملّت کا ہاتھ ہے جو مسندِ علم و فضل پر فائز نظر آتے ہیں۔ اگر آج کمیونسٹ بے دین نظر آتا ہے تو اس میں مارکس کی مادّہ پرستی کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ زارینہ کے اس سازشی اور غلط کار پادری کا ہاتھ ہے جس نے مذہب کو حکومت کا کھلونا بنا دیا تھا۔ ہمارے علماء کرام کی قدامت پسندی کُفر سازی، تنگ نظری اور شدید قسم کی متعصبانہ روش نے تعلیم یافتہ طبقہ کو نہ صرف یہ کہ علماء کی جانب سے بدظن کر دیا ہے بلکہ ان میں مذہب کی جانب سے بھی بیزاری پیدا کر دی ہے۔ پاکستان کے علماء بھی بدقسمتی سے روایتی کٹھ ملّاؤں کا کردار انجام دے رہے ہیں اور اِس طرح وہ احمدیوں کے مقابلہ میں خود اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں تعلیم یافتہ مسلمان جب اِس قسم کی حرکتوں کو دیکھتے ہیں اور مذہب کے نام پر علماء کرام کی تنگ نظرانہ روش کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان میں مذہب کی جانب سے مایوسی پھیل جاتی ہے۔ پاکستان میں ابھی یہی ہو گا۔ آج نہیں تو کل تعلیم یافتہ طبقوں میں مولویوں کی اِس روش کا ردِّ عمل نہایت ہی شدّت سے نمایاں ہو گا اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ علماءِ کرام کی عزّت کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ اس دینی جذبہ کا بھی خاتمہ ہو جائے گا جو آج پاکستان میں موجود ہے۔

ترکی میں علماء کی اسی تنگ نظری نے جو نتائج پیدا کئے وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ایران میں علماء کا جو حشر ہُوا وہ ہمارے سامنے ہے اور شام و مصر میں جو حالات پیدا ہوئے ان سے بھی ہم واقف ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستانی علماء بھی اس غلط راہ پر چل رہے ہیں جس پر ترکی اور ایران کے علماء چلے تھے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے جلد ہی اپنی روش تبدیل نہیں کی تو ان کو بھی انہیں نتائج کا سامنا کرنا پڑیگا جن سے ترکی اور ایران کے علماء دوچار رہ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ ان حالات کو زیادہ دِنوں تک برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ ملک کی سالمیت پر علماء کے وار دیکھتے ہوئے خاموش نہیں رہ سکتا اسے ایک نہ ایک دن علماء کے خلاف آواز بلند کرنا پڑے گی۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ طبقہ میدان میں آئے گا تو علماء کرام کے ساتھ ہی اسلام کو بھی اس حشر سے دوچار ہونا پڑے گا جس کا ایک ادنیٰ مظاہرہ ہم ترکی میں دیکھ چکے ہیں۔

سیاست میں تخریبی مقاصد کے لئے مذہب کا استعمال حد درجہ نقصان دہ ہُوا کرتا ہے۔ پاکستان میں آج مذہب کو تخریبی سیاست کا آلۂ کار بنایا جا رہا ہے۔ یہ چیز خود مذہب کے لئے انتہائی نقصان رساں ثابت ہوگی اِس لئے کہ جب پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ یہ محسوس کرے گا کہ مذہب کا حد درجہ ناجائز استعمال ہو رہا ہے اور مذہب کے نام پر ملک کی وحدت کے پرخچے اُڑائے جا رہے ہیں تو وہ لازماً مذہب کے خلاف صف آراء ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں کم از کم یہ تو ضرور ہوگا کہ پاکستان کو ایک مثالی اسٹیٹ بنانے کا خواب ہمیشہ کے لئے شرمندۂ تعبیر رہ جائے گا اور اسلامی اسٹیٹ کی جگہ ویسی ہی سیکیولر حکومت وجود میں آجائے گی جیسی کہ انتزاعِ خلافتِ اسلامی کے بعد ترکی میں وجود میں لائی گئی۔ اگر پاکستانی علماء اسے پسند نہیں کرتے کہ پاکستان کو غیر مذہبی ریاست بنا دیا جائے اور وہ واقعی ایک مثالی اسلامی مملکت کے قیام کے خواہش مند ہیں تو ان کو اپنی موجودہ تنگ نظرانہ روش ترک کرنا پڑے گی۔ مذہب کے نام پر فتنہ آرائی کا راستہ چھوڑنا پڑے گا۔ احمدیوں کے نام پر فتنہ آرائی کرکے ممکن ہے کہ چند علماء کو کچھ عارضی شہرت حاصل ہو جائے لیکن یہ شُہرت آگے چل کے بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم پاکستانی علماء کو ان کی موجودہ روش کے باب میں ابھی سے متنبّہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی موجودہ سیاست 'اِسلام' مسلمانوں اور خود پاکستان کے حق میں سمِّ قاتل سے کم نہیں۔ اور اگر انہوں نے اسے ترک نہ کیا تو آج وہ جو زہریلے بیج بو رہے ہیں۔ ان کے کڑوے

پھل کل خود انہیں کھانا پڑیں گے اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہو سکتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔" لہ

نمائندہ "المصوّر" (قاہرہ) کے تاثرات

قاہرہ کے مشہور اخبار "المصوّر" کی نامہ نگارِ خصوصی السیدہ امینۃ السعید ایجی ٹیشن کے اس زمانہ میں مصر سے خاص طور پر پاکستان میں آئیں اور کراچی اور راولپنڈی کے حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے۔ ان کے ذاتی تاثرات کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے :-

"جب ہم نو گھنٹے کی لمبی مسافت کے بعد راولپنڈی پہنچے تو چونکہ وہاں پر مصری صحافی وفد کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ گاڑی پر پہنچ گئے تاکہ قادیانیت یا احمدی مذہب کے بارے میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع کریں۔ مُلک میں لاقانونیت کا آغاز اِس طرح ہوا کہ پہلے پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی کراچی گئی جس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام احمدیوں کو جن میں چوہدری ظفر اللہ خاں بھی شامل ہیں تمام حکومتی عہدوں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ نیز انہیں عیسائیوں، ہندوؤں اور پارسیوں کی طرح ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ احمدیوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کے منکر ہیں۔ اِس کمیٹی نے حکومت کو چند دن کی مُہلت دی جب حکومتِ پاکستان نے یہ مطالبات منظور نہ کئے اور مدّتِ مقررہ گزر گئی تو مُلک کے تمام اطراف میں سول نافرمانی کا اعلان کر دیا گیا۔ مظاہرے ہوئے۔ دکانیں بند کی گئیں اور وسائل آمد و رفت میں تعطّل پیدا ہو گیا چونکہ حکومتِ پاکستان فتنہ پرور اصحاب کی حرکات سے پُوری طرح آگاہ تھی اِس لئے اُس نے اِس فتنہ کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور اِس طرح وقتی طور پر بغاوت کی آگ فرو ہو گئی۔

یہ واقعہ ہے کہ جب ہم دار السّلطنت پاکستان (کراچی) میں تھے تو اِس تحریک کا آغاز ہوا اور ملک کے مختلف اطراف میں ہمارے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی چکر لگاتی رہی۔ اِس تحریک پر مجھے بہت حیرت تھی کیونکہ قادیانی مذہب یا احمدیہ جماعت تو قریباً سو سال سے قائم ہے اور آج تک اِس عقیدہ کے لوگ آزادی اور سلامتی سے بستے رہے ہیں اور ان کی حیثیت مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سُنّی، شیعہ اور وہابی وغیرہم کی طرح ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ خاص طور پر اِن دنوں میں احمدیوں کے خلاف طبائع میں کیوں اشتعال پیدا ہو گیا ہے، نیز یہ کہ انہیں عہدوں سے معزول کئے جانے اور اقلیت غیر مسلمہ قرار دینے

لہ روزنامہ "انقلاب" بمبئی یکم مارچ ۱۹۵۳ء

کے مطالبہ کا حقیقی راز کیا ہے ؟ اِس سلسلہ میں مَیں نے بہت جستجو کی اور بہت سے سیاسی اور اجتماعی جماعتوں کے لیڈروں سے بات چیت کی۔ آخر کار مجھ پر واضح ہو گیا کہ موجودہ ایجی ٹیشن خالص سیاسی تحریک ہے اور اِس ایجی ٹیشن کے محرّک دراصل پاکستان کے دوست نہیں ہیں اور ان کا حقیقی مقصد اس سے بہت مختلف ہے جیسا کہ ظاہر میں نظر آتا ہے اور حکومت کو اس کا پُورا پُورا علم ہے وہ بخوبی جانتی ہے کہ اندھیرے میں کونسے ہاتھ یہ تاریں ہلا رہے ہیں۔ اِس لئے حکومت نے اِس فتنہ کے ذمہ داروں پر سختی سے گرفت کرنے میں ذرا غفلت نہیں برتی۔

اِس بارے میں مَیں نے پاکستان کے ایک بہت بڑے سیاستدان سے گفتگو کی جو اپنی آزادانہ رائے اور ذاتی اغراض سے بالا ہونے میں معروف ہے۔ اس لے یہ کہتے ہوئے کہ میرا نام ظاہر نہ کیا جائے مجھے بتایا کہ " بیشک تم ایک ایسی چھوٹی سی مسلم جماعت (جس کی تعداد سات آٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں) کے خلاف اِس تحریک کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گی خصوصاً اِس لئے کہ جب پاکستان میں لاکھوں کروڑوں سُنّی، شیعہ، آغا خانی اور وہابی موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف آراء رکھتا ہے تو یہ شور وشر اور ہنگامہ صرف احمدیوں کے خلاف ہی کیوں ہے ؟ اِس لئے مَیں اِس جگہ معاملہ کی پُوری وضاحت کے لئے بتاتا ہوں کہ اس کے لئے قادیانیوں کی اُن گذشتہ چند سالوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان بنانے کی تحریک شروع فرمائی تھی۔ اس وقت جماعتِ احمدیہ جان و دِل سے قائدِ اعظم مرحوم کے دوش بدوش کھڑی ہوئی اور اِس جہاد میں اس نے قائدِ اعظم کی پُوری پُوری تائید کی اور وہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے تک ہر طرح انکی مددگار رہی۔ اس زمانہ میں برِّ عظیم ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جماعت " احرار " کے نام سے موجود تھی وہ لوگ تقسیمِ ہند یعنی پاکستان بننے کے مخالف تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح کا مقابلہ کیا اور انکی دعوت کی پُورے زور سے مخالفت کی لیکن جب ان کی مرضی کے خلاف پاکستان بن گیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دئے اور ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اگرچہ احرار کا لیڈر اَب تک بھارت میں ہے تاہم انکی اکثریت پاکستان میں آ گئی۔ پاکستان بننے کے دن سے لے کر آج تک جماعتِ احمدیہ اور احراریوں میں شدید دشمنی ہے جو موجودہ فتنہ کے حقیقی محرّک ہیں۔

(مضمون نگار لکھتی ہیں کہ) مَیں نے دریافت کیا کہ اگر یہ بات ہے تو احرار نے اپنے مخالفوں سے اِس

سے پہلے کیوں معاملہ نہیں نپٹایا اور خاص طور پر اس وقت اپنے دیرینہ بُغض و کینہ کے نکالنے کے لئے سِول نافرمانی کو کیوں ذریعہ بنایا؟ (اس لیڈر نے جواب دیا کہ) اِس سوال کے جواب کے لئے بعض اُمور کا سِلسلہ وار بیان کرنا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کا قیام غیر متوقّع طور پر ہوُا ہے۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ ہم اپنی پُوری کوشِش سے اپنے وطنِ جدید کی ابتداء مضبوط حالات سے کرتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم نے ذمّہ دارانہ عہدے دینے میں سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کی قابلیّت پر دارومدار رکھا۔ اور چونکہ احمدی بہت زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذّب تھے اِس لئے ان کو بہت سے ذمّہ داری کے منصب سپرد کئے گئے اور احراریوں کو اِن عُہدوں کے حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی۔ ایک تو اِس لئے کہ وہ تعلیم یافتہ نہ تھے اور دوسرے اِس لئے کہ وہ ماضی میں پاکستان بننے کی مخالفت کرتے رہے تھے (ترجمہ) [1]

قیامِ امن کیلئے حضرت مصلح موعودؓ کی پُرحکمت ہدایات

احرار اور اُن کے ہمنوا علماء و زعماء کھُلے لفظوں میں بار بار دھمکیاں دے چکے تھے کہ

"۲۲ر فروری کے بعد مُلک میں سول نافرمانی کے آغاز کی ذمّہ داری مرکزی حکومت پر عائد ہو گی"۔

"۲۲ر فروری کے بعد صُورتِ حال کی ذمّہ داری اربابِ حکومت پر ہو گی۔ سول نافرمانی ہو یا بغاوت پھیلے ان نتائج کی ذمّہ داری خواجہ ناظم الدین اور اُن کی کابینہ پر ہو گی"۔ [2]

اب چونکہ صُوبہ پنجاب کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی اور پاکستان اور احمدیّت کی مخالف قوتیں کھُل کر سامنے آگئی تھیں اِس لئے سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے ۱۳ر فروری ۱۹۵۳ء کو مسجد مبارک ربوہ میں ایک پُرجلال خطبہ دیا جس میں حضرت مہدیٔ موعُودؑ کی مظلوم اور بےبس جماعت کو قیامِ امن کی احتیاطی اور حفاظتی تدابیر بتائیں اور پُرحکمت اور ضروری ہدایات سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"احرار اور ان کے ساتھیوں نے ۲۲ر فروری کا آخری نوٹس دیا ہے اِس کے معنے یہ ہیں کہ اسکے

---

[1] "المصوّر" (قاہرہ) ۱۰ر اپریل ۱۹۵۳ء بحوالہ "الفرقان" (ربوہ) فروری، مارچ، اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۸ تا ۵۰ (متن و ترجمہ)

[2] "آزاد" (لاہور) ۶ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲ و صفحہ ۶ کالم ۳۔

بعد یہ لوگوں کو احمدیوں کے خلاف اُکسائیں گے۔ خود مساجد کے حُجروں میں گُھس جائیں گے اور عوام کو کہیں گے کہ جاؤ اور احمدیوں کو مار دو۔ بعد میں کہیں گے دیکھا ہم نے نہیں کہا تھا کہ اگر حکومت نے احمدیوں کو اقلیت قرار نہ دیا تو لوگ ان کو مار دیں گے۔ اگر واقعہ میں لوگوں نے احمدیوں کو مارنا تھا تو لوگ خود اِس بات کا نوٹس حکومت کو دیتے اِن مولویوں کو نوٹس دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اِن مولویوں کو کس طرح پتہ لگ گیا کہ لوگ ۲۲ر فروری کے بعد احمدیوں کو مار دیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش ہے۔۔۔

اگلا جمعہ اِس نوٹس کے لحاظ سے آخری جمعہ ہوگا اور اگلے اتوار کو ان کا نوٹس ختم ہو جائے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ یہ خطبہ اتوار کے اخبار میں چھپ جائے۔ پس جب اور جہاں یہ خطبہ پہنچے جماعت فوراً اجلاس بُلائے اور مشورہ کرے کہ ان کے لئے کیا کیا خطرات ممکن ہیں اور ان کے کیا کیا علاج انہوں نے تجویز کرنے ہیں۔ اور پھر جن جماعتوں کو خدا تعالیٰ توفیق دے اور ان کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ وہ مرکز میں آدمی بھجوا سکیں وہ مرکز میں آدمی بھجوائیں جو مقامی تجاویز لاکر نظارت امورِ عامہ سے اور نظارت دعوۃ و تبلیغ سے مشورہ کرے۔ ممکن ہے بعض مشورے ایسے ہوں جن کی اطلاع حکومت تک پہنچانی مقصود ہو یا لٹریچر کی اشاعت مقصود ہو تو اس کے متعلق نظارت امورِ عامہ اور دعوۃ و تبلیغ ہی مفید مشورہ دے سکتے ہیں اور مقامی حالات کو لوکل جماعتیں ہی صحیح طور پر سمجھ سکتی ہیں اِس لئے مرکز کا یہ ہدایت دینا کہ تم یُوں کرو بعض اوقات فضول سی بات ہو جاتی ہے۔ جماعتیں پہلے آپس میں مشورہ کریں اور اِس بات پر غور کریں کہ انہیں کیا کیا خطرہ پیش آسکتا ہے اور پھر اس کا کیا علاج کیا جا سکتا ہے؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ جن لوگوں سے خطرہ ہے انہیں وہاں کیا اہمیّت حاصل ہے اور ان کی جرأت اور دلیری کی کیا حالت ہے، ان کے اندر قربانی کا جذبہ کس حد تک پایا جاتا ہے۔ پھر آیا وہاں کے حکّام دیانتدار ہیں؟ اور وہ اِس فتنہ کو دبانے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ پھر اگر حکّام دیانتدار بھی ہوں اور وہ فتنہ کو دبانے پر آمادہ بھی ہوں تو بعض اوقات کچھ کمزوری باقی رہ جاتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ حکّام فتنہ کو دبانے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت میں اگر کوئی شورش ہوئی تو کیا جماعت طاقت رکھتی ہے کہ شورش کا مقابلہ کرے۔ پھر اس مقابلہ کے لئے انہوں نے کیا سکیم تیار کی ہے یہ باتیں ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

بہرحال تم یہ سمجھ لو کہ کسی احمدی نے اپنی جگہ کو نہیں چھوڑنا۔ تمہارا اپنے گاؤں یا شہر میں اچانک مرنا یا لڑتے ہوئے مارے جانا تمہارے وہاں سے آجانے سے ہزارہا درجہ بہتر ہے۔ اگر کسی احمدی نے جگہ چھوڑی تو ہمیں اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے اتنی تعداد میں قتل ہونے کی وجہ ہی یہی تھی کہ انہوں نے اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے اور اپنی جگہوں کو نہ چھوڑتے تو اِس قدر قتل وغارت نہ ہوتی بے شک بعد میں امن ہو جانے پر ہجرت کر لیتے۔ ہجرت ہم نے بھی کی لیکن چونکہ ہم نے قادیان کو فتنہ کے وقت چھوڑا نہیں اِس لئے ہم امن ہونے پر خیریت سے یہاں آگئے۔

پس یاد رکھو کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی جگہ چھوڑی تو ہمیں آپ سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ یہ نہیں کہ تم اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں آجاؤ اور پھر دریافت کرو کہ اب ہم کیا کریں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم یہی کہیں گے کہ جس شخص کے مشورہ پر تم نے یہ فعل کیا ہے اُس سے اب بھی مشورہ لو ہم تو صرف ایک بات جانتے ہیں کہ مومن منظّم ہوتا ہے۔ وہ سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہوتا ہے سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور اگر وہ ٹوٹتی ہے تو اکٹھی ٹوٹتی ہے۔ پس تم اپنی جگہ کو مت چھوڑو۔ آپس میں مشورہ کرو اور مرکز میں اپنی تجاویز پہنچاؤ۔ تم اندازہ لگاؤ کہ کس حد تک گورنمنٹ کے حکّام تمہاری حفاظت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر کوئی کمزوری باقی رہ جاتی ہے تو سوچو کہ دشمن کے حملہ کی صورت میں جماعت کیا کرے گی۔ مثلاً کیا وہ محلّہ میں ایک جگہ جمع ہو جائے گی یا کونسی صُورت ہے جسے وہ اختیار کرے گی۔ پھر جو مشورے ہوں انہیں یہاں لے کر آؤ۔ ڈاک کے ذریعہ اطلاع بھیجنا فضول اور لغو ہے ڈاک خانے ہماری ڈاک ضائع کر دیتے ہیں محکمہ ڈاک کے بعض ملازمین اتنے بے ایمان ہیں کہ وہ روٹیاں تو سرکاری کھاتے ہیں اور نوکر احرار کے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی ڈاک پہنچ بھی گئی تو پھر غالباً مرکز کا مشورہ جماعت تک نہیں پہنچے گا۔ جماعتوں کے نمائندے خود آئیں اور ناظر صاحب امورِ عامہ اور ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ سے مشورہ کریں اور پھر اس مشورہ پر عمل کریں اور دعائیں کریں۔ یاد رکھو اگر تم نے احمدیت کو سچّا سمجھ کر مانا ہے تو تمہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ احمدیت خدا تعالیٰ کی قائم کی ہوئی ہے۔

مودودی احراری اور ان کے ساتھی اگر احمدیت سے ٹکرائیں گے تو ان کا حال اس شخص کا سا ہوگا جو پہاڑ سے ٹکراتا ہے۔ اگر یہ لوگ جیت گئے تو ہم جھوٹے ہیں لیکن اگر ہم سچے ہیں تو یہی لوگ ہاریں گے

انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التوفیق۔

یُں مکرّر احباب کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ یہ فتنہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی ویسا ہی خطرناک ہے جیسا ہمارے لئے۔ اِس لئے ان سے بھی جہاں جہاں وہ ہوں مشورہ کریں اور اپنی حفاظت کی سکیم میں ان کو بھی شامل کریں اور ان کی حفاظت بھی پُورے اخلاص اور جذبہ سے کریں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔" لہ

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے فروری ۱۹۵۳ء کے آخر میں لاہور کے انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نمائندہ کو انٹرویو دیا جس کا متن یہ تھا:۔

سوال:۔ جماعتِ احمدیہ کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن کی سب سے بڑی وجہ یہ عام الزام ہے کہ احمدی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں سمجھتے۔ کیا اِس الزام کی کوئی حقیقت ہے؟

جواب:۔ یہ الزام قطعاً غلط ہے۔ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے واضح ارشاد کے مطابق خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ (علیہ السّلام) نے بارہا حلفیہ اعلان کیا تھا کہ میں ختمِ نبوّت کے عقیدہ پر محکم ایمان رکھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؑ نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی اِس عقیدہ پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

سوال:۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ احمدی غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ کیا یہ الزام مبنی بر حقیقت ہے؟

جواب:۔ جو کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اُسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے۔ اسلام کی بناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی اور حضورؐ کے ذریعہ ہی بنی نوع انسان کو قرآنِ حکیم کی صورت میں الہامی کتاب ملی اِس لئے جو کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی (آخر الانبیاء) سمجھتا ہے اور قرآن کریم کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آخری الہامی کتاب تسلیم کرتا ہے اُسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے خواہ وہ قرآن کریم کی بعض تعلیمات پر عمل نہ کرتا ہو۔ نہ ہم نہ کوئی اَور ایسے شخص کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے اسی طرح

لہ "الفضل" ۱۵ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۵

خارج ہے جس طرح ہندو اور عیسائی وغیرہ ہیں۔ بلا شُبہ ایک سچا مسلمان بننے کے لئے اسلام کی تمام تعلیمات کا پابند ہونا ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص ایسا نہیں کرتا وہ محض نام کا مسلمان ہے اس سے ہماری پوزیشن واضح ہو جانی چاہیئے۔ اگر لفظ کا مطلب ایسا شخص ہے جو ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح دائرۂ اسلام سے خارج ہو تو یقیناً یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے مخالفین اِس بارے میں ہمارے عقیدے کو غلط طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے عوامی ذہن کو گمراہ کر دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے بلکہ مَیں تو اپنے پیروؤں سے یہی کہتا رہا ہوں کہ وہ ایسے القاب استعمال کرنے سے اجتناب کریں جن سے غیر احمدی مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

سوال:۔ اِس وضاحت کی روشنی میں آپ کی پوزیشن مولانا مودودی امیر جماعتِ اسلامی کے تقریباً مشابہ ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں صالحین یعنی اصلی مسلمان اور دوسرے اسمی یا رسمی مسلمان۔ کیا مَیں آپ کی پوزیشن کو اس طرح سمجھنے میں درست ہوں؟

جواب:۔ ہاں اگر مولانا مودودی کے یہی خیالات ہیں تو ہماری پوزیشن یہی ہے۔" [۱]

اِس حقیقت افروز بیان کا خیر مقدم کرنے کی بجائے ایجی ٹیشن کی دھمکی دینے والے حلقوں نے اس پر تنقید کی[۲] اور پاکستان کے ایک مسیحی لیڈر مسٹر ظفر اقبال نے تو علماء کی تائید میں یہاں تک لکھا:۔

"مَیں برادرانِ ملّت سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ ۔۔۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو زور شور سے جاری رکھیں۔ مرزائی اسلام، پاکستان کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں ہم اِس تحریک میں برادرانِ ملّت کے ساتھ ہیں اور ہم دو قدم آگے بڑھ کر ہر قسم کی جانی و مالی قربانی دے کر مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو کامیاب بنائیں گے۔"

اخبار "آزاد" (لاہور) نے اپنے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کے شمارہ میں مسیحی لیڈر کا یہ تائیدی بیان بڑے طمطراق سے شائع کیا جس پر مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ میں سخت حیرت کا اظہار کیا گیا کیونکہ خاتم الانبیاء سیّد المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے متعلق عیسائی دُنیا کا عقیدہ یہ

---

[۱] "الفضل" ۲۴ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۱

[۲] "زمیندار" ۲۶، ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

ہے کہ

"ابراہیمی اسلام کا ختم المرسلین خداوند یسوع مسیح ہے" [1]

الفضل کی جبری بندش صوبہ پنجاب کی مسلم لیگی حکومت نے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو جماعت احمدیہ پاکستان کے واحد روزنامہ الفضل کی اشاعت ایک سال کے لئے جبراً بند کر دی۔ اِس ظالمانہ اقدام کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا کہ بیرونی احمدی جماعتوں کا رابطہ اپنے مرکز سے معطل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا جائے۔

صوبۂ پنجاب بغاوت کے لپیٹ میں الفضل کی جبری بندش کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے پورا صوبہ پنجاب بد امنی، تشدد، ہنگامہ آرائی اور بغاوت کا مرکز بن گیا اور احمدیوں اور مرکزی حکومت پاکستان کے خلاف سُلگائی جانے والی آگ شہروں سے نکل کر دیہات تک میں پہنچ گئی۔

فتنہ و فساد کے ان ایام کا نظارہ حضرت مصلح موعودؓ نے کئی ماہ پہلے ہی اپنے بعض دعائیہ اور القائی اشعار میں خوب کھینچ دیا تھا۔ حضورؓ کے یہ اشعار الفضل ۵ر اگست ۱۹۵۲ء میں چھپ گئے تھے جب کہ ۱۹۵۳ء میں خونی انقلاب لانے کے خفیہ منصوبے کئے جا رہے تھے۔ حضورؓ نے فرمایا ؎

دُنیا میں یہ کیا فتنہ اُٹھا ہے مرے پیارے
ہر آنکھ کے اندر سے نکلتے ہیں شرارے

یہ مُنہ ہیں کہ آہنگروں کی دھونکنیاں ہیں
دِل سینوں میں ہیں یا کہ سپیروں کے پٹارے

ہے امن کا دار وغہ بنایا جنہیں تُو نے
خود کر رہے ہیں فتنوں کو آنکھوں سے اشارے

اسلام کے شیدائی ہیں خونریزی پہ مائل
ہاتھوں میں ہیں جو خنجر ہیں تو پہلو میں کٹارے [2]

---

[1] الفرقان حصّہ دوم مؤلفہ پادری غلام مسیح۔ پاسٹر انبالہ شہر چرچ ۱۹۰۵ء ۔ [2] کٹارا۔ خنجر

سچ بیٹھا ہے اِک کونہ میں سر اپنا جھکا کر
اور جھوٹ کے اُڑتے ہیں فضاؤں میں غبارے

ظلم و ستم و جور بڑھے جاتے ہیں حد سے
ان لوگوں کو اب تُو ہی سنوارے تو سنوارے

طوفان کے بعد اُٹھتے چلے آتے ہیں طوفاں
لگنے میں نہیں آتی ہے مری کشتی کنارے

گو زندگی دینی ہے تو دے ہاتھ سے اپنے
کیا جینا ہے یہ جیتے ہیں غیروں کے سہارے

ختمِ نبوّت کے مقدّس نام پر مظاہرے

"ختمِ نبوّت" کے مقدّس نام پر اس دَور میں کیسے کیسے تخریبی مظاہرے شروع ہوئے؟؟ اس کا سرسری اندازہ لگانے کے لئے حکومتِ پنجاب کے مندرجہ ذیل دو اشتہارات کا مطالعہ کافی ہوگا :۔

۱۔ "اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

"پچھلے دنوں پنجاب کے مختلف مقامات پر اور بالخصوص لاہور میں تخریبی مظاہرے ہوئے۔ اِن مظاہروں میں تخریب پسند عناصر اور غیر ذمّہ دار افراد نے اپنی قومی دولت کو نقصان پہنچایا۔ اور امن و امان کو تہ و بالا کیا۔

- ڈاک خانے جلائے گئے۔
- اومنی بسیں اور لاریاں نذرِ آتش کی گئیں۔
- امن پسند شہریوں کی زندگی تلخ بنادی گئی۔
- سرکاری فرائض ادا کرنے والوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔
- ریل کے ڈبوں میں گھس کر مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ ریل کی پٹڑی اکھاڑ دی گئی اور تار و ٹیلیفون کے سلسلے منقطع کرنے کی کوشش کی گئی۔ گاڑیوں کی آمد و رفت میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔

اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

- ملک کے وقار کو سخت دھکا لگا۔

- ہم اغیار کی تضحیک کا نشانہ بنے۔
- اغیار نے بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔
- خود ہمارے اندرونی مسائل سلجھنے کی بجائے اور مشکلات میں اضافہ ہوا۔"

(استقلال پریس لاہور)

۲- "ناموسِ رسولؐ"

"ایک مسلمان کی جان و مال اور آبرو دوسرے مسلمان کے لئے اتنی مقدس ہونی چاہیئے جتنا یہ مہینہ یہ دن اور یہ مقام ہے۔"

پیغمبرِ اسلامؐ نے یہ فرمان ذی الحجہ کے مہینے، حج کے دن عرفات کے میدان میں مسلمانوں کے عظیم اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

اور پھر اس پیغام کی اہمیت کے پیشِ نظر فرمایا:-

"جو لوگ یہ بات سن رہے ہیں اسے دوسروں تک بھی پہنچا دیں۔"

ذرا سوچیئے

- اِس صریح فرمانِ نبویؐ کے مقابلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟
- پچھلے دنوں پنجاب میں ناموسِ رسولؐ کے مقدس نام پر کیا کچھ نہیں کیا گیا؟

فتنہ و فساد، خونریزی، آتش زنی، شرفاء کی توہین، عورتوں کی بے حرمتی، فحش کلامی، ہائے ہائے کے ناچ۔

— کیا یہ سب کچھ اسلام، خدا اور رسولؐ کے ساتھ محبت کی دلیل تھی؟

— کیا ہمارا مذہب اور ہمارا تمدّن جس کے فروغ کے لئے ہم نے پاکستان حاصل کیا ہمیں یہی کچھ سکھاتا ہے؟

(مُرآد رقم)

(گورنمنٹ پرنٹنگ پریس پنجاب)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا پُرشوکت پیغام جماعتِ احمدیہ کے نام

عین اس وقت جبکہ فتنہ وفساد کے شعلے پوری شدّت سے بھڑک اُٹھے اور مادّہ پرستوں کی نگاہ میں پنجاب بلکہ پاکستان بھر سے تحریکِ احمدیت کا نام و نشان تک معدوم ہو جانا قطعی اور یقینی نظر آرہا تھا سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ

نے خدا تعالیٰ کی تحریکِ خاص سے ۱۳ امان ۱۳۳۲ ہش (مارچ ۱۹۵۳ء) کو جماعتِ احمدیہ کے نام حسبِ ذیل پُر شوکت پیغام دیا۔ یہ پیغام اگلے روز ہفت روزہ "فاروق" کے صفحہ اوّل پر جلی قلم سے شائع ہؤا اور ملک بھر میں پہنچ گیا[۱]

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیغام

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الفضل کو ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ احمدیت کے باغ کو جو ایک ہی نہر لگتی تھی اس کا پانی روک دیا گیا ہے۔ پس دُعائیں کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اس میں سب طاقت ہے ہم مختلف

---

[۱] اسی روز لاہور کے مندرجہ ذیل چھ ممتاز شیعہ زعماء نے احراری تحریک سے کھلے لفظوں میں لاتعلقی کا اعلان کیا:۔

۱۔ مولانا شبیر حسین صاحب بخاری سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ ۲۔ مولانا عبدالغفور صاحب جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ ۳۔ مولانا محمد حسین صاحب مختار الفاضل و مولوی فاضل ۴۔ مولانا محمد باقر صاحب ۵۔ جناب سید عابد حسین صاحب ۶۔ جناب نوابزادہ اصغر علی خاں۔

اِن اکابر نے ایک مشترکہ بیان میں فرمایا:۔

"پاکستان فی مرزائی جماعت کے بارہ میں ہماری متفقہ اور مسلمہ رائے ہے کہ عقائد کے اختلاف کی بنا پر کسی جماعت یا فرقے کو اقلیت قرار دینا اور اس پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا مطالبہ کرنا صریحاً ناجائز اور ناانصافی پر مبنی ہے ہم شیعانِ پاکستان کی جانب سے احراری مولویوں کی تحریک سے قطع تعلق کا اعلان کرتے ہوئے اپیل کرتے ہیں کہ اُس نبی کے نام کو جنگ اور بدامنی کا بہانہ نہ بنائیے جو دُنیا میں امن و آشتی اور سلامتی کا پیغام لیکر آیا" (روزنامہ "آفاق" ۵ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۹)

[۲] الفضل کی بندش پر لاہور ہی سے ہفت روزہ "فاروق" مکرم مولوی محمد شفیع صاحب اشرف (حال مربی انڈونیشیا) کی ادارت میں جاری کیا گیا تھا۔ یہ اخبار بھی ۴ مارچ و ۱۱ مارچ ۱۹۵۳ء کی دو اشاعتوں کے بعد بند کر دینا پڑا۔

اخباروں میں یا خطوں کے ذریعہ سے آپ تک سلسلہ کے حالات پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ اور انشاء اللہ آپ کو اندھیرے میں نہیں رہنے دیں گے۔ آپ بھی دعا کرتے رہیں میں بھی دُعا کرتا ہوں، انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ کیا آپ نے گذشتہ چالیس سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے چھوڑ دیا؟ تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ ساری دُنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیگا سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لئے دوڑا آرہا ہے۔ وہ میرے پاس ہے، وہ مجھ میں ہے۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دُور ہو جائیں گے۔ تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور نیکی اختیار کرو سلسلہ کے کام خدا خود سنبھالے گا۔ خاکسار

مرزا محمود احمد ۳/۳/۵۳ "[1]

حکومتِ پنجاب کا نوٹس پنجاب کی مسلم لیگی حکومت جو ایجی ٹیشن کے معاملہ میں محض خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی حضرت مصلح موعودؓ کے اِس پیغام پر سخت برہم ہوئی اور اس نے حضور کے نام نوٹس جاری کر دیا۔ اس اہم واقعہ کی تفصیل حضور کے قلم سے درج کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

"مَیں نے ایک اعلان میں کہا تھا کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد اور نصرت کو آرہا ہے۔ وہ چلا آرہا ہے وہ دوڑتا آرہا ہے۔ اس پر حکومت نے مجھے نوٹس دیا کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ اس سے دوسرے لوگوں کو اشتعال آتا ہے۔ ہاں نوٹس دینے والے افسر نے اتنی اصلاح کر لی کہ اُس نے کہا تم احرار کے متعلق کوئی ذکر نہ کرو۔ اگر وہ مجھے حکم دیتے کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ مدد کو آرہا ہے یا یہ کہو کہ وہ مدد کو نہیں آتا تو دُنیا کی کوئی طاقت مجھے اِس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ کر سکتی۔۔ حکومت اعمال پر کنٹرول کر سکتی ہے عقائد پر نہیں۔"[2]

حضور نے ایک اَور موقعہ پر اِس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"اُس وقت بعض افسروں نے کہا کہ آپ کے اِس فقرہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ مَیں نے اُن کو جواب دیا کہ جب مجھے خدا آتا ہوا نظر آتا ہے تو کیا مَیں جھوٹ بولوں، خدا تعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے

---

[1] ہفت روزہ "فاروق" ۴ مارچ ۱۹۵۳ء

[2] "الفضل" ۲۳ احسان ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۲ کالم ۳، ۴

سچے بندوں کی مدد کے لئے آیا کرتا ہے اور اب بھی آئے گا اور ہمیشہ ہی آتا رہے گا۔ اگر یہ سلسلہ جاری نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے دین کے خادم تباہ ہو جائیں اور اُن کے دِل غم سے ٹوٹ جائیں"۔ [1]

پیغام کے بعد سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے مندرجہ بالا ولولہ انگیز پیغام کے بعد جو الہامی رنگ رکھتا تھا شمعِ احمدیت کے پروانوں نے کس طرح اسلام کے عالمگیر غلبہ کی مہم کو تیز تر کرنے کے لئے پُوری بشاشت سے اپنے نفوس و اموال اور عزّت و آبرو کی قربانیاں اپنے خدا کے حضور پیش کیں، کیسے خون اور آگ کے طوفانوں میں حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا۔ پھر خدا کی رحمتوں اور برکتوں اور فضلوں کو اپنی آنکھوں سے اُترتا دیکھا؟؟ اس کی ایمان افروز تفصیلات بتوفیقہٖ تعالےٰ تاریخ احمدیت کی اگلی جلدوں میں آرہی ہیں۔

خلاصہ تاہم یہاں خلاصۃً اِس قدر بتادینا ضروری ہے کہ زمینی ابتلاؤں اور آسمانی نُصرتوں کا یہ متوازی دَور اُن رُوح پرور تجلّیات کا صرف ایک حصّہ تھا جس کی کسی قدر جھلک جماعت احمدیہ ۱۹۳۴ء-۱۹۳۵ء میں دیکھ چکی تھی اور جس کی خبر حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے قبل از وقت ۱۸۹۴ء سے درجِ ذیل الفاظ میں دے رکھی تھی کہ:۔

"بجز خدا کے انجام کون بتلا سکتا ہے؟ اور بجز اُس غیب دان کے آخری دنوں کی کس کو خبر ہے؟ دشمن کہتا ہے کہ بہتر ہو کہ یہ شخص ذلّت کے ساتھ ہلاک ہو جائے اور حاسد کی تمنّا ہے کہ اس پر کوئی ایسا عذاب پڑے کہ اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے لیکن یہ سب لوگ اندھے ہیں اور عنقریب ہے کہ ان کے بدخیالات اور بد ارادے انہیں پر پڑیں۔

اِس میں شک نہیں کہ مفتری بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے اور جو شخص کہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کلام سے مشرّف ہوں حالانکہ نہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ اس ... کے الہام اور کلام سے مشرّف ہے وہ بہت بُری موت سے مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابلِ عبرت ہوتا ہے لیکن جو صادق اور اس کی طرف سے ہیں وہ مر کر بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ ان پر ہوتا ہے اور سچائی کی رُوح ان کے اندر ہوتی ہے۔ اگر وہ آزمائش سے کچلے جائیں اور پیسے جائیں اور خاک کے ساتھ ملائے جائیں اور چاروں طرف سے ان پر لعن و طعن کی

---

[1] "الفضل" ۱۰ وفا ۱۳۳۵ہش صد۲ کالم ۲، ۳ ۞

بارشیں ہوں اور ان کے تباہ کرنے کے لئے سارا زمانہ منصوبے کرے تب بھی وہ ہلاک نہیں ہوتے۔کیوں نہیں ہوتے؟ اس سچے پیوند کی برکت سے جو ان کو محبوبِ حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے۔خدا ان پر سب سے زیادہ مصیبتیں نازل کرتا ہے مگر اِس لئے نہیں کہ تباہ ہو جائیں بلکہ اِس لئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھول میں ترقی کریں۔

ہر یک جوہرِ قابل کے لئے یہی قانونِ قدرت ہے کہ اوّل صدمات کا تختۂ مشق ہوتا ہے مثلاً اس زمین کو دیکھو جب کسان کئی مہینہ تک اپنی قلبہ رانی کا تختۂ مشق رکھتا ہے اور ہل چلانے سے اس کا جگر پھاڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین جو پتھر کی طرح سخت اور درشت معلوم ہوتی تھی سُرمہ کی طرح پِس جاتی ہے اور ہوا اس کو اِدھر اُدھر اُڑاتی ہے اور پریشان کرتی رہتی ہے اور وہ بہت ہی خستہ شکستہ اور کمزور معلوم ہوتی ہے اور ایک انجان سمجھتا ہے کہ کسان نے چنگی بھلی زمین کو خراب کر دیا اور بیٹھنے اور لیٹنے کے لائق نہ رہی لیکن اس دانا کسان کا فعل عبث نہیں ہوتا۔وہ خوب جانتا ہے کہ اس زمین کا اعلیٰ جوہر بجز اس درجہ کے کوفت کے نمودار نہیں ہو سکتا۔اسی طرح کسان اس زمین میں بہت عمدہ قسم کے دانے تخم ریزی کے وقت بکھیر دیتا ہے اور وہ دانے خاک میں مِل کر اپنی شکل اور حالت میں قریب قریب مٹی کے ہو جاتے ہیں اور ان کا وہ رنگ وروپ سب جاتا رہتا ہے لیکن وہ دانا کسان اِس لئے ان کو مٹی میں نہیں پھینکتا کہ وہ اس کی نظر میں ذلیل ہیں۔نہیں بلکہ دانے اس کی نظر میں نہایت ہی بیش قیمت ہیں بلکہ وہ اِس لئے ان کو مٹی میں پھینکتا ہے کہ تا ایک ایک دانہ ہزار ہزار دانہ ہو کر نکلے اور وہ بڑھیں اور پھولیں اور ان میں برکت پیدا ہو اور خدا کے بندوں کو نفع پہنچے۔

پس اسی طرح وہ حقیقی کسان کبھی اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے اور لوگ ان کے اُوپر چلتے ہیں اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں اور ہر یک طرح سے ان کی ذِلّت ظاہر ہوتی ہے تب تھوڑے دِنوں کے بعد وہ دانے سبزہ کی شکل پر ہو کر نکلتے ہیں اور ایک عجیب رنگ اور آب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سُنّت اللہ ہے کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن غرق کرنے کے لئے نہیں بلکہ اِس لئے کہ تا ان موتیوں کے وارث ہوں کہ جو دریائے وحدت کے نیچے ہیں۔اور وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن اِس لئے نہیں کہ جلائے جائیں بلکہ اِس لئے کہ تا خدا تعالیٰ کی قدرتیں ظاہر ہوں۔اور ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور لعنت کی جاتی ہے اور وہ ہر

طرح سے ستائے جاتے اور دُکھ دئے جاتے اور طرح طرح کی بولیاں ان کی نسبت بولی جاتی ہیں اور بدظنّیاں بڑھ جاتی ہیں یہاں تک کہ بہتوں کے خیال و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ سچّے ہیں بلکہ جو شخص ان کو دُکھ دیتا اور لعنتیں بھیجتا ہے وہ اپنے دِل میں خیال کرتا ہے کہ بہت ہی ثواب کا کام کر رہا ہے۔

پس ایک مدّت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر اس برگزیدہ پر بشریّت کے تقاضا سے کچھ قبض طاری ہو تو خدا تعالیٰ اس کو ان الفاظ سے تسلّی دیتا ہے کہ صبر کر جیسا کہ پہلوں نے صبر کیا اور فرماتا ہے کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں، سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں پس وہ صبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ امرِ مقدر اپنے مدّتِ مقررہ تک پہنچ جاتا ہے تب غیرتِ الٰہی اس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلّی میں اعداء کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے اور اخیر میں اس کی نوبت آتی ہے۔ اسی طرح خداوند کریم نے بارہا مجھے سمجھایا کہ ہنسی ہوگی اور ٹھٹھا ہوگا اور لعنتیں کریں گے اور بہت ستائیں گے لیکن نصرتِ الٰہی تیرے شامل ہوگی اور خدا کے دشمنوں کو مغلوب اور شرمندہ کرے گا۔ چنانچہ براہینِ احمدیہ میں بھی بہت سا حصہ الہامات کا انہی پیشگوئیوں کو بتلا رہا ہے اور مکاشفات بھی یہی بتلا رہے ہیں۔

چنانچہ ایک کشف میں مَیں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور وہ کہتا ہے کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں تب مَیں نے اس کو کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو اس نے عربی زبان میں جواب دیا اور کہا کہ جئت من حضرۃ الوتر یعنی میں اس کی طرف سے آیا ہوں جو اکیلا ہے تب مَیں اس کو ایک طرف خلوت میں لے گیا اور مَیں نے کہا کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں مگر کیا تم بھی پھر گئے ہو تو اُس نے کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ تب مَیں اس حالت سے منتقل ہو گیا لیکن یہ امور درمیانی ہیں اور جو خاتمہ امر پر منعقد ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بار بار کے الہامات اور مکاشفات سے جو ہزارہا تک پہنچ گئے ہیں اور آفتاب کی طرح روشن ہیں خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ مَیں آخر کار تجھے فتح دوں گا اور ہر ایک الزام سے تیری بریّت ظاہر کر دونگا اور تجھے غلبہ ہوگا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب رہیگی اور فرمایا کہ مَیں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کرونگا۔ اور یاد رہے کہ یہ الہامات اِس واسطے نہیں لکھے گئے کہ ابھی کوئی انکو قبول کرلے بلکہ اِس واسطے کہ ہر یک چیز کیلئے ایک موسم اور وقت ہے پس جب اِن الہامات کے ظہور کا وقت آئیگا تو اُسوقت یہ تحریر مستعد دِلوں کیلئے زیادہ تر ایمان اور تسلّی اور یقین کا موجب ہوگی۔ والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی"۔ [1] (ختم)

---

[1] "انوار الاسلام" از حضرت مسیح موعود علیہ السّلام صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۵ طبع اوّل مطبوعہ قادیان۔ (ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد پانزدہم

متعلقہ صفحہ ۴۹

۱۔ فہرست اراکین مجلس افتاء

(از ۱۳۳۱ہش/ ۱۹۵۲ء تا ۱۳۵۴ہش/ ۱۹۷۵ء)

۱۔ مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ صدر ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء سیکرٹری ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۵ء۔

۲۔ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمسؓ سیکرٹری ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء۔ ممبر ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۷ء۔

۳۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۳ء ممبر۔ ۱۹۶۳ء سے اعزازی ممبر۔

۴۔ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۵۔ مکرم مولوی محمد احمد صاحب ثاقب ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۸ء ممبر۔

۶۔ مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیل ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۹ء ممبر۔

۷۔ مکرم مولوی تاج الدین صاحب ناظم دارالقضا ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۹ء ممبر۔

۸۔ مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۹۔ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۴ء ممبر۔

۱۰۔ مکرم مولوی خورشید احمد صاحب شاد ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔

۱۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔ ۱۹۶۲ء سے اعزازی ممبر

۱۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء ممبر۔ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء نائب صدر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۵ء صدر۔

۱۳۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر صوبائی سرگودہا۔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء ممبر ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۸ء نائب صدر۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۵ء صدر۔

۱۴۔ مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ ضلع لائلپور ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۷ء ممبر۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء صدر۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۵ء نائب صدر۔

۱۵۔ مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء ممبر۔

۱۶۔ مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب منیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۷ء ممبر ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۱۷۔ مکرم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء صدر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۵ء اعزازی ممبر۔

۱۸۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۳ء ممبر۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء اعزازی ممبر۔

۱۹۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سابق امام مسجد لندن و مبلغ سوئٹزرلینڈ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۴ء اعزازی ممبر

۲۰۔ مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تحریکِ جدید ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۱۔ مکرم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ناظم ارشاد وقفِ جدید ۱۹۶۱ء ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۲۔ مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۷ء ممبر۔

۲۳۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحبؓ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء ممبر۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۳ء نائب صدر

۲۴۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ سینئر ایڈووکیٹ و جج ہائیکورٹ پنجاب ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ممبر ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۳ء نائب صدر۔

۲۵۔ مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۵ء اعزازی ممبر۔ ۱۹۶۶ء صدر۔ ۱۹۶۷ء نائب صدر۔ ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۰ء ممبر۔

۲۶۔ مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف ۱۹۶۱ء تا نومبر ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۷۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر مبلغ غانا ۱۹۶۲ء تا نومبر ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۸۔ مکرم میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء ممبر۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۵ء ممبر

۲۹۔ مکرم سید میر محمود احمد صاحب ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۷ء ممبر۔

۳۰۔ مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم اے ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۳۱۔ مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے ایڈیٹر تفسیر القرآن انگریزی ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء ممبر۔

۳۲۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء ممبر۔

۳۳۔ مکرم مولوی عبداللطیف صاحب فاضل بہاولپوری ۱۹۶۳ء تا نومبر ۱۹۷۰ء ممبر۔

۳۴۔ مکرم مولوی محمد صادق صاحب سماٹری ۱۹۶۵ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۳۵۔ مکرم ملک مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۳۶۔ مکرم شیخ عبدالقادر صاحبؓ (سابق سوداگرمل) مربی لاہور نومبر ۱۹۶۶ء تا نومبر ۱۹۶۷ء ممبر

۳۷۔ مکرم مولوی محمد یار عارف صاحب (سابق مبلغ لندن) نومبر ۱۹۶۶ء تا نومبر ۱۹۶۷ء ممبر۔

۳۸۔ مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب لاہور نومبر ۱۹۶۶ء تا نومبر ۱۹۶۷ء ممبر۔

۳۹۔ مکرم مولوی عبدالمالک خان صاحب ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء ممبر۔ ۱۹۷۰ء تا نومبر ۱۹۷۴ء ممبر۔

۴۰۔ مکرم مولوی امام الدین صاحب مبلغ انڈونیشیا نومبر ۱۹۶۷ء تا نومبر ۱۹۷۰ء ممبر۔

۴۱۔ مکرم سید احمد علی صاحب مربی سلسلہ نومبر ۱۹۶۷ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۴۲۔ مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۹ء ممبر۔ نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء ممبر۔

۴۳۔ مکرم مولوی محمد اجمل صاحب شاہد مربی سلسلہ نومبر ۱۹۶۸ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۴۴۔ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نومبر ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۴۵۔ مکرم ڈاکٹر خلیل الرحمٰن صاحب ملتان نومبر ۱۹۶۸ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۴۶۔ مکرم پروفیسر سلطان محمود صاحب شاہد ایم۔ایس سی نومبر ۱۹۶۹ء تا نومبر ۱۹۷۰ء ممبر

۴۷۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (ممتاز عالمی سائنسدان) ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۵ء اعزازی ممبر۔

۴۸۔ مکرم نور محمد نسیم سیفی صاحب نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۴۹۔ مکرم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۵۰۔ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مبلغ ماریشس و سیلون و افریقہ نومبر ۱۹۷۱ء تا نومبر ۱۹۷۲ء ممبر

۵۱۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق امام مسجد لندن نومبر ۱۹۷۱ء تا نومبر ۱۹۷۲ء ممبر۔

۵۲۔ مکرم عبدالحکیم صاحب اکمل مبلغ ہالینڈ نومبر ۱۹۷۱ء تا نومبر ۱۹۷۲ء ممبر۔

۵۳۔ مکرم مرزا خورشید احمد صاحب ناظر خدمت درویشاں نومبر ۱۹۷۴ء تا نومبر ۱۹۷۵ء ممبر

۵۴۔ مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب (خلف اکبر

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ)
نومبر ۱۹۷۴ء تا نومبر ۱۹۷۵ء (ووٹ کے بغیر ممبر)

دیگر کوائف

۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء ۔تعداد ممبران ۱۵۔صدرِ مجلس مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔سیکرٹری مولانا جلال الدین صاحب شمس ؓ

۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ۔تعداد ممبران ۲۵۔صدرِ مجلس مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ؓ سابق جج ہائیکورٹ و حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔

۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء ۔تعداد ممبران ۲۴۔صدرِ مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ؓ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب اعزازی ممبر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ ۔مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔مکرم قاضی محمد اسلم صاحب مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء ۔تعداد ممبران ۲۴۔صدرِ مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ؓ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ۔اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ؓ ۔مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم ۔اے کینٹب ۔مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۵ء ۔تعداد ممبران ۲۵۔صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۔سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ؓ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ ۔اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم ۔اے ۔مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۶ء ۔تعداد ممبران ۲۸۔صدر مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم ۔اے ۔سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ؓ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ ۔اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء ۔تعداد ممبران ۲۷۔صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ ۔سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ؓ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب اعزازی ممبر ۔مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔

مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری
مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۸ء تا ۱۹۶۹ء۔ تعداد ممبران ۲۸۔ صدر
مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ سیکرٹری مکرم ملک
سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد
صاحبؓ۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ مکرم سید میر
داؤد احمد صاحب۔ مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب۔
اعزازی ممبر۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔
مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری
مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء۔ تعداد ممبران ۲۳۔
صدر مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک
سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد
صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید
میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر۔ مکرم چوہدری
محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام
صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۱ء۔ تعداد ممبران ۲۳۔ صدر
مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک
سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد
صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید
میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر۔ مکرم چوہدری
محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام
صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء۔ تعداد ممبران ۲۶۔ صدر
مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک
سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد
صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید
میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری
محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام
صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۳ء۔ تعداد ممبران ۲۲۔ صدر
مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک
سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد
صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید
میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد
ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام
صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۴ء۔ تعداد ممبران ۲۰۔ صدر
مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک
سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد
صاحب مظہر۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ
خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔
مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۵ء۔ تعداد ممبران ۱۸۔ صدر
مجلس مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک

سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب لندن۔

(دارالافتاء ربوہ کے ریکارڈ سے مرتب شدہ)

متعلقہ صفحہ ۶۱

۲۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفر حیدرآباد سندھ

(مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کی ایک غیر مطبوعہ یادداشت)

مورخہ ۲۶ر فروری ۱۹۵۲ء کو حضورؓ ۲ ۱/۲ بجے صبح کو پنجاب سے حیدرآباد تشریف لائے۔ حضور کو الوداع کہنے کے لئے ہم لوگ ٹنڈو الہ یار تک گئے جہاں حضور کو ناشتہ دیا گیا۔ جماعتِ احمدیہ حیدرآباد آدھی رات سے استقبال کے لئے موجود تھی۔ ۲۹ر فروری کو جماعتِ حیدرآباد میں جلسہ کرانے کی تجویز ہوئی اور پھر حضور سے اجازت کے لئے خاکسار نے ناصر آباد جا کر عرض کیا تو فرمایا:۔

"وہاں جلسہ ہو بھی سکے گا۔ ابھی تھوڑے دن قبل احراری تقریریں کر کے گئے ہیں۔"

آخر حضور نے ہماری درخواست منظور فرمائی۔ کیونکہ حضور کی گاڑی میرپور خاص کی طرف سے ان دنوں دس بجے آتی تھی اور جناب ایکسپریس ۸ بجے روانہ ہو جاتی تھی۔ حضور نے ۲ گھنٹے حیدرآباد قیام فرمانا تھا۔

۱۵ر مارچ کو جماعت کی میٹنگ ہوئی اور مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب نے جو ہسپتال میں ڈاکٹر تھے اپنے تمام کمرے خالی کر کے دینے اور حضور کے قیام و طعام کا ذمہ لیا اور مکرم ماسٹر رحمت اللہ صاحب ٹیچر ہائی سکول ہیرہ آباد نے مکرم ماسٹر نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر سے اجازت لے لی کہ حضور کے ہمراہی اصحاب اور دیگر تمام مہمانوں کا قیام اور زائرین کے لئے ہائی سکول کا ہوسٹل فارغ ہوگا جو ہسپتال کے ساتھ ہی تھا درمیان میں صرف سڑک تھی۔

حضور نے جلسہ کی اجازت کے ساتھ مجھے یہ ہدایت فرمائی کہ جماعت کراچی سے مدد حاصل کی جائے چنانچہ ۱۶ر مارچ کو پھر میٹنگ کی گئی اور مورخہ ۲۵ر مارچ کی شام کو "تھیا صوفیکل ہال" میں جلسہ کا پروگرام بنا کر سندھ کی بڑی بڑی ۳۲ جماعتوں کو جلسہ کی دعوت دی اور حاضری کی تاکید کی گئی اور پہرہ کا خاص اہتمام کیا گیا۔

۱۷ر مارچ کو مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی کو میں نے چٹھی لکھی اور حضور کے ارشاد سے آگاہ کر کے پہرہ اور صدر جلسہ کا اہتمام کر کے آنے کے لئے تاکید کی اور ۳۲ جماعتوں

کو بھی دعوتی خطوط خاکسار نے لکھے۔

۲۰ مارچ کو پھر جلسہ اور حضور کے قیام کے بارہ میں میٹنگ ہوئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ میں حضور کو "مسلم ہوسٹل" میں قیام کے انتظام کی اطلاع ناصر آباد میں جا کر دوں اور جلسہ کے لئے دعوتی پاس چھپوانے کا اہتمام کیا گیا چنانچہ خاکسار سید احمد علی جوان نوں زیریں سندھ (ضلع حیدر آباد، ٹھٹھہ، تھرپارکر، سانگھڑ، نواب شاہ اور ضلع دادو) کا انچارج مبلغ تھا ۲۱ مارچ بروز جمعہ صبح کو ناصر آباد گیا اور حالات تحریری چھٹی میں عرض کئے تو حضور نے میرے لفافہ میں حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے :-

"اگر مسلم ہوسٹل بہتر ہے تو وہیں انتظام کر دیں لیکن موقعہ پر لوگوں کے شور سے اکثر افسر ڈر جاتے ہیں"

(یہ اصل لفافہ میرے پاس ہے جس کے اوپر یہ الفاظ ہیں)

خاکسار حضور کی اقتداء میں نماز جمعہ کے بعد رات کو واپس حیدر آباد پہنچا اور جماعت کو حالات سے آگاہ کر کے کہا کہ ہمیں کوئی دوسرا انتظام فوری طور پر کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد میں بعض اساتذہ سے مرعوب ہو کر مکرم ماسٹر نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول ہیرہ آباد نے معذرت کر دی ادھر ہم نے متبادل انتظام کر لیا ہوا تھا۔

۲۲ مارچ کو دفتر "تبلیغ" ربوہ کی طرف سے تار آیا کہ حضور کی تقریر کے قلمبند کرنے کا انتظام کریں چنانچہ جواب میں عرض کیا گیا کہ مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی تقریر قلمبند کریں گے۔

اسی رات کو پھر میٹنگ ہوئی اور مورخہ ۲۳ مارچ کو حضور کے قیام کے لئے "مسلم ہوسٹل" کی بجائے "انسپکشن بنگلہ" نزد سرکٹ ہاؤس انتظام کر لیا گیا اور جلسہ کے لئے حسب ذیل دعوت نامہ پوسٹ کارڈ سائز پر طبع کرایا گیا :-

" بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مکرمی جناب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بروز منگل مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۲ء کو ۱/۲ ۴ بجے شام تھیا صوفیکل ہال نزد جنرل پوسٹ آفس حیدر آباد میں "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر تقریر فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ اس جلسہ میں شرکت فرما کر منتظمین کو شکریہ کا موقعہ دیں۔

نوٹ :- براہ مہربانی یہ دعوت نامہ

ہمراہ لائیے گا۔ والسّلام

الدّاعی سیکرٹری جماعتِ احمدیہ حیدر آباد"

یہ دعوت نامہ صرف ۵۰۰ کی تعداد میں طبع کرایا گیا تھا کیونکہ ہال میں اسی قدر بمشکل گنجائش تھی مگر شائقین و سامعین کا اتنا اشتیاق و اصرار ہوا کہ کارڈ تقسیم کرلے کے بعد جس کو کارڈ بوجہ واقفیت دیا گیا اس کی سفارش پر اسی کے کارڈ پر دو دو تین تین بلکہ چار چار کے بھی نام مجھے درج کرنا پڑے۔ اور ہال میں تنگی کی وجہ سے اکثر لوگوں کو جلسہ میں تقریر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ باہر کھڑے ہو کر سُننا پڑی۔ مَیں دعوتی کارڈ دیکھ دیکھ کر لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دیتا تو پہرہ دار ان کو داخل ہونے دیتے تھے

۲۴ مارچ بروز سوموار حضور دس بجے شب بذریعہ ٹرین ناصر آباد سے میر پور خاص کے راستے حیدر آباد تشریف فرما ہوئے۔ جماعتِ احمدیہ حیدر آباد نے حضور کا استقبال کیا اور کاروں کے ذریعہ حضور مع عملہ "انسپکشن بنگلہ" نزد سرکٹ ہاؤس حیدر آباد میں تشریف لے گئے جہاں رات کو قیام فرمایا۔

۲۵ مارچ کی صبح کو مکرم چوہدری محمد سعید صاحب نے اپنے مکان واقع ہیرہ آباد میں حضور کو دعوتِ ناشتہ دی۔ اِس موقع پر لی گئی ایک تصویر میرے پاس تھی جو اب ہنگاموں میں ضائع ہو گئی ہے۔ اسٹیشن پر سے اُترنے کے وقت کی بھی ایک تصویر تھی وہ بھی ضائع ہو گئی ہے مکرم بابو عبد الغفار صاحب فوٹو اسپیڈ کمپنی حیدر آباد سندھ کے پاس بھی ہے ان کے بھائی مکرم نثار احمد صاحب کے پاس غالباً یہ مل سکیں گی جنہوں نے یہ تصاویر لی تھیں۔

۲۵ مارچ بروز منگل حضور سے معزّزین شہر حیدر آباد آ آکر دن بھر ملاقات کرتے رہے۔

مکرم چوہدری عبد اللہ خان صاحبؓ امیر جماعت کراچی نے کراچی سے کافی تعداد میں موٹر کاروں کے ذریعہ احبابِ جماعت کو حیدر آباد بھیجا اور خود بھی تشریف لائے۔ مَیں نے ان سے پُوچھا کہ حیدر آباد کے اِس جلسہ کے لئے صدر کا آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ تو انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ مَیں اب یہاں کوشش کرتا ہوں چنانچہ ہم دونوں مکرم جناب ایم۔ اے حافظ صاحب بار ایٹ لاء ہیرہ آباد کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اِس جلسہ کی صدارت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا۔ وہ مکرم چوہدری صاحب کے واقف اور دوست تھے اور آنے کا وعدہ کیا بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

وقتِ مقررہ سے قبل ہی ہال کھچا کھچ بھر گیا جس میں انتظامی لحاظ سے احمدی نصف کے قریب تھے باہر بھی دعوت نامہ والے صحن میں کھڑے تھے۔ حضور وقتِ مقررہ پر ۴½ بجے بذریعہ کار ہال میں تشریف لائے مکرم جناب ایم۔ اے حافظ صاحب

بار ایٹ لاء کی صدارت کا مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحبؓ نے اعلان کیا۔ تلاوت قرآن کریم خاکسار سیّد احمد علی مبلّغ نے کی۔ نظم مکرم میر مبارک احمد صاحب تالپور نے پڑھی اور پھر صدرِ جلسہ نے حضور سے تقریر کی درخواست کی جو حضور نے "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر ۶½ بجے شام تک فرمائی۔ آخر میں دعا کرائی اور پھر اس کے بعد جناب ایکسپریس کے ذریعہ پنجاب کے سفر کے لئے بذریعہ کار حضور ساڑھے حیدر آباد اسٹیشن تشریف لے گئے جہاں تمام احباب جماعتہائے احمدیہ حیدر آباد (سندھ) اور کراچی سے آنیوالوں نے حضور سے ملاقات کی۔ گاڑی کے آنے میں کافی وقت تھا حضور کے لئے پلیٹ فارم پر کرسی کا انتظام کیا گیا جس پر رونق افروز ہو کر حضور نے مشتاقین کو زیارت سے مشرّف فرمایا اور غیر از جماعت اصحاب کو بھی مشرفِ ملاقات بخشتے رہے۔ اس موقع پر حضور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ پچھلی دفعہ جب یہاں میرا لیکچر ہوا تھا تو صرف ۳۵ افراد سننے والے تھے مگر اب کے تھیا صوفیکل ہال کے اندر ۵۰۰ سے زائد اور باہر اس سے بھی زیادہ صحن میں موجود تھے اس طرح حاضری ہزار بارہ سو تھی مگر جو باہر کھڑے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ حضور کی تقریر سنتے رہے وہ بھی کئی صد تھے۔ حضور بے حد خوشی اور مسرّت محسوس فرما رہے تھے۔ اور یہ خدا کا خاص فضل تھا کہ جلسہ میں ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگ یعنی سُنّی حنفی، بریلوی، شیعہ، اہلِ حدیث، دیو بندی وغیرہ بلکہ عیسائی اور ہندو بھی موجود تھے اور بہت ہی اچھا اثر لے کر گئے اور حضور کی تقریر کے مدح سرا تھے۔

دس بجے حضور جناب ایکسپریس پر سوار ہوئے احباب کو شرفِ مصافحہ بخشا اور پھر خوشی و شادمانی اور جلسہ کی شاندار کامیابی کے ساتھ پنجاب کو تشریف لے گئے۔

اگلے ہی دن ۲۶ مارچ کو خاکسار نے اِس جلسہ کی رپورٹ دفتر "تبلیغ" ربوہ۔ "الفضل" اور "المصلح" کراچی کو روانہ کر دی۔ "الفضل" مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ پر زیرِ عنوان "حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی حیدر آباد میں تشریف آوری اور بصیرت افروز تقریر" شائع ہوئی، فالحمد للہ

میری ۱۹۵۲ء کی ڈائری اب تک موجود ہے اس سے یہ حالات مرتّب کئے گئے ہیں۔ والسّلام

خاکسار سیّد احمد علی مربّی جماعتِ احمدیہ
از شہر گوجرانوالہ ۱۹۷۵/۳/۷

متعلّقہ صفحہ ۳۶۰

۳۔ اہلِ قافلۂ قادیان (دسمبر ۱۹۵۲ء)

نوٹ :۔ مندرجہ ذیل فہرست قافلہ کی روانگی سے

قبول کی ہے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظر خدمتِ درویشاں کی طرف سے الفضل مورخہ ۹ و ۱۷ دسمبر ۱۹۵۲ء میں چھپی۔ یہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے:۔

۱۔ اللہ رکھی صاحبہ زوجہ فضل الرحمٰن صاحب درویش۔ ربوہ۔

۲۔ امۃ الرحمٰن ریحانہ صاحبہ بنت چوہدری اللہ بخش صاحب۔ ربوہ۔

۳۔ امۃ السمیع صاحبہ زوجہ مرزا عبداللطیف صاحب ربوہ

۴۔ آمنہ بیگم صاحبہ بنت حکیم اللہ بخش صاحب مرحوم۔ ربوہ

۵۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری ولد شیخ امام الدین صاحب مرحوم

۶۔ احمد دین صاحب ولد محمد عارف صاحب منٹگمری

۷۔ اللہ بخش صاحب ولد فتح دین صاحب ڈسکہ کلاں

۸۔ اللہ بخش صاحب ولد میاں غلام رسول صاحب راولپنڈی۔

۹۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ بنت حاکم خاں صاحب ربوہ

۱۰۔ احمد دین صاحب ولد صدر الدین صاحب گکرالی

۱۱۔ الٰہی بخش صاحب ولد جمال دین صاحب شاہدرہ

۱۲۔ اللہ رکھی صاحبہ زوجہ غلام قادر صاحب چک ۲۷۸ شیرکا

۱۳۔ اللہ رکھی صاحبہ والدہ مرزا محمود بیگ صاحب ربوہ

۱۴۔ چوہدری انوار الحق صاحب ولد چوہدری عبدالحق صاحب۔ جودھامل بلڈنگ لاہور۔

۱۵۔ ملک احسان اللہ صاحب مبلغ افریقہ ولد ملک خدا بخش صاحب مرحوم۔ لاہور۔

۱۶۔ امۃ القیوم بیگم صاحبہ بنت چوہدری ہدایت اللہ صاحب اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ۔

۱۷۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ زوجہ منشی عطاء الرحمٰن صاحب۔ فتح جنگ ضلع کیمبلپور۔

۱۸۔ آمنہ بی بی صاحبہ بنت کرم داد صاحب۔ کرتو ضلع شیخوپورہ۔

۱۹۔ مرزا اعظم بیگ صاحب ولد مرزا رسول بیگ صاحب۔ ٹنڈو آدم (سندھ)

۲۰۔ آمنہ بی بی صاحبہ زوجہ قاضی عبدالعزیز صاحب مرحوم۔ ربوہ

۲۱۔ سید امجد علی صاحب ولد سید فضیلت علی شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹ

۲۲۔ احمد علی صاحب ولد چوہدری جان محمد صاحب نصرت آباد اسٹیٹ (سندھ)

۲۳۔ چوہدری اسد اللہ خاں صاحب ولد چوہدری نصر اللہ خاں صاحب مرحوم۔ لاہور

۲۴۔ اللہ دتہ صاحب ولد اللہ جوایا صاحب سدو کے ضلع گجرات۔

۲۵۔ آمنہ بی بی صاحبہ زوجہ مرزا محمد زمان صاحب نوشہرہ ککے زئیاں ضلع سیالکوٹ۔

۲۶۔ اللہ دتہ صاحب ولد علی محمد صاحب بُوٹ میکر

برادر نسبتی محمد احمد صاحب فقیر سائیں۔ ربوہ
۲۷۔ ارشد علی صاحب ایڈووکیٹ سابق بٹالہ حال
سیالکوٹ شہر۔
۲۸۔ پیر بشیر احمد صاحب ولد پیر عبدالرشید صاحب
ماڈل ٹاؤن لاہور۔
۲۹۔ مولوی برکت علی صاحب لائق سابق امیر جماعت
احمدیہ لدھیانہ ولد میاں امام دین صاحب
مرحوم۔ جڑانوالہ
۳۰۔ بشیر احمد صاحب ولد میاں سلطان احمد صاحب
ڈوگری سہریاں ضلع سیالکوٹ۔
۳۱۔ بی بی صاحبہ اہلیہ عبدالرحیم صاحب سندھی
درویش کرونڈی خیرپور میرس سندھ۔
۳۲۔ بیگم بی بی صاحبہ بنت احمد علی صاحب۔ کرونڈی
خیرپور میرس سندھ۔
۳۳۔ بشیر بیگم صاحبہ بنت چوہدری اللہ دتہ صاحب
چک ۸۴ بہاولپور۔
۳۴۔ بیگم بی بی صاحبہ زوجہ عزیزالدین صاحب
کوٹ عبداللہ نبی سر روڈ۔ سندھ
۳۵۔ سردار بشیر احمد صاحب ولد حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن
صاحب مرحوم۔ رسول گجرات۔
۳۶۔ بشریٰ اسداللہ بیگم صاحبہ بنت چوہدری
عبداللہ خاں صاحب مرحوم۔ لاہور
۳۷۔ ثناء اللہ صاحب ولد عبدالحق نور صاحب

کرونڈی خیرپور میرس سندھ۔
۳۸۔ جمال الدین صاحب ولد مولوی فضل دین صاحب
مانگٹ اونچے ضلع گوجرانوالہ۔
۳۹۔ جنت بی بی صاحبہ اہلیہ محمد یوسف صاحب زیروی
چک ۱۰/R ضلع ملتان۔
۴۰۔ جان محمد صاحب ولد سردار محمد صاحب شرقپور
خورد ضلع شیخوپورہ۔
۴۱۔ چراغ بی بی صاحبہ بنت فضل دین صاحب ربوہ
۴۲۔ حبیب اللہ صاحب ولد فتح دین صاحب کرونڈی
خیرپور میرس سندھ۔
۴۳۔ حمیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مرزا اعظم بیگ صاحب
ٹنڈو آدم (سندھ)
۴۴۔ خورشید بیگم صاحبہ زوجہ بشیر احمد صاحب
ٹھیکیدار۔ ربوہ
۴۵۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ولد عبدالرحیم خان
صاحب محلہ رام پور پشاور
۴۶۔ حامد اختر احمد صاحب ولد ڈاکٹر بشیر احمد صاحب
درویش۔ دسوعہ ضلع لائلپور
۴۷۔ مستری دین محمد صاحب ولد امام الدین صاحب
جہلم بڑا بازار۔
۴۸۔ رحمت بی بی صاحبہ اہلیہ فقیر محمد صاحب۔ ربوہ
۴۹۔ ربیعہ خانم صاحبہ بنت قطب الدین صاحب
مرحوم۔ احمد نگر

۵۰۔ مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مبلغ بلادِ عربیہ ولد بابو نور احمد صاحبؓ۔ ربوہ

۵۱۔ رحیم بخش صاحب ولد فتح دین صاحب۔ احمد نگر

۵۲۔ رسول بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری مبارک علی صاحب۔ چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ

۵۳۔ ریشم بی بی صاحبہ بیوہ فتح دین صاحب مرحوم شیخ پور ضلع گجرات۔

۵۴۔ مولانا رحمت علی صاحبؓ مبلغ انڈونیشیا ولد بابا محمد حسن صاحبؓ۔ ربوہ

۵۵۔ رابعہ بی بی صاحبہ اہلیہ اللہ دین صاحب شاہدرہ۔

۵۶۔ رشید بیگم صاحبہ اہلیہ نبی احمد صاحب درویش دیہہ منیر خاں شاہانی خیرپور میرس۔

۵۷۔ رحیمن صاحبہ بنت پھجو صاحب معرفت نور محمد صاحب اہل مد۔ لاہور

۵۸۔ رفیق احمد صاحب برادر اہلیہ شیخ عبد الحمید صاحب عاجز۔ لاہور۔

۵۹۔ رفیق احمد صاحب ولد ملک محمد طفیل صاحب ٹمبر مرچنٹ لاہور

۶۰۔ رضیہ بیگم صاحبہ اہلیہ نواب خاں صاحب درویش۔ ربوہ

۶۱۔ رحمت بی بی صاحبہ بنت صلابت خاں صاحب چک ۹۹ شمالی۔ سرگودھا

۶۲۔ زینب بی بی صاحبہ بنت میاں علی محمد صاحب مرحوم بھیک چندر وڈ کوئٹہ۔

۶۳۔ زینب بی بی صاحبہ بنت عبد الحمید صاحب سید والا ضلع شیخوپورہ۔

۶۴۔ زینب بیگم صاحبہ بنت عبد الخالق صاحب جلیانوالہ۔ گوجرہ۔

۶۵۔ زینب بی بی صاحبہ بنت فضل کریم صاحب شادیوال گجرات۔

۶۶۔ زینب بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری جان محمد صاحب نصرت آباد سٹیٹ۔ سندھ

۶۷۔ بھابی زینب بی بی صاحبہ بنت احمد بخش صاحب ربوہ۔

۶۸۔ سید محمد صاحب ولد چوہدری نواب دین صاحب۔ دھنی دیو چک ۳۳۲ لائلپور

۶۹۔ سلیم حسن صاحب الجابی (الشامی) ولد حسن بصری صاحب۔ ربوہ

۷۰۔ خلیفہ سراج الدین صاحب ولد شیخ قطب الدین صاحب۔ کلاس والا سیالکوٹ

۷۱۔ سکینہ بی بی صاحبہ اہلیہ منشی یعقوب علی صاحب گھنوکے ججہ ضلع سیالکوٹ۔

۷۲۔ سردار بی بی صاحبہ بنت سردار خاں صاحب شادیوال ضلع گجرات۔

۷۳۔ سردار بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری نور احمد

صاحب۔ داتا زید کا۔ سیالکوٹ

۷۴۔ سلطان محمود انور صاحب ولد چوہدری محمد دین صاحب۔ ربوہ۔

۷۵۔ سعد بن ظریف صاحب ولد محمد علی صاحب وکیل۔ پرتاپ سکوئر۔ لاہور

۷۶۔ مسماۃ سادو صاحبہ بنت عبدالکریم صاحب ربوہ۔

۷۷۔ سعید احمد صاحب پسر ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب درویش۔ ربوہ

۷۸۔ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ بھائی شیر محمد صاحب درویش۔ اوکاڑہ

۷۹۔ منشی سلطان عالم صاحب خسر محمد احمد صاحب گجراتی درویش۔ گوٹریالہ گجرات

۸۰۔ ملک شیر محمد صاحب ولد ملک کرم دین صاحب ربوہ۔

۸۱۔ چوہدری شاہ محمد صاحب ولد چوہدری حسن محمد صاحب۔ دھاروالی شیخوپورہ

۸۲۔ شمشیر علی صاحب ولد چوہدری فتح شیر صاحب۔ میانوالی۔

۸۳۔ شریف احمد صاحب ولد چوہدری فضل احمد صاحب۔ ربوہ

۸۴۔ شاہ محمد صاحب ولد عبداللہ صاحب لدھووالی ورکاں شیخوپورہ

۸۵۔ چوہدری شبیر احمد صاحب بی۔اے وکالتِ مال۔ ربوہ

۸۶۔ صدیقہ بیگم صاحبہ اہلیہ محمد عبداللہ صاحب درویش۔ گوجرہ

۸۷۔ صدیقہ بی بی صاحبہ اہلیہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ راولپنڈی

۸۸۔ مستری صلاح الدین صاحب ولد مستری نظام الدین صاحب چانگریاں ضلع سیالکوٹ۔

۸۹۔ طالع بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری عبدالمجید صاحب درویش۔ ربوہ

۹۰۔ عبداللطیف صاحب ولد نور محمد صاحب ربوہ۔

۹۱۔ عالم بی بی صاحبہ اہلیہ جلال دین صاحب درویش۔ ربوہ

۹۲۔ عطا بی بی صاحبہ اہلیہ مولوی فیروز دین صاحب درویش۔ ربوہ

۹۳۔ خلیفہ عبدالرحیم صاحبؓ ولد حضرت خلیفہ نورالدین صاحبؓ جمونی سیالکوٹ

۹۴۔ عبدالرشید صاحب ولد مستری عبدالغفور صاحب درویش۔ ربوہ

۹۵۔ عبدالرشید صاحب ولد اللہ بخش صاحب ریکارڈ کیپر سیالکوٹ

۹۶۔ عبدالسلام صاحب ولد سیٹھ فضل کریم صاحب مرحوم۔ ربوہ۔

۹۷۔ عصمت بیگم صاحبہ بنت مولوی عبدالقادر صاحب۔ ربوہ

۹۸۔ عبیداللہ صاحب ولد چوہدری مہر دین صاحب بھوا دیچک شیخوپورہ

۹۹۔ گیانی عباداللہ صاحب ولد عبدالغفار صاحب گوجرانوالہ۔

۱۰۰۔ عائشہ بی بی صاحبہ اہلیہ حاجی محمد دین صاحب تہال ضلع گجرات۔

۱۰۱۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد نور محمد صاحب چک ۳۶۶ ضلع ملتان۔

۱۰۲۔ عبدالمنان صاحب ولد عبدالکریم صاحب نومسلم۔ ربوہ

۱۰۳۔ عبدالغنی صاحب ولد چراغ دین صاحب چک ۶۶ ضلع منٹگمری۔

۱۰۴۔ عبدالرشید صاحب ارشد ولد عبدالرحمٰن صاحب دکاندار۔ ربوہ

۱۰۵۔ عبدالکریم صاحب ولد جیا صاحب۔ ربوہ

۱۰۶۔ عطاءاللہ صاحب ایم۔اے ولد چوہدری مولا بخش صاحب۔ احمد پور شرقیہ حال خانیوال

۱۰۷۔ مرزا عبدالعزیز صاحب ولد مرزا محمد عبداللہ صاحب۔ فتح پور گجرات

۱۰۸۔ مرزا عبدالرحیم صاحب ولد مرزا محمد عبداللہ صاحب۔ ربوہ

۱۰۹۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد روشن دین صاحب آنبہ ضلع شیخوپورہ۔

۱۱۰۔ عبدالحی صاحب ولد بابو عبدالغفور صاحب لاہور بکس ۳۴۰۔

۱۱۱۔ عبدالرحیم صاحب برادر عبدالسلام صاحب درویش۔ درگانوالی سیالکوٹ۔

۱۱۲۔ عبدالحق صاحب داماد جلال الدین صاحب درویش۔ ربوہ

۱۱۳۔ عبدالحق صاحب رامہ رشتہ دار ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش۔ کراچی

۱۱۴۔ عبدالرحمٰن صاحب پسر عطا محمد صاحب درویش چک ۲۹۵ گ ب لائلپور

۱۱۵۔ عبدالغفار صاحب برادر عبدالستار صاحب درویش خانقاہ ڈوگراں۔

۱۱۶۔ قریشی عبدالرحمٰن صاحب سکھر (سندھ)

۱۱۷۔ عطاءالمنان صاحب قریشی ولد حافظ محمد امین صاحب مرحوم۔ کوئٹہ

۱۱۸۔ عبدالستار صاحب ولد بڈھا صاحب مڑھ بلوچاں شیخوپورہ

۱۱۹۔ سید عبدالحی صاحب ولد سید عبدالمنان صاحب۔ ربوہ

۱۲۰۔ عبدالعزیز صاحب ولد جیون خاں صاحب
ترگڑی۔ گوجرانوالہ

۱۲۱۔ عبدالخالق صاحب مہتہ ولد بھائی عبدالرحمٰن
صاحبؓ قادیانی۔ راب لین کوئٹہ

۱۲۲۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب ڈینٹل سرجن لاہور

۱۲۳۔ غلام محمد صاحب ولد نکھو خاں صاحب
چک ۹۹ شمالی۔ سرگودہا۔

۱۲۴۔ غلام سرور صاحب ولد میاں اللہ رکھا صاحب
رحیم یار خان۔ بہاولپور

۱۲۵۔ غلام بی بی صاحبہ اہلیہ سردار محمد صاحب
بھوادچک ۱۸ شیخوپورہ۔

۱۲۶۔ غلام حیدر صاحب ولد مغل دین صاحب
مانگا ضلع گجرات۔

۱۲۷۔ غلام رسول صاحب ولد سائیں دتہ صاحب
سٹھیالی چک ۶۵ شیخوپورہ۔

۱۲۸۔ ماسٹر غلام محمد صاحب ولد مولا داد صاحب
شادیوال اچھرکا۔ گجرات

۱۲۹۔ ماسٹر غلام محمد صاحب عبد ولد محمد مراد صاحب

۱۳۰۔ صوفی غلام محمد صاحب ولد جھنڈے خاں
صاحب چھور مغلیاں چک ۱۱۷ شیخوپورہ

۱۳۱۔ غلام فاطمہ بی بی صاحبہ بنت رحیم بخش صاحب
خانقاہ ڈوگراں۔

۱۳۲۔ غلام محمد صاحب ولد محمد قاسم صاحب
بھیگووال۔ سیالکوٹ

۱۳۳۔ فقیر محمد صاحب ولد عیدا صاحب۔ ربوہ

۱۳۴۔ سید فضل محمد صاحب ولد سید شاہ نواز
صاحب چک ۳۲۳ انڈی ضلع لائلپور

۱۳۵۔ فاطمہ بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری محمد طفیل
صاحب درویش۔ کوٹ مرزا جان۔ گوجرانوالہ

۱۳۶۔ مولوی فضل دین صاحب ولد کالو خاں صاحب
مرحوم۔ کارخانہ بازار۔ لائلپور

۱۳۷۔ فتح بی بی صاحبہ اہلیہ الٰہی بخش صاحب
کوٹ عبداللہ نبی سرروڈ۔ سندھ

۱۳۸۔ بابو فضل دین صاحب ولد میاں فیروز الدین
صاحب۔ ہائی کورٹ لاہور

۱۳۹۔ فضل احمد صاحب داماد محمد طفیل صاحب
درویش داتہ زیدکا۔

۱۴۰۔ فضل بی بی صاحبہ زوجہ حسن دین صاحب
درویش۔ ربوہ

۱۴۱۔ میاں کتھو صاحب ولد فتح دین صاحب
ملہوکے ضلع سیالکوٹ

۱۴۲۔ کرامت اللہ صاحب برادر محمد دین صاحب
درویش۔ کوہاٹ

۱۴۳۔ لال خاں صاحب ولد احمد خاں صاحب
کھاریاں۔

۱۴۴۔ مرزا لطف الرحمٰن صاحب انور ولد مرزا برکت علی صاحب۔ ربوہ

۱۴۵۔ مہر دین صاحب ولد رسول بخش صاحب ربوہ۔

۱۴۶۔ مہراں بی بی صاحبہ اہلیہ فضل دین صاحب درویش۔ ربوہ

۱۴۷۔ میاں محمد یوسف صاحب (سابق پرائیویٹ سیکرٹری) ولد میاں ہدایت اللہ صاحب لاہور۔

۱۴۸۔ صوفی محمد رفیع صاحب ولد صوفی محمد علی صاحب سکھر (سندھ)

۱۴۹۔ کبیر الدین صاحب صدیقی ولد قمر الدین صاحب صدیقی۔ احمد نگر

۱۵۰۔ کرم داد صاحب ولد جلال دین صاحب کرتو ضلع شیخوپورہ۔

۱۵۱۔ خواجہ محمد عبد اللہ صاحب عرف عبدل ولد خواجہ گلاب دین صاحب۔ ربوہ

۱۵۲۔ مختار احمد صاحب ہاشمی ولد شاہ دین صاحب مرحوم۔ ربوہ

۱۵۳۔ محمد شفیق صاحب قیصر ولد منشی محمد صادق صاحب مختار عام حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ربوہ

۱۵۴۔ سید مسعود احمد صاحب ولد سید منظور احمد صاحب۔ احمد نگر

۱۵۵۔ قریشی محمد یوسف صاحب بریلوی ولد حافظ سخاوت حسین صاحب ترقی جہلم۔

۱۵۶۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم امیر المجاہدین ملکانہ ولد نور محمد صاحب جلیانوالہ لائلپور

۱۵۷۔ ماسٹر محمد یحییٰ صاحب ولد محمد عبد اللہ صاحب سید والا شیخوپورہ۔

۱۵۸۔ محمد جمال صاحب ولد محمد اعظم صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔

۱۵۹۔ ملک محمد دین صاحب ولد ملک محمد جمال صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔

۱۶۰۔ شیخ محمد عمر صاحب ولد ڈی۔ آر۔ شیخ۔ ربوہ

۱۶۱۔ محمد اسمٰعیل صاحب ولد محمد رمضان صاحب ربوہ۔

۱۶۲۔ منصف خاں صاحب ولد فتح محمد خاں صاحب چک ۱۶۵ ضلع منٹگمری۔

۱۶۳۔ بھائی محمود احمد صاحب ولد حکیم پیر بخش صاحب سرگودہا۔

۱۶۴۔ مہتاب بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر برکت اللہ صاحب۔ نئی آبادی گجرات۔

۱۶۵۔ محمد سلیمان صاحب ولد محمد سلطان صاحب لاہور چھاؤنی۔

۱۶۶۔ محمد ابراہیم صاحب رشید ولد چوہدری محمد عبد اللہ صاحب مرحوم۔ دھنی دیو چک ۲۳۲ ر۔ب لائلپور

۱۶۷ - منشی محمد اسمٰعیل صاحب ؓ معتبر ولد مولوی غلام قادر
صاحب مرحوم۔ ربوہ

۱۶۸ - محمد رمضان صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب
کھاریاں ضلع گجرات۔

۱۶۹ - محمد شریف صاحب ولد فضل دین صاحب
رتن باغ - لاہور

۱۷۰ - کرامت اللہ صاحب ولد محمد عباداللہ صاحب
درویش - گوجن

۱۷۱ - معراج سلطانہ صاحبہ اہلیہ بدر دین صاحب
عامل - گنج مغلپورہ لاہور۔

۱۷۲ - محمد بی بی صاحبہ بنت کھیوڑہ صاحب
بدوملہی ضلع سیالکوٹ۔

۱۷۳ - مریم بی بی صاحبہ اہلیہ مستری محمد اسمٰعیل
صاحب - ربوہ

۱۷۴ - قاضی مبارک احمد صاحب ولد قاضی عبدالعزیز
صاحب - ربوہ

۱۷۵ - ڈاکٹر محمد حسن صاحب ولد سید محمد حسین شاہ
صاحب - ننکانہ صاحب۔

۱۷۶ - مریم بیگم صاحبہ بنت علیا صاحب چک ۲۹۵
ضلع لائلپور۔

۱۷۷ - سیدہ ممتاز بیگم صاحبہ اہلیہ سید محمد شریف
صاحب سیالکوٹی - گولی روڈ - لاہور

۱۷۸ - محمد شریف صاحب ننگلی ولد محمد بخش صاحب
جھول چاہ موسیٰ والا - بہاولپور۔

۱۷۹ - محمد اسحٰق صاحب ولد حاجی اللہ بخش صاحب
ربوہ۔

۱۸۰ - مرزا مجید احمد صاحب ولد حضرت مرزا بشیر احمد
صاحب ؓ - ربوہ

۱۸۱ - میر محمود احمد صاحب ناصر ولد حضرت میر محمد اسحٰق
صاحب ؓ - ربوہ

۱۸۲ - قریشی مقبول احمد صاحب مبلغ ولد محمد اسمٰعیل
صاحب ؓ معتبر - ربوہ

۱۸۳ - محمد مالک صاحب ولد شکر الٰہی صاحب
بن باجوہ ضلع سیالکوٹ۔

۱۸۴ - مجید احمد صاحب ولد بھائی شیر محمد صاحب
اوکاڑہ۔

۱۸۵ - مبارکہ بیگم صاحبہ اہلیہ ملک عبدالوحید سلیم
صاحب - گورنمنٹ کوارٹرز لاہور۔

۱۸۶ - چوہدری محمد شریف صاحب ولد نواب محمد دین
صاحب ؓ منٹگمری۔

۱۸۷ - پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ولد خان صاحب
مولوی فرزند علی خاں صاحب ؓ - لاہور

۱۸۸ - چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے تعلیم الاسلام
کالج - لاہور

۱۸۹ - محمد شفیع صاحب پسر فضل احمد صاحب درویش
گھٹیالیاں۔

۱۹۰۔ میاں محمد مراد صاحبؓ والد بشیر احمد صاحب درویش۔ حافظ آباد

۱۹۱۔ مرزا مسعود احمد صاحب برادر مرزا محمود احمد صاحب درویش۔ ربوہ

۱۹۲۔ محمد یوسف صاحب۔ مالو کے بھگت ضلع سیالکوٹ

۱۹۳۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اسلم داماد مولوی فضل دین صاحب مبلغ حیدرآباد دکن۔

۱۹۴۔ مختار بیگم صاحبہ اہلیہ غلام ربانی صاحب درویش۔ دھاروو والی۔ شیخوپورہ

۱۹۵۔ مرزا منظور احمد صاحب ولد مرزا غلام اللہ صاحب مرحوم نسیم آباد اسٹیٹ۔ سندھ

۱۹۶۔ ناصرہ بیگم صاحبہ اہلیہ بشیر احمد صاحب بانگروی۔ ربوہ

۱۹۷۔ نظام الدین صاحب ٹھیکیدار ولد ڈھونڈا صاحب۔ ربوہ

۱۹۸۔ نذیر احمد صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب، گکھڑ ضلع گوجرانوالہ۔

۱۹۹۔ ناصر احمد صاحب ولد ڈاکٹر برکت اللہ صاحب نئی آبادی گجرات۔

۲۰۰۔ ناصر احمد صاحب ابن سراج الدین صاحب موذن درویش۔ کوہاٹ۔

۲۰۱۔ چوہدری نور احمد صاحب ولد چوہدری فتح علی صاحب۔ داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ۔

۲۰۲۔ نواب بی بی صاحبہ والدہ دین محمد صاحب تنگلی بکھووال ضلع لائل پور۔

۲۰۳۔ گیانی مرزا احمد حسین صاحبؓ ولد مرزا حسین بیگ صاحب۔ تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔

۲۰۴۔ ہدایت بی بی صاحبہ زوجہ محمد احمد صاحب فقیر سائیں درویش۔ ربوہ۔

۲۰۵۔ یوسف علی صاحب ولد چوہدری شیر علی خان صاحب۔ مری روڈ۔ راولپنڈی۔

۴۔ تصویر قافلۂ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۴۹ء۔

دائیں سے بائیں۔ نیچے بیٹھنے والے:۔

۱۔ قاضی مبارک احمد صاحب جامعہ احمدیہ (سابق مبلغ افریقہ) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔ مولوی عبدالحکیم صاحب (پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گنج مغلپورہ لاہور) ۸۔(؟) ۹۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم (انچارج غانا مشن) ۱۰۔(؟)

کرسیوں پر بیٹھنے والے:۔

۱۔ منشی عبدالحق صاحبؓ کاتب والد مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین

ربوہ۔ ۲۔مرزا مہتاب بیگ صاحبؓ ناظم درزی خانہ قادیان۔ ۳۔چوہدری نور احمد صاحبؓ (خزانہ صدر انجمن احمدیہ) ۴۔شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ (امیر جماعتِ احمدیہ لاہور) امیر قافلہ۔ ۵۔حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل امیر جماعتِ احمدیہ قادیان۔ ۶۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان۔ ۷۔ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری (مبلغِ سیرالیون و فجی) ۸۔مولانا شیخ مبارک احمد صاحب (رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) ۹۔منشی نور محمد صاحب (ہیڈ کلرک صدر انجمن احمدیہ قادیان)۔

کھڑے قطار نمبر۱ :۔

۱۔ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (امیر المجاہدین ملکانہ) ۲۔ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحبؓ لاہور ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔مرزا محمد حیات صاحب "دواخانہ رفیقِ حیات" قادیان، سیالکوٹ ۶۔(؟) ۷۔خواجہ محمد عبداللہ صاحبؓ کشمیری۔ ۸۔چوہدری فضل احمد صاحب انسپکٹر آف سکولز حال ربوہ۔ ۹۔ (؟) ۱۰۔محمد یعقوب صاحب ننگلی کاتب "الفضل"۔ ۱۱۔ (؟) ۱۲۔(؟)

کھڑے قطار نمبر۲ :۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔میر محمد بخش صاحب امیر جماعتِ احمدیہ گوجرانوالہ۔ ۴۔مہاشہ محمد عمر صاحبؓ فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔ملک محمد شفیع صاحب ۸۔خواجہ عبدالواحد صاحبؓ پہلوان گوجرہ۔ ۹۔گیانی مرزا واحد حسین صاحبؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔ ۱۰۔(؟) ۱۱۔(؟) ۱۲۔چوہدری فیض احمد صاحبؓ چیف انسپکٹر بیت المال ربوہ۔ ۱۳۔(؟)

کھڑے قطار نمبر۳ :۔

۱۔(؟) ۲۔میاں عبدالحمید صاحبؓ آف دارالفتوح قادیان۔ ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔ڈاکٹر محمد احمد صاحب سرساوی "شفا میڈیکل ڈسپنسری" ربوہ) ۷۔میاں مولا بخش صاحبؓ آف رعیہ ضلع امرتسر۔

۵۔ تصویر قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۰ء۔

دائیں سے بائیں نیچے بیٹھنے والے:۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔ماسٹر محمد یحییٰ صاحب بسنیڈ والا (حال دارالیمین ربوہ) ۶۔عبدالرحمٰن صاحب ولد مولوی صدرالدین صاحب دارالیمین ربوہ۔ ۷۔

سردار بشیر احمد صاحب ابن حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ مہر سنگھ۔ ۸۔شیخ عبدالمنان صاحب ولد شیخ احمداللہ صاحب ناگپوری۔ ۹۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب بلانوی (دارالصدر ربوہ)۔ ۱۰۔(؟) ۱۱۔(؟) ۱۲۔(؟)

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے:۔

۱۔چوہدری رستم علی صاحب محمد آباد سندھ ۲۔مولانا نورالحق صاحب انور مبلغ مشرقی افریقہ و امریکہ۔ ۳۔مولانا عنایت اللہ صاحب مبلغ مشرقی افریقہ۔ ۴۔ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل مبلغ اٹلی و افریقہ۔ ۵۔مولانا غلام حسین صاحبؓ ایاز مبلغ سنگاپور۔ ۶۔حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ ۷۔بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ ۸۔صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب (افسر امانت تحریک جدید ربوہ) ابن حضرت مصلح موعودؓ۔ ۹۔شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ امیر قافلہ۔ ۱۰۔حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکیؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ ۱۱۔چوہدری عبداللہ خاں صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ کراچی۔ ۱۲۔مولوی عبدالسلام صاحب عمرؓ (خلف الرشید حضرت خلیفہ اولؓ) لاکھا روڈ سندھ۔ ۱۳۔چوہدری نذیر احمد صاحب آف بھنگواں۔ڈسکہ۔ ۱۴۔(؟) ۱۵۔چوہدری سردار خاں صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ موہلن کے ضلع گوجرانوالہ۔ ۱۶۔ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحبؓ لاہور۔

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لڑکے:۔

۱۔(؟) ۲۔ڈاکٹر عبدالرحیم صاحبؓ دہلوی میانی ضلع سرگودہا (والد صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی افسر حفاظت ربوہ) ۳۔(؟) ۴۔عبدالرحیم صاحب عاقل لاہور۔ ۵۔حکیم محمد صدیق صاحب ربوہ۔ ۶۔ملک محمد الدین صاحب کارکن دفتر آبادی۔ دارالیمن ربوہ۔ ۷۔(؟) ۸۔شیخ خورشید احمد صاحب (اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل ربوہ) ۹۔مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مولوی فاضل ۱۰۔(؟) ۱۱۔(؟) ۱۲۔(؟) ۱۳۔(؟)

کھڑے ہونے والے قطار لڑکے:۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔(؟) ۸۔(؟) ۹۔(؟) ۱۰۔مولوی تاج دین صاحبؓ فاضل لائلپوری ناظم دارالقضاء ربوہ۔ ۱۱۔میاں عطاءاللہ صاحبؓ ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی۔ ۱۲۔ڈاکٹر محمد احمد صاحبؓ (ابن خان میر خاں صاحبؓ خادم خاص حضرت مصلح موعودؓ) ٹل کوہاٹ۔ ۱۳۔(؟) ۱۴۔(؟) ۱۵۔(؟)

کھڑے ہونے والے قطار ۲ :-

شیخ اللہ بخش صاحبؓ پشاور (معاون امور عامہ)

۶۔ فہرست افرادِ قافلہ قادیان ۱۹۵۰ء

۱۔ شیخ اللہ بخش صاحبؓ پشاور۔

۲۔ اللہ دتا صاحب چوہدری والا ضلع لائلپور۔

۳۔ منشی احمد دین صاحب چوکتاں والی ضلع گجرات۔

۴۔ اللہ رکھا صاحب گھٹیالیاں ؟

۵۔ امام دین صاحب شاہکی (شیخوپورہ)

۶۔ شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ لاہور۔

۷۔ بشارت احمد صاحب بھٹی لاہور۔

۸۔ مولوی برکت علی صاحب سیالکوٹ۔

۹۔ حاجی باز خان صاحب۔ لورنگ (گجرات)

۱۰۔ سردار بشیر احمد صاحب۔ رسول (گجرات)

۱۱۔ مولوی تاج دین صاحبؓ۔ ربوہ۔

۱۲۔ ثناء اللہ صاحب۔ لاہور۔

۱۳۔ چوہدری حسن محمد صاحب۔ کوٹ رحمت خاں (شیخوپورہ)۔

۱۴۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب۔ پشاور۔

۱۵۔ رفیق احمد صاحب مظفر۔ کراچی۔

۱۶۔ شیخ خورشید احمد صاحب۔ لاہور

۱۷۔ چوہدری رستم علی صاحب۔ محمود آباد (سندھ)

۱۸۔ سردار خان صاحب۔ چک ۱۴۱ ع بہاولپور۔

۱۹۔ سردار خان صاحب۔ موہلنکی (گوجرانوالہ)

۲۰۔ ملک سردار خان صاحب۔ سیالکوٹ

۲۱۔ سلطان احمد صاحب ماجرا (گجرات)

۲۲۔ سید احمد صاحب۔ لاہور۔

۲۳۔ شاہ دین صاحب۔ ظفر اسٹیٹ (سندھ)

۲۴۔ صفی الرحمٰن صاحب۔ لاہور

۲۵۔ میاں عطاء اللہ صاحبؓ ایڈووکیٹ راولپنڈی۔

۲۶۔ مہتہ عبد الرزاق صاحب۔ کراچی

۲۷۔ عبد المجید صاحب نیاز۔ ربوہ

۲۸۔ عزیز الدین صاحب۔ کنڈی (خیرپور میرس)

۲۹۔ ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب دہلوی میانی (سرگودھا)

۳۰۔ میاں عزیز الدین صاحب محمد آباد (سندھ)

۳۱۔ عنایت اللہ صاحب۔ شیخ پور (گجرات)

۳۲۔ عبد الرشید صاحب۔ گجرات

۳۳۔ مولوی عبد السلام صاحبؓ عمر۔ لاکھا روڈ (سندھ)

۳۴۔ عبد الرحیم صاحب عادل۔ لاہور

۳۵۔ عبد العزیز صاحب بھائی پھیرو (لاہور)

۳۶۔ چوہدری عبد اللہ خان صاحبؓ۔ کراچی

۳۷۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب۔ لاہور

۳۸۔ عبدالرحمٰن صاحب۔ چوہڑکانہ (شیخوپورہ)
۳۹۔ عبدالعزیز صاحب۔ چک سکندر (گجرات)
۴۰۔ عبدالرحمٰن صاحب چک ۳۶۶ ملتان
۴۱۔ چوہدری عبدالستار صاحب۔ درگانوالی (سیالکوٹ)
۴۲۔ غلام قادر صاحب چک شیرکا (لائلپور)
۴۳۔ چوہدری غلام محمد صاحب چک ۹۹ سرگودہا
۴۴۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب۔ لاہور
۴۵۔ چوہدری غلام محمد صاحب لقاپور (گوجرانوالہ)
۴۶۔ چوہدری غلام قادر صاحب چیمہ چک ۴۲/۸ بہاولپور۔
۴۷۔ چوہدری غلام محمد صاحب۔ ظفر اسٹیٹ (سندھ)
۴۸۔ مولوی غلام حسین صاحبؓ ایاز۔ ربوہ
۴۹۔ چوہدری غلام محمد صاحب (سندھ)
۵۰۔ فقیر محمد صاحب چک ۹۶ لائلپور۔
۵۱۔ فتح دین صاحب۔ شمس آباد لاہور
۵۲۔ بابو قاسم دین صاحب۔ سیالکوٹ شہر
۵۳۔ سیٹھ محمد ابراہیم صاحب۔ راولپنڈی
۵۴۔ مہاشہ محمد عمر صاحبؓ۔ ربوہ
۵۵۔ سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ربوہ
۵۶۔ چوہدری مظفر علی صاحب۔
۵۷۔ میراں بخش صاحب۔ سوک کلاں (گجرات)
۵۸۔ قریشی محمد کریم صاحب۔ راولپنڈی
۵۹۔ میاں محمد مراد صاحب۔ حافظ آباد
۶۰۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحبؓ ابن خان بہر صاحبؓ ٹل (کوہاٹ)
۶۱۔ حکیم محمد صدیق صاحب۔ لاہور
۶۲۔ محمد دین صاحب۔ نصیرہ (گجرات)
۶۳۔ ماسٹر محمد یحییٰ صاحب رسید والا (شیخوپورہ)
۶۴۔ شیخ منیر احمد صاحب۔ لاہور
۶۵۔ محمد دین صاحب۔ ککرالی (گجرات)
۶۶۔ محمد عبداللہ صاحب۔ چک ۱۰۱ لائلپور
۶۷۔ ملک محمد دین صاحب خادم۔ ربوہ
۶۸۔ میاں محمد دین صاحب۔ ڈسکہ
۶۹۔ محمد سلیمان صاحب چک ۲۹۵ لائلپور
۷۰۔ محمد عبداللہ صاحب۔ ربوہ
۷۱۔ چوہدری مہر دین صاحب۔ گوجرانوالہ
۷۲۔ محمد دین صاحب چک ۴۶ سرگودہا۔
۷۳۔ محمد شفیع صاحب۔ شیخ پور ضلع گجرات
۷۴۔ میاں محمد رمضان صاحب۔ توگڑی ضلع گوجرانوالہ۔
۷۵۔ محمد عبداللہ صاحب کھاریاں (گجرات)
۷۶۔ چوہدری محمد شریف صاحب۔ کوٹ نیناں (سیالکوٹ)
۷۷۔ محمد اسلم صاحب۔ احمد نگر (جھنگ)
۷۸۔ ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحبؓ۔ لاہور۔

۷۹۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب رضی اللہ عنہ خلیل ۔ ربوہ

۸۰۔ مبشر احمد صاحب راجیکی ۔ پشاور

۸۱۔ چوہدری نذیر احمد صاحب آف بھنگواں ڈسکہ

۸۲۔ مستری نظام الدین صاحب چانگریاں (سیالکوٹ)

۸۳۔ چوہدری نور احمد صاحب چیمہ ۔ داتا زید کا ضلع سیالکوٹ ۔

۸۴۔ صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب ۔ ربوہ

۸۵۔ مرزا نور احمد صاحب ۔ نسو والی (گجرات)

۸۶۔ مستری ناظر دین صاحب ۔ احمد نگر ضلع جھنگ

۸۷۔ مولوی نور الحق صاحب انور ۔ ربوہ

۸۸۔ مرزا واحد حسین صاحب ۔ ربوہ

۸۹۔ مولوی عمر دین صاحب ۔ شادیوال (گجرات)

(مستورات)

۱۔ اہلیہ سید محمد شریف صاحب ۔ کراچی

۲۔ امۃ السمیع صاحبہ اہلیہ مرزا عبداللطیف صاحب درویش ۔

۳۔ امینہ بی بی صاحبہ اہلیہ مہر دین صاحب فیروز والا (گوجرانوالہ)

۴۔ عصمت بیگم صاحبہ بیوہ شاہ دین صاحب موسے والا ضلع سیالکوٹ ۔

۵۔ عائشہ بی بی صاحبہ زوجہ محمد صادق صاحب چک نمبر ۱۳۲ سرگودہا ۔

۶۔ کرم بی بی صاحبہ زوجہ محمد اسمٰعیل صاحب ربوہ

۷۔ مہتاب بی بی صاحبہ زوجہ محمد بخش صاحب ناصر آباد (سندھ)

۸۔ محمد بی بی صاحبہ والدہ عطاء اللہ صاحب میانوالی (سیالکوٹ)

۹۔ مبارکہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب (گولبازار ۔ ربوہ)

۱۰۔ مہراں بی بی صاحبہ زوجہ فضل دین صاحب درویش ۔ ربوہ

۱۱۔ خانم بی بی صاحبہ زوجہ رحمت خاں صاحب چوکنانوالی (گجرات)

(مرتبہ مختار احمد صاحب ہاشمی انچارج دفتر خدمت درویشاں ربوہ)

۷۔ تصویر قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۲ء ۔

دائیں سے بائیں نیچے بیٹھنے والے قطار ۱ :-

۱۔ عبداللطیف اسلم صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ ۔ ۲۔ (؟) ۳۔ مرزا کرامت اللہ صاحب گنج مغلپورہ ۔ ۴۔ (؟) ۵۔ عبدالسلام صاحب ٹیلر ماسٹر گولبازار ربوہ ۔ ۶۔ میاں غلام محمد صاحب زرگر سیالکوٹ ۔ ۷۔ (؟) ۸۔ (؟) ۹۔ (؟) ۱۰۔ میاں اللہ دتہ صاحب

بدوملہی والے۔ ۱۱۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحبؓ والد خلیل احمد صاحب حلوائی گولبازار ربوہ۔ ۱۲۔ نذیر احمد صاحب دارالیمن ربوہ۔ ۱۳۔ ملک شیر محمد صاحبؓ دارالیمن ربوہ۔ ۱۴۔ عبدالغفار صاحب جلد ساز ابن اللہ بخش صاحب ٹھیکیدار دارالنصر ربوہ۔ ۱۵۔ (؟)

نیچے بیٹھنے والے قطار ۲:۔

۱۔ (؟) ۲۔ انوار الحق صاحب (اموریؒ) ربوہ۔ ۳۔ (؟) ۴۔ سید سعید احمد صاحب جامعہ احمدیہ۔ واربرٹن۔ ۵۔ (؟)

۶۔ بابو قریشی محمد اسمٰعیل صاحبؓ معتبر آڈیٹر تحریک جدید۔ ۷۔ میاں محمد یوسف صاحبؓ (پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) ۸۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب مبلغ چین۔ ۹۔ ملک احسان اللہ صاحب مبلغ افریقہ۔ ۱۰۔ قریشی محمد یوسف صاحب بریلوی۔ دار الصدر۔ ربوہ۔

۱۱۔ (؟) ۱۲۔ (؟) ۱۳۔ قاضی مبارک احمد صاحب شاہد جامعہ احمدیہ (مبلغ مغربی افریقہ) ۱۴۔ چوہدری نظام الدین صاحب دارالیمن ربوہ

۱۵۔ (؟) ۱۶۔ (؟)

نیچے بیٹھنے والے قطار ۳:۔

۱۔ (؟) ۲۔ (؟) ۳۔ (؟)

۴۔ ماسٹر غلام محمد صاحب عبدؔ حافظ آباد۔ ۵۔ میاں محمد مراد صاحبؓ آف پنڈی بھٹیاں۔ حافظ آباد۔

۶۔ سردار بشارت احمد صاحب ابن حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ مہر سنگھ۔ ۷۔ میاں عبدالحق صاحب رامہ بی۔ اے (سابق ناظر بیت المال ربوہ) ۸۔ چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ ۹۔ مولوی برکت علی صاحب لائقؔ لدھیانوی۔ ۱۰۔ بابو فضل دین صاحبؓ سیالکوٹ۔ ۱۱۔ السید سلیم الجابی۔ شام۔ ۱۲۔ (؟) ۱۳۔ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالدؔ تعلیم الاسلام کالج (حال ناظر بیت المال ربوہ و پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) ۱۴۔ (؟) ۱۵۔ (؟)

۱۶۔ چوہدری محمد شریف احمد صاحب گجراتی (ابن چوہدری فضل احمد صاحب انسپکٹر مدارس دارالرحمت ربوہ) ۱۷۔ (کھڑے) مولوی سید عبدالحی صاحب کشمیری فاضل شاہد (دفتر نظارت اشاعت لٹریچر وتصنیف ربوہ) ۱۸۔ میاں اللہ بخش صاحب حجام۔ ڈسکہ۔

کھڑے ہونے والے قطار ۱:۔

۱۔ (؟) ۲۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ ۳۔ (؟)

۴۔ (؟) ۵۔ (؟) ۶۔ (؟) ۷۔ مولانا رشید احمد صاحب چغتائی مبلغ بلادِ عربیہ۔

۸۔ قریشی عبدالرحمٰن صاحب سکھر (ناظم اعلیٰ انصار اللہ

صوبہ سندھ وامیر ضلع سکھر و حیدرآباد ۹-(؟) ۱۰-
ڈاکٹر محمد جی صاحب ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر۔ ۱۱-
مہاشہ محمد عمر صاحبؓ مبلغ سلسلہ۔ ۱۲-صوفی
محمد رفیع صاحبؓ ڈی۔ ایس۔ پی سکھر۔ ۱۳-
مستری دین محمد صاحب (آف دارالفتوح قادیان)
جہلم۔ ۱۴-حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ
رئیس التبلیغ انڈونیشیا۔ ۱۵-ڈاکٹر بھائی
محمود احمد صاحبؓ سرگودہا۔ ۱۶-جھنڈا عبدالخالق
صاحب (ابن حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی)
۱۷-(؟)

کھڑے ہونے والے قطار ۲ :-

۱-چوہدری عبدالرحمٰن صاحب چک نمبر ۳۶۶
ضلع ملتان۔ ۲-(؟) ۳-سید
امجد علی شاہ صاحبؓ سیالکوٹ۔ ۴-مختار احمد
صاحب ہاشمی (حال انچارج دفتر خدمتِ درویشاں)
ربوہ۔ ۵-(؟) ۶-(؟) ۷-حکیم
عبدالرحمٰن صاحب آنبہ ضلع شیخوپورہ۔ ۸-
سید احمد صاحب لاہور۔ ۹-چوہدری
محمد شریف صاحبؓ وکیل امیر جماعت احمدیہ منٹگمری
(ساہیوال) ۱۰-مولوی خلیل الرحمٰن صاحب
مولوی فاضل۔ پشاور۔ ۱۱-ملک عبدالکریم
صاحب آف نرگڑھی۔ ۱۲-گیانی مرزا
واحد حسین صاحبؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ تلونڈی
راہوالی۔ ۱۳-خواجہ عبداللہ صاحبؓ کشمیری
ربوہ۔ ۱۴-(؟) ۱۵-(؟)

کھڑے ہونے والے قطار ۳ :-

۱-(؟) ۲-ڈاکٹر عبدالحق صاحب
ڈینٹل سرجن لاہور ۳-(؟) ۴-چوہدری
محمد علی صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔
(حال پرنسپل کالج) ۵-سید میر محمود احمد
صاحب ناصر (پروفیسر جامعہ احمدیہ) ۶-
(؟) ۷-(؟) ۸-کبیر الدین صاحب
جامعہ احمدیہ۔ حال کراچی۔ ۹-مرزا منظور احمد
صاحب مُغل آف قادیان (حال ربوہ) ۱۰-(؟)
۱۱-(؟) ۱۲-(؟)

کھڑے ہونے والے قطار ۴ :-

۱-(؟) ۲-(؟) ۳-(؟)
۴-مولوی فضل دین صاحب بنگوی سیکرٹری وصایا
لائلپور (حال ربوہ) ۵-مرزا لطف الرحمٰن
صاحب مبلغ جرمنی۔ ۶-(؟) ۷-ماسٹر
محمد یحییٰ صاحب سید والا (حال دارالیمن ربوہ)
۸-(؟) ۹-(؟) ۱۰-(؟) ۱۱-
عبدالحی صاحب۔ ۱۲-(؟) ۱۳-قریشی
مقبول احمد صاحب سابق مبلغ امریکہ (ابن قریشی
محمد اسمٰعیل صاحب معتبرؓ)۔

کھڑے ہونے والے آخری قطار :-

۱۔ (؟) ۲۔ (؟) ۳۔ چوہدری عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ (حال نائب ناظر بیت المال ربوہ)۔

۸۔ حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوبِ گرامی (متعلقہ صفحہ ۲۰۲)

(سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ۲۵ نومبر ۱۹۲۲ء کو ریلوے انجنیئرنگ کی ٹریننگ کے لئے قادیان سے بیرون ملک روانہ ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس موقع پر انہیں اپنے قلم مبارک سے حسبِ ذیل نصائح تحریر فرمائیں):۔

عزیزم مکرم

السلام علیکم۔ [crossed out] اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو چند باتوں کو اگر یاد رکھیں تو انشاءاللہ فائدہ ہوگا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں وہ بہت بڑا کارساز ہے۔ ہم نے خود اس کی قدرت کو دیکھا ہے اور ساری دنیا کے انکار بھی اپنی آنکھوں کے دیکھے ہوئے منظر کا انکار نہیں کر سکتے۔ دعائیں کرتے رہیں سفر کی مشکلات ہوتی ہیں ایسے وقت میں اسی سے رجوع کریں اس سے زیادہ محبت کرنے والا کوئی نہیں رشتہ داروں عزیز محبوبوں سے بہت بڑھ کر وہ خبر گیری کرتا

۲- نمازوں میں سستی نہ ہو ایک نماز رہ جائے تو پھر اس
کا پورا کرنا نہایت مشکل ہے ۔

۳- اسباب کو مد نظر رکھیں کہ بار بار ایک انسان دوسروں کی
نظروں سے نیچے ہو جاتا ہے لوگ اسکو کم نگاہ سے دیکھتے اسلئے ایسے ہو کر
رہیں کہ لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے بلکہ محسوس کریں کہ اس شخص
نے ایک نمایاں نمونہ دکھایا ہے۔ یہ بے شک ایک ظاہر ہے مگر بہت سے
ظاہر باطن کے مددگار ہوتے ہیں

۴- اپنی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ رکھیں

۵- اگر جنگ وغیرہ کا کوئی حادثہ ہو تو سید ولی اللہ شاہ کی طرح
اپنے والدین کو تکلیف کا شکار نہ بنائیں بلکہ فوراً آئرلینڈ چلے جاویں
یا کسی ایسے ملک میں جیسے سوئٹزرلینڈ کہ جہاں جنگ نہ ہو تعلیم باقی
انگلستان میں ہو سکتی ہے ایسے خطرناک مقامات پر رہنا

کا سبب علم کا کام نہیں

۶۔ احمدیوں سے دیگر ان زیادہ میل جول رکھنا چاہئے خواہ ادنیٰ تعلیم کے ہوں یا ایسے مذاق مختلف ہوں جب تک عصبیت نہ ہو اور اپنوں اور دوسروں میں فرق نہ ہو وہ کامل اتحاد پیدا نہیں ہوتا جس سے قومیں ترقی کرتی ہیں

۷۔ علم کے لئے قرآن کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کی کتب کی تلاوت نہایت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ مقصد میں کامیاب کرکے لاوے اور سب لوگوں کے لئے موجب خوشی بناوے آمین۔ خاکسار
مرزا محمود احمد

برلن میں محمد الحق امرتسری ایم اے سابقہ دفتر ڈاک سے یہیں لکھ کر مشورہ میں باوسٹا
ایک خط سید عبدالجبار کے نام سید ولی اللہ شاہ صاحب کے ذریعہ
مرزا محمود احمد

ــ: ملــحق :ــ
(متعلقه صفحه ۳۰۳ تا ۳۲۳)

مفتي الديار المصرية يقول أن ظفرالله خان كافر

القاهرة - نشر الشيخ محمد حسنين مخلوف ، مفتي الديار المصرية ، بياناً في الصحف المصرية أعلن فيه بأن السيد ظفرالله خان ، وزير خارجية الباكستان ، غير مسلم بل كافر لأنه ينتمي إلى طائفة خاصة في الباكستان لا تؤمن بأن النبي محمد هو خاتم الانبياء ، بل تعتقد بأنه سيطلع أنبياء آخرون في الاسلام .

وقد أدى هذا البيان إلى هياج الخواطر في الباكستان و مصر ، و طلبت بعض صحف القاهرة إقالة المفتي لأجل ترضية الباكستان ، صديقة مصر . و يحاول بعض الساسة و الصحفيين المصريين التقليل من أهمية بيان المفتي بقولهم إن هــذا كان رأيا شخصيا بحتا . و كان نشر أقوال المفتي مبعث استغراب الحكومة المصرية .

وقد أوضح موظف كبير في المفوضية الباكستانية في القاهرة في صحيفة مصرية حقيقة الطائفة التي ينتمي إليها ظفرالله خان فقال ان ابناء هذه الطائفة لايؤمنون بأنه سيطلع أنبياء بعد محمد لانهم هم ايضا يؤمنون بأن محمدا هو خاتم الانبياء ، إلا أنهم يعتقدون بأنه سيطلع مصلحون آخرون في الاسلام .

ولأجل اصلاح الأمر نشرت صحف القاهرة مقالات فيها كثير من المدائح لظفر الله خان ، المسلم العظيم ، صديق مصر و الشعب المصري . ومما قالته جريدة (المصري) :

"اذا كان ظفرالله خان كافرا فليكثر عدد الكفار من أمثاله في الاسلام ." (اخبار 'اليوم' يافا ١٣ جولائی ١٩٥٢ء)

اخبار 'المصری، کے نمائندہ نے مفتی شیخ حسنین محمد مخلوف سے اس فتوی کی اصل حقیقت کے بارے میں دریافت کیا تو مفتی مذکور نے اپنے فتوی کی وضاحت میں فرمایا ۔

''ان ما نشر ليس بفتوى رسمية وليس لها رقم فى سجل خاص ، و انما هي مجرد حديث دار فى مجلس خاص يتضمن راى فضيلته فى هذه المسألة ،،

(اخبار 'المصری، ۲۳ - جون ۱۹۵۲ء)

تحديد مهمة المفتى
عرض الفتاوى على مجلس الافتاء

علم مندوب ''النداء،، أن شخصية المفتى لم تكن محل بحث إطلاقا ، و إنما عنى المسؤلون ببحث حدود منصب المفتى .

و يشمل هذا البحث تقييد من يشغل هذا المنصب بالحد من الاجتهاد إلا فى الحدود الرسمية وبناءاً على الطلبات التى تصل إلى دارالافتاء على أن لاتصدر فتوى إلا بعد عرضها على مجلس الافتاء المكون من ائمة المذاهب الأربعة ... ،،

(اخبار 'النداء ، المصری ۱ جولائی ۱۹۵۲ء)

یو این او میں مصری نمائنیدہ نے اخبار 'الاعرام، مصری کے ساتھ گفتگو کے دوران فرمایا ۔

مواقف يفخر بها الشرق

و تحدث أحد ممثلى مصر فى الجمعيات العمومية لهيئة الأمم المتحدة عن مواقف يفخربها الشرق كلها وقفها السيد ظفرالله خان وزير خارجية الباكستان ، فى الجمعية العمومية لأمم المتحدة عام ۱۹۴۷ء

القى عن فلسطين الشهيدة خطبة استغرقت ثلاث ساعات كاملة لم يتناول خلالها جرعة ماء واحدة ، ولم يسكت عن الكلام لحظة واحدة وأثبت بها قوة ايمانه بالدين الاسلامى و بالوطن العربى ، ولقد بكى واستبكى تحت عبارات قوية فى معناها و رصينة فى مبناها ، و شهد له الجميع بأنه رجل عظيم ، مسلم كريم ، وطنى صميم ، سياسى حكيم و متمكن من اللغة الانجليزية كأحد أبنائها من العلماء الافذاذ .

وقال هذا القانونى الكبير ان السيد ظفرالله خان الرجل الوفور ذا اللحية المكتثة أخذته نشوة فرح لا توصف بانتصار الدول العربية و مؤيديها فى قضية ليبيا أمام الجمعية العمومية لأمم المتحدة عام ١٩٤٩ ، وقال بصوت مسموع للجميع ان سروره لا يقدر بانتصار قضية ليبيا العربية و كذلك كان دفاعه مجيدا عن طرابلس . . . ،،

(اخبار ,,الاهرام،، المصرى ٢٧ جون ١٩٥٢)

عزام باشا يقول : ظفرالله خان رجل مسلم ورأى المفتى لا يخرج أحدا من دينه

جريده الاخبار کے نمائیندہ نے جناب عبدالرحمن عزام پاشا سیکرٹری جنرل جامعہ عربیہ سے مفتی استاذ شیخ مخلوف کے فتوی کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی جو اس نے قادیانیوں اور ظفراللہ خان صاحب کے بارے میں دیا ہے ۔ تو جناب نے فرمایا ۔

,,عجبت لا عتبار كم رأى المفتى فى القاديانية أو فى معالى وزير خارجية الباكستان محمد ظفرالله خان فتوى دينية لها أثرها ولو كان الأمر كذلك لكانت عقائد الناس و كراماتهم و مستقبلهم رهنا بأراء بعض العلماء .

فالفتوى يجب أن تنصب على حادثة معينة و واضحة وهى بحد

رأى لادين يلزم الناس ، ان الاسلام تنزه عن أن يجعل من العلماء هيئات كهنوتية تفصل وتحرم من رحمة الله .

ولا شك فى أن هذا الرأى هو رأى خاص لا يخرج أحدا من دينه ولا يدخل أحدا فى دين . فمن قال "لا إله إلا الله محمد رسول الله" ، واستقبل قبلة المسلمين فهو مسلم وليس من مصلحة المسلمين فى شئ تكفير طائفة لطائفة بل إن من أحسن مبادئ الاسلام البعد عن التكفير .

و ظفرالله خان رجل مسلم لم نشهد عليه إلا قولا حسنا وعملا حسنا وقد أوتى حظا كبيرا فى الدفاع عن الاسلام فى مشارق الارض و مغاربها وله مواقف دولية مشهودة دفاعا عن الاسلام قدرها الناس و شكره المسلمون . وهو كذلك من اكفأ رجال الاسلام لتولى الشئون التى تولاها فى مصر وفى الدولة العثمانية ايام الخلافة وفى دول غيرها فى تاريخ المسلمين رجال ينتسبون إلى أديان مخالفة للاسلام ومع ذلك لم يعترض أحد باسم الدين على توليهم هذه المناصب و بذلك يعتبر كلام المفتى فى هذا الشأن رأيا شخصيا ويتحمل هو وحده مسئوليته "

("الاخبار" المصرى ٢٣ جون ١٩٥٢ء)

اخبار "الجمهور" المصرى لكهتا هے .

" . . . نحب أن نوضح أننا نوافق الدكتور احمد شلبى المدرس بجامعة فؤاد الأول ، فقد أرسل إلينا يقول أن فتوى فضيلة مفتى لديار المصرية كانت خدعة بريطانية و مناورة من الصحف البريطانية التى تصدر فى مصر باللغة العربية و أن المسألة أعمق بكثير مما يتصور الرأى العام .

و الحقيقة الواضحة هى أن الانجليز هالهم موقف السيد ظفرالله خان فى الدفاع عن المسلمين وقضاياهم فى جميع أقطار الأرض وأزعجهم صوته الجرئ من أجل الاسلام و المسلمين وهالهم أن تكون الباكستان يدا قوية تسند قضايا المسلمين فى كل مكان تبارك مصر فتعترف بلقب

ملك مصر و السودان وتصرح على لسان ظفرالله خان بأن الباكستان لن تعترف باسرائيل ولواعترفت بها الجامعة العربيه .

هذا هو ما جعل الانجليز يتربصون لوزير خارجية الباكستان فرسموا هذه المناورة ليحرموا مصر و الشرق من تأييد القطب الباكستانى الكبير ،،

(الجمهور ، المصرى ۲۱ جولائى ۱۹۵۲ء)

اخبار ''المصرى،، نے اپنے ایڈیٹوریل میں لکھا :

'' اعترفت الباكستان ، الدولة الاسلامية الشقيقة بلقب جلالة ملك مصر و السودان .

اعترفت الباكستان بهذا اللقب ، وهى العضو بمجموعة الامم البريطانية الخاضعة للتاج البريطانى .

و كان هذا الاعتراف خطوة جريئة تمت بفضل جهود وزير خارجية الباكستان السيد ظفرالله خان .

و كان هذا صنيعا جديدا ، و مكرمة نبيلة ينبغى لنا أن نقابلها بالشكر ، و الاعتراف بالجميل . . . ولكننا مع ذلك قابلناها بما لم يكن يتوقعه أحد ، إذ أعلن فضيلة مفتى الديار المصرية أن السيد ظفرالله خان كافر ينتحل نحلة باطلة .

و إننا لمشفقون على الموقف الذى يقفه الآن سعادة الدكتور عبدالوهاب عزام بك سفير مصر فى كراتشى و ممثل جلالة ملك مصر والسودان فى الدولة التى اعترفت باللقب مع أنها خاضعة للتاج البريطانى .

و إننا لمشفقون على الموقف الذى يقفه الآن معالى عبدالخالق

حسونه باشا وزير الخارجية المصريـة الذى يعرف بحكم منصبه موقف الباكستان منا و من قضيتنـا ، و يعرف موقف ظفرالله خان من مطالبنـا الوطنية و أمانينا . . .

و مشفقون ايضا على سعادة الدكتور محمد صلاح الدين باشا وزير الخارجية المصرية الأسبق الذى و ثق بظفرالله خان و تلقى منه العون فى هيئة الامم المتحدة .

و مشفقون على محمد على علوبة باشا واحمد خشبة باشا وغيرهما من رجال السياسة ، و رجال العروبة ، و رجال العالم الاسلامى ، الذين يعرفون ظفرالله خان و جهوده فى سبيل مصر و فلسطين و تونس وغيرها من الدول العربية و الاسلامية ، اننا مشفقون على هؤلاء جميعا ، و مشفقون على فضيلـة المفتى إذ أدان رجلا دون محاكمـة ، فـاتهمـه بالكفر و العياذ بالله .

ولسنا نشفق على السيدظفرالله خان ، فسيظل هو هو كما نعرفه ، المدافع عن قضايا الاسلام و الدولة ، و الصديق الحميم لمصر والمصريين . و اذا كان فضيلة المفتى قد اتهمه بالكفر ، فأنعم بظفرالله خان كافرا ، و ما أحوجنا إلى عشرات من أمثاله من الكفار الكبار .

و بعد فما الذى تنوى الحكومة المصرية أن تفعله ؟ ما الاجراء الذى يجب أن تتخذه و ما البيان الذى ينبغى أن تصدره ، وما السياسة التى يجدربها أن تنتهجهـا فى المستقبل حتى لا تخسر مصر أصدقاءها القليلين بسبب بعض كلمات طائشة ، تقال دون روية أو اتزان .

(''المصرى'' ٢٦ جون ١٩٥٢ء)

دکتور ابراهیم لبان بک عمید کلیة دارالعلوم المصری نے اس بارے میں ایک مضمون اخبار ''المصری'' میں شائع کیا - جو درج ذیل ہے -

النحلة القاديانية و ما أعرف عنها

إنى لآسف أشد الأسف أن تنال الدول العربية من شخصية السيد ظفرالله خان وزير خارجيــة الباكستان ، الذى لم يدخر وسعا فى سبيل الذود عن حياضها ، فتفقد بذلك و لاء هــذا النابغة و تضعف من حمية هذا العبقرى و هى أحوج ما تكون إلى شجاعته و بلاغته و دفاعه المجيد عنها فى حومة النضال السياسى الدولى المستعرالاوار .

أما النحلة القاديانية فسأقرر ما أعرفه عنهــا بدقة تامة تاركاً للقارئ أن يصدر عليها حكمه . و لا أقول انى درستها حق دراستها ولكنى مع ذلك لم أكن مقطوع الصلة بها بل كان لى شأن معها .

قابلت المذهب القاديانى بصورة واضحة لأول مرة فى حياتى فى لنـدن فى اثنــاء دراستى هنــاك . و كان أول ما لاحظتــه أن القوم ينقسمون قسمين . فطائفة ترى أن امامهم ''أحمد'' القاديانى لا يعدو أن يكون مصلحا اسلاميا من اولئك المصلحين الذين يبعثهم الله من حين إلى حين ليجددوا شباب الدين .

. . . . أما الطائفة الاخرى فتغلو فى تقدير امامهم و تذهب إلى أنه نبى ، ولها مسجد خاص فى بثنى أحــد أحياء لندن . و قد حملت على هذه الطائفة حملة شعواء فى ذلك الحين فقرروا أن يرسلوا إلى امــام المسجد ليناقشنى فاما أقنعنى أو أفحمتـه ، و قد اجتمعنا للمناقشة بالنادى المصرى، بلندن مرتين ودارالبحث حول نبوة زعيمهم ''أحمد'' القاديانى .

فوجهت نظره إلى أن هــذه الفكرة مخالفة لصريح القرآن فالله يقول ''ما كان محمد أبا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين''

و هذا يقطع الطريق على كل من تحدثه نفسه بالنبوة بعد ظهور الرسول ، و لا أزال أذكر رده إلى الآن ، فقد قرر أنهم كغيرهم من المسلمين يؤمنون برسالة "محمد" و بأن كتابهم هو القرآن الكريم و ليس لهم كتاب سواه و منه يستمدون العقيدة و الشريعة و لكنه فى ما أذكر أصر على فكرة نبوة القاديانى و لما واجهته بالآية سلك سبيل التأويل . فصرح بأنهم لا يمكن أن يعتنقوا عقيدة مخالفة لصرح الكتاب و لكن هذه العقيدة ليست مخالفة للقرآن . فالآية تقول انه خاتم النبيين بالفتح لا خاتمهم بالكسر. وردت الآية إذاً بالفتح و لو جاءت بالكسر لدلت دلالة قاطعة على أنه لا نبي بعد محمد عليه السلام . أما كلمة خاتم التى وردت فى الآية الكريمة فقد ذهب يؤولها تأويلا خاصا يترك الباب مفتوحا لظهور الأنبياء و لا يوصده فى وجه أحد منهم .

ثم شرح بشرح الفرق بين النبى و الرسول و انهم يعتقدون انه لا رسول بعد محمد وان رسالته هى الرسالة الدينية الأخيرة ، و لكنهم يؤمنون ايضا بأنه من الممكن أن يظهر بعده أنبياء تقتصر مهمتهم على إحياء الشريعة وبث الروح فى تعاليمها . وان القاديانى احد اولئك الأنبياء الذين جاؤوا ليحملوا الناس على كتاب ربهم و شريعة نبيهم .

القوم اذاً متأولون لا منكرون جاحدون و حكم المتأول غير حكم الجاحد المنكر .

و فى اعتقادى أنه لايمكن الفصل فى هذه المسألة إلا بعد دراسة علمية مستوعبة لتاريخها و لأصول هذا المذهب العامة و للفروق الرئيسية بينه و بين مذهب أهل السنة .

و من الخير أن يدرس الأزهر النحل الدينية التى ظهرت أخيرا فى بعض الممالك الاسلامية دراسة مستوعبة ليستطيع أن يصدر فى حكمه عليها و تقديره لها عن علم و بصيرة. و قديما كانوا يقولون أن الحكم على الشيء فرع عن تصوره " (المصرى ٢٧ جون ١٩٥٢)

خشبة باشا يستنكر الفتوى

”و صرح لنا سعادة احمد خشبة باشا بأنه فى شدة الألم مما نسب إلى سعادة ظفرالله خان وزير خارجية الباكستان إذ أن سعادته يرى أن الخدمات التى أداها السيد ظفرالله خان للاسلام و العالم العربى عامة و مصر خاصة خدمات جليلة يدين له بها العالم الاسلامى و مصر.

و أضاف سعادته قائلا :

”انه لا يمكن أن ينسى مواقف السيد ظفرالله‌خان بجانب مصر سواء فى دورات الامم المتحدة فى باريس ، أو فى الولايات المتحدة و خاصة عندما رشحت مصر نفسها لمجلس الأمن . و قال سعادة خشبة باشا هذا كله فضلا عن الخدمات التى أداها السيد ظفر الله خان للاسلام و المسلمين و التى لا تحصى ، و لا يمكن إلا أن تكون محل تقدير و اعجاب من الجميع .“

و اختتم حديثه قائلا :

”اننى أشعر بأن فى عنقى ديناً نحو هذا الرجل العظيم الذى أدى خدمات جليلة لبلادى و اننى فى شدة الامتعاض لهذه الفتوى التى أفتيت بصدد هذا الرجل الكبير“

(اخبار ’الزمان، المصرى ۲۵ جون ۱۹۵۲ء)

رئيس المحكمة العليا الأسبق

اخبار ’البلاغ، مصری کے نمائندہ سے انٹرویو کے دوران

قال صاحب الفضيلة الشيخ محمد ابراهيم سالم بك :—

”تسرع منا دون شك أن نحكم على القاديانين بالكفر، و ذلك

لأننا لم تتح لنا بعد وسائل بحث هذا المــذهب و اتجاهاته عن طريق كتب تعرفه و تحدده .

و ما دمنا لم نعرف شيئاً عن هــذا المــذهب فانه يكون من الجرأة و التسرع أن نرى معتنقيــه بالكفر ، فهم هم المسلمون إذن أن يقوم دليل على كفرهم .

على انى أرى ان هناك نواحى تؤيد اسلام الطائفــة القاديانيــة بل تؤيد انهم لا يدعون فرصة تمر إلا و يبــذلون كل مظاهر التأييد للاسلام و المسلمين ، سواء أكان ذلك التــأييــد فى المحافل الدوليــة أم فى غيرها .

من هنا نرى أن الامر المؤلم أن يتهم سعادة السيد ظفرالله خان بالذات بــالكفر و هو من تعرف الرجل المتخلق بخلق الاسلام الحريص على تقاليده و سننه فى كلما يصدر عنه .

ولقد زار السيد ظفرالله خان مصر أكثر من مرة ورأيناه يدافع عن الاسلام و المسلمين و يؤازر قضاياهم، متحمسا لكل ما من شأنه اعلاء كلمة الاسلام و أهلـه ، و ذلك لاشك أن اسلام الرجل اسلاما لاتشوبـه شائبة ،،

(البلاغ المصرى ٢٦ جون ١٩٥٢م)

المفتى الأسبق

وقال صاحب الفضيلة الشيخ علام نصاربك :

،،ليس من الجائز ولامن الهين رمى فرقة من فرق المسلمين بالكفر، ولايوجد من الادلة مايبرر القول بأن القاديانية بالباكستان خرجت عن الاسلام ! ولاأرى التعرض بصفة خاصة لمركز رجل سياسى عظيم كوزير

خارجية الباكستان فى دينه و عقيدته وهو الرجل الذى ينادى بالاسلام دينا ، ويناضل عن الاسلام والمسلمين فى مواقف مشهودة ويجاهر باتباع القرآن ؤ يتمثل به وبأحاديث محمد صلى الله عليه وسلم فى مواقفه و تصريحاته ، ويعتبر الاسلام رابطة عزيزة بين الباكستان ومصر ، والبلاد الاسلامية ، فليس من الحكمة لانصاف الدين أن يتورط أحد فى رميه بالخروج عن الاسلام، وهو يجاهر باسلامه ويعتبره رابطة مقدسة ويبذل نشاطاً ملحوظا فى خدمة الاسلام و الشعوب الاسلامية و يتبين جليا من أقوال عارفيه و أصحابه من كبار رجال المسلمين فى مصر أنهم ينظرون إليه كرجل مسلم يتمسك بآداب الاسلام و قواعده ويتحلى بأخلاقه و مكارمه ، ويحث على اتباعه و التزام أصوله .

ولايجهل المسلمون ما كان فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم حين قتل أحد رجلا فى الحرب بعد أن نطق بالشهادتين لأنه أيقن انه إنما نطق بها هربا من القتل فلامه النبى صلى الله عليه وسلم على فعله ولم يقبل عذره ، و قال هلا شققت عن قلبه .

فيجدر بنا أن نتربث ونتدبر عواقب الأمور، ولانتعجل بالتعرض لرجل كوزير خارجية الباكستان فى دينه و عقيدته وهو يجاهر بالاسلام و يدافع عنه طول حياته ،،

(البلاغ ٢٦ جون ١٩٥٢م)

خطاب مفتوح الى مفتى الديار

ثار حضرة صاحب الفضيلة الشيخ حسنين مخلوف على السيد ظفرالله خان وزير خارجية الباكستان ، واتهمه الاستاذ المفتى ، أفادنا الله منه ولاحرمنا من واسع علمه وفضله ، اتهمه فى النهاية بأنه كافر و زنديق .

ولا أريد أن أتعمق فى اسباب ثورة الاستاذ مفتى الديار، ولا فى اسباب اتهامه للوزير الباكستانى بالكفر و الزندقة ولكنى أود أن أخرج من هذا البحث الضيق إلى بحث أوسع .

كان على الاستاذ المفتى قبل أن يهاجم وزير خارجية الباكستان أن يفرق بين الدين و السياسة .

ثم كان عليه بعد هذا أن يفرق بين المسلم الباكستانى محمد ظفرالله خان و بين الوزير الباكستانى السيد ظفرالله خان .

و وزير أية وزارة ؟

وزارة خارجية !

ثم كان على الأستاذ المفتى أن يعلم شيأ، أو أن يطلب ممن يعلم أن يحيط فضيلته علما بما لا يعلمه فضيلته عن الوزير الباكستانى .

أن ظفرالله خان لم يتوان عن خدمة مصر منذ اعلنت مصر الغاء المعاهدة وفى شهور ديسمبر و يناير و فبراير كنت فى باريس اثناء انعقاد دورة هيئة الامم المتحدة وفى هذه الفترة لمست وعلمت بعض ما حاول ظفرالله خان أن يقوم به من مساع لخدمة القضية المصرية و صدقونى اننى لمست اخلاص هذا الرجل أكثر مما لمست اخلاص بعض رجالات العرب .

ويومها لمس الجميع جهوده و شكروه عليها إلاجريدة واحدة هي الأخبار "اليوم" التى هاجمت ظفراللهخان ذات صباح و بلا مناسبة، ولمصلحة من ؟ كلنا نعلم .

فلنفرض أن ظفراللهخان كافر ، هل انتهى فضيلة المفتى من تعقب كفار مصر وبدأ يتعقب و يحصى كفار البلاد الاخرى .

هل انتهى فضيلته من محاربة الزندقة فى مصر فانتقل إلى محاربتها

فى الخارج. و ألا يجدر بفضيلته أن يهتم قليلا بمصر بلده و بنفسه ، أن فضيلته هو مفتى الاسلام فى مصر ، ومصر حسب الدستور بلد دينه الاسلام ، وفى مرتب فضيلته الذى يتقاضاه كل شهر جانب لا بأس به تحصله الحكومة من الكباريهات و الخمارات، ومهمة الكباريه هى تهيئة الجو للزانى والزانية اللذين لا يرجمان بحجر فى مصر الاسلامية .

على فضيلة المفتى أن يارب هذا أو ذاك أو عليه على الأقل ، و هذا أضعف الايمان ، أن يتنازل عن كل مليم مرتبه يحصل من هزالارداف و البطون والتفاف الساق على الساق .

على فضيلة المفتى أن يحارب هذا أو ذاك قبل أن يحرك علينا الدنيا بلا مناسبة . (النداء ٢٥ جون ١٩٥٢م)

أصبح الابرار كافرين

عبثا يحاول الشيخ مخلوف أن ينفض عن نفسه تراب الاثم الذى اجترحه .. و سواء أسمى خطيئته هذه فتوى أم حديثا ، فقد أحاطت به.. وجعلت تنحيته عن منصبه حتما مفروضا على الدولة..إذا أرادت أن تحترم نفسها .

ولقد آثرنا ألا نعقب على فتوى الشيخ يوم صدورها حتى نعاون الناس على نسيانها . بيد أن الشيخ وهو بسبيل الدفاع عن سقطته راح يمحوالخطأ بالخطأ.. ويكفرعن الضلال بالضلال : والمفتى الذى يعلم أن فى القاديانية ''معتدلين متزنين و يرجو أن يكون ظفرالله خان منهم''

المفتى الذى يعلم ذلك–كما قال فى بيانه المنشور ''بالأخبار'' يوم الخميس–كان واجبا عليه أن يلتزم أبسط قواعد الفقه الاسلامى التى تهيب به أن يتربث و يتأنى قبل أن يخرج الناس من رحمةالله ودينه .

ففضيلته يعلم أن الرسول عليه السلام قال لشاهد ذاته يوم :

أترى هذه الشمس ؟ على مثلها فاشهد ، أو دع .

وهو أيضا يعلم : أن علماء الاسلام و أئمته مجمعون على أن المسلم الذى يساوى احتمال اسلامه واحدا فى المائة لايحكم بكفره . . .

و إذن فما كان ينبغي لرجل وضعته الظروف فى منصب الافتاء أن يسارع إلى تكفير مسلم ، و مسلم عظيم لمجرد خبر صحفى .

وحتى لو كان هناك مالا نعلم ، مما حفز فضيلته إلى اخراج ظفرالله من الاسلام..فقد كان عليه أن يحسن صياغة فتواه ، أو حديثه ، فلا يطالب باكستان بعزل الوزير الزنديق .

ولكن يبدو أن الشيخ لم يقرأ مرسوم تعيينه . فظن نفسه مفتيا لمصر و باكستان معاً..وهكذا أخل بواجبات الزمالة . ولم يحترم حقوق زميل له هناك ، هو مفتى باكستان الذى يعلم عن بلده و وزيره مالا يعلمه الشيخ مخلوف .

على أن للمسألة وجها آخر يفاقم من خطرها ، وتتمادى معه نتائجها..فالقاعدة الاسلامية تقول : من كفر مسلما ، فقد كفر !

و ظفرالله خان ــ بالنسبة لنا ــ مسلم كامل الاسلام حتى نرى كفره رأى العين ، و نعلمه علماليقين .

و مفتى مصر نفسه عاد يعترف بهذا فى بيانه الأخير الذى تمنى فيه أن يكون ظفرالله خان من المعتدلين المتزنين ، الذين لا يستحقون تكفير فضيلته ، ولا يستأهلون رهبوته ولا لعنوته..

ومن ثم نرى أن فضيلة المفتى قد كفر مسلما ومن كفر مسلما فقد كفر ولكم أرجو من القراء أن لا يحسبونى مازحا . فأنا جاد فى تقرير هذه الحقيقة وفى تحمل مسئوليتها .

أما السيد ظفرالله خان فلن يضيره مما حدث شئى وانه ليذكركم قال الناس عن رسوله العظيم ''كاهن..وساحر..وصابى..ومجنون'' .

و إذا كان الرجل الذى يواجه الاستعمار فى جبروت شامخ من

بلاغته و صدقه : و الرجل الذى جعل الله الحق على لسانه وقلبه :

اذا كان هذا الرجل كافرا فان كثير من الابرار يودون على هذا النحو أن يصبحوا كافرين .

خالد محمد خالد

(اليوم ٢٦ جون ١٩٥٢ء)

كلمة المصرى

ظفرالله خان

يطلع قراء "المصرى" فى غير هذا المكان على تصريح لسفير باكستان فى مصر عن تقديره للصحافة المصرية وعلى رأسها "المصرى" الذى استطاع برأيه وبما نشره عن آراء المصريين من أصدقاء باكستان أن يرد عن ظفرالله خان رجل الشرق الكبير ، تلك الدعوى التى ما كان أحد يتوقع أن تصدر ضدالرجل من مصر ومن علمائها الأجلاء .

ولعل باكستان لم تكن تعرف قبل تلك الدعوى أن مصر تكن لها الحب من شغاف القلوب ، و العاطفة الصادقة من أعماق الضمير ، والأخوة الدولية التى تتكون من وحدة الأهداف والمصير ، وقد صدق العرب حين قالوا ! رب ضارة نافعة .

على ان مكانة ظفرالله خان لايقدرها أصدقاء الباكستان من المصريين لأن الرجل من أصدق انصار القضية المصرية فى المحافل الدولية وحسب ، ولا لأن الرجل أحد الرجال العالميين الكبار الذى شغل نفسه و وقته ، بل و وطنه فى سبيل مناصرة الشقيقة مصر ، و مناطحة الاستعمار علنا و جهارا بل لصفات كثيرة تتركز فى الرجل وتجمله يحق من الذين لاتقال فيهم كلمة إلا بقدر و إلا بميزان .

إن ظفرالله خان أحد رجال الدولة الاسلامية القلائل فى العصر الحديث ، بل هو فى الصدارة منهم ! فهو الرجل الذى درس السياسة ولم يسلك سبيله فيها على قواعد سياسية نظرية ، و إنما أخضع ثقافته

السياسية لفكرة القرآن ، و لنظرة الاسلام فى تكوين الدولة وسار بمنهاجه العصرى الفريد الذى يجمع بين آراء العصر ونظرة الاسلام .

و ظفرالله خان ، هو الرجل الـذى درس الاقتصاد ، و وازن ماليـة أمـة كبيرة العـدد ، كبيرة الغايات و الأغراض ، قريبة عهد الانسلاخ من دولاب الاستعمار الاقتصادى ، و لم يقم فى تطبيقه للنظام الاقتصادى على علوم الاقتصاد المجردة ، و إنما هو قد أخضع ثقافته الاقتصادية لتعاليم الاسلام ، و نظرته الشاملة فى بناء الدولة الاسلامية من حيث حقوق الافراد و واجباتهم نحو الدولة ، و موازنة ذلك بحقوق الدولة و واجباتها نحو الأفراد .

و ظفرالله خان ، هو الرجل الذى تسلم راية الدولة و سياسة الباكستان الخارجيـة من رجليهـا الكبيرين ، محمـد على جناح ، و لياقت على خان ، فسار على نهجهمـا الاسلامى ، و رغبتهما فى دفع الدولة الوليدة سياسيا ، العريقـة تاريخاً ، نحو حضارة العصر الحاضر ، مع الابقاء على سمات الدولة الاسلامية ، دينا و تقليدا و تعاليما ، واستطاع الرجل أن يحافظ على منهاج رجلى الباكستان ، بل و يعلى من شانه .

و ما كان لرجالات العالم السياسيين ، فى اوربا و أمريـكا أن يقدروا للرجل قدره ، مجاملة ، أو تظاهرا بالمجاملـة ، و انما لعرفانهم قدره ، و وقوفهم على الثقافة الضاربة من كل الآفاق بوعيه ، و إدراكهم له على أنـه رجل يحمل بين طواياه روح الشرق الكبير ، و فكرة حاضر الدنيا الجديدة التى تنشـد السلام ، مما جعلى الرجل يمثل فكرة الكتلة الثالثة بين الكتلتين المتنازعين .

هذا هو ظفرالله خـان الـذى اتهم بالكفر مع أنه كان يقوم من مقعده فى هيئة الامم إذا حان وقت فرض من فروض الصلاة فيبحث عن مكان منزول فى قاعة الهيئة يركع فيه لله مبتهلا إليه أن ينصرأمة الاسلام ! ،،

(المصرى ٢٧ جون ١٩٥٢ء)

Clarification

Sir, — In your issue of Tuesday the 22nd instant a report of an interview with me has been published. The interviewer Mian Mohammad Shafi is a very experienced and honest person. He has most carefully recorded my replies to his questions and apart from some immaterial discrepancies he has very faithfully reproduced what I said. There has however been some misunderstanding regarding one point. Mian Mohammad Shafi has somehow taken the impression that we are already in possession of definite proofs of the Ahrar getting help from India. What I meant to say was that I had been informed by certain persons that they possessed some proof about the Ahrar getting help from the other side of the border but that I had no power to finally verify it. I also said that we too had some important clues as to some of the Ahrar workers receiving help from certain Indian parties and that we were following up those clues. I added that when we reached some definite conclusions we would put them before the proper authorities at the proper time. It seems that unfortunately I could not express myself clearly on the point and the two things got intermixed with each other.

Mirza B. Mahmud Ahmad
Head of the Ahmadiyya Community

(*The Civil & Military Gazette Lahore, Friday, July 25, 1952, page 3*)

a complete religious freedom. Islamic State in Pakistan, he said : "In an Islamic State there is complete religious freedom. Islam expects even non-Muslims to live up to their religious ideals."

He then emphatically said "I am convinced that the secret hand of India is at the back of the present anti-Ahmadiyya agitation". He had positive proof in his possession and would be prepared to put it before the proper authorities at the proper time.

Question : "Would you like that a convention of Ulema of Islam from all over the world be held to adjudicate upon the issue whether Ahmadis be declared outside the pale of Islam ? "

Answer : Yes provided we are made a party to the proposed convention.

Question : "Suppose by a majority vote you are declared on doctrial basis to be non-Muslims. Will you even then persist in claiming that you are Muslims."

Answer "We will still, continue to be attached to the universal brotherhood of Islam."

The Civil & Military Gazette, Lahore
Tuesday, July 22, 1952 pages 1-3

Government, is it correct to presume that Ahmadis in Government service would owe their first loyalty to you?

Answer: "Loyalty to the Goverment of the day is an article of faith with us. The moment I entered into such conflict which will put to the test the loyalty of Ahmadis in Government service I should be ready to be thrown out of my present position of being the Khalifa." Continuing he said: "We shall never do anything unconstitutional against the Government of the country established by law".

Referring to the country-wide agitation for declaring Ahmadis a minority community, Mirza Sahib said: "I dislike it, not because it is going to do any harm to us, but because it will bring a bad name to Islam." Explaining he added: "We are an internationally-growing community and because of our missionary work we bring lot of kudos to Islam and Muslims. If we are branded a minority community separate from the rest of Muslims, our missionary activities abroad will not be interpreted as an effort on behalf of the Muslim people as a whole but as the work of a distinct religious community. This will also creat an unbridgeable gulf between the Ahmadis and orthodox Muslim."

The shrewd religious leader then posed a question: "What will be the delimiting lines of the proposed Ahmadiyya minority community?" He said that in the event of the authoritative body in Pakistan declaring it as a minority community, he would have no hisitation in issuing a mandate to his followers to drop the label of Ahmadi and call themselves Muslim only.

He said: "The nomeclature of Ahmadi is not a mandatory provision in our religious books. It was only for the sake of showing that the founder had asked his followers to declare themselves as Ahmadis in and during the census operations in his lifetime."

Question: "Suppose the Government declare your Anjuman a political organisation and then bans it, what will be your attitude?" He promptly said: "I will change the name of the Anjuman, but never come into conflict with the Government."

On being asked whether in view of the inter-sectarian conflict on religious issues, he would advocate the establishment of

Agitation India Prompted

Ahmadiyya Chief

Distinctive lable to be given up if necessary

"I am convinced that the secret hand of India is at the back of the present Anti-Ahmadiyya Agitation", declared Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad on sunday in an interview with the London Daily Mail.

He had positive proof in his possession and would be prepared to put it before the proper Authorities at the proper time, he added.

In the event of the authoritative body in Pakistan declaring his community a minority, he would have no hesitation in issuing a mandate to his followers to drop the label of Ahmadi and call themselves Muslims, the Ahmadiyya leader declared.

Sixty-three year old head of the Qadiani branch of the Ahmadiyya Community, Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, in the course of an exclusive interview with Mian Mohd. Shafi of the Daily Mail categorically denied the allegation that he was planning a coup d'etat to seize political power In Pakistan.

He said "Ahmadiyyat is not a political theory. Ours is a religious movement. With the present tension between Ahmadyas and non-Ahmadyas only a mad man can think of seizing political power for Ahmadis".

He added : Even if, for the sake of argument, the tiny Ahmadiyya minority succeeds in getting into the seat of authority by force, it should be prepared to be liquidated the very next day at the hands of the bitterly hostile non-Ahmadis."

Question : In case of a conflict between you and the

Foreign Hand?

Who Directed Karachi Riots

(From 'STAR' Karachi-Man)

Observers here sense some foreign hand behind the sporadic disturbances that greeted the Ahmadia Conference and resulted in several arrests, injuries and much of unpleasantness—a feature which had never defaced Karachi's characteristic calm.

The time of such ugly demonstrations is considered rather significant—immediately after the obviously American-inspired MPO Tamasha had so miserably flopped.

The Americans are very bitter about the way the MPO was ignored and insulted not only by the public and press in Pakistan but also by the Government. Much of it was considered due to the Foreign Minister, Ch. Zafrullah.

The aggrieved Americans could not have got a better opportunity to exploit to induce the public to dislike the Foreign Minister. The Ahmadi Conference is being held almost on the ruins of the MPO—The MPO Pandal is still only in the process of dismantling. And just here in the same Jehangir Park, Chaudhri Zafrullah has had to face perhaps the most-hostile-ever demonstration in his life.

There is increasing evidence of the fact that perhaps the U.S. Offices and missions in this country are ever-playing the part they are entitled to play within the internationally recognised sphere of diplomacy. During the last several weeks U.S. has had to face an increasing stream of not so pleasant comment in the Press, particulary what is considered to be official or semi official.

The spectacle that Karachi has had to witness at the Jehangir Park has been shocking. Never before was such unruliness seen in this city. Tear-gassing and Lathi charges have been practically alien to this town.

What makes it worse is that the occasion was a relgious conference. Apart from the fact that inspiration was, probably foreign, the ugly sight of one conference being disrupted by another hostile camp and police trying in vain to ward off trouble was an insult to the capital of any country.

'STAR' Exclusive. Vol. 2 No. 37, May 24, 1952 Shaban 29, 1371

The Europeans hate Asiatics. As far as Ahmadiyyat goes, I assure you that we—and when I say we, I mean myself and all the Ahmadis who follow me—consider all the people on earth as equals. All of us are equal and have the same powers. I assure you that during my life time I am not going to allow any Ahmadi to adopt this mistaken idea. Just as the Holy Prophet said that he would crush such ideas under his heels, I also assure you that I will also crush such ideas under my heels.

So, go and prove yourself a true Ahmadi. Tell your brothers that you went to Pakistan and Rabwah and found that in Pakistan also there are brothers and you did not see Pakistanis but Africans in different colours and they are looking towards their African brothers as their own kith and kin. I am expecting the same sacrifice from Africans as from any other nation and ask you to preach and convey the message of Islam to every corner of your country.

Rabwah will always look upon you to bring everybody in Gold Coast in the fold of Ahmadiyyat the true Islam, the religion of God."

Extract from "The Nigeria Ahmadiyya Bulletin"
August 1951 (Page 1)

A Great Future For Africa

Following is the concluding part of the speech delivered by Hazrat Khalifatul Masih II, the Supreme Head of the Ahmadiyya Movement at a party arranged by the Khuddamul Ahmadiyya, Rabwah Pakistan in honour of Alhaj Alhasan Atta of the Gold Coast when the Alhaj visited the Headquarters of the Movement to attend the Annual Conference as the representative of the Ahmadiyya Movement, Gold Coast.

"To you Mr. Hasan my special message is that in future—I cannot say near future or distant future—I am reading the writing on the wall that there is a great future for your race. God does not forsake a race for all the times to come. He does it for some time but not for ever. He once gives opportunity to one nation and one continent and then He gives the same opportunity to another nation and continent. Now is your time.** Rest assured your glorious time is fast approaching. People were made to think that yours is an inferior race. I can say about myself that in my younger age, when I used to read English books, I used to think your race as inferior one. But when I grew up and read the traditions and the Holy Quran, I came to know that it was all humbug. God has not made an exception of your people. God mentions all races and nations as equals. When He sends Prophets in the world He gives sufficient intelligence also to the men who are addressed to accept that prophet. If you have not sufficient intelligence, or in other words are an inferior race, then God forbid it is the fault of God who sent a prophet to a people who have no intelligence to accept him. But this is not the case. Islam says Europeans, Americans, Asiatics, Africans and people in far off islands are all equal. All of them have the same power of understanding, learning, memorising and inventing. Americans consider themselves as super men. They even hate Europeans.

** You have been oppressed and ruled for a very long time,

(APPENDIX)

Muslim Leader's Prayer for U.N.O.

Following is an article culled from The Daily Record Baltimore which contains and comments on the message issued by The Supreme Head of the Ahmadiyya Community. If all the members of U.N.O. were to take this message to heart and act accordingly, the world would be changed for the better in no time.

One of the world's outstanding Moslem spiritual leaders has taken far-reaching action with reference to the nine-Point Program for Development of UN loyalty, sponsored by the United Nations Citizenship League. The UNCL has its world headquarters in Baltimore and was founded in this city.

Point 3 of the program is : "Prayers for the U.N. in every house of worship throughout the UN whenever prayers offered for any member Government."

The Khalif of the Ahmadiyya movement in Islam has prepared the following prayer for the United Nations :

"O God ! Guide us unto the right path, the path of those chosen ones of different nations who attained Thy pleasure ! Make our resolve pure ! set right our intentions ! Divest our thoughts of all evil and purge our thoughts from all weakness ! Enable us to sacrifice all our desires and wishes for the sake of the Truth ! Grant us to establish true peace in the world just as Thine chosen ones did ! Preserve us from all actions which incure Thy wrath ! Save us from forgetting in the excitment of action obligations which devolve on us from Thee, and from losing the path which leads to Thee. Ameen."

The Khalif whose headquarters are in Rabwah, Pakistan, has also prepared a statement for the encouragement of the children of the world, with reference to the UNCL's ideal of "a generation the glorious like of which has never been seen on this earth before."

(*The Truth - Nigeria, July, 1952 Vol. 1 No. 8 Page 1*)